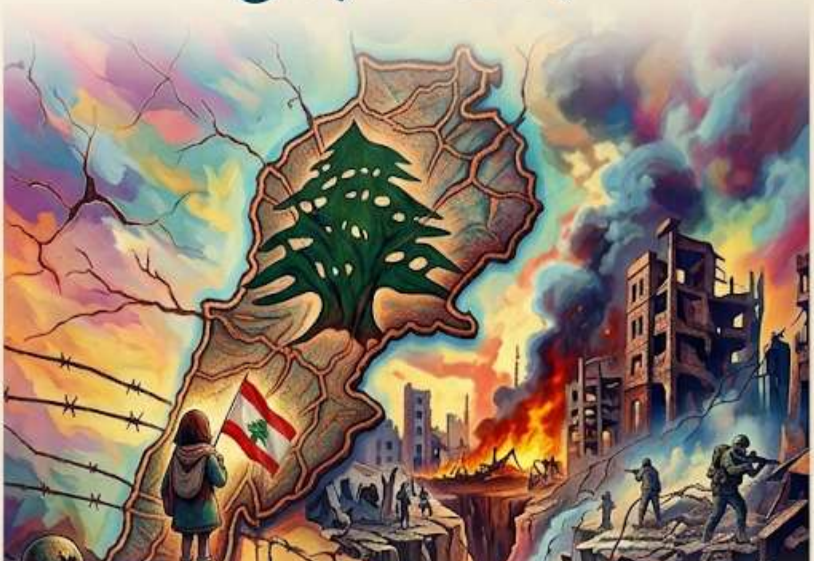
وائے بر قوم

جنگ زدہ لبنان



Pity the Nation: Lebanon at War

مصنف: رابرٹ فِسک

اردو ترجمہ و تدوین | مظہر عباس

حقوقِ اشاعت

اصل تصنیف: Pity the Nation: Lebanon at War — Robert Fisk

پہلی اشاعت: آندرے ڈوئچ لمیٹڈ، برطانیہ، 1990ء

آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس پیپر بیک ایڈیشن، 1991ء

اصل ایڈیشن ISBN: 0-19-285235-3

متن کی تدوین، املا، اوقاف، عنوانات اور حوالہ جاتی صورت کو اس اردو کتابی نسخے میں یکساں کیا گیا ہے۔

مترجم کا نوٹ

رابرٹ فسک کی یہ کتاب محض جنگی واقعات کی تاریخ نہیں، بلکہ ان واقعات کے بیچ موجود انسانوں، یادداشتوں اور صحافت کی اخلاقی ذمہ داری کا بیان ہے۔ ترجمے میں میری بنیادی کوشش یہ رہی ہے کہ فسک کی عینی شہادت، اس کی تیز صحافتی رفتار، اور اس کے اخلاقی اضطراب کو اردو کے فطری، رواں اور باوقار اسلوب میں منتقل کیا جائے۔

کتاب کے مرکزی عنوان ”وائے بر قوم “کے ذریعے اصل انگریزی عنوان ”پٹی دی نیشن “کا مفہوم اردو میں ادا کیا گیا ہے، کیونکہ یہ خلیل جبران کے اس مرثیہ نما اقتباس کی بازگشت بھی محفوظ رکھتا ہے جس سے کتاب اپنا نام لیتی ہے۔ اسی اصول کے تحت ”نو وائٹ فلیگز “کو ”کوئی سفید پرچم نہیں “اور دیگر ابواب کے عنوانات کو مفہومی مطابقت کے ساتھ اردو قالب دیا گیا ہے۔

محاوراتی عنوانات میں لفظی مماثلت کے بجائے اردو قاری کے فوری ادراک کو ترجیح دی گئی۔ چنانچہ ”پنڈورا کی پٹاری “کا عنوان اسی مانوس اردو محاورے میں رکھا گیا ہے؛ ”پٹاری کھلنا “اردو میں چھپی ہوئی آفتوں اور مسلسل نکلنے والی مصیبتوں کا وہی تاثر پیدا کرتا ہے جو اصل عنوان میں مقصود ہے۔

عربی اور لبنانی ناموں، مقامات اور تنظیموں، مثلاً صبرا و شتیلا، عین الحلوہ، امل، فالانج، حزب اللہ، پی ایل او اور یونیفل، کی صورت پوری کتاب میں حتی الامکان یکساں رکھی گئی ہے۔ جن اصطلاحات کا اردو صحافتی استعمال مستحکم ہے، انہی کو ترجیح دی گئی؛ جہاں ضرورت ہوئی وہاں املا کو قاری کی سہولت کے مطابق ہموار کیا گیا۔

فسک کے اقتباسات اور میدانِ جنگ کی آوازیں ترجمے کا حساس ترین حصہ تھیں۔ ٹیری اینڈرسن کے خط میں ”میڈلین، میری محبت، میری جان “جیسی سادہ قربت، صبرا و شتیلا کے بیان میں ”ہمیں

مکھیوں نے بتایا "جیسی ہول ناک اختصاریت، اور شہری تباہی کے مناظر میں فسک کی اخلاقی تندی کو ممکن حد تک اصل اثر کے ساتھ اردو میں برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ نسخہ آکسفرڈ طرز کی کتابی تدوین کے مطابق املا، رموزِ اوقاف، سنین، اقتباسی نشانات، عنوانی درجہ بندی اور حوالہ جاتی یکسانیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ تاہم تمام تعبیرات، انتخابِ الفاظ اور ترجمے کی حتمی ذمہ داری مترجم کی ہے۔

مظہر عباس

پاکستان، 2026ء

کتاب کے بارے میں آرا

"دنیا کے بدصورت ترین جاری تنازعات میں خبر رسانی کرتے ہوئے اس شخص کی محنت، وابستگی اور جرأت دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے؛ اور یہ سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی انسانیت سوز سفاکی دیکھنے کے بعد فسک اب تک پوری ذہنی سلامت روی کے ساتھ لکھ کیسے سکتا ہے۔"

— جان سوینی، لٹریری ریویو

"شاندار ...فسک کی تحریر قاری کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، اور جدید لبنان پر ان کا بیان حالیہ برسوں میں جنگ پر لکھی گئی سب سے دل چسپ کتابوں میں نمایاں ہے۔"

— امنڈا مچیسن، سنڈے کورسپانڈنٹ

"لوگ غیر ملکی نامہ نگار کے زوال کا ماتم کرتے ہیں :سچ کا بے خوف تعاقب کرنے والا، خبر کے ساتھ آخر تک رہنے والا، اور اس کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دینے والا شخص۔ یہ کتاب ثابت کرتی ہے کہ یہ نسل اب بھی زندہ و سلامت ہے—بیروت میں، جہاں

بہت سے دوسرے لوگ مر چکے ہیں۔ اور اس نے اپنے تجربات کا ایک عظیم الشان احوال لکھا ہے۔"

ہیو کینیڈی، اسکاٹس مین —

"وہ اس امر کا تباہ کن گواہ ہے کہ سیاست انسان کو خود اس کی درندگی سے محفوظ رکھنے میں کس طرح ناکام ہوئی۔"

سائمن جینکنز، سنڈے ٹائمز —

اسی مصنف کی دوسری کتابیں

واپسی کا آخری نقطہ :وہ ہڑتال جس نے السٹر میں برطانوی اقتدار کی کمر توڑ دی

زمانۂ جنگ میں :آئرلینڈ، السٹر اور غیر جانب داری کی قیمت، 1939ء تا 1945ء

انتساب

لارا کے نام

وائے بر قوم

افسوس اُس قوم پر جو عقیدوں سے بھری ہو مگر دین سے خالی۔

افسوس اُس قوم پر جو وہ کپڑا پہنتی ہو جسے خود نہ بُنے، وہ روٹی کھاتی ہو جس کی فصل خود نہ کاٹے، اور وہ شراب پیتی ہو جو اس کے اپنے کولھو سے نہ نکلی ہو۔

افسوس اُس قوم پر جو غنڈے کو ہیرو مانے، اور چمکتے دمکتے فاتح کو فیاض سمجھے۔

افسوس اُس قوم پر جو خواب میں جذبے کو حقیر جانے، مگر بیداری میں سرِتسلیم خم کر دے۔

افسوس اُس قوم پر جو جنازے کے سوا کبھی آواز بلند نہ کرے، اپنے کھنڈروں کے سوا کہیں فخر نہ جتائے، اور اس وقت تک بغاوت نہ کرے جب تک اس کی گردن تلوار اور مقتل کے تختے کے درمیان نہ رکھ دی جائے۔

افسوس اُس قوم پر جس کا سیاست دان لومڑی، فلسفی مداری، اور فن محض پیوند کاری اور نقالی کا فن ہو۔

افسوس اُس قوم پر جو نئے حاکم کا نقاروں سے استقبال کرے، اسے طعنوں اور پھبتیوں کے ساتھ رخصت کرے، اور پھر اگلے حاکم کو بھی نقاروں ہی سے خوش آمدید کہے۔

افسوس اُس قوم پر جس کے دانا بڑھاپے سے گونگے ہو چکے ہوں اور جس کے مردانِ کار ابھی گہوارے میں ہوں۔

افسوس اُس قوم پر جو ٹکڑوں میں بٹی ہو اور ہر ٹکڑا خود کو پوری قوم سمجھے۔

خلیل جبران —(باغِ پیغمبر)(لندن :ہائنمن، 1934ء)

فہرستِ ابواب

دیباچہ

1978ء کے موسمِ بہار میں، ایسٹر کے اتوار، جنوبی لبنان کے گاؤں قانا سے باہر ایک بل کھاتی پہاڑی سڑک کے کنارے میں تمباکو کے کھیت میں دو کسانوں سے بات کر رہا تھا کہ اچانک ایک اسرائیلی ٹینک قریب ترین پہاڑی دھار پر نمودار ہوا اور ہم پر گولہ باری شروع کر دی۔ منظر کسی فلم جیسا تھا—اور ایسی جنگ کا پہلا تجربہ عموماً خاصا غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ ہم جھاڑیوں میں جا گرے، جبکہ ہمارے اردگرد نارنجی شعلوں کے بڑے بڑے غبار پھوٹ رہے تھے۔ دھماکے اتنے شدید تھے کہ کئی گھنٹوں تک میرے سر کے اندر درد ہوتا رہا۔

ہمارے پیچھے سفیدے کے ایک چھوٹے سے جھنڈ میں فلسطینی گوریلے عارضی مارٹر چوکی بنا رہے تھے۔ چند منٹ پہلے ہم بے خبری میں ان کے سامنے سے گزرے تھے، یہ جانے بغیر کہ ہم ان کی اگلی دفاعی لکیر عبور کر رہے ہیں۔ قانا کی دھار سے آنے والا ٹینک اسرائیل کی اگلی دفاعی لکیر تھا۔ اس کا عملہ جنہیں "دہشت گرد" سمجھ رہا تھا، ان پر گولیاں برسا رہا تھا—اس زمانے میں اس کا مطلب یہ تھا کہ گاڑی کے سامنے نظر آنے والے ہر انسان کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ دن چڑھے سخت گرمی تھی۔ اس وقت کی میری ٹیپ میں، پہلا گولہ ہماری گاڑی کی طرف سنسناتا ہوا آنے سے چند سیکنڈ پہلے، جھاڑیوں میں جھینگروں کی تیز آواز آج بھی سنائی دیتی ہے۔

ہم اپنی ہیچ بیک میں بدحواسی سے بھاگے؛ پچھلے تختے پر آ گرے کسان گاڑی سے چمٹے ہوئے تھے اور میرا مائیکروفون سینے سے لگا تھا۔ آج اس ٹیپ میں اپنی ہذیانی چیخیں اور دھماکے سنتا ہوں تو اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دیتی ہے—ایک بے ترتیب ڈھول، جس کی رفتار ہر ملی سیکنڈ

کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے—اور گاڑی میں ایسوسی ایٹڈ پریس کا فوٹوگرافر باب ڈیئر اپنے آرمینیائی ساتھی زاون وارتان پر چلا رہا ہے" :زگ زیگ، زگ زیگ "!اس گھبراہٹ اور اس خوف کے حالات کو دوبارہ پیدا کرنا ناممکن ہے۔ اب ریکارڈنگ تقریباً مضحکہ خیز لگتی ہے :میری آواز جنونی چیخ میں بدلتی جاتی ہے، میں گولوں اور سڑک کے موڑ پر گرم فرش سے چیختے ٹائروں کی بے معنی تفصیل اگلتا چلا جاتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ تجربہ دس برس بعد پھر جیا—کیسٹ پلیئر کے ذریعے نہیں، بلکہ ان ہزاروں نوٹوں، یادداشتوں اور رپورٹوں کے ایک ورق کے ذریعے جو میں نے 1976ء سے اب تک لبنان میں سنبھال رکھے تھے۔ مغربی بیروت کے اے پی دفتر پہنچ کر میں نے ٹائمز کے فارن ڈیسک کو ایک مختصر کمپیوٹر پیغام بھیجا، اپنی خبر استعمال کرنے پر زور دیا، اور نہایت ڈرامائی "اعلان سے آغاز کیا" :آج میں مرتے مرتے بچا ہوں۔

مگر ایک اخباری نامہ نگار اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالے؟ ایک خبر—جسے ہم صحافی غلط طور پر "کہانی "کہتے ہیں—لکھنے کی تسکین کے لیے؟ یا اس مضحکہ خیز "اسکوپ "کے لیے جسے اس کے اکثر ساتھی پڑھنا بھی نہ چاہیں؟ یقیناً سنسنی کی تلاش میں نہیں۔ آخرکار اے پی کی تار پر ٹائمز کو بھیجی گئی میری رپورٹ اندر کے صفحے پر دھکیل دی گئی، کیونکہ واشنگٹن سے خبر آ گئی تھی کہ امریکا نے جنگ بندی کرا دی ہے جس نے جنوبی لبنان کی جنگ عارضی طور پر روک دی۔

میرا خیال ہے میں لبنان میں اس لیے تھا کہ ایک غیر واضح سے یقین کے ساتھ خود کو تاریخ کا گواہ سمجھتا تھا—کہ میں اپنی آنکھوں سے ان عظیم واقعات کا ایک چھوٹا سا حصہ دیکھوں گا جنہوں نے دوسری عالمی جنگ کے بعد مشرقِ وسطیٰ کو صورت دی۔ بہترین صورت میں صحافی تاریخ کے کنارے بیٹھتے ہیں، جیسے آتش فشاں کے ماہر دہکتے دہانے کے لب تک چڑھ جائیں، ٹوٹتے کنارے پر گردن بڑھا کر دھویں اور راکھ کے پار اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کریں۔

حکومتیں یقینی بناتی ہیں کہ وہ وہیں رہیں۔ شاید صحافت یہی ہے—یا کم از کم اسے یہی ہونا چاہیے: تاریخ کو دیکھنا، اس کی گواہی دینا، اور پھر خطرات، پابندیوں اور اپنی انسانی کمزوریوں کے باوجود اسے حتی المقدور دیانت سے قلم بند کرنا۔

جامعاتی مؤرخ اپنا کردار مختلف سمجھتے ہیں۔ وہ بنیادی ماخذ، متحارب فریقوں کی دستاویزات، کابینہ اور کمیٹیوں کے اجلاسوں کی روداد، اور میدانِ جنگ کے فوجی سگنل کھنگالتے ہیں۔ سچ کی اس تلاش کی لذت میں سمجھ سکتا ہوں۔ میری پچھلی کتاب، دوسری عالمی جنگ کے دوران آئرلینڈ کی تاریخ، برطانوی اور آئرش محفوظات میں کئی برس کی تحقیق کا ثمر تھی اور اس میں حوالہ جات کے 56 صفحات، دو ضمیمے اور چار صفحات کی کتابیات تھیں۔ مگر مشرقِ وسطیٰ میں فی الحال ایسا دستاویزی ثبوت دستیاب نہیں۔ اسرائیل میں یہودی ریاست کے ابتدائی برسوں پر تحقیق ممکن ہے، لیکن گزشتہ چودہ برس میں لبنان میں اسرائیل کی تباہ کن مداخلت کی معاصر دستاویزات محققین کے لیے بند ہیں۔ 1982ء میں پی ایل او بیروت سے نکلی تو کچھ فائلیں تیونس اور یمن جانے والے جہازوں پر لے گئی؛ چند اسرائیلیوں کے ہاتھ لگیں، اور بیشتر شہر میں اسرائیلی داخلے سے پہلے تباہ کر دی گئیں۔ لبنان سے متعلق شامی ریکارڈ اصولاً دمشق کی قوتلی اسٹریٹ کے آخر میں نئے ریاستی محفوظات کی عظیم عمارت میں ہونا چاہیے، جس کے سامنے حافظ الاسد کا مجسمہ ہے—وہ صدر جو اب بھی عرب دنیا کا ہراول بننا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے، یہ فائلیں عوامی معائنے کے لیے دستیاب نہیں۔

لہٰذا یہ کوئی جامعاتی کتاب نہیں؛ نہ ہی رسمی معنوں میں جنگِ لبنان یا اس میں اسرائیلی مداخلت کی تاریخ ہے۔ زمانی ترتیب کے خواہش مند جوناتھن رینڈل کی "المیۂ لبنان" یا زیف شِف اور ایہود یعاری کی "اسرائیل کی جنگِ لبنان" دیکھیں۔ اس عہد کا سب سے توانا تجزیہ نوم چومسکی کی "مہلک تکون: امریکا، اسرائیل اور فلسطینی" میں ہے—تفصیل اور غصے سے لبریز کتاب، جو نتیجہ

نکالتی ہے کہ جب تک امریکا ایک اسرائیلی اسپارٹا کو تزویراتی اثاثہ سمجھتا رہے گا، مزید جبر، دہشت گردی، جنگ اور ممکنہ طور پر بڑی طاقتوں کے تصادم کا اندیشہ قائم رہے گا۔

ماسکو میں میخائل گورباچوف کا عروج شاید اس آخری تاریک پیش گوئی کو مبالغہ بنا دے، مگر ان کتابوں کے بعد بلادِ شام کا سیاسی بحران مزید گہرا ہوا۔ مقبوضہ مغربی کنارے کی فلسطینی بغاوت نے شاید ان اسرائیلیوں کو بھی 1982ء کے حملے کی بے ثمری سمجھا دی ہو جو لبنان میں پی ایل او کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اسرائیل کی تباہ کن مہم نے لبنان میں جس اسلامی انقلاب کو جنم دیا، اس نے ایسا ہولناک ماحول پیدا کیا کہ کوئی مغربی شہری قتل یا اغوا کے خوف کے بغیر وہاں نہ رہ سکتا تھا۔ میرا ایک نہایت عزیز دوست، ٹیری اینڈرسن—جس نے مجھے یہ کتاب لکھنے کا سب سے زیادہ حوصلہ دیا—16 مارچ 1985ء کو میرے گھر سے کچھ دور یرغمال بنا لیا گیا۔ اس نے چار برس سے زیادہ زیرزمین قید خانوں میں دیواروں سے زنجیر بند، ہر دم پھانسی کی دھمکی سہتے گزارے۔ 1986ء میں کئی دن ایسے آئے جب اغوا کے خوف سے میں مغربی بیروت میں کام پر نوّے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلاتا، یا گھر میں بند رہتا کہ کہیں مجھے بھی دوست کے عذاب میں شریک نہ کر دیا جائے۔

ان تمام تیرہ برسوں میں میں نے صحافی کی میگ پائی جیسی ذخیرہ اندوز جبلت اپنائے رکھی۔ ٹائمز کو بھیجی ہوئی خبریں—کبھی روزانہ تین—ہی نہیں، ہر کمپیوٹر پیغام، یادداشت اور ذاتی نوٹ محفوظ کیا، حتیٰ کہ پرانے کاغذ اور لفافوں پر لکھی سطریں بھی۔ صحافیانہ زندگی کا ملبہ—رپورٹ پہنچنے کی تصدیق مانگتے غصے بھرے ٹیلیکس، عین لڑائی میں لندن سے مقامات کے نام واضح کرنے کی جھنجھلا دینے والی فرمائشیں، اور پیشگی اخراجات کے لیے میری فوری التجائیں—بے مصرف لانڈری کے تھیلوں اور بیروت ایئرپورٹ کے ڈیوٹی فری بیگوں میں ٹھونسی ہوئی تھیں۔ نوٹ بکس، اخباری

تراشے، قارئین کے مہربان اور توہین آمیز خطوط، پریس بیانات اور تصویریں پہاڑوں کی صورت جمع تھیں۔

ان میں کھوج لگاتے ہوئے مجھے عربی میں چھپے بھورے اور گلابی پرچے ملے، جو بیروت کے مردوں کو حکم دیتے تھے کہ اپنی بیویوں اور بچوں کی جان عزیز ہے تو خاندان سمیت گھر چھوڑ دیں—یہ وہی پرچے تھے جو 1982ء میں اسرائیلی جہازوں نے لبنانی دارالحکومت پر گرائے تھے۔ جنوبی لبنان کی نوزائیدہ مزاحمت کے گمنام اشتہار بھی تھے جو مخبروں کو قریب آتی موت سے خبردار کرتے تھے۔ ایک شکستہ شاپنگ بیگ میں پلاسٹک اور فولاد کی کٹی ہوئی ہتھکڑی تھی جس سے اسرائیلی فوجیوں نے صور میں آنکھوں پر پٹی بندھے قیدی کے ہاتھ باندھے تھے۔ اسرائیلی اور شامی گولوں کے ٹکڑے، اسرائیلی کلسٹر بم کے اجزا، اور یو ایس ایس نیو جرسی کے داغے گولے کا بھاری شریپنل بھی محفوظ تھا۔ دوسری عالمی جنگ کا یہ جنگی جہاز سمندر کا طاقت ور ترین بحری وسیلہ تھا، مگر اس کی توپیں لبنان میں اتنی ہی بے اثر نکلیں جتنی اسے بھیجنے والی حکومت کی خارجہ پالیسی۔

بہت سی فائلیں ایرانی انقلاب، افغانستان پر سوویت حملے اور ایران عراق جنگ کی ہیں؛ اسکولی کاپیوں میں فاؤنٹین پین سے محنت سے لکھی میری خبریں بھی۔ لیکن بیشتر کاغذات لبنان کے ہیں، جو ایک دہائی سے زیادہ عرصے میں ایک قوم اور ایک معاشرے کی تباہی درج کرتے ہیں۔ اس کتاب کا بنیادی سرمایہ یہی محفوظات ہیں؛ اسی لیے یہ مؤرخ نہیں، ایک رپورٹر کی تصنیف ہے۔

مددگاروں کی مکمل فہرست تشکرات میں ہے۔ یہ کتاب شاید ٹیری اینڈرسن کے بغیر کبھی نہ لکھی جاتی، جو ان صفحات میں بار بار آتا ہے۔ جب میں لکھ رہا تھا، وہ مغربی بیروت کے زیرزمین قید خانوں میں مایوس پڑا تھا، بیوی کو نہ دیکھ سکنے اور اس بچی کو گود نہ لے سکنے پر روتا جسے صرف

تصویروں میں دیکھا تھا؛ بائبل سے تسکین لیتا اور دو پرانے پھٹے اخباروں سے فرانسیسی سیکھتا۔ کبھی وہ میرے گھر سے ایک میل سے بھی کم فاصلے پر قید تھا۔ وہ "دہشت گرد "کی اصطلاح پر برہم رہتا: یہ تحقیر آمیز لفظ یا تو لبنان کے سب فریقوں پر لگنا چاہیے یا کسی پر نہیں۔ اسی نے مجھے بتایا کہ 1982ء کے حملے میں اسرائیلی وزیر اعظم مناخم بیگن دوسری عالمی جنگ اور ہولوکاسٹ کا ذکر کتنی کثرت سے کرتا تھا۔ اسی سبب، جب ٹیری تہہ خانے میں عذاب سہہ رہا تھا، میں آشوٹز کے مردہ سوز خانوں اور راکھ کے گڑھوں کو دیکھ رہا تھا۔

میں چارلس ڈگلس ہوم کا بھی خصوصی ممنون ہوں، جو جنگِ لبنان میں ٹائمز کے فارن ایڈیٹر اور پھر مدیر رہے، یہاں تک کہ اکتوبر 1985ء میں سرطان سے وفات پا گئے۔ خطرے کے وقت وہ پوری وفاداری سے میرے ساتھ کھڑے رہے اور میری رپورٹیں بدلے بغیر چھاپیں، اگرچہ وہ ٹائمز کے بڑھتے ہوئے دائیں بازو کے اداریوں سے متصادم ہوتیں۔ ٹیری کے اغوا کے بعد بھی ان کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا: اگر میں سمجھتا تھا کہ اخبار کے لیے لبنان کی کوریج ضروری ہے اور خود وہاں رہنے پر تیار تھا، تو مجھے رہنا چاہیے۔ یوں میں مغربی بیروت میں رہا اور اس کتاب کے لیے اس کی داستان قلم بند کرتا رہا۔

ان کے جانشین چارلس ولسن کا بھی احسان مند ہوں۔ 1984ء کے خزاں میں وہ ایک یادگار ہفتے کے لیے لبنان آئے، کوہِ شوف کی ملیشیا چوکیوں میں پیدل پھرے، اسرائیلیوں نے انہیں گرفتار کر کے اپنے لبنانی نائب بندوق برداروں کے حوالے کیا، اور رات کو بیروت کی محاذی لکیر پار کر کے لبنان میں امریکی سفارت خانے پر دوسرے خودکش حملے کی رپورٹ لکھنے میں میری مدد کی۔ وہ روز کہتے" :اگر تم نے یہ سب کتاب میں درج نہ کیا تو تم واقعی احمق ہو۔ "برطانوی دفترِ خارجہ نے انہیں تحکمانہ خط بھیجا کہ میری سلامتی کے لیے مجھے لبنان سے ہٹا لیا جائے، مگر انہوں نے میرے فیصلے کا احترام کیا۔ یہ جرأت مندانہ فیصلہ تھا؛ اگر اغوا ہو جاتا تو جواب دہی ان ہی پر

آتی۔ ٹائمز نیوز پیپرز کا بھی شکریہ کہ اس کتاب میں سلسلۂ مضامین ”ارضِ فلسطین “اور لندن دفتر سے ذاتی مراسلت کے اقتباسات کی اجازت دی۔

ٹائمز، اس کے مدیران یا تشکرات میں مذکور کوئی شخص یہاں ظاہر کیے گئے خیالات کا ذمہ دار نہیں؛ بعض کو ان صفحات پر سخت اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔ اسرائیلی، فلسطینی اور شامی پہلے میری اخباری رپورٹوں پر حملہ کر چکے ہیں، سو اس تحریر کو بھی رد کر سکتے ہیں۔ بیروت میں صحافی ایک بنیادی منطق سے دوچار ہوتا ہے :جنگ کرتی فوجوں—اور ان کی حکومتوں—کو شدید شک، بلکہ بدگمانی سے دیکھنا چاہیے۔ لبنان میں فوجوں اور ملیشیاؤں میں کوئی ”اچھا فریق “نہیں۔

مگر یہ کھلی سیاسی کتاب بھی نہیں۔ اگر کوئی سوال اٹھاتی ہے تو بنیادی طور پر یہ جاننے کی کوشش کرتی ہے کہ لبنان میں میری دیکھی ہوئی چیزیں آخر ہوئیں کیوں۔ ایک معنی میں یہ میرے مشاہدہ کردہ تشدد کی جڑوں کی ذاتی جستجو ہے۔

بہت سے عرب یورپی یہودیوں کو مٹانے کی کوشش پر غور کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ وہ اسرائیلیوں کے لیے ہمدردی پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ اسی طرح بہت سے اسرائیلی ہولوکاسٹ کے حوالے کے بغیر اپنی جنگ کے بعد کی تاریخ بیان نہیں کر سکتے، مگر عرب مصائب سے ہمدردی پر آمادہ نہیں۔ یہ کتاب ایسی جگہ سے شروع ہوتی ہے جو دونوں فریقوں کو الگ الگ وجوہ سے ناموزوں لگ سکتی ہے :لبنان سے نہیں، پولینڈ کی یخ بستگی سے۔

تاہم اس کتاب کے واقعات اور لوگ خود بولتے ہیں؛ نتائج قارئین اخذ کریں۔ میں نہ جواب تجویز کرتا ہوں، نہ حل پیش کرتا ہوں۔

مغربی بیروت، 1989ء

تشکرات

میں لبنانیوں، فلسطینیوں، شامیوں، اسرائیلیوں، یورپیوں اور امریکیوں کا مقروض ہوں۔ کتاب لکھنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے لبنان کے واقعات کی خبر رسانی میں میری مدد کی۔ ان میں لبنان کے سابق صدر مرحوم کامل شمعون، فالانجسٹ رہنما اور منتخب صدر بشیر جمیل—جنہیں ستمبر 1982ء میں قتل کیا گیا—بعلبک کی ''اسلامی امل ''کے حسین موسوی، اور سابق صدرِ لبنان سلیمان فرنجیہ شامل ہیں۔

گزشتہ پانچ برس میں، یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کتاب کی تحقیق اور تحریر کر رہا ہوں، خصوصاً ان افراد نے مدد دی :ٹیری اینڈرسن؛ جنرل فرانکو انگیونی؛ یاسر عرفات؛ نیل ایشرسن؛ اوری ایونری؛ نبیہ بری؛ راجر بوائز؛ لیفٹیننٹ جنرل ولیم کالاہن؛ دانی شمعون؛ ایڈورڈ کوڈی؛ شیمون ڈیٹز؛ مرحوم چارلس ڈگلس ہوم؛ جنرل ایمانوئل ارسکین؛ شہرزاد فرامرزی؛ ولیم فولی؛ مرحوم پیر جمیل؛ کرنل ٹموتھی گیراٹی؛ تیمور گوکسل؛ خوان کارلوس گوموسیو؛ فلپ حبیب؛ مرحوم میجر سعد حداد؛ اردن کے شاہ حسین؛ مرحوم اسکندر احمد اسکندر؛ جیفری کیمپ؛ بریگیڈیئر جنرل غازی کنعان؛ خلیل جرادی؛ کرسٹینا جوئلسن؛ ولید جنبلاط؛ کونسٹنٹین کاپیتانوف؛ محمود خضرا؛ ڈیوڈ کمحی؛ مالگورزاتا کوچنسکا؛ گیری لیبل؛ کرنل جیمز میڈ؛ ڈونلڈ میل؛ فاروق نصار؛ ایلین پاول؛ جوناتھن رینڈل؛ باسم صباغ؛ پیگی سے؛ سابق وزیر اعظم صائب سلام؛ مونا السعید؛ ڈاکٹر امل شمعہ؛ اسرائیلی فضائیہ کے جنرل اسپیکٹر؛ ارلین ٹیٹرو؛ نکولس ٹیٹرو؛ این ٹاڈ؛ کارسٹن تویت؛ ٹیری ویٹ؛ خلیل وزیر)ابو جہاد(؛ چارلس ولسن؛ اور حبیب زیدان۔ آندرے ڈوئچ کے مدیران اسٹیو کاکس اور ایسٹر وٹبی، اور نقشوں کی ڈیزائنر سینڈرا اوکنز کا بھی شکریہ۔

بہت سے لبنانیوں، فلسطینیوں اور شامیوں نے اپنی یادیں سنائیں اور مشورے دیے مگر نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی۔ ان سب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کتاب کے نتائج کی ذمہ داری صرف میری ہے۔

واقعات کا زمانی خاکہ

1860ء

دروز–مسیحی جنگ میں بارہ ہزار مسیحی مارے گئے۔ مارونی برادری کے تحفظ کے لیے فرانسیسی فوج اتری۔

1914ء–1918ء

عظیم جنگ میں شام پر عثمانی اقتدار منہدم؛ لبنان میں بڑے پیمانے پر قحط۔

1920ء

فرانس کو شام و لبنان اور برطانیہ کو فلسطین کا انتداب ملا؛ فرانس نے ریاستِ لبنانِ کبیر قائم کی۔

1936ء

پیر جمیل نے نازی جرمنی کے دورے کے بعد فالانج پارٹی قائم کی۔

1939ء–1945ء

1941ء میں برطانوی اور آزاد فرانسیسی افواج لبنان میں داخل ہوئیں، بیروت کو وِشی افواج سے لیا؛ فرانس نے مکمل آزادی کا وعدہ کیا۔

1946ء

فرانسیسی فوج لبنان سے نکل گئی۔

1948ء

ریاستِ اسرائیل کا قیام؛ فلسطینیوں کی لبنان اور اردن کی طرف ہجرت۔

1958ء

مسلمانوں نے مصری صدر ناصر کی وحدتِ عرب کی اپیل کی حمایت کی تو لبنان میں خانہ جنگی؛ صدر کامل شمعون کی درخواست پر "بین الاقوامی اشتراکیت "روکنے کے آئزن ہاور نظریے کے تحت امریکی میرین بیروت اترے۔

1964ء

تنظیمِ آزادئ فلسطین)پی ایل او (قائم ہوئی۔

1970ء

پی ایل او گوریلے اردن سے نکالے گئے؛ بیروت میں صدر دفتر اور جنوبی لبنان سے اسرائیل پر حملوں میں اضافہ۔

1975ء

فالانجسٹوں کے بیروت میں پی ایل او گوریلوں پر حملے کے بعد مارونی مسیحی۔مسلم خانہ جنگی شروع۔

1976ء

لڑائی شدید؛ مسیحیوں نے قرنطینہ اور تل الزعتر کے فلسطینی، فلسطینیوں نے دامور کے مسیحی باشندے قتل کیے۔ صدر فرنجیہ کی دعوت پر شامی مداخلت؛ فوج لبنان میں داخل ہو کر انتہائی جنوب کے سوا ملک پر قابض۔

1978ء

پی ایل او حملے میں اسرائیلی شہریوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلی فوج نے جنوبی لبنان پر حملہ کیا۔ اقوامِ متحدہ کی یونیفل فوج تعینات؛ اسرائیل نے مقبوضہ جنوبی علاقے میں نائب لبنانی ملیشیا بنائی؛ شامی فوج نے مشرقی بیروت کے مسیحیوں پر گولہ باری کی۔

1980ء–1981ء

جنوبی لبنان میں اسرائیل، اسرائیل نواز ملیشیاؤں اور پی ایل او کے درمیان دشمنی بڑھی۔

1982ء

مسلم انتہا پسند بغاوت کے بعد شامی فوج نے حما کا محاصرہ کیا؛ دس ہزار تک افراد قتل۔ لندن میں اسرائیلی سفیر پر قاتلانہ حملے کے بعد اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا۔ وزیر دفاع ایریل شیرون کے منصوبے کے تحت بقاع میں شامی فوج پر حملہ، مغربی بیروت کا محاصرہ اور پی ایل او و شامیوں کے انخلا کا مطالبہ۔ امریکی، فرانسیسی و اطالوی افواج نے تقریباً گیارہ ہزار پی ایل او افراد کے انخلا کی نگرانی کی؛ فلسطینی عورتیں اور بچے رہ گئے۔ منتخب صدر بشیر جمیل قتل؛ اسرائیلی مغربی بیروت میں داخل اور فالانجسٹ ملیشیا کو صبرا و شتیلا بھیجا، جہاں سینکڑوں شہری قتل ہوئے۔ عالمی احتجاج اور تل ابیب میں مظاہرے؛ اسرائیلی انخلا، کثیر قومی فوج کی واپسی؛ صور میں اسرائیلی فوجی صدر دفتر بڑے دھماکے سے تباہ۔

1983ء

اسلامی جہاد ”کے خودکش بمبار نے امریکی سفارت خانہ تباہ کیا۔ اسرائیلی انخلا کو ” شامی واپسی سے مشروط کرنے والا لبنانی–اسرائیلی معاہدہ؛ شام کا انکار۔ امین جمیل کی سرکاری فوج اور مسلم افواج میں لڑائی۔ اسرائیلی فوج شوف سے صیدا کے شمال تک یک

طرفہ پسپا۔ امریکی جنگی جہازوں کی مسلم علاقوں پر گولہ باری کے بعد فرانسیسی و امریکی فوجی مراکز خودکش حملوں میں تباہ؛ تین سو سے زائد فوجی ہلاک۔ سوئٹزرلینڈ میں پہلی مفاہمتی کانفرنس؛ صور میں اسرائیلی صدر دفتر پھر خودکش حملے کا نشانہ۔

1984ء

لبنانی سرکاری فوج کے انہدام پر کثیر قومی فوج بیروت سے نکلی۔ حافظ الاسد نے امین جمیل کا دمشق میں استقبال کیا؛ دوسری مفاہمتی کانفرنس ناکام۔ مغربی شہریوں کے اغوا، جن میں سی آئی اے اسٹیشن چیف ولیم بکلی بھی تھا، جو تشدد کے بعد مر گیا۔ جنوبی لبنان میں، بالخصوص شیعہ، اسرائیلی قبضے کے خلاف سخت مزاحمت۔

1985ء

اسرائیلی فوج صیدا سے نکلی اور جنوبی دیہات کے خلاف ''آہنی مکے ''کی پالیسی اپنائی۔ بیروت کے شیعہ علاقے میں کار بم سے اسی سے زائد شہری ہلاک؛ بعد میں واشنگٹن میں سی آئی اے کی شمولیت کی خبریں۔ اے پی کے ٹیری اینڈرسن سمیت مزید مغربی اغوا۔ اسرائیلی صور سے نکلے؛ امل نے فلسطینی کیمپوں پر حملہ کیا؛ جنوبی لبنان میں اسرائیلیوں اور اتحادیوں پر مزید خودکش حملے۔

1986ء

امل نے کیمپوں پر حملے پھر شروع کیے؛ مزید مغربی اغوا؛ محاصروں میں سیکڑوں فلسطینی ہلاک۔

1987ء

امریکی یرغمالیوں کی رہائی کی کوشش میں آرچ بشپ آف کنٹربری کے ایلچی ٹیری ویٹ مغربی بیروت میں لاپتا۔ شیعہ–دروز جنگ کے باعث ہزاروں شامی فوجی بیروت لوٹے؛ فلسطینی کیمپوں کا محاصرہ بحال۔

1988ء

پارلیمان نیا صدر منتخب کرنے میں ناکام؛ مغربی اور مشرقی بیروت میں حریف وزرائے اعظم برسرِ اقتدار۔

1989ء

مسیحی لبنانی "وزیر اعظم" جنرل میشل عون نے شامی فوج کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ شامیوں اور لبنانی ملیشیا اتحادیوں نے مشرقی بیروت کا محاصرہ کیا؛ عون نے جنگ ترک کر دی۔

اہم کردار

یاسر عرفات — چیئرمین، تنظیمِ آزادیٔ فلسطین

حافظ الاسد — صدرِ شام

مناخم بیگن — وزیر اعظم اسرائیل

نبیہ بری — امل ملیشیا کے سربراہ اور لبنانی وزیر انصاف

کامل شمعون — سابق صدرِ لبنان، نیشنل لبرل پارٹی کے رہنما

دانی شمعون — سابق صدر کے بیٹے، ٹائیگرز ملیشیا کے رہنما

بریگیڈیئر جنرل رافیل ایتان — اسرائیلی فوج کے چیف آف اسٹاف

سلیمان فرنجیہ — صدرِ لبنان، شامی حلیف

ٹونی فرنجیہ — سلیمان فرنجیہ کے بیٹے

امین جمیل — بشیر جمیل کے قتل کے بعد صدرِ لبنان

بشیر جمیل — فالانج ملیشیا کے سربراہ، منتخب صدرِ لبنان

پیر جمیل — لبنانی فالانج پارٹی اور ملیشیا کے بانی

فلپ حبیب — لبنان میں صدر ریگن کے خصوصی ایلچی

میجر سعد حداد — اسرائیل نواز جنوبی لبنانی فوج کے سربراہ

ایلی حبیقہ — صبرا و شتیلا میں قتلِ عام کرنے والے فالانجسٹوں کے کمانڈر

خلیل جرادی — جنوبی لبنانی مزاحمتی رہنما

کمال جنبلاط — پروگریسو سوشلسٹ پارٹی کے دروز رہنما

ولید جنبلاط — والد کمال کے قتل کے بعد پی ایس پی رہنما

رشید کرامی — وزیر اعظم لبنان

ڈیوڈ کمحی — اسرائیلی وزارتِ خارجہ کے ڈائریکٹر جنرل، سابق موساد سربراہ

حسین موسوی — بعلبک میں اسلامی امل کے رہنما

امام موسیٰ صدر — جنوبی لبنان کی تحریکِ محرومین—بعد ازاں امل—کے رہنما؛ لیبیا میں لاپتا

الیاس سرکیس — صدرِ لبنان

اسحاق شامیر — وزیر خارجہ اسرائیل، بعد میں وزیر اعظم

ایریل شیرون — اسرائیلی وزیر دفاع اور 1982ء کے حملے کے معمار

صحافی

ٹیری اینڈرسن — اے پی بیورو چیف، بیروت

چارلس عاصی — اے پی آفس منیجر، بیروت

آئیون بارنز — ٹائمز کے فارن نیوز ایڈیٹر

ایڈورڈ کوڈی — اے پی نامہ نگار، بعد میں واشنگٹن پوسٹ

چارلس ڈگلس ہوم — مدیر، ٹائمز

شہزاد فرامرزی — اے پی نامہ نگار، بیروت

ولیم فولی — اے پی فوٹوگرافر، بعد میں ٹائم میگزین

فرانسوا غطاس — اے پی چیف ٹیکنیشن

سمیر غطاس — اے پی نامہ نگار

خوان کارلوس گوموسیو — اے پی نامہ نگار، بعد میں سی بی ایس بیورو چیف اور ٹائمز و دیاریو کے رپورٹر 16

اسٹیفن ہنڈی — قاہرہ میں اے پی، بیروت میں تعینات

لورین جینکنز — واشنگٹن پوسٹ نامہ نگار

کونسٹنٹین کاپیتانوف — لتراتورنایا گزیٹا کے بیروت نامہ نگار

گیری لیبل — اے پی نیوز ایڈیٹر

ڈونلڈ میل — اے پی فوٹوگرافر

فاروق نصار — اے پی نامہ نگار

ایلین پاول — اے پی نامہ نگار

جوناتھن رینڈل — واشنگٹن پوسٹ نامہ نگار

زہیر سعدہ — اے پی فوٹو ایڈیٹر

ارلین ٹیٹرو — اے پی نامہ نگار، بعد میں تل ابیب

نکولس ٹیٹرو — اے پی بیورو چیف، بیروت، بعد میں تل ابیب

کلارک ٹاڈ — کینیڈین ٹیلی وژن نامہ نگار

کارسٹن تویت — نارویجین ٹیلی وژن نامہ نگار

کرسٹوفر واکر — ٹائمز کے یروشلم نامہ نگار

چارلس ولسن — ڈگلس ہوم کے بعد مدیر، ٹائمز

نقشوں کی فہرست

۔ منقسم شہر بیروت — مسیحی مشرقی اور مسلم مغربی بیروت کی محاذی لکیر؛ غیر استعمال شدہ 1 ریلوے؛ مساجد، گرجا گھر اور ہسپتال۔

۔ بیروت میں کثیر قومی فوج، 1982ء تا 1984ء — فرانسیسی چھاتہ بردار صدر دفتر، امریکی 2 میرین چوکیوں، ہیلی کاپٹر اڈے، ریڈیو پوسٹ، لینڈنگ جیٹی، اسرائیلی فوجی چوکی اور فریقوں کی حدبندی۔

۔ لبنان — بین الاقوامی سرحدیں، شاہراہیں، پہاڑی بلندیاں، اسرائیلی مقبوضہ جنوبی لبنان، 3 اہم شہر اور مقامات۔

باب 1

دیوار پر سیپیا رنگ تصویریں

رابرٹ فسک

"میرا خیال ہے راکھ میں درختوں کی جڑیں نہیں بڑھ سکتیں۔"

— شتینتکیوچ وونیچج، آشوٹز حراستی کیمپ کے رہنما —

وارسا، 16 دسمبر 1986ء

لیتوسکا اسٹریٹ میں برف پڑ رہی تھی؛ بڑے، بھاری گالے نہیں بلکہ چھوٹے، سخت اور آنکھوں کو چندھیانے والے قطرے—تقریباً ژالہ باری—جنہوں نے مضافات کی بے رنگ سڑک کو سرمئی دھند کی سی چادر اوڑھا دی تھی۔ ہم نے اپنی گاڑی فٹ پاتھ پر ایک ننھے، بے برگ درخت کے پاس کھڑی کی؛ اس کی شاخیں پالے سے چمک رہی تھیں۔ سڑک پر اکا دکا لوگ پوستینوں میں سمٹے ہوئے تھے۔ اس بار موسمِ سرما نے پولینڈ پر معمول سے کہیں زیادہ بے رحمی سے یورش کی تھی۔

لیتوسکا اسٹریٹ کی عمارت نمبر 10 کی دوسری منزل پر پہنچے تو ایسا اندھیرا تھا کہ فلیٹ نمبر 15 کے دروازے پر لکھا نام پڑھنا دشوار ہو گیا۔ گھنٹی دبائی تو پہلے دوسری طرف ایک بڑے کتے کے پنجوں کی آہٹ اور دبی ہوئی بھونک سنائی دی، پھر فرش پر گھسٹتے انسانی قدموں کی آواز۔ دروازے تک پہنچنے میں انہیں خاصا وقت لگا۔ دروازہ کھلا تو ایک بوڑھا شخص سامنے تھا: سانس بھاری، بازو پہلوؤں سے لگے ہوئے، بدن ذرا سا جھکا، مگر آنکھیں کسی نو عمر لڑکے کی۔ شیمون ڈیٹز کے چہرے پر ٹھہری دائمی جوانی محض فریبِ نظر تھی؛ وہ دراصل رنج و اذیت کی دین تھی۔

ہم نے اپنا تعارف کرایا۔ میں نے کہا، میں وہ صحافی ہوں جو لبنان سے آیا ہے۔ وہ مسکرایا نہیں؛ ہماری ٹیلی فون گفتگو اسے یاد تھی۔ بھاری مگر مہربان آنکھوں والا بڑا سا سرمئی کتا جوش میں پنجے زمین پر پٹخنے لگا۔ شیمون ڈیٹنر ہمیں ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا۔ ایک دیوار کے ساتھ اونچی کتابوں کی الماری تھی، جلدوں سے اس قدر بھری ہوئی کہ کتابیں اور رسالے ٹیڑھے زاویوں پر شیلفوں میں ٹھنسے تھے، گویا کسی لمحے پھٹ کر فرش پر آ گریں گے۔ بھوری زِپ دار جیکٹ میں کرسی پر بیٹھا تو ڈیٹنر پہلے سے بھی چھوٹا اور بوڑھا دکھائی دیا۔ لکڑی کی میز پر ہمیں اپنے عمود میں بٹھایا اور بندھے ہاتھ نہایت محتاط تکلف سے سطح پر رکھ دیے۔ ”میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ “وہ کسی محفوظات کے نگران جیسا تھا—تحقیق کا ایسا آدمی جو طالب علموں کی سادہ لوحی کا عادی ہو چکا ہو۔

میں نے بتایا کہ لبنان پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں :ان واقعات کے بارے میں جنہیں ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک وہاں دیکھا اور رپورٹ کیا، اور اس بارے میں کہ وہ واقعات اسی طرح کیوں پیش آئے۔ مجھے شبہ تھا کہ بعض جواب ہولوکاسٹ میں پوشیدہ ہیں؛ اسی لیے پولینڈ آیا تھا۔ شیمون ڈیٹنر نے آہستگی سے سر ہلایا۔ وہ ہولوکاسٹ سے زندہ بچ نکلنے والوں میں تھا—ان چند ہزار پولستانی یہودیوں میں سے ایک، جو فنا سے بچ کر بھی اپنے وطن ہی میں رہے۔ جس اسرائیل کے بارے میں میں لکھ رہا تھا، اس سے بھی وہ ایک نہایت نازک، کمزور سا رشتہ تھا۔ وہ مناخم بیگن اور اسحاق شامیر کی نسل سے تھا۔ بیگن بریسٹ لیتووسک میں پیدا ہوا، جو تب پولینڈ میں تھا اور اب سوویت یونین میں ہے۔ شامیر مشرقی پولینڈ کے گاؤں روشووا سے آیا اور بیالسٹوک کے عبرانی جمنازیم میں پڑھا۔ بیالسٹوک میں اس کا ورزش اور موسیقی کا استاد شیمون ڈیٹنر تھا۔

مجھے ایک زیادہ لمبا نہ ہونے والا، نہایت زندہ دل اور ذہین لڑکا یاد ہے۔ “ڈیٹنر” بہت دھیرے بول رہا تھا۔ ”جمنازیم میں پولش زبان اور تاریخِ پولینڈ کے سوا ہر مضمون

عبرانی میں پڑھایا جاتا تھا۔ ورزش اور موسیقی تک میں نے عبرانی میں پڑھائی۔ اس نے اسی زبان میں تعلیم پائی۔ ''ڈیٹز کے لہجے میں اب بھی معلم ہونے کا فخر تھا۔ ''ہمارے شاگردوں کی پرورش پولینڈ سے محبت اور احترام کے جذبے میں ہوئی—اور اسرائیل کی محبت میں بھی۔ میرے بعض شاگرد اس سرزمین چلے گئے جسے تب فلسطین کہا جاتا تھا۔ ہر سال ہم اساتذہ کے ہاتھوں سیکڑوں طالب علم تعلیم پاتے تھے۔ ''شیمون ڈیٹز آہستہ سے کرسی سے اٹھا، قدم گھسیٹتا ہوا راہداری پار کر کے ایک چھوٹے، تنگ کمرے میں گیا؛ ایک طرف خانہ دار کمبل سے ڈھکا بستر تھا۔

سامنے کی دیوار پر سیپیا رنگ کی کچھ دھندلی تصویریں چسپاں تھیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری برسوں کی ایک جماعتی تصویر میں کم سن یہودی لڑکے اکڑے، پوری توجہ سے بیٹھے تھے۔ پچھلی قطار کا ایک لڑکا ہنس رہا تھا؛ دوسرے نے عین تصویر کھنچتے وقت سر پھیر لیا تھا۔ ڈیٹز نے کہا، ''شاید شامیر بھی ان میں ہو۔ ''ہم نے مانوس گول مٹول چہرہ بے سود تلاش کیا۔ ڈیٹز نہیں جانتا تھا کہ ان بچوں میں کتنے فلسطین چلے گئے اور کتنے پیچھے رہ گئے۔ ان کے نیچے چھوٹی تصویروں کا ایک سلسلہ تھا؛ ہر تصویر میں اساتذہ کرسیوں کی قطاروں میں بیٹھے تھے۔ پہلی پر 1926ء اور آخری پر 1938ء لکھا تھا۔ یوں قطار پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اساتذہ کو عمر رسیدہ ہوتا دیکھا جا سکتا تھا—بیالسٹوک جمنازیم کے عملے کے روشن، کبھی شگفتہ چہرے بے روک ہولوکاسٹ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اگلی صف میں ایک فربہ شخص تھا، شاید صدر مدرس؛ دوسری صف میں بلند، اشرافی نقوش اور سیاہ گھنے بالوں والی خاتون۔ دس برس میں فربہ شخص اور فربہ ہو گیا، اور خاتون پہلے سے زیادہ خوب صورت۔ انسان ان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی، تاریک آنکھوں میں تشویش کی کوئی رمق ڈھونڈنے لگتا ہے، جب فوٹوگرافر 1938ء میں ان کی آخری جماعتی تصویر لے رہا تھا۔ مگر وہاں کچھ نہیں۔

میں نے پوچھا: کیا ان اساتذہ میں سے کوئی ہولوکاسٹ سے بچا؟ شیمون ڈیٹز نے اپنی موٹی انگلی آخری تصویر کے بائیں کنارے پر رکھی اور فربہ استاد سے گزارتا ہوا آہستہ آہستہ دائیں جانب لے گیا۔ ''میرا خیال ہے، ''اس نے کہا—انگلی اب خوب صورت خاتون سے آگے سرک رہی تھی—''ان میں سے کوئی نہیں۔ ''ایک وقفہ آیا۔ ''سوائے اس ایک کے۔ ''اس کی انگلی شیمون ڈیٹز کے تیکھے، گھورتے ہوئے نقوش پر تھی۔

بوڑھے کے بستر کے پیچھے ایک اور تصویر تھی: پھیکے بھورے رنگ کی، شاید کسی پرانی چھوٹی تصویر سے بڑی کی گئی، کیونکہ نیچے ایک ناہموار سفید لکیر تھی۔ تصویر میں غیر معمولی حسین، مسکراتی، سیاہ بالوں والی جوان عورت اور دو ننھی بچیاں تھیں۔ عورت شیمون ڈیٹز کی بیوی سوزانا تھی؛ بچیاں اس کی بیٹیاں مریم اور شالومیت۔

وہ ان کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ ''نازی آئے تو میں اپنے خاندان سمیت بیالسٹوک کی یہودی بستی میں قید تھا۔ میں زیرزمین مزاحمت میں شامل ہوا، پھر جنگلوں میں جا کر ایک یہودی چھاپہ مار گروہ کا رکن بن گیا، جو بعد میں روسی اور پولستانی چھاپہ ماروں میں ضم ہو گیا۔ ہمارے آدھے لوگ لڑائی میں مارے گئے، آدھے بچ گئے۔ ''ڈیٹز کئی ثانیے خاموش رہا؛ شاید جانتا تھا کہ میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں۔ سوزانا، مریم اور شالومیت کا کیا ہوا؟ وہ اس لیے بھی رکا رہا کہ مکمل جواب خود اسے معلوم نہ تھا۔ آخر بولا'' :مجھے یقین نہیں۔ مگر میرا خیال ہے وہ 1943ء میں بیالسٹوک کی یہودی بستی کے خاتمے میں ماری گئیں۔ وہ ہمارے گھر کے زیرزمین بنکر میں چھپی تھیں، مگر کسی نے نازیوں کو ان کی مخبری کر دی اور، جہاں تک میں جانتا ہوں، وہیں قتل کر دی گئیں۔ مجھے نہیں معلوم ان کی باقیات کہاں ہیں۔ لیکن ہر رات سونے سے پہلے میں ان کے لیے ''کدّیش—یہودیوں کی دعائے اموات—پڑھتا ہوں۔

شیمون ڈیٹنر مطالعے کے کمرے میں لوٹ آیا۔ وہ لبنان کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا، لبنان میں اسرائیل سے متعلق جو کچھ ہوا، بالخصوص 1982ء کے حملے کے بارے میں وہ کیا محسوس کرتا ہے۔ ڈیٹنر کے والدین ہولوکاسٹ سے پہلے فلسطین ہجرت کر گئے تھے، اگرچہ اس کی والدہ جنگ کے دوران وفات پا گئی۔ اس نے کہا" :1947ء میں والد سے ملنے فلسطین گیا۔ یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوا کہ جنگ سے پہلے دنیا بھر کے کوئی ایک لاکھ یہودی وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ ان کے لیے محفوظ پناہ گاہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر برطانوی انتدابی حکومت یہودیوں کو فلسطین ہجرت سے نہ روکتی تو نازیوں کے مقبوضہ یورپی ملکوں کے لاکھوں، شاید کروڑوں یہودی بچائے جا سکتے تھے۔ میری رائے میں اسرائیل دنیا بھر کے یہودیوں کی پہلی اور آخری دفاعی لکیر ہے۔ آج بھی یہی رائے ہے۔"

بوڑھے کے یقین نے اس کی آواز بلند کر دی۔ مجھے ایک سوال پوچھنا تھا، اور میں نے کہہ دیا کہ شاید وہ اس پر بات نہ کرنا چاہے۔ مگر وہ اسرائیل—جو اجتماعی قتل کی ہولناکی کو سب سے بڑھ کر سمجھتا تھا—بیروت کے صبرا اور شتیلا کیمپوں کے فلسطینیوں کو قتل ہونے کیسے دے سکتا تھا؟ مارے گئے فلسطینیوں کی تعداد—دو ہزار تک—ہولوکاسٹ میں ذبح کیے گئے ساٹھ لاکھ یہودیوں سے کوئی عددی نسبت نہیں رکھتی۔ مگر جس روز شتیلا میں قتلِ عام ختم ہوا، میں اور میرے ساتھی، اپنے اردگرد لاشوں کے ڈھیر دیکھتے ہوئے، یہی سوال بار بار پوچھ رہے تھے۔

شیمون ڈیٹنر سامنے دیکھتا رہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا۔ اس نے بے عیب انگریزی میں، ہر لفظ نہایت احتیاط سے چنتے ہوئے کہا" :جہاں تک میں جانتا ہوں، یہودی فوجیوں نے اس قتل میں براہ راست حصہ نہیں لیا۔ یہ بے گناہ انسانوں کا قتل تھا—اور یہ یہودیوں کے لیے ہمیشہ باعثِ نفرت ہے۔ میں فیصلہ کرنے کی حالت میں نہیں کہ ان بھیانک جرائم کا قصوروار کون تھا، مگر مجھے یقین ہے اس قتلِ عام میں کسی یہودی ہاتھ نے حصہ نہیں لیا۔ "

وہ کوئی دس ثانیے خاموش رہا۔ ایک بات اور کہنا چاہتا تھا۔ ’’لیکن میں ایک اور قتلِ عام سے بھی واقف ہوں :معالوت نامی جگہ یہودی بچوں کا گھناؤنا قتل، جو تنظیمِ آزادیٔ فلسطین کے ایک یا دو ارکان نے کیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، بیس سے زیادہ بچے اس کا شکار ہوئے۔ ایسے جرائم کا کوئی جواز نہیں؛ صرف مذمت اور رسوائی ان کا حق ہے۔‘‘

شیمون ڈیٹز کی شخصیت، اس کے ذاتی المیے، اور ناقابلِ تصور اذیت کے گواہ ہونے کے باعث اسے یہ بتانا ناممکن سا لگا کہ ہماری چھوٹی سی دنیا میں کیا ہوا تھا :صبرا اور شتیلا کے لیے اس کا عذر—اور وہ عذر ہی تھا—تقریباً انہی تاریخی مثالوں جیسا تھا جو اس وقت دسیوں ہزار اسرائیلی استعمال کر رہے تھے۔ جن اسرائیلی فوجیوں کو معلوم تھا کہ کیا ہوا، جنہوں نے چند سو گز دور جاری قتل روکنے کے لیے کچھ نہ کیا، انہوں نے بھی 18 ستمبر 1982ء کو مغربی بیروت میں ہمارے سوالوں کے جواب میں معالوت ہی یاد دلایا تھا۔ اسی یقین سے انہوں نے قتل کی مذمت کی۔ ہم نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیے تھے، اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے کہ وہ جانتے تھے مگر انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ لیکن کیا اس نرم خو بوڑھے کے یقین کو چیلنج کیا جا سکتا تھا، جس کی بیوی، بیٹیاں، بہن، بھائی، چچا، ماموں، پھوپھیاں اور خالائیں—اس کے اندازے میں کم از کم تیس رشتہ دار—نازیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے؟

مطالعے کے کمرے کی کھڑکی سے باہر برف تیز اور گالے بڑے ہو گئے تھے۔ لیتوسکا اسٹریٹ میں درجۂ حرارت گرتا گیا اور شیشہ اندر سے دھندلا گیا۔ ڈیٹز بولا’’ :میرا خیال ہے اسرائیل کے یہودیوں کی سلامتی کی مضبوط ترین ضمانت، اسرائیلیوں اور ان کے عرب ہمسایوں کے درمیان مفاہمت اور دوستی ہوگی۔ لیکن محبت اور احترام سے ہونے والی شادی کے لیے ایک شرط ضروری ہے :محبت باہمی ہو، یہودیوں اور عربوں کی محض نیک خواہش نہ ہو۔‘‘

شیمون ڈیٹنر کرسی کی پشت سے لگ گیا۔ فلسطینیوں کے بارے میں وہ مزید کچھ نہیں کہے گا—ان لوگوں کے بارے میں جو اس فلسطین کو، جہاں اس کے والدین نے سلامتی ڈھونڈی، اپنا وطن بھی سمجھتے ہیں۔ مگر فلسطین سے وابستگی کا وہ احساس، جو یہودیوں اور عرب فلسطینیوں دونوں میں تھا، عجیب طور پر ڈیٹنر سے گزر گیا تھا۔ ہولوکاسٹ کی اسی سرزمین پولینڈ میں، اپنی رخصت شدہ قوم کے بھوتوں کے درمیان رہنے والے یہودی کتنے ہیں؟ اس نے پژمردگی سے کہا" :چار سے سات ہزار کے درمیان۔ ہمیں معلوم نہیں، کیونکہ ایک افسوس ناک حقیقت بیان کرنا ضروری ہے :اپنے تجربات سے اس قدر خوف زدہ ہونے کے باعث ہولوکاسٹ سے بچ جانے والے بہت سے یہودی—ان کی ایک بڑی تعداد—آج تک اپنا اصل چھپائے ہوئے ہے۔ وہ اپنی پولستانی "شناخت کی آڑ میں ہیں۔

اور خود شیمون ڈیٹنر؟ جنگ کے بعد اس نے دوسری شادی کی۔ اس کی یہودی بیوی پولستانی کمیونسٹ پارٹی کی نمایاں رکن تھی۔ نئی ریاست اسرائیل ہجرت کرنے کے بجائے وہ یہیں رہا، ہولوکاسٹ کے بارے میں لکھتا رہا، پولستانیوں اور یہودیوں کے قتلِ عام پر کتابیں، کتابچے اور اخباری مضامین شائع کرتا رہا۔ وہ تھک چکا تھا؛ اس کی غیر فطری طور پر جوان آنکھیں بھی اب تھکی دکھائی دیتی تھیں۔ عمر چوراسی برس تھی۔ "یہی سب اس بات کی جڑ ہے کہ میں یہاں کام کرنے کے لیے کیوں رکا، "اس نے کہا۔ "اب میں بوڑھا ہوں، اور صرف اس تلخ انجام کا انتظار "کرنے کو باقی ہوں جو اس زندگی میں سب کا مقدر ہے—رخصت ہو جانے کا۔

اوشوینچم-برزیش)آشوٹز-برکیناؤ(

کراکوف سے آشوٹز جانے والی سڑک تقریباً پوری طرح برف میں دبی تھی۔ راستہ غریب دیہات کے ایک سلسلے سے گزرتا تھا۔ ہمیں بار بار رفتار کم کرنا پڑتی تاکہ کسان گزر سکیں— قدآور مرد، موٹی گردن والے ہنہناتے گھوڑوں کی کھینچی لکڑی کی گاڑیوں پر۔ کھیتوں کے کنارے

لکڑی کے گھر اب بھی موجود تھے : گوداموں جیسے لمبے ڈھانچے، جن کی چھتیں بیچ سے یوں جھکی تھیں جیسے مدتوں سے جبر کا بوجھ اٹھا رہی ہوں۔ صرف ایک بار، چند منٹ کے لیے، سرمئی برفانی بادلوں کے پیچھے سے پھیکا گلابی سورج بخیلی سے نکلا۔

اوشوینچم سے تقریباً سات میل شمال میں ریلوے پھاٹک پر گاڑیوں کی قطار لگی تھی۔ ہم گاڑی سے نکلے اور ریل کے انتظار میں برف پر بوٹ پٹختے رہے۔ اسے آنے میں دیر لگی، مگر اس کی چیخ دور ہی سے سنائی دے رہی تھی۔ پولستانی سرکاری ریلوے مرکزی مسافر راستوں پر ڈیزل انجن چلاتی ہے، مگر ہمارے بائیں جنگل سے بھاپ کا ایک عظیم انجن نکلا : پائپوں اور پسٹنوں کا سیاہ رنگا دیو، سامنے ہوا موڑنے والی دو بڑی تختیوں کے ساتھ، برفانی میدانوں پر سفید دھواں انڈیلتا، پیچھے مال گاڑیوں کی طویل قطار کھینچتا ہوا۔

مویشی ڈبے، چپٹے مال بردار ویگن اور گارڈ کا بڑا ڈبہ کھٹ کھٹ کرتے آہستہ سے ہمارے سامنے سے گزرے اور سرد دھند میں گم ہو گئے۔ ڈرائیوروں نے بے اعتنائی سے دیکھا اور آسودگی کے ساتھ گاڑیوں میں لوٹ گئے۔ اوشوینچم پہنچتے پہنچتے دھند سمٹ آئی تھی۔ مشرقی یورپ—اور آئرلینڈ—کے بہت سے شہروں کی طرح اوشوینچم کے بھی دو نام ہیں :فتوحات، نوآبادیات، مشترک یا شکست خوردہ پولستانی، روسی اور جرمن تہذیبوں کی میراث۔ مگر اس جگہ کو واقعی ایک عرفی نام درکار ہے؛ کون اقرار کرنا چاہے گا کہ اس نے آشوٹز کو اپنا گھر بنایا؟ گویا ہر قابلِ اعتبار بیان کے لیے پولستانی نام ضروری ہو۔ ورنہ یہ کیسے کہا جائے کہ مقامی ریلوے اسٹیشن—ہر تین گھنٹے بعد وارسا کی ٹرین—روشن، صاف اور نئی اینٹوں سے مرمت شدہ ہے؟ آشوٹز اسٹیشن پر نئی ڈیجیٹل گھڑی بھی ہے تاکہ مصروف وقت کے مسافر کراکوف جانے والی گاڑی نہ چھوڑ دیں۔ کچھ ہی دور پٹڑیاں سیدھی پینتالیس برس پرانی فیکٹریوں تک جاتی ہیں—وہی اب تک چلتی فیکٹریاں جو جرمنوں نے غلام مزدوروں کے لیے بنائی تھیں، آج بھی اسی ریل اور اسی مستقل راستے سے جڑی

ہیں۔ حراستی کیمپ کا سرکاری پولستانی رہنما شتیتکیویچ ووئیچیخ تک مانتا ہے کہ وہ ایس ایس عملے کے لیے بنے گھر میں رہتا ہے۔

کیا آخرکار یہی شر کی معمولی، روزمرہ صورت ہے—ہنّا آرنٹ کی وہ تعبیر جو بدی کو سمجھنے کی کوششوں میں اب تقریباً کلیشے بن چکی ہے؟ کیا یہ بات معاف کی جا سکتی ہے کہ آشوٹز اسٹیشن سے صرف ایک میل دور ریلوے کی شاخ—دنیا کا سب سے بھیانک مستقل ریلوے راستہ—کیمپ کے اندر قتل و جنون کے تمام ثبوتوں سے کہیں زیادہ لطیف اور تیز کشش پیدا کرتی ہے؟ کیونکہ وہی پٹڑی، جس نے لاکھوں انسانوں کو گیس چیمبروں تک پہنچایا، اب بھی موجود ہے: کھیتوں کے چند گھروں کے عقب سے نرم خم لیتی، میدان کی پگڈنڈی پار کرتی، برکیناؤ کے اینٹ اور سلیٹ سے بنے سلیقہ مند دروازے تک۔ ہولوکاسٹ پر بے شمار کتابوں کے سرورق اور سینکڑوں تصویروں میں وہ ہندسی پیش دہلیز اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ اجنبی سرزمین میں جغرافیائی دلاسا دیتی تھی—جیسے چین گئے بغیر بھی اچانک دیوارِ چین یا شہرِ ممنوعہ پہچان لیا جائے۔ ہم اسے تصویروں میں دیکھ چکے تھے۔ وہ رہی دیوارِ چین۔ ہاں، تو یہ برکیناؤ ہو گا !میں گاڑی سے اترا اور پٹڑی تک گیا۔ ریلیں موجود تھیں؛ لوہے کے شکنجے اب بھی انہیں پرانے لکڑی کے سلیپروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ آج بھی ایک ٹرین بغیر پٹڑی سے اترے آشوٹز-برکیناؤ کیمپ کے اندر، عین انتخابی چبوترے تک جا سکتی تھی۔ سردی اتنی تھی کہ کیمرے کے عدسے پر پالا جم گیا، مگر میں نے برکیناؤ کے دروازے کی دو تصویریں لیں؛ ایک زمین کی سطح سے، جہاں پٹڑیوں پر برف ہموار پڑی تھی۔ اندر کانٹے اب بھی بائیں شاخ پر لگے تھے، گویا کسی نے پوری مستعدی سے صرف ایک اور کھیپ کی آمد کا انتظام کر رکھا ہو۔ شاید مجھے امید تھی کہ بعد میں ان تصویروں سے کوئی ایسی سچائی نمودار ہو گی جو یہاں ہونے والے واقعے کی بے پایاں وسعت کو سمیٹنے میں مدد دے۔

چار دن پہلے میں بیروت میں تھا، صبرا اور شتیلا کے فلسطینی کیمپوں سے گزرتا ہوائی اڈے جا رہا تھا، کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ لبنان میں دیکھی ہوئی چیزوں کے سراغ پولینڈ کے آشوٹز میں ہیں۔ مگر مشرقِ وسطیٰ کے گرم، بے ترتیب قتل سے اس منجمد، منظم جگہ تک سفر گویا خلائی جہاز میں نوری برسوں کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ لبنان کا کوئی قتلِ عام حجم اور سائنسی شر میں اس سے دور دور تک نہیں مل سکتا۔ یہاں ہولوکاسٹ کا پیمانہ—یہودیوں کے ساتھ خانہ بدوشوں اور غیر یہودی پولستانیوں کا بھی—اس قدر ناقابلِ تصور تھا کہ لبنان کے دسیوں ہزار مقتول کسی طور بے معنی سے لگنے لگے۔ یقیناً تاریخ ہمیں یہ نہیں سکھانی چاہیے؛ اور یہ سچ بھی نہیں۔ مگر اگر میں—ایک اجنبی، غیر یہودی، ہٹلر کی موت کے ایک برس بعد پیدا ہونے والا—ایک لمحے کو بھی یوں سوچ سکتا تھا، تو زندہ بچنے والوں یا ان کے بچوں سے سوال کیسے کیا جائے؟ اور زیادہ اہم :اس ریاست کے طرزِ عمل تک کیسے پہنچا جائے جو، جیسا کہ اس کے بہت سے شہری کہیں گے، آشوٹز کی انہی آگوں میں ڈھالی گئی؟ یروشلم سے باہر یاد و شیم کی یادگار کے مطابق ہولوکاسٹ کا ہر یہودی مقتول اسرائیل کا اعزازی شہری قرار پایا۔ اگر یہ مقدمہ مان لیا جائے تو آشوٹز کی زیارت دنیا کی سب سے بڑی اجتماعی قبر کا سفر ہی نہیں، مشرقِ وسطیٰ سے اس کے گہرے تعلق کا اعتراف بھی ہے؛ اور بالآخر ایک دوسری قوم—بلکہ متعدد اقوام—کے اس المیے سے تعلق کا، جس کی اذیت میں اور میرے ساتھیوں نے لبنان میں دیکھی، اگرچہ محض اعداد کے ترازو میں وہ بے وقعت دکھائی دے۔

یہاں ہولوکاسٹ کا ادب بھی مشرقِ وسطیٰ میں تشدد کے حقیقی تجربے جتنا صدمہ پہنچا سکتا ہے۔ آشوٹز روانگی سے ایک رات پہلے میں کراکوف کے ہوٹل پولسکی میں بستر پر لیٹا، کھڑکی پر برف کی شال لپٹنے کی سرسراہٹ سنتا، تادیوش بوروفسکی کی برکیناؤ کیمپ پر کہانی ''خواتین و حضرات، گیس کا راستہ اِدھر ہے ''پڑھ رہا تھا۔ آشوٹز اور ڈاخاؤ دونوں سے بچنے کے بعد بوروفسکی

نے 1951ء میں خود کو گیس سے مار ڈالا۔ کتاب یوں لگتی ہے جیسے اسے ایک ایسا شخص لکھ رہا ہو جو آدھا پہلے ہی مر چکا ہے۔ نثر معنی کی آخری حد تک کھنچی ہوئی؛ قواعد سے اہم مفہوم۔ مکالمہ بدصورت؛ پورے پورے جملے فعل کے بغیر۔ بوروفسکی نے لکھا، ''زندہ ہمیشہ درست، مردہ ہمیشہ غلط ہوتے ہیں''؛ مگر مقدمے میں مدیر اختلاف کرتا ہے :بوروفسکی نے آشوٹز کے بارے میں جو لکھا، وہ ثابت کرتا ہے کہ درست مردے ہیں۔

بوروفسکی خود کو کیمپ کے ایک کاپو سے ہم شناخت کرتا ہے—ان قیدیوں میں سے ایک، جو ہنگری، ہالینڈ، فرانس اور خود جرمنی سے یہودیوں کی ریل گاڑیوں کا انتظار کرتے ہیں ..." :آہستہ، نہایت ہولناک آہستگی سے ایک ٹرین اندر رینگتی ہے، انجن بہرا کر دینے والی چیخ کے ساتھ سیٹی بجاتا ہے۔ کھڑکیوں پر پھر تھکے، زرد چہرے، کاغذ سے تراشے ہوئے سپاٹ، بخار میں دہکتی بڑی بڑی آنکھیں۔ گاڑیاں آ لگیں، نوٹ بک والا پُرسکون صاحب اپنی جگہ موجود، اور ایس ایس اہلکار سونا اور رقم رکھنے کے بریف کیس لیے دفتر سے نکلتے ہیں۔ ہم ٹرین کے دروازوں کی مہریں توڑتے ہیں۔ اب اپنے آپ پر قابو ممکن نہیں۔ بے رحمی سے ان کے ہاتھوں سے سوٹ کیس چھینتے، بے صبری سے کوٹ اتارتے ہیں۔ چلو، چلو، غائب ہو جاؤ !مرد، عورتیں، بچے—ان میں سے کچھ جانتے ہیں۔"

یہ ہنگری کے یہودی تھے، جو 1944ء میں قتل ہونے آشوٹز پہنچے—صرف دو ماہ میں پورے چار لاکھ؛ گیس چیمبر روزانہ چوبیس ہزار نگلتے رہے، اگرچہ مردہ سوز بھٹیاں اس رفتار کا ساتھ نہ دے سکیں۔ بوروفسکی لکھتا ہے" :وہ رسمی دم دار کوٹ پہنے، بازو پر پٹی باندھے بوڑھے کو ٹرک کی طرف گھسیٹ رہے ہیں۔ اس کا سر کنکر اور فرش سے ٹکراتا ہے؛ وہ ایک ہی سُر میں کراہتا، چیختا ہے :ایش وِل مِٹ ڈیم ہیرن کمانڈانٹن شپریخن—میں کمانڈنٹ سے بات کرنا چاہتا ہوں ...چند دوسرے مرد ایک ٹانگ والی ننھی بچی اٹھائے ہوئے ہیں۔ آنسو اس کے چہرے پر بہہ رہے ہیں اور

وہ نحیف آواز میں کہتی ہے :جناب، درد ہوتا ہے، درد ہوتا ہے ...وہ اسے لاشوں کے اوپر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں۔ وہ انہی کے ساتھ زندہ جل جائے گی۔''

تو کیا آشوٹز کو شر سمجھنے کی جگہ مانا جائے، یا مردوں اور ان کے تمام دکھوں کا مزار؟ یا محض اس فاصلے کا پیمانہ جو آشوٹز سے بچنے والوں کے تجربے اور ان لوگوں کے درمیان ہے جو کبھی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے؟ وارسا میں ہم اے پی کے ایک نامہ نگار سے ملے جو یہودی وفد کے ساتھ یادگاری تقریب کے لیے آشوٹز گیا تھا۔ اس نے بتایا'' :ان میں سے دو انتخابی چبوترے پر تھے، جہاں گیس چیمبر کے لیے لوگوں کو چنا جاتا تھا۔ ایک مرد اور عورت بحث کر رہے تھے کہ طبی تجربات کرنے والا کیمپ ڈاکٹر مینگلے کہاں کھڑا ہوتا تھا۔ مرد کہتا تھا ایک طرف، عورت قسم کھا کر کہتی دوسری طرف؛ وہ رو رہی تھی۔ ٹی وی کے سب کیمرے اس بے چاری کے وہیں اعصابی انہدام کو ریکارڈ کر رہے تھے، جبکہ وہ مینگلے کے کھڑے ہونے کی جگہ پر جھگڑ رہی تھی۔ کیا تم اس کا تصور کر سکتے ہو؟''

اس کے سوال نے بے ارادہ اس مسئلے پر ضرب لگائی جو یہاں ہر نووارد کے سامنے ہے۔ بات صرف یہ نہیں کہ جو یہاں ہوا فہم سے باہر ہے—اور واقعی ہے—بلکہ یہ تخیل سے بھی دور ہے۔ شاید اسی لیے پریمو لیوی کی تحریر آشوٹز کی اشیا سے زیادہ حقیقت ہم تک پہنچاتی ہے، حالاں کہ وہ اشیا خوف ناک عملی ثبوت ہیں کہ ہاں، سب کچھ ویسا ہی ہوا جیسا ہمیشہ بتایا گیا۔ اصل آشوٹز کیمپ کا محفوظ گیس چیمبر، مردہ سوز بھٹی جس پر ایرفرٹ کے صانع کا نام اب بھی درج ہے، انسانی بالوں سے بھرے کمرے، طبی تجربات کا بلاک، عینکوں کے انبار، برکیناؤ کا آخری ریلوے سرا، دیوارِ اعدام اور اجتماعی پھانسی گھر—یہ سب اپنی ذات میں شہادت بننے کے بجائے بوروفسکی اور لیوی کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں؛ کیونکہ ثبوت صرف قابلِ تصور چیزوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔

صرف زائیکلون بی کے قلمی مادے کے خالی ڈبے مختلف تھے۔ ان کے ڈھکن یوں نوچے گئے تھے جیسے بے صبر باورچی نے لوبیا کے ڈبے کھولے ہوں۔ دھاتی ڈھکنوں کے کٹے پھٹے کنارے اس جرمن کی عجلت دکھاتے تھے جس نے مواد گیس چیمبروں میں انڈیلا تھا۔ گویا کہتا ہو: یہ کام جلد نمٹا دو۔ یہ زنگ آلود ننھی ہولناکیاں معمول کا حصہ تھیں، اس لیے تخیل کسی طرح انہیں سمیٹ سکتا تھا۔ مگر آشوٹز کی دوسری نمائشی چیزیں کہیں نہیں لے جاتی تھیں۔ پرانی کیمپ عمارت کے ایک کمرے میں سوٹ کیسوں کے ڈھیر ہیں، بیشتر پر مالکوں کے نام۔ یہی ان سوٹ کیسوں میں سے چند تھے جنہیں بوروفسکی کے کاپو اور ساتھیوں نے برکیناؤ کی پٹڑیوں پر یہودیوں کے ہاتھوں سے بے رحمی سے چھینا تھا۔ اس سامان میں کچھ غیر حقیقی نہ تھا۔ گھروں اور یہودی بستیوں سے نکلنے کے لیے بہت کم وقت پانے والوں نے جلدی میں تھیلوں پر مومی قلم سے نام لکھے تھے۔ ایک پھٹے بھورے سوٹ کیس پر بچے کی لکھائی میں نام تھا؛ حروف ناہموار قد کے" :کارل اسرائیل ہافنر، ویانا 1، بیبرشٹراسے 14۔ "میں نے نام اور پتا لکھ لیا۔ کیا لکھائی کے مطابق وہ اسکول جانے کی عمر کا چھوٹا لڑکا تھا؟ کیا کسی معجزے سے آشوٹز سے زندہ بچا، شاید پرانے گھر بھی لوٹا؟ اس کے ماں باپ، بہن بھائیوں کا کیا ہوا؟ کیا خاندان کا کوئی فرد ہولوکاسٹ سے بچا؟

بیروت واپسی پر میں نے پرواز کا راستہ ویانا سے رکھا اور ٹیکسی میں شہر گیا۔ وہاں بھی تقریباً پولینڈ جیسی سردی تھی اور بیبرشٹراسے گہری برف میں دبی تھی۔ سردی روکنے کے لیے دوہرے شیشوں والی کھڑکیوں کی تنگ، باوقار گلی؛ شاید کبھی بہتر دن دیکھ چکی تھی۔ عمارت نمبر 14 اب رہائشی فلیٹ نہ تھی۔ مرکزی دروازے پر لکھا تھا" :وفاقی وزارتِ زراعت و جنگلات۔ "پینتالیس برس سے زیادہ پہلے کارل ہافنر نے یقیناً اپنا بے ڈھبا سوٹ کیس تھامے آخری بار اسی دروازے سے قدم نکالا تھا۔ اپارٹمنٹ بلاک اب آسٹریا کی وزارتِ زراعت کا حصہ تھا؛ اندرونی حصے نکال کر دفاتر بنا دیے گئے تھے۔ کچھ دور مقامی ڈاک خانے کی لڑکی میرا سوال نہ سمجھ سکی۔ اس نے کہا،

دفتر اتنے عرصے سے غائب رہائشی کا سراغ نہیں لگا سکتا۔ مقامی ربی کے پاس بھی—بیرشٹرا سے اب بھی ویانا کے باقی ماندہ یہودی علاقے میں ہے—اس نام کا کوئی اندراج نہ تھا۔ کارل اسرائیل ہافنر بس غائب ہو گیا تھا۔ خاندان، شناخت، خود اس کا وجود مٹ گیا؛ گویا ہافنر کبھی یہاں رہے ہی نہ ہوں—اور ہٹلر یہی چاہتا تھا۔ صرف بچے کی لکھائی والا وہ قدیم سوٹ کیس بتاتا ہے کہ کارل ہافنر کہاں غائب ہوا۔

ہمارا آشوٹز رہنما ووئیچیخ اس بات کو کچھ سمجھتا تھا؛ شاید اس لیے کہ بہت سے زندہ بچ جانے والوں سے ملا تھا، شاید اس لیے کہ بیوی اور کم سن بیٹے کے ساتھ ایس ایس کے پرانے گھر میں رہتے رہتے آشوٹز کے ثبوت بھی اس کے لیے روزمرہ ہو گئے تھے۔ مگر اس کے پاس ایک اور علم تھا جو اپنی سرد کر دینے والی شہادت رکھتا تھا۔ اس نے کہا'' :چند ہفتے پہلے مغربی جرمن وفد آیا۔ وہ دیوارِ اعدام پر پھولوں کے حلقے رکھنا چاہتے تھے، جہاں نازیوں نے ہزاروں لوگوں، پورے خاندانوں کو اکٹھا گولی ماری—ماں باپ اپنے بیچ کھڑے بچوں کے ہاتھ تھامے قتل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد پھول مر جائیں تو ہمیں ہٹانا پڑتے ہیں۔ اس بار ساتھیوں نے ایک سوکھا حلقہ دیوار سے اٹھایا تو اس کی پشت پر پلاسٹک کی ایک نہایت چھوٹی سواستیکا چھپی ملی۔ کوئی ایسا کیوں کرے گا؟''

ذہن کی تاریکی کا مزید ثبوت چاہیے تو کیمپ کے محافظوں کو دیکھیے۔ ہاں، آج برکیناؤ میں سیاہ لباس پہنے کیمپ محافظ موجود ہیں، جنہیں پولستانی حکومت نے آشوٹز کی حفاظت پر مقرر کیا ہے۔ ووئیچیخ نے تقریباً معمول کے لہجے میں کہا'' :دیکھیے، ہمارا اصول ہے کہ یہاں سے کچھ نہ لے جایا جائے، مگر لوگ دھات تلاش کرنے والے آلات لے کر چیزیں ڈھونڈنے آتے ہیں۔ ''وہ آگے نہ کہنا چاہتا تھا؛ جو جانتا تھا اس میں واضح طور پر شرمندگی تھی۔ ہم نے اصرار کیا۔ کوئی یہاں آلہ لے کر کیا تلاش کر سکتا ہے؟ اس نے کہا'' :رات کو۔ وہ رات کو آتے ہیں اور راکھ کے گڑھوں تک جاتے ہیں، جہاں نازیوں نے تمام مردوں کی راکھ ڈالی۔ وہ چیزیں ڈھونڈتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا

ہے کہ بعض مردوں اور عورتوں نے گیس چیمبر میں جانے سے عین پہلے سمجھ لیا تھا کیا ہونے والا ہے؛ ان کے پاس زیور اور چیزیں تھیں، سو انھوں نے نازیوں کے ہاتھ لگنے دینے کے بجائے دفن کر دیں۔ اس لیے دھات تلاش کرنے والے رات کو زیور ڈھونڈنے آتے تھے۔ اسی لیے محافظ ہیں۔"

آشوٹز کے سیاحوں کو عموماً راکھ کے گڑھوں تک نہیں لے جایا جاتا۔ برف سے اٹے کچے راستے پر لمبا سفر تھا۔ راستے کے ساتھ سلیٹ کی صاف چھتوں والے نگہبانی برج، اور برکیناؤ کے ایک نامکمل احاطے کی خاردار تاروں کے کھمبے تھے؛ سرخ فوج آزادی دلانے پہنچی تو جرمن اب بھی آشوٹز کو وسیع کر رہے تھے۔ زنگ آلود دروازے سے ہم بلند چیڑ کے درختوں کی قطاروں کے بیچ ننھے جنگل میں داخل ہوئے۔ رات برفانی طوفان آیا تھا اور تنوں پر برف کی تہ جمی تھی۔ خاموشی میں کبھی اوپری شاخوں سے برف کے تختے پھسلتے اور پتوں کی گہرائی میں ایک چھوٹا، بھوت سا تودہ اترتا۔

دائیں طرف برف میں تقریباً چھپے پتھریلے ڈھانچوں کے ٹکڑے تھے—برکیناؤ کے چار گیس چیمبروں میں سے ایک کی باقیات، جسے آخری دنوں میں محافظوں نے تباہ کیا۔ آگے جنگل کی دیوار کے پاس ایک گہری کھائی تھی، جو چیڑ کے درختوں کے ساتھ قائمہ زاویہ بناتی تھی۔ شاخوں میں وہی صاف، مضبوط نگہبانی برج چھپا تھا۔ یہ ان آتشیں کھائیوں میں سے ایک تھی جنہیں جرمن اس وقت استعمال کرتے جب مردہ سوز بھٹیاں روزانہ چوبیس ہزار لاشوں کو نہیں سنبھال پاتی تھیں۔ لاشیں اہرام کی صورت کھائیوں پر بنے تختوں پر جلائی جاتیں؛ باقیات دوسری راکھ سمیت کھلے میدان کے کنارے چھوٹی قدرتی جھیلوں میں پھینک دی جاتیں۔

ووئیچیخ برف میں خاموش کھڑا تھا—قریب چالیس لاکھ انسانوں کی مدفون راکھ کے پاس ایک عجائب گھر کا نگران۔ بیشتر یہودی تھے۔ درختوں کے اوپر سے، آشوٹز کے دوسری جانب بہت دور،

بھاپ کے انجن کی طویل چیخ آئی۔ شاید وہی صبح والی گاڑی تھی، خالی مال ڈبے واپس کراکوف یا وارسا لے جاتی ہوئی۔ سیٹی بلند چیخ میں بدلی، سُر اوپر نیچے ہوا، پھر دھند نے اسے دبا دیا۔ جنگل خاموش تھا۔ ووئیچیخ نے کہا، اس نے یہاں کبھی پرندہ نہ دیکھا، نہ آواز سنی۔ ننھی جھیلوں کے کنارے درخت بھی نہ تھے۔ اس نے کہا" :میرا خیال ہے راکھ میں درختوں کی جڑیں نہیں بڑھ سکتیں۔"

مگر وہ جھیلیں بھی نہ تھیں؛ محض جمے ہوئے چھوٹے تالاب، جن کے کنارے پالے میں ڈھکی جھاڑیاں تھیں۔ اگر یہ کوئی دوسری جگہ ہوتی تو ہم اس کی نازک خوب صورتی ضرور دیکھتے۔ کسی اور سرزمین پر ماہی گیروں کے لیے تالاب میں لکڑی کا گھاٹ بنا ہوتا، یا کنارے ایک چھوٹی کشتی بندھی ہوتی۔ مگر کسی اور ملک میں، اگر معلوم ہوتا کہ اندر کیا ہے، کم از کم تختی ضرور ہوتی۔ صرف تیس انسانوں کی آخری باقیات بھی ایک پتھر کی مستحق ہوتیں؛ تین سو کی آرام گاہ کے لیے عالمی شہرت یافتہ فن کار یادگار بناتا۔ برکیناؤ میں دونوں ریلوے آخری سروں کے گیس چیمبروں کے درمیان یادگاریں واقعی موجود ہیں۔ مگر اس راکھ کے گڑھے پر کچھ نہ تھا۔ اگر تین سو کی قبر یاد رکھی جا سکتی ہے تو تین ہزار، تیس ہزار—یا اس ننھے تالاب کے بارے میں حقیقت پسند ہوں تو تین لاکھ—انسانوں کی راکھ کو لفظوں میں کیسے ظاہر کیا جائے؟

برف کے نیچے سرد گہرائی میں کہیں پورے شہروں کے انسانوں، نسلوں، ایک مکمل براعظم کی سفید پسی ہڈیاں تھیں۔ تالاب کے ایک کنارے پالے زدہ گھاس کچلی ہوئی تھی۔ ساحل سے جانور کے چھوٹے قدم برف پر گئے تھے؛ شاید لومڑی میدان کا مختصر راستہ کاٹ رہی تھی۔ مگر مرکز کے قریب اس کے پنجے نے سطح کی پرت اچانک توڑ دی۔ لومڑی یقیناً گھبرا کر جھاڑیوں کی طرف بھاگی تھی؛ اس کے پنجوں کے نشان برف پر پھسلتے، کھرچتے واپس گئے تھے۔

میں نے اس ننھی جھیل کی کئی سیاہ و سفید تصویریں لیں—پالے والی سطح، پیچھے جھکے سفید درخت۔ بیروت واپس آ کر تصویریں بنوائیں۔ مگر شاید چھپائی کے کیمیکل میں خرابی تھی؛ ممکن ہے فروخت سے پہلے پانی ملا دیا گیا ہو۔ چار پانچ ہفتوں بعد آشوٹز، برکیناؤ کے آخری ریلوے سرے، گیس چیمبروں اور راکھ کے گڑھوں کی تصویریں دانے دار اور دھندلی ہونے لگیں، اور ان پر پرانی جنگی تصویروں جیسا گہرا سپیا رنگ چڑھ گیا—بالکل وہی رنگ جو بوڑھے شیمون ڈیٹز کے خواب گاہ کی دیوار پر آویزاں، موت کے منتظر یہودیوں کی تصویروں کا تھا۔

باب اوّل۔ Pity the Nation: Lebanon at War، ماخذ: رابرٹ فسک

باب 2

فلسطین کی چابیاں

رابرٹ فسک

”یہ ہماری دونوں قوموں کا المیہ ہے۔ اپنی ناقص انگریزی میں کیسے سمجھاؤں؟ میرا خیال ہے عربوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو یہودیوں کے۔ یہ تاریخ کا المیہ ہے کہ ایک پناہ گزیں قوم نے نئے پناہ گزیں پیدا کر دیے۔ مجھے عربوں سے کوئی شکایت نہیں؛ وہ بھی ہمارے جیسے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ المیہ ہم یہودیوں نے کیا—مگر یہ ہوا۔“— شلومو گرین، نازیوں سے بچ نکلنے والا یہودی پناہ گزیں؛ یہ جاننے کے بعد کہ اسرائیل میں اس کا گھر 1948ء میں ایک فلسطینی خاندان سے لیا گیا تھا۔

ڈیوڈ رابرٹس نے ارضِ مقدس کا سفر کیا تو وہ مصور کے ساتھ مہم جو بھی تھا—ایک رومان پرست، جو مشرقِ وسطیٰ کی گرم اور کھردری حقیقتوں کو اپنی خاص نگاہ سے چھان لیتا تھا۔ 1830ء کی دہائی میں گھوڑے پر فلسطین سے گزرتا اور جنوبی لبنان کے ساحل پر چڑھتا ہوا وہ صور کے حاکم کے ہاں ٹھہرا، کوہِ شوف کی برفیں پار کر کے نرم خو وادئ بقاع پہنچا، جہاں رومی شہر ہیلیوپولس کے عظیم معابد کے خاکے بنائے۔ اس کی تخلیق کردہ دنیا میں نہ جنگ تھی، نہ سیاسی نزاع، نہ خطرہ۔ فلسطینی دیہات، صور، رأس الناقورہ، بعلبک اور لبنان کے سنگی نقوش عہدِ قدیم کے سکون میں نہائے تھے—انیسویں صدی کی ایک خواب ساز مشین، جو پہلے ترک اور پھر برطانوی سلطنت کے انہدام کے ساتھ زیادہ دل فریب ہوتی گئی۔

آج عثمانی فلسطین کے رابرٹس کے نازک خاکے اور آبی رنگ لبنان میں ہزاروں فلسطینی گھروں کی راہداریوں، خواب گاہوں اور بیٹھکوں میں ملتے ہیں۔ صیدا کے مشرق میں عین الحلوہ کے گرد آلود کیمپ میں نابلس، الخلیل، اریحا اور یروشلم کے سستے عکس مہاجر جھونپڑیوں کی سیمنٹی

دیواروں پر، میلے شیشوں کے پیچھے، کبھی ٹیپ اور گوند سے چپکے ہیں۔ فراموش شدہ پُرسکون لبنان کی تصویریں لبنانی گھروں میں بھی ہیں؛ بیروت کی دکانیں اور اسرائیل کے سیاحتی ہوٹل ان مجموعوں سے بھرے ہیں۔ یہ ایسا مرہم ہے جس پر ہر شخص یقین کر سکتا ہے۔

رابرٹس کے یافا میں پرانا شہر گنبدوں، میناروں اور خاک آلود راستوں کے ساتھ باہر کو جھکتا ہے؛ دور ایک دیہاتی جوڑا گدھے کے ساتھ اسے دیکھتا ہے۔ عکّا میں رچرڈ شیر دل کے قلعے کی فصیل بے مدّوجزر بحیرۂ روم تک جاتی ہے، اور شام کے دھندلکے میں ننھی عرب شبیہیں سرائے کے پاس ٹہلتی ہیں۔ خاکستری پہاڑیوں پر کہیں کہیں ہلکا سبز رنگ—شاید فلسطینیوں کے لیے یہ دھیمی شہادت کہ اسرائیلی ریاست سے پہلے بھی صحرا کھلتا تھا۔ اپریل 1830ء کے یروشلم میں شہر مقدس کا سیاہ ہیولا، گرجوں کے برج، مینار اور قبۃ الصخرہ نرم شام کے آسمان پر سرمئی خطوط ہیں۔ بدوی لباس والے چھ عرب شفاف نیلے پانی کے قدیم کنویں پر آرام کرتے ہیں؛ ٹوٹا رومی ستون تاریخ کی عظمت یاد دلاتا ہے۔ کثرتِ استعمال نے یہ عکس تقریباً کلیشے بنا دیے، مگر وہ ایک مقصد اور خواب دونوں کی علامت ہیں :اگر سرزمین کبھی ایسی تھی تو پھر کیوں نہیں ہو سکتی—امن اور سکون کی سرزمین؟

میرے بیروت کے گھر میں جنوبی لبنان کے صور کا ایک سنگی نقش تھا۔ دور سکندر کا جزیرہ نما شہر، مانوس ایستادہ عرب، سامنے ٹوٹا رومی سنگ و خشت۔ 1978ء کی ایک دوپہر میں اسرائیلی گولہ باری میں بارہ گھنٹے گزار کر صور سے لوٹا۔ وہ صور کچی سڑکوں، ابلتے گندے پانی، فلسطینی کیمپوں، فدائی گوریلوں، بندوقوں، ڈوبے جہازوں اور دھماکوں کی تیز کڑک کا شہر تھا۔ کیا اسے بیٹھک کی تصویر سے جوڑ سکتا تھا؟ کیا یہی میرا لبنان تھا؟ کیا برسوں بعد اسے حسرت سے دیکھوں گا؟ رومی کھنڈر، عثمانی بندرگاہ کے چند گودام، ساحل کے پاس مختصر مسیحی گلیاں اب بھی موجود تھیں۔ فونیقی

ساحل سے ٹکراتا پھیکا سبز بحیرۂ روم بھی ہماری نقل و حرکت اور زندگیوں کو بدستور صورت دیتا، رابرٹس کی دور افتادہ بے عکس دنیا اور میرے موجودہ ملک کے درمیان لازمی، اٹل رشتہ تھا۔

رابرٹس کی سوانح بتاتی ہے کہ اس کی دیکھی دنیا بھی پُرتشدد تھی؛ برفانی شوف پار کرتے ہوئے اسے بعلبک کے راستے پر بندوق برداروں سے خبردار کیا گیا—بالکل آج کی طرح۔ مگر دیوار کی تصویر نئی دنیا کی گہرائی اور سکون لیے تھی۔ اگر میں اس خواب سے لطف اٹھا سکتا تھا تو اسرائیل، لبنان یا فلسطین میں پیدا ہونے والوں، یا سابق فلسطین میں بسنے کے آرزو مندوں کے لیے اس پر یقین کتنا آسان تھا۔ رابرٹس نے یروشلم بنایا تو یہودی آبادی کل کا بمشکل دس فی صد تھی۔ صدیوں سے مستقل یہودی موجودگی ضرور تھی اور یہ یہودیوں کا بھی قدیم وطن تھا، مگر رابرٹس کے اس پہاڑ پر بیٹھنے سے آٹھ برس پہلے پورے فلسطین میں صرف چوبیس ہزار یہودی تھے۔

بیروت یا یروشلم کی پرانی کتابوں کی دکانیں کھنگالیے تو بھوت ابھرتے ہیں۔ 1835ء میں فرانسیسی ادیب الفونس دی لامارتین یروشلم سے لوٹا اور ''سفر مشرق''میں لکھا کہ چونکہ فلسطین حقیقتاً ملک نہیں، اس لیے سلطنتی یا نوآبادی منصوبوں کے غیر معمولی مواقع رکھتا ہے۔ ساٹھ برس کے اندر معمولی سیاحوں کے لیے بھی انیسویں صدی کا رومان گھٹنے لگا۔ مغربی بیروت سے خریدی جان مرے کی 1892ء کی شکستہ ''شام و فلسطین مسافر رہنما''میں ''مسلم عرب''کو ''مغرور، متعصب، ناخواندہ ...وضع میں باوقار، گفتگو میں شائستہ اور مہمان نوازی میں فیاض؛ مگر سچ سے بے نیاز، معاملات میں بددیانت اور خفیہ طور پر بدکردار''کہا گیا۔ برعکس، یہودی ''ملک کی سب سے دل چسپ قوم ...فلسطین میں غیر ملکی، دنیا کے ہر ملک سے آنے والے''تھے؛ ان کی حالیہ آمد غیر معمولی، جسے ترک حکومت ہر ممکن طریقے سے روک رہی تھی۔

یہ ہندوستانی سلطنت کے راستوں پر واقع سرزمین کے بارے میں سامراجی برطانیہ کے خالص تاثرات تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے آغاز میں برطانیہ نے فلسطینی صیہونیت کو اس لیے بڑھایا کہ امریکی یہودی اپنے ملک کو ترکی کے خلاف جنگ میں شریک کرائیں۔ زار جرمنی کے خلاف حلیف تھا، اس لیے روسی یہود دشمنی ختم کرانے کا مطالبہ سیاسی طور پر ناموزوں تھا۔ 1916ء میں دفتر خارجہ نے دو سفیروں کو لکھا کہ فلسطین میں یہودی آباد کاری کو اس امکان سے زیادہ پُرکشش بنایا جا سکتا ہے کہ جب نوآبادکار عرب آبادی کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں تو داخلی امور اپنے ہاتھ میں لے لیں؛ "ہمارا واحد مقصد ایسا انتظام ہے جو اکثریتِ یہود کو اتنا مرغوب ہو کہ ہم یہودی حمایت کا سودا کر سکیں۔"

یہ بے رحمانہ کاروبار تھا—جیسے 1917ء کا اعلانِ بالفور، جس نے یہودی وطن کی حمایت اس شرط پر کی کہ فلسطین کی موجودہ غیر یہودی آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق متاثر نہ ہوں۔ 1918ء کا اینگلو فرانسیسی اعلان بھی اسی جنس کا تھا :ترکوں کے خلاف حلیفوں کا ساتھ دینے پر سابق عثمانی عرب نوآبادیوں کو آزادی—ایک وعدہ جسے نبھانا مقصود نہ تھا۔ اگلے برس بالفور نے کہا" :فلسطین میں ہم موجودہ باشندوں کی خواہش معلوم کرنے کی رسم بھی ادا نہیں کریں گے۔" اس کے نزدیک صیہونیت اس قدیم سرزمین کے سات لاکھ عرب باشندوں کی خواہشات اور تعصبات سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ سوم اور پاشندیل کا قتل ان متضاد وعدوں کا پس منظر تھا؛ دوسری عظیم یورپی جنگ کا کہیں ہولناک قتل فلسطین میں یہودی ریاست کی ضمانت بننے والا تھا۔ رابرٹس کی رنگین پوش شبیہوں کی اولاد ان تاریخی بے حرمتیوں کے سامنے بے بس تھی۔

بالفور نے 1917ء میں دستخط ثبت کیے اور برطانوی خون آلود سیڑھی اترنے لگے۔ چرچل کے الفاظ میں :ابتدا میں زینے چوڑے، کم بلند اور قالین پوش تھے؛ آخر میں قدموں تلے پتھر بھی بکھر گئے۔ 1938ء کے وزیر برائے نوآبادیاں میلکم میکڈونلڈ کو اسی خطرناک راستے پر چلنا تھا۔

وہ دوسری جنگ سے پہلے پہلی جنگ کے مایوس کن وعدوں میں تطبیق اور یہودی ہجرت محدود کر کے برطانوی انتداب میں امن کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

چالیس برس بعد کینٹ کے سیون اوکس میں اس کی بیٹھک میں، اسے مسئلۂ فلسطین حل کرنے کی اپنی مسمار کوششوں پر سر جھٹکتے دیکھا۔ 1938ء میں کٹر صیہونی حامی چرچل نے دارالعوام اور لابی میں اسے عرب نواز کہہ کر کوسا" :وہ کہتا تھا عرب وحشی ہیں اور اونٹ کی لید کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔ "برطانوی ایسی بحث کو ذاتی رنجش بننے سے بچا سکتے تھے—یہ فیاضی آئندہ شکاروں کو نصیب نہ تھی۔ میکڈونلڈ نے چرچل کو منانے کے بجائے کہا، کاش میرا بیٹا ہوتا؛ میں آپ کی "میری ابتدائی زندگی "پڑھ رہا ہوں اور چاہتا کہ وہ یہی زندگی جیتا۔ چرچل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اسے گلے لگا کر بولا :"میلکم، میلکم۔ "بوڑھا میکڈونلڈ گہری کرسی میں یہ داستان چکھتا، کھوئے امکانات دیکھتا رہا۔ بڑی چائے دانی سے دیو قامت پیالے بھرے، پھر اچانک فرش سے نگاہ اٹھا، غصے سے انگلی میری طرف کی" :مگر تم آج بیروت میں اس لیے رہتے ہو کہ میں ناکام "ہوا۔

وہ کامیاب کیسے ہوتا؟ یروشلم کے مغرب کی پہاڑیوں پر یاد و شیم بظاہر ہولوکاسٹ کی یادگار ہے۔ "بظاہر "یہودی قارئین کو ناراض کر سکتا ہے، مگر یہ یادگار سے زیادہ سیاسی بیان ہے۔ دستاویزیں اور تصویریں موضوع متعین کرتی ہیں :ہولوکاسٹ نے اسرائیل پیدا کیا؛ اس ریاست کی تخلیق کا مخالف نازیوں کے درجے پر ہے۔ برکیناؤ کے چبوتروں پر یہودی چنتے ایس ایس افسروں کے ساتھ برطانوی چھاتہ برداروں کی تصاویر ہیں، جو کیمپوں سے بچنے والوں کو جنگ کے بعد فلسطین سے ہٹا رہے ہیں—گویا برطانوی بھی نازی اور جنگی مجرم تھے۔ 1978ء میں یہ ناقابلِ جواب الزام کی جگہ لگی؛ 1987ء میں آشوٹز دیکھنے کے بعد سہل پروپیگنڈا، جو آشوٹز، تربلنکا اور

دوسرے کیمپوں کی دہشت سے صرف اسرائیل کے وجود ہی نہیں، اس کے ہر بعد کے فعل کا جواز بناتا تھا۔

یہ فلسطینی عربوں کے خلاف فردِ جرم بھی ہے۔ یہاں یروشلم کے مفتی اعظم حاج امین الحسینی نازی جرمنی میں ہائنرش ہملر سے ملتے، ایس ایس سربراہ سے ہاتھ ملاتے اور ورماخت کے رضاکار مسلم دستے کا معائنہ کرتے ہیں۔ دیوار پر جرمن حکومت سے یورپی یہودیوں کو فلسطین جانے سے روکنے کی ان کی اپیل کا درست ترجمہ ہے۔ نتیجہ صاف: فلسطینی عربوں کا مذہبی رہنما بھی جنگی مجرم؛ تو سیاسی جانشین کیوں نہیں؟ اگر نازیوں میں یہودی ہجرت روکنے کی امید دیکھنے والے فلسطینی ایس ایس کے برابر تھے تو آج اسرائیل کی مخالفت کرنے والے بھی کیا یکساں مجرم نہیں؟

یورپی جنگ کے بعد فلسطین کی خانہ جنگی نے تھکے سامراجی منتظمین کو گھیر لیا۔ بوڑھا صیہونی چرچل یہودی بندوق برداروں کے ہاتھوں برطانوی فوجیوں کا قتل دیکھ کر فلسطین کو ''جہنمی تباہی'' کہتا تھا۔ مگر ان عربوں کے لیے حالات کہیں بدتر تھے جن کے گھر اقوام متحدہ کی مقررہ نئ اسرائیلی ریاست میں آ گئے۔ بالفور کی ''موجودہ غیر یہودی آبادیاں ''پہلی نکبت کے دہانے پر تھیں۔ عرب فوجیں نئے اسرائیل سے نکال دی گئیں، ساتھ پانچ سے سات لاکھ فلسطینی بھی، جن کے گھر نئے اسرائیل یا اس کے قبضہ کردہ عرب علاقوں میں تھے۔ کئی دہائیاں اسرائیل کہتا رہا کہ عرب ریڈیو کی اپیل پر لوگ رضاکارانہ نکلے تاکہ ہمسایہ ملکوں میں عرب فتح کا انتظار کریں۔ اسرائیلی محقق اب مانتے ہیں ایسی نشریات ہوئیں ہی نہیں، دعوے جھوٹے تھے۔ عرب خوف سے گئے—اکثر یہودی جتھوں کے ہاتھوں عرب شہریوں کے قتل کی بالکل سچی خبریں سن کر۔

نتیجہ ناگزیر تھا۔ اسرائیلی یہودی اپنی نشاۃِ ثانیہ پر شاد تھے، فلسطینی عرب مایوسی میں نکلے۔ یورپی کیمپوں، گڑھوں اور گیس چیمبروں سے بچے لوگ بالآخر اس ارضِ موعود پہنچے جس کے گیت

آشوٹز میں گائے تھے۔ امریکی صحافی آئی ایف اسٹون ترک پناہ گزیں جہاز "اکبل "پر، حراستی کیمپوں کے سیکڑوں زندہ بچ جانے والوں کے ساتھ حیفا کے شمالی ساحل پر سحر کی آمد لکھتا ہے: "صبح سے ذرا پہلے وہیل ہاؤس پر سویا۔ جنوب مشرق میں پہاڑ کا مدھم خط دیکھ کر جاگا۔ روشنی بڑھی، سورج نکلا تو جہاز میں پکار اٹھی :ارضِ اسرائیل !سامنے کوہِ کرمل، نیچے صبح کی دھوپ میں سوتا حیفا ...مہاجر خوشی سے چلائے، قومی ترانہ ہاتکوا گایا، عرشے پر اچھلے، ایک دوسرے کو چوما اور گلے لگایا۔"

چند ماہ بعد عسکری فلسطینی ادیب غسان کنفانی اسی ملک سے ایک عرب خاندان کی روانگی یاد کرتا ہے" :الناقورہ پر ہمارا ٹرک بہت سے ٹرکوں کے ساتھ رکا۔ مرد مقرر افسروں کو ہتھیار دینے لگے۔ ہماری باری آئی تو میز پر رائفلیں اور بندوقیں، اور ٹرکوں کی طویل قطار دیکھی جو مالٹوں کی سرزمین پیچھے چھوڑ کر لبنان کی بل کھاتی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ تب میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ تمہاری ماں خاموشی سے مالٹوں کو دیکھتی رہی۔ "دونوں اقتباسات میں مسرت اور یاس تقریباً برابر ہیں۔ ساحل دیکھ کر یہودی پکار اور وطن چھوڑتے عرب ہتھیار و بے بسی آج مزید معنی رکھتے ہیں۔ اسرائیل کو تمام یہودیوں کی آخری حقیقی پناہ—ڈیٹنز کے الفاظ میں "پہلی اور آخری دفاعی لکیر"—ماننا آج بھی 1948ء جیسا معتبر ہے؛ اور صبرا و شتیلا، عین الحلوہ، نہر البارد، برج الشمالی اور رشیدیہ کی جھونپڑیوں میں کنفانی کی بندوقیں، تلخی اور آنسو نفرت میں جم چکے ہیں۔

اب فرار ہونے والے ہزاروں عرب، پیچھے رہ جانے والے چند ہزار، اور جلد اردن میں ضم ہونے والے یروشلم و مغربی کنارے کے باشندے خود کو فلسطینی کہتے؛ فلسطین کے یہودی اب اسرائیلی تھے۔ "مالٹوں کی سرزمین "سے نئے جلاوطن مغربی کنارے، لبنان اور شرقِ اردن ایک ایسی شناخت لے کر پہنچے جو اس ملک سے وابستہ تھی جو اب موجود نہ تھا—اور آزاد قوم کی صورت پہلے بھی نہ تھا۔ المیہ یہ کہ پہلے وہ جلاوطنی چند دن، زیادہ سے زیادہ ایک ماہ سمجھتے تھے؛

لڑائی رکنے پر دوسرے شہریوں کی طرح گھروں اور کھیتوں میں لوٹ کر منقطع زندگی بحال کر لیں گے۔

اسی لیے بہتوں نے جاتے وقت دروازے احتیاط سے مقفل کیے۔ وقت ملا تو جائیداد کی اسناد، مالٹوں کے باغوں اور کھیتوں کے نقشے، ٹیکس کاغذات، عثمانی دور تک کے شناختی ورق، خاندانی تبرکات، زیور اور دروازوں کی چابیاں تھیلوں اور ڈبوں میں رکھیں۔ امید تھی گھر لٹیں گے نہیں؛ تنازع ہوا تو عالی شان اسناد، بعض پر بابِ عالی کی مہر، فوراً ملکیت ثابت کر دیں گی۔ تاریخِ مشرقِ وسطیٰ کی لطیف سفاکی یہ تھی کہ کاغذات اور چابیاں فلسطینیوں کی سب سے علامتی اور سب سے بے مصرف ملکیت بنیں۔ ہفتے، مہینے اور پھر برس ہوئے تو معنی زیادہ دردناک۔ لبنان میں پیدا بچوں کو یاد ہے کہ والدین نے پچاس کی دہائی کے آغاز میں غصے سے چابیاں پھینک دیں؛ دستاویزیں گم یا تباہ ہوئیں کیونکہ وہ ایسی دنیا کی ملکیت ثابت کرتی تھیں جو مٹ چکی تھی۔ موٹی سرمئی لوہے کی چابی، کبھی منقش دستے والی، واپسی کا وعدہ تھی جسے تاریخ نے توڑا؛ نئے مالکوں نے واپسی روکی اور تالے بدل دیے۔

اس کے باوجود لبنان کے پانچ لاکھ فلسطینیوں میں بہتوں نے چابیاں اور اسناد سینے سے لگائے رکھیں۔ 1967ء کی جنگ اور مغربی کنارے و غزہ پر اسرائیلی قبضے کے بعد فلسطینی سیاسی شناخت ابھری تو روزمرہ دھات اور کاغذ کا وعدہ پھر زندہ ہوا۔ ذلت کی یادگاریں بے قیمت خزانہ بنیں۔ 1970ء میں پی ایل او اردن سے نکلی اور اسرائیل کے خلاف جنگ لبنان میں مرکوز ہوئی تو یہ چیزیں فرش یا قالین کے نیچے، زنگ آلود بسکٹ ڈبوں، ٹوٹے سوٹ کیسوں اور قدیم صندوقوں میں چھپیں—اکثر وہی برتن جن میں 1948ء کا قیمتی سامان لایا گیا تھا۔

ہر سند برطانوی انتدابی افسر کے دستخط کے ساتھ فروخت اور تصفیے کی تفصیل دیتی ہے۔ بعض پھٹی، بعض اکتالیس برس بار بار پڑھنے اور تہ کرنے سے شکستہ؛ مگر شاہی نشان اور جارج ششم کے

حروف کے تحت تاجِ برطانیہ کی اتھارٹی رکھتی ہیں۔ اسرائیل کے نقشے پر بچھائیں تو شمالی الجلیل سے عسقلان تک متنازع ملکیت کا پیچ ورک بنتا ہے :ہر زمین کی دو قانونی اسناد—یروشلم، تل ابیب یا بیر سبع میں اسرائیلی کی ناقابلِ تردید ملکیت؛ بیروت یا عمان میں فلسطینی عرب کی حق دار ملکیت۔ ساتھ رکھیں تو علاقائی اور سیاسی تضاد :ایک وجودِ اسرائیل کا ثبوت، دوسری خوابِ فلسطین۔

میں نے پہلی چابی 1977ء میں بیروت کے شتیلا کیمپ میں دیکھی۔ چار بھائی، دو بہنیں، والدین اور دادی سے شامی فوج کے زیر سایہ زندگی پوچھ رہا تھا :کیا شامی انٹیلی جنس دیکھتی ہے؟ غالباً۔ کوئی گرفتار؟ شاید۔ کیا یاسر عرفات نمائندہ ہے؟ یقیناً۔ پھر وہ گہرا سوال جو ایسے انٹرویو میں عجیب طور پر کم اہم لگتا ہے :کیا واقعی فلسطین لوٹیں گے؟ دادی اٹھی، اپنی مختصر سیمنٹی خواب گاہ سے رومال میں لپٹی چیز لائی۔ ”حیفا میں ہمارے گھر کی ہے۔ “کپڑا کھلا :گن میٹل سرمئی ڈنڈی بھورے زنگ میں، دستہ اب بھی چمک دار۔ کتنے خاندان چابیاں رکھتے تھے، انہیں معلوم نہ تھا۔ صرف دادی فلسطین میں رہی تھی؛ بیٹے کا خاندان اسے ”اپنے “گھر کی چابی اور کبھی نہ دیکھے حیفا کو اپنا “شہر سمجھتا تھا۔”

اگلے تین برس چابیاں اور زیادہ اسناد دیکھیں؛ اکثر پرانے بھورے برطانوی فلسطینی پاسپورٹ کے ساتھ، جس کا آخری استعمال شدہ صفحہ مالک کی آخری روانگی درج کرتا۔ بعض فلسطینیوں نے لڑائی سے پہلے چھٹی کا منصوبہ بنایا اور بیروت کا ویزا لیا—خوش گوار قانونی خروج، جس کی قانونی واپسی کبھی نہ آئی۔ اگر لبنان میں مالکوں اور ثبوت تک پہنچنا آسان تھا تو اسرائیل میں وہ گھر ڈھونڈ کر انہی دروازوں پر دستک کیوں نہیں؟ کون کھولے گا؟

مجھے تب معلوم نہ تھا کہ میں عرب اسرائیل جنگ کے جوہر کو چھو رہا ہوں۔ فلسطینی وجود اور قوم کا مطالبہ بحران کے مرکز میں تھا، مگر زمینِ فلسطین—اعلانِ بالفور میں یہودی ”وطن“—کی ملکیت کے متضاد دعوے دونوں طرف غصہ اور خوف پیدا کرتے تھے۔ تاریخ اور اسناد جائز صحافتی

سوال اٹھاتی تھیں: قانونی اور اخلاقی طور پر جائیداد کس کی؟ فلسطینیوں کو سوال سادہ لوح بلکہ توہین لگا: وہ مہاجر نہیں، غیر قانونی جلاوطنی جھیلتے قانونی باشندے؛ ان کے گھر چھین کر دوسروں کو ملے۔ سوال انصاف پر شک تھا۔ اسرائیلیوں اور یہودی تارکین وطن کے لیے یہی سوال صیہونیت کی اخلاقیات پر وار؛ دروازہ کھٹکھٹانا ریاستِ اسرائیل کی مشروعیت پر شبہ۔

لبنان میں پینتیس خاندانوں کے ہفتوں انٹرویو کے بعد میں نے صرف غیر گوریلا خاندان چنے؛ پھر صرف چار، جن کے پاس اصل پاسپورٹ، مکمل اسناد اور ٹیکس گوشوارے تھے۔ تین کبھی خوش حال اور جلاوطنی میں پھر متوسط حیثیت پا چکے تھے—یورپ یا اسرائیل کے لاکھوں متوسط جوڑوں جیسے۔ یہ بھی میری "غلطی" کو بڑھاتا تھا۔ 1980ء کے اواخر میں بیروت سے یروشلم گیا۔ حکومتی ترجمان رافی ہورووٹز، تلخ وضاحت والا ادھیڑ عمر شخص، بولا": سمجھیں کہ ریاستِ فلسطین کبھی موجود نہ تھی۔ عرب 1948ء میں ہماری یہودی ریاست تباہ کرنے لڑے۔ ہمیں جیتنے پر "معاف کیجیے۔

بارش بھری شام، یافا روڈ سیاحتی بسوں سے بند، امریکی کھڑکیوں سے پھوار میں روشن تل ابیب کا نشان دیکھتے۔ اشتہار، بس پوسٹر، دکان نام عبرانی؛ کونے پر خوب صورت اسرائیلی لڑکی نے رسالہ دیتے امریکی لہجے میں کہا" :دو ڈالر۔ دن اچھا گزرے۔ "کیا یہ کبھی فلسطین تھا؟ سوال سرکاری دفتر میں جھنجھلاہٹ پیدا کرتا؛ قانونی مالک پوچھیں تو غصہ۔ ہورووٹز موشے اوَمان کی 24 صفحاتی "فلسطین میں ملکیتِ اراضی 1880ء–1948ء "لایا، جس میں مارک ٹوین، لامارتین، لارڈ ملنر اور 1937ء کے شاہی کمیشن سے اقتباسات تھے کہ تیس کی دہائی کی یہودی آمد سے پہلے فلسطین رہزنی، افلاس اور صحرا تھا۔

اوَمان نے 1867ء کے مارک ٹوین کا "ویران ملک، زرخیز مٹی مگر گھاس کے حوالے؛ پورے راستے انسان نہ دیکھا ...دس میل میں دس آدمی نہیں ... ننگی پہاڑیاں، بدصورت صحرائی وادیاں،

ناامید، اداس، دل شکستہ سرزمین ”نقل کیا۔ اقتباس درست تھا مگر متن میں خیال پوشیدہ تھا: فلسطین صرف خالی نہیں—جو رہتے تھے شاید رہنے کے لائق نہ تھے، جدید آب پاشی، شجرکاری یا پختہ گھر بنانے میں کاہل۔ رابرٹس کے نقوش سے ثابت انیسویں صدی کی عرب کاشت نظر انداز؛ نتیجہ کہ اسرائیل کی 95 فی صد زمین عربوں کی ہونے کا دعویٰ ”بالکل بے بنیاد“۔

ہوروونز کے نزدیک فلسطینی اب محض مہاجر تھے: انتداب ختم ہوا تو یہودی و عرب ریاستیں بننا تھیں؛ عرب ریاست نہ بنی، اردن نے ضم کر لی۔ آج کے اسرائیل میں عرب قانونی زمین رکھتے تھے اور ثابت کر سکتے تھے، مگر اب اسرائیل سے برسرِ جنگ عرب ملکوں کے شہری، سو قبضہ نہیں مانگ سکتے۔ 1948ء ہار کر—”ہمیں جیتنے پر معاف کریں“—وہ جزوی مہاجر برادری بنے؛ یہی مسئلے کا حصہ۔ پھر جھکا” :آپ لوگ چند مخصوص تفصیلات سے آفاقی سچ نکالنے آتے ہیں؛ میری بدگمانی معاف۔ ”مگر لبنان میں تفصیل بھی مشکل تھی۔

یادیں بند ہو چکی تھیں۔ ایک بوڑھے فلسطینی نے زیتون کے باغ کا نقشہ بناتے دس منٹ یافا کے جنوب کی سڑکیں بار بار کھینچیں؛ پھر وہ پاگل پن سے ایک دوسرے کو کاٹنے لگیں۔ وہ جغرافیہ بھول چکا تھا” :معاف کیجیے، بہت وقت گزر گیا۔ ”فلسطینی یادوں میں دھند ہے۔ بہت سے 1948ء سے پہلے یہودی عرب ہم آہنگی یاد کرتے ہیں، حالاں کہ بعض علاقوں میں پہلے ہی قریب خانہ جنگی تھی۔ مرثیائی یاد کو رابرٹس کے خوابناک نقوش سہارا دیتے ہیں۔

مغربی یروشلم کی موجودہ زمین سے ان کا کم تعلق ہے۔ عرب دیہات اور نام نقشے سے مٹے۔ دیر یاسین—جہاں اپریل 1948ء میں یہودی جتھوں نے 250 عرب، نصف عورتیں اور بچے، قتل کیے—اب گوات شاؤل، یروشلم کا مضافاتی علاقہ؛ مرکزی سڑک پٹرول پمپ، گیراج اور بلند عمارتیں، قتل گاہ سے زیادہ ایج ویئر روڈ یا بروکلن۔ کبھی پرانا فلسطین جھلکتا ہے :لطرون خانقاہ یا عسقلان کی پچھلی سڑک پر تاریک باغوں میں پھل چنتی عرب عورتیں، سنہری سرخ کڑھائی کے

لباس پتوں میں چمکتے—1948ء میں رہ جانے والے ایک لاکھ ستر ہزار کی اولاد۔ پرانے عرب یافا میں رابرٹس کی گلیاں تقریباً مٹیں؛ جھونپڑی نما گھر اور منہدم گھروں کے میدان۔ ساحل کے شکستہ خوانچے پر تین اسرائیلی شہری فلسطینی دس شیکل کے قرض پر لڑ رہے تھے؛ ایک عربی، دو عبرانی میں چیختے۔ لبنان کی فلسطینی عسکریت کے بعد یہ آئینے کی غلط سمت تھی—شیشے کے پار فلسطین۔

کیا تارکین وطن اسی زمین پر لوٹنا چاہتے ہیں؟ لبنان میں جواب صاف :ایک شاکی کے مقابل سیکڑوں موقع ملنے پر موجودہ اسرائیل لوٹتے۔ انہی میں ڈیوڈ دامیانی تھا، مسیحی جس کا خاندان صلیبی عہد سے فلسطین میں تھا۔ مغربی بیروت کی شوریدہ سڑک کے اوپر دھاتی کرسی پر، موٹے چشمے سے دیکھتے، اس نے شجرہ فخر سے سنایا۔ بطروس دامیانی 1687ء میں یروشلم میں پیدا؛ چار بیٹے برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور ٹسکنی کے قونصل۔ آخری فردینڈ 1932ء میں میکسیکو کا نمائندہ؛ تصویر میں ذرا خود پسند سا، اونچی ٹوپی، گرد یروشلم کے عمائدین اور چند انگریز۔

دامیانی نے کہا” :نپولین نے یافا کا محاصرہ کیا تو ہمارے جد انتون دامیانی نے مسلم آبادی کے لیے سفارش کی اور اسے فرانسیسی غضب سے بچایا—ہمارے پاس شرعی عدالت کی سرکاری سند ہے...“

انیسویں صدی کے آغاز میں لامارتین یافا میں دامیانی خاندان کے ہاں ٹھہرا اور اسی ”سفر مشرق “میں ان کا ذکر کیا جس میں فلسطین کے نوآبادی امکانات کی تشہیر تھی۔ ڈیوڈ کے والد ژاں دامیانی زیتون کے باغوں، یافا، تل ابیب اور یروشلم میں وسیع جائیداد اور صابن کارخانے کے مالک تھے۔ کارخانہ سینٹ پیٹر چرچ کے قریب یافا کی پہاڑی پر پرانی ترک سرائے میں تھا۔ خاندان نے گنبد دار شکستہ عمارت بلدیہ سے خریدی، اور پہلی جنگ کے بعد کئی دہائیوں تک محرابی دروازے پر—جہاں کبھی ترک پاشا قانون چلاتے تھے—دامیانی کا نام عربی اور انگریزی میں نمایاں رہا۔

ڈیوڈ کو وہ زمانہ محفوظ ملک میں اسکولی لڑکے کی زندگی یاد تھا۔ پانچ بھائیوں، بہن اور والدین کے ساتھ کلف ہوٹل کے قریب پرانی عمارت میں رہتا۔ 1935ء میں والد نے خاندان کی پہلی گاڑی خریدی : ہلکے سبز رنگ کی شاندار بیوک، قیمت 350 فلسطینی پونڈ، تب اتنے ہی اسٹرلنگ۔ زیتون کے باغوں کے دورے کے لیے ڈرائیور تھا۔ ”1936ء سے پہلے یافا بندرگاہ پھلتی تھی؛ ہمیشہ پچیس تیس جہاز مال کے منتظر۔ عرب اور یہودی خوش تھے، پھل، سبزیاں، خوراک فراواں۔ ”حکومت اور یہودی ایجنسی فساد نہ بھڑکاتے تو لوگ خوش رہتے۔

1936ء پر پہنچ کر چہرہ سرد اور ہاتھ مضطرب ہوئے۔ ”عام ہڑتال 19 اپریل، اتوار کو شروع ہوئی؛ اگلے روز چودہ سالہ میں اسکول نہیں جانا چاہتا تھا۔ بجھی تک بس جاتی، مگر اسکول بند تھا اور میں خوش۔ عرب ہڑتال تھی مگر ہمارا متوسط علاقہ محفوظ۔ “1938ء کی بغاوت میں عرب رہنما خوش حال لوگوں پر محصول لگاتے؛ والد بیروت چلے گئے، دیانت دار مزدور کارخانہ چلاتے، اسکول کے ساتھ ڈیوڈ حساب دیکھتا۔ ”والد نے اپنی جان بچانے کو عربوں کو رقم دی۔ “دوسری جنگ چھڑی تو ایک دن میں معمول بحال اور پرانے دشمن عارضی ساتھی۔ 1941ء میں لبنان آزاد ہوا تو ڈیوڈ اے یو بی میں کاروباری انتظام پڑھنے گیا؛ ٹیکسی سے بیروت–یافا فقط ساڑھے چھ گھنٹے۔

1945ء میں دو نمایاں فلسطینی یہودی، جاد محتسں اور رومانو، ژاں کے پاس آئے۔ کہا تمام فلسطینی املاک کی فہرست بنائیں، ہم خریدیں گے، خاندان سوئٹزرلینڈ لے جائیں۔ ژاں نے انکار کیا: ہمارا قدیم، محترم خاندان؛ اجداد نے ارضِ مقدس کے لیے جنگ کی، ہم یہیں رہیں گے۔ رومانو نے ڈیوڈ کو الگ کر کے تیرہ عرب جائیدادیں خرید کر یہودیوں کو بیچنے کو کہا۔ نابلس کے پاس لاطینی بطریقیت کی پانچ ہزار دونم زمین پانچ پونڈ فی دونم لے کر پچیس میں بیچو؛ تل ابیب کے پاس مجسٹریٹ عزیز داؤدی کا مالٹوں کا باغ بھی۔ ”بیس لاکھ پونڈ کماؤ گے، خاندان سمیت سوئٹزرلینڈ

جاؤ۔ "والد کا جواب" :کیا لباس، خوراک یا گھر کی کمی ہے؟ صدیوں کی نیک نامی ایسے گندے کاروبار سے کیوں داغیں؟ "ڈیوڈ نے رومانو کو رد کیا۔

1947ء میں اقوام متحدہ کی تقسیم کے وقت دامیانی یروشلم کے یہودی حصے طالبیا کے قریب املاک خرید رہے تھے :تقسیم کے بعد عرب حصہ نہ بھائے تو یہودی حصے میں گھر؛ یروشلم بالآخر بین الاقوامی شہر ہوگا؛ رقم مختلف جگہ محفوظ۔ بیرونِ فلسطین رہنے یا زمین خریدنے کا تصور نہ تھا، حالات اتنے خراب ہونے کی توقع نہ تھی۔ ایک برس پہلے ڈیوڈ نے ناصرت کی اٹھارہ سالہ بلانش سے شادی کر کے یافا کے اریکتنجے میں تل ابیب روڈ سے متصل تنگ گلی کے آخر دو منزلہ گھر خریدا؛ نیا فرنیچر، خوب صورت پیش دہلیز، ہال کے عقب میں چار نمائشی یونانی ستون۔ نمبر نہیں، ڈاک پتا صندوق 582؛ فلسطین میں اس کا واحد ذاتی گھر۔

"ہم یہودی اور عرب ریاست نہیں سوچتے تھے؛ بدترین صورت قومی تقسیم، مگر سب اپنے گھروں میں۔ دسمبر 1947ء سے اپریل 1948ء تک یافا کے گرد مسلسل لڑائی۔ لوگ خاندان نابلس، غزہ، لد، عمان، مصر، لبنان یا شام بھیجنے لگے۔ پانی بند، تاریں کٹیں، برطانوی عربوں کے خلاف یہودیوں سے ملے۔ بیماری پھیلانے کو کتے گدھے مار کر گلیوں میں چھوڑے۔ شہر انتشار، مسلح حملے کا خوف۔ عجمی تھانے تحفظ مانگنے گیا تو برطانوی سپاہی نے دروازہ نہ کھولا۔"

فلسطینی آخری روانگی جذبات کے بغیر یاد نہیں کر سکتے؛ وہ خاندانی المیہ ہی نہیں، جدید تاریخ کا فیصلہ کن لمحہ ہے۔ اپریل کے تیسرے ہفتے تل ابیب کے نشانچیوں نے یافا مرکز پر فائر کیا، ایک گولی ڈیوڈ کے گھر پہنچی۔ 25 اپریل کو خاندان سمندر سے بیروت نکلا۔ والد پہلے انکاری، خاندان نے جان کے خوف سے منایا۔ "ہم پُرامن، سیاست سے بے تعلق تھے۔ دوپہر سے پہلے دروازہ بند کیا؛ سوٹ کیس، کپڑے، زیور اور زمین کی رجسٹری اسناد۔ واپسی ناممکن ہوتی تو کبھی نہ

جاتے۔ سوچا ایک ماہ میں لڑائی تھمے گی۔ چابیاں ساتھ لیں، برسوں بعد پھینک دیں؛ اب بے قیمت ہیں۔"

یافا بندرگاہ سے اطالوی مسافر جہاز "ارجنٹینا" کا سولہ گھنٹے کا سفر؛ ٹکٹ آج بھی محفوظ۔ ڈیوڈ عرشے کے پچھلے حصے پر کھڑا پرانا شہر، پہاڑی سرائے میں کارخانہ اور سینٹ پیٹر چرچ دیکھتا رہا۔ یافا دائیں جانب غائب ہوا تو دل میں کہا: "جہاز اب مڑ جائے تو لوٹ جاؤں۔" "ہم احمق تھے؛ بہت دیر ہو چکی۔ پھر شکستہ سوٹ کیس سے پھیکا بھورا برطانوی فلسطینی پاسپورٹ نکالا۔ صفحہ چھ کے اوپر اخراجی ویزا: "بندرگاہ یافا، 25-4-48"—بتیس برس پہلے برطانوی پولیس کی وہی گہری نیلی مہر؛ فلسطین سے آخری خروج۔

1948ء کے بعد زندگی سوگ، مشقت اور معمولی کاروباری کامیابی تھی۔ گرمیوں میں عالیہ، ساتھ لائے سات ہزار پونڈ؛ مہاجر معیار سے خوش حال۔ ریڈیو اور اخباری تصاویر سے تباہی دیکھی، سوچا باغ کون سنبھالے گا۔ ایک ماہ میں نکبت سمجھ آئی۔ بے گھر، بے مال بوڑھا والد ہر وقت غمگین؛ 1952ء میں ٹوٹا ہوا مر گیا۔ ڈیوڈ اور بلانش 1950ء میں اردن؛ اونروا میں ملازمت، چھوٹا ناکام صابن کارخانہ، پھر سرکاری خدمت اور بیروت ہوٹل میں حصہ۔ 1949ء میں اردنی شہریت؛ 1954ء میں یافا بینکوں کی بند خاندانی رقم ملی: "امیر نہیں، مگر گزارا ہے۔"

اسناد محفوظ تھیں: برطانوی نشان والے صاف رق پر یافا گھر، والد سے 3,493 فلسطینی پونڈ میں، تاریخ 27 اکتوبر 1947ء۔ سرائے کی نازک ترک دستاویز؛ یازور، یافا–یروشلم روڈ کے 32 دونم، حولون کے پاس 76، بیت دجن کے 240 دونم مالٹوں کے باغ؛ یروشلم جائیداد، جزوی طور پر برطانوی نائب ضلعی کمشنر کو کرائے پر۔ ایک بار یافا جانے کا موقع آیا؛ بیوی گئی، وہ نہیں: دوسرے میرے گھر میں؛ نہ تصرف نہ رہائش۔ "آپ اپنے ملک لوٹ کر نہ رہ سکیں تو کیسا لگے؟ اور لوٹ سکیں تو صرف بیروت کا اچھا گھر ہونے کے باعث یہیں رہیں گے؟"

اجنبی کا اس مقام پر جانا، جہاں اصل وارث ممنوع، توہین رکھتا ہے۔ لبنان کا فلسطینی زیادہ سے زیادہ صور کے جنوب مالٹوں کے باغ یا دریائے اردن کے مشرقی کنارے تک جا سکتا ہے۔ چابی، مردہ سند، سستا رابرٹس عکس، خاندانی تصویر یا تیس کی دہائی کا پوسٹ کارڈ—وطن کی طرف روحانی قرب کی آخری حد۔ غیر ملکی نامہ نگار خوش قسمت :بیروت سے ایتھنز، اسی دن العال سے تل ابیب، بن گوریان سے یروشلم—جنگ سے پہلے کی براہ راست ٹیکسی سے بھی تیز۔ چوبیس گھنٹے میں اس دنیا کے باقیات دیکھ سکتا تھا جو "ارجنٹینا" کے ساتھ دامیانی سے چھن گئی۔

اسرائیلیوں نے صابن کارخانہ بلدیاتی عجائب گھر بنایا؛ محراب پر مدھم عربی نام، ٹوٹے دروازے کے بائیں مشکل سے "ڈیوڈ دامیانی"۔ نم دیوار، اکھڑتا بھورا رنگ، سردیوں سے کٹی سرائے۔ شمالی حصہ عجائب گھر، گنبد دار مرکزی ہال نیم ویران، کبھی ایرانی نژاد یہودیوں کی فارسی فن کمپنی کو کرائے پر۔ ٹوٹی کھڑکیاں، شگاف زدہ تراشیدہ پتھر، پھٹے فرش پر گرد۔ خطرناک سیڑھی کے اوپر واحد کاروباری یاد :تیل ڈھونے کی زنگ خوردہ لوہے کی ٹرالی۔ شاید اچھا تھا ڈیوڈ واپس نہ آیا۔

پہلی منزل کا قدیم تاریخِ تل ابیب-یافا عجائب گھر سلیقہ مند، مگر عرب یافا نہیں بلکہ ارضِ مقدس کی بائبلی تاریخ :اسرائیلی شاہی دور 930 قبل مسیح، داؤد، سلیمان کا نقشہ، تواریخ دوم 2:16—لبنان سے لکڑی کاٹ کر سمندر کے بیڑوں سے یافا، پھر یروشلم۔ آسٹریلیا میں پیدا خوش مزاج اسرائیلی نگران نے کہا :یہ ترک انتظامی مرکز، پھر امیر عرب مسیحی دامیانی خاندان نے—مزاحیہ توقف—"صابن کارخانہ "بنایا؛ 1948ء میں یہودی شہر ہوا، ہم نے عمارت لے لی۔ بلدیہ مالک؛ رقم ملے تو توسیع۔

دامیانی سے ملاقات سن کر اس نے 1929ء پیرس کی فرانسیس شوٹن کی نادر "فلسطین مصور "جلد نکالی۔ سیپیا کسان، گدھا گاڑیاں، فراموش فلسطین؛ پھر غار نما ہال میں مزدور :ژاں

دامیانی کا کارخانہ، مونچھوں والے فلسطینی دیواروں کے ساتھ صابن کی ٹکیاں چنتے، ہر ہاتھ میں ٹکی، کیمرے کو سپاٹ دیکھتے گویا مشتبہ رسم میں پکڑے گئے۔ "بیروت جا کر پوچھنا، کیا اس کے پاس یہ تصویر ہے؟"

سرائے کی پہاڑی کے نیچے یافا بندرگاہ کے بڑے آہنی دروازے اور عرب طرز کی سنگی دکانیں، کھڑکیوں پر عبرانی نام۔ اپریل 1948ء میں یہیں سے دامیانی خاندان نکلا؛ "ارجنٹینا "موج شکن پار کرتا تو کارخانہ اور چرچ افق پر کتنے صاف ہوں گے۔ گھر ڈھونڈنا مشکل تھا۔ سرائے کے جنوب عرب عمارتیں خوب صورت بازار و ریستوران سیاحتی علاقہ؛ کسی نے اریکتنیجے نہ سنا۔ گھنٹہ گھر بازار کے اسرائیلی بھی بے خبر۔ جنوبی عرب محلے کی گرد آلود سڑکوں، ملبے اور چند گھروں میں ایک فلسطینی نے نام پہچانا؛ مرکزی سڑک سے شمالی گلی، بند سرے پر پیش دہلیز والا بڑا سفید گھر۔

گلی میں یہودی عرب ساتھ اور ایک دوسرے کی زبان رواں۔ اسرائیلی یہودی نے سفید گھر دکھایا؛ بالکونی سے جھانکتی فلسطینی عورت سے عربی میں پوچھا، اس نے عبرانی میں ہاں کہا۔ ننھا فلسطینی لڑکا سیڑھیوں سے لے گیا۔ روشن ہوادار کمرہ، دیہی تصویریں، دونوں طرف صاف خواب گاہیں۔ شرمیلی جارجیٹ عبود؛ شوہر لوئی گیراج مالک؛ بالائی منزل یہودی خاندان سے خریدی، چار بچے؛ زہیر کافی بنانے گیا۔ بالکونی سے آس پاس ٹوٹی چھتیں، خالی کھڑکیاں۔ "مالک مکان کرتے ہیں۔ "پچھلے چوبیس گھنٹے میں دو عرب اور ایک یہودی خاندان نکلے تو تین گھر توڑ دیے؛ زمین پر تعمیر مقصود۔ اسرائیلی شہری عبود جوڑا ملی جلی مختصر آبادی کی تدریجی تباہی پر resigned ۔ نیچے مہربان بوڑھا یہودی رہتا تھا۔

اندھیرا، بحیرۂ روم کی تیز ہوا، گرد۔ سیاہ فولادی پھاٹک کی گھنٹی؛ جھکا بوڑھا، کندھوں پر باریک کارڈیگن۔ سب سنا" :اگر سابق مالک کو جانتے ہو تو اندر آؤ۔ "پیش دہلیز کی سنگی سیڑھیاں، طویل ہال، آخر سفید نمائشی یونانی ستون ایک بلب میں روشن۔ "دو بیٹیوں کے ساتھ رہتا ہوں۔ "کتابوں

کے میز پر برطانوی فوجی وردی میں مرد اور حسین یہودی لڑکی کی تصویر" :میری بیوی۔ جنگ میں برطانوی فوج میں تھا۔ ساڑھے آٹھ سال سے یہاں؛ منزل عرب خاندان سے خریدی؛ دامیانی کو نہ جانا۔"

مختصر جملے، صرف لازم حقائق۔ پھر ہلکی مسکراہٹ" :میں مجسمہ ساز، بوڑھا، یہودی ہوں۔'' شلومو گرین رومانیہ کا مہاجر؛ 1939ء میں رومانیہ۔ہنگری سرحد کے کلوج سے جنگ سے پہلے فلسطین کے جہاز پر۔ برطانوی بحریہ نے پکڑا، مگر آخری جہاز تھا جس کے مسافروں کو قانونی قیام ملا۔ ڈیڑھ سال کبوتز، پانچ سال انگریزی فوج؛ العلمین، طبرق، شام۔ پورا خاندان آشوٹز؛ صرف ماں غلام مزدوری سے بچی؛ والد 1944ء کیمپ میں مرا؛ قریب سو رشتے دار کھوئے۔

1948ء اسرائیلی فوج، لطرون اور الجلیل؛ 1956ء اور 1967ء پھر خدمت۔ بیوی ایک برس پہلے فوت؛ ایک بیٹی تل ابیب میں استاد، دوسری مصور؛ خود ممتاز مجسمہ ساز، یروشلم میں گیارہ نمائشیں، فن پارے اس مختصر گھر—دامیانی کے گھر—کی دیواروں پر۔ صرف باسٹھ مگر کہیں بوڑھا دکھائی دیا۔ مجسمے دکھا کر بولا" :دامیانی کے بارے بتاؤ۔ "اس نے یافا کی زندگی، فرار اور عرشے سے واپس مڑنے کی آرزو سنی۔ اگر انسانی موت دکھ کا پیمانہ ہو تو دامیانی مانتا کہ گرین کا دکھ زیادہ تھا۔

باہر تاریکی میں ہوا بارش کھڑکیاں پیٹتی رہی؛ بوڑھا دیر خاموش، پھر آنسوؤں سے بولا" :میں بہت متاثر ہوں۔ ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ میری طرف سے کہنا ...یہ دونوں قوموں کا المیہ ہے۔ ناقص انگریزی میں کیسے کہوں؟ عربوں کے یہودیوں جیسے حقوق۔ تاریخ کا المیہ کہ مہاجر قوم نئے مہاجر بنائے۔ عربوں سے کچھ نہیں؛ یہاں امن سے، دوست بھی، اچھے لوگ، ہم جیسے۔ نہیں جانتا ہم یہودیوں نے یہ المیہ کیا—مگر ہوا۔ نئی نسل کے لیے امن اور ترقی چاہتا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا کہوں؟ مجھے یہاں گھر محسوس ہوتا ہے۔"

:بیروت میں دامیانی کو یہ الفاظ، گرم گھر، یونانی ستون اور آشوٹز کے مقتول بتائے۔ تلخی نہیں میں اس کی خوشی چاہتا ہوں۔ اسے ضرور کہنا۔ ''مگر سب فلسطینی اتنے فیاض نہیں۔ کنعان ابو'' خضرا ابتدائی فلسطین کا جری، جدوجہد کرنے والا، قدرے جانب دار مگر اچھا صحافی؛ ''الشعب'' کا بانی مدیر۔ 1946ء کے پہلے شمارے کی سرخی میں عربوں کو زمین عرب ملکیت میں رکھنے کی جدوجہد کی اپیل؛ نقشے پر سیاہ دھبے'' :یہ سایہ دار زمین یہودی ملکیت بن چکی؛ یہی یہودی قومی وطن بنے گا۔ ''پیش گو صحافت۔

بیروت میں جلدیں پلٹتے بوڑھے صحافی کو دیرینہ فتح کی خوشی :1948ء میں 12 ہزار اشاعت، فلسطین میں سب سے زیادہ؛ پرانی انگریزی فلیٹ بیڈ پریس، حصص؛ بمشکل خود کفیل مگر حسینی و نشاشیبی بڑے خاندانوں سے آزاد غیر جانب دار قومی اخبار۔ ''یہودی نفرت کرتے تھے مگر ہم یہودی مخالف نہ تھے۔ ''بھاری ہڈیاں، مستطیل چشمہ، خوف ناک وضع؛ جج اور سیاست دان کی عمر درست کرانے والا مدیر)پیدائش 1920ء(، کاروباری کاغذ میں بھی دقیق۔ 1948ء کا نیلا سوٹ کیس آج بھی تاریخ وار فائلوں سے بھرا :اسناد، فروخت، ٹیکس، کرایے، الاٹمنٹ نقشے، اقوام متحدہ مراسلت۔

ابو خضرا فلسطین کے بڑے خاندانوں میں؛ یافا، یروشلم، غزہ میں باغ و املاک؛ یافا میں دو ابو خضرا سڑکیں، غزہ میں مسجد اب بھی۔ مشترکہ بارہ ہزار دونم زرعی زمین، یافا میں بیس جائیدادیں۔ پہلی یاد :بھائی رباح و انور کے ساتھ والد کے زیتون باغ سے چچاؤں فوزی و توفیق کے جڑے گھروں تک؛ مالٹے، مکئی، جو، گنا۔ گھر سفید، نیچے دکانیں، سیڑھی، لوہے کے دروازوں والی تین بڑی کھڑکیاں؛ چند سو میٹر دور ریل پار کزن ابراہیم کا دو منزلہ گھر، یہودی کرایہ دار۔ 1937ء اے یو بی سائنس، ناپسند؛ پھر قاہرہ امریکن یونیورسٹی سے صحافت۔

ء میں چار مستقل کارکنوں سے "الشعب"۔ تقسیم کی قرارداد کے وقت دفتر؛ عرب 1946 یہودی جنگ میں کام جاری؛ آخری شمارہ 9 مارچ 1948ء۔ لبنانی فوجیوں کے یہودی آبادی پر قبضے کی سرخی برطانوی انتدابی سنسر اریہ سیو—اختلاف کے باوجود اچھا آدمی—نے روکی؛ اگلے دن ضلعی کمشنر نے اخبار معطل کیا۔ والدین فوت؛ رباح، بہن ربیحہ، بیوی سلافہ اور شیر خوار بیٹا والد کے سفید گھر میں؛ داخلی بڑا ہال کھانے کا کمرہ؛ ترک فوج میں غزہ پر برطانیہ سے لڑنے والے والد کمال اتاترک کے مداح، تصویر بیٹھک میں۔

تقریباً 15 اپریل گھر پر مارٹر؛ چھت پر دو گولے، ایک رات راہداری میں۔ صبح پانچ بجے قیام ناممکن۔ انگریزی روور میں جنوب یافا؛ گھر بند، واپسی کا یقین۔ "کہتے ہیں عرب ملکوں نے نکلنے کو کہا؛ یافا میں خوف تھا، شہر تباہ، لوگ بچے چھوڑ گئے، ہمیں قتل کیا جا رہا تھا۔ "گولہ باری تل ابیب سے۔ دس دن رشتے دار، پھر رملہ میں انور؛ پٹرول پمپ پر گاڑی میں نشانچیوں کے تین سوراخ۔ غزہ؛ مصری فوج داخل مگر چند دن بعد ساحل سے سینا پسپا۔ روور ریت میں دھنسی، انور نے کھلے ساحل پر رات کے بعد دل کا دورہ، چند ماہ بعد دوسرے سے موت۔

غزہ میں رات کے فضائی حملوں تلے دن" :نہ آگے جا سکتے، نہ گھر؛ فلسطین کا آخری کنارا۔ " اقوام متحدہ کیمپ افسر، 1951ء لبنان میں اونروا؛ بعد میں تعلیمی فلموں کی عربی ڈبنگ اور فنی کتب ترجمے کی بیروتی کمپنی۔ مگر سوٹ کیس ساتھ :انتدابی پریس کارڈ—کرفیو سمیت پورے فلسطین میں آزاد گزر—1948ء یافا ٹیکس رسیدیں، شاہی فضائیہ کو زمین کرایہ، یکم اگست 1930ء والد کے نام گھر، یافا–عسقلان روڈ پر وادی الغربی، برقہ کے رہن شدہ مالٹوں کے باغ کا نقشہ۔

سمندر کے اوپر شاندار اصل یافا مالٹے، اسرائیلیوں سے بہت پہلے۔ کھیت سے " ساحلی بھاپ گاڑی غزہ جاتی دیکھتا، سیٹی سنتا۔ "جسمانی جذبات کم، الفاظ چنے اور غضب ناک۔ "ماضی دیکھنا عذاب۔ مغرب کہتا فلسطینی اب بہتر، بعض سچ؛ مگر نکتہ نہیں—فلسطین

گھر ہے۔ بھابھی گئی، میرے باغ کے مالٹے لائی؛ کھا نہ سکا، پھینک دیے۔ اب بھی یقین نہیں واپسی نہ ہوگی۔ بچے زیارت، بیٹی گھر کی تصویر چاہتی۔ مجھے دعوت تھی مگر ایلنبی پل کی ذلت نہیں :اس عمر میں صیہونی، یہودی، پولستانی، روسی یا رومانیائی—میرے ملک و گھر میں رہتا—مجھے ننگا کر تلاشی اور سوال کرے۔ یہ میرا ملک۔ روز زمین سوچتا، ہر پتھر اور ”درخت یاد۔ کسی کے حق میں دست برداری پر دستخط نہیں۔

قانونی باریکی پر ایمان علامتی تھا؛ انجام معلوم۔ ساحلی ریل اب بھاپ نہیں، سرخ سفید نیلے ڈبوں والی تیز ڈیزل، باغ اور سمندر کے بیچ عسقلان۔ برقہ کے کھیت کنارے سے میں دیکھ سکتا تھا، مگر جگہ تقریباً سب بھولے؛ ”تھا “درست، سیکڑوں عرب دیہات کی طرح 1948ء بعد غائب۔ میل دور کبوتز کے یہودی نام سے ناواقف؛ پھل چنتی سیاہ لباس بوڑھی عرب عورت نے پہاڑی دکھائی۔ وادی الغربی پر مدھم ردعمل؛ آج گاؤں سمیت پھل بھری شاخوں کے نیچے مدفون۔

یافا ورثہ بھی مشکل۔ اپریل 1948ء کا گھر برس نیم ویران، کھڑکیاں تختہ بند؛ بچپن کا زیتون باغ 1948ء سے پہلے ہی مرکزی سڑک اور انجینئرنگ چھپروں کے نیچے۔ مگر ابراہیم کا گھر سابق تل ابیب–یافا بندرگاہ ریل کے پاس ملا؛ پٹڑی اکھڑی، آئیوی والے تار کھمبوں کی کٹائی؛ رنگ کا محتاج گھر پل کے پاس۔ ابراہیم کا ایک سابق یہودی کرایہ دار دوسری منزل پر اب بھی۔

داؤد، چھوٹا دبلا مسکراتا، حساس طویل چہرہ؛ ترک نژاد یہودی جوڑا جنگ سے پہلے آیا، 1948ء میں عرب یہودی محاذ گھر کے پیچھے تھا پھر بھی نہ نکلا۔ ابراہیم ”اچھا آدمی“، مگر کم دکھا۔ گھر یہودی محاذ؛ نیچے اس سے چھپی بندوقیں و گولہ بارود۔ مناخم بیگن لڑائی میں یہاں آتا، تین چار بار ”کافی بسکٹ“ :اچھا، خوش گوار آدمی۔

چچاؤں کا گھر بھی جنگ زدہ۔ ابو خضرا اسٹریٹ اب گیرولوت؛ سفید پتھر، نفیس لوہے والی تین بلند کھڑکیاں، زنگ آلود ابھرے دروازے، ایک قبضے سے اترا؛ جنوبی دیوار پر شریپنل، کھڑکی کے

پاس گولیوں کے گہرے سوراخ۔ نیچے چابی ساز اور دکانیں جیسے تب؛ سیڑھی کے اوپر اکھڑے سبز رنگ کا بوسیدہ دروازہ۔ دستک؛ چوکھٹ سے اندر بنیان پتلون میں کرسی پر مرد۔ مشکوک مگر :شائستہ" :ہاں، ابو خضرا کا گھر تھا؛ اب نہیں۔ "بیوی بیٹی ساتھ؛ شہرت اور ذاتی گفتگو سے انکار اب میں مالک ہوں۔ "میں نکلا تو وہ اسی فولادی بالکونی سے دیکھتا رہا جہاں کنعان بچپن میں کھیلتا" تھا—ہاتھ جیبوں میں، ہوا میں جھکے کندھے، اپنے گھر کی نگہبانی کرتا آدمی۔ یافا میں کم از کم دستک دینے کو دروازے تو تھے۔

مگر موجودہ اسرائیل کے ہزاروں فلسطینی گھروں کے لیے دستک کا دروازہ بھی باقی نہ تھا۔ فاطمہ زمزم جانتی تھی گھر اور زمین کو کیا ہوا، مگر دو کمروں کی سیمنٹی مہاجر جھونپڑی سے اب صرف فلسطین دیکھ سکتی تھی—وہ اب بھی یہی نام لیتی۔ صور کے جنوب شاہراہ کنارے سدا بہار درختوں سے پار ساحل کے اوپر اسرائیلی سرحد کے دوسری جانب الجلیل کی پہاڑیوں کی باریک سرمئی لکیر دکھتی تھی۔ انہی کے پار گھر تین دہائیاں پہلے چھوڑا؛ کبھی واپس نہ گئی۔

وہ رشیدیہ کیمپ میں رہتی تھی :چار مربع میل کی بدرنگ کنکریٹ جھونپڑیاں؛ کہیں اکا دکا درخت یا کچی دیوار سے لٹکتا پودا؛ کیچڑ سڑک کے بیچ بل کھاتی کھلی نالی۔ مختصر باغ، چند فٹ مٹی، ٹھگنا پھول دار چیری، ریت کی بوریوں والے فضائی پناہ خانے پر سایہ۔ تقریباً روز گولہ باری یا اسرائیلی فضائی حملہ۔ پہلی نظر میں خوش مزاج پینسٹھ سالہ فربہ عورت؛ شوخ نقش دار لباس، سفید رومال سے نکلتے گھنگھریالے بال، جھریوں بھرا چہرہ، عقابی ناک، مہربان آنکھیں اور تیز مزاج— جیسے گھر والے بیٹھک میں آنے سے پہلے جوتے صاف رکھتے ہوں۔ کہانی میں ہر بیان سے پہلے ٹھہرتی کہ غیر ملکی شاید 1948ء سے پہلے کی تاریخ نہ جانتا ہو۔

میرا گاؤں ام الفرج شمالی الجلیل میں تھا۔ خاندان کے تین گھر؛ زیتون کا تیل آس "
پاس بیچتے، گندم اور آٹا۔ شوہر مصطفیٰ زمزم؛ دو زیتون، ایک ترش پھلوں کا باغ؛ گھر کے

پہلو میں انگور، ہر پھل، سب کچھ۔ 1944ء میں گاؤں سے باہر نیا گھر، تل ابیب سے عرب انجینئر، سات سو فلسطینی پونڈ؛ انگریز سیاح تصویر لینے آئے۔ سفید پتھر، اوپر چار، نیچے چار کمرے؛ پرانے گھر کے مقابل باغ میں، ”جزیرہ علاقہ“۔ سات بچے—پانچ بیٹے، دو بیٹیاں۔“

وہ اٹھی، دوسرے کمرے سے زنگ آلود انگریزی ٹافی ڈبہ لائی، چاقو سے کھولا۔ پھیکا ارغوانی نرم رق: 1915ء کی ترک سند، نم زدہ، کونے پھٹے مگر عبارت، گل دار شاہی نشان اور ترک ٹکٹ واضح۔ ”یہ ثابت کرتا ہے زمین ہماری تھی۔“پھر نسبتاً صاف شکستہ ورق: حکومتِ فلسطین سندِ اندراج؛ رجسٹری دفتر جیلو، ضلع عکّا، گاؤں ام الفرج، زمین 18151، دستاویز 52، بلاک الجبارہ کانیل، 19 دونم؛ 22 اکتوبر 1947ء، مصطفیٰ ابن اسعد شہادہ زمزم۔ میری پہچان پر چہرہ روشن؛ شوہر فوت مگر اسلامی قانون کے تحت زمین بجا طور پر بیوہ کی۔

گاؤں کے خطرے کا خیال نہ تھا۔ ”ہم یہودیوں سے ملتے، مریض یہودی ڈاکٹر کے پاس—ڈاکٹر کاپوے، نتانی، خاتون مریم—اچھے لوگ۔ مال یہودی دیہات میں بیچتے۔ 1948ء ایک دن یہودی جتھے نے ہمارے ٹرک پر گھات، ڈرائیور قتل، پھر یہودی عورتوں نے سب مرد گولی سے مارے؛ ام الفرج–عکّا روڈ، نہاریا کے مقابل الانشراح باغ۔ پھر عکّا جانا بند۔“بعد یہودی گولہ باری، محاصرہ؛ عربوں نے دوسرے گاؤں نکلنے کو کہا۔ کھجور کے تنوں سے راستے بند؛ صرف آٹھ انگریزی 303. رائفلیں۔ جتھے باہر۔ سالے نے نکلنے کو کہا، ایک رات نئے گھر میں رہی؛ مرد رکے، اگلے دن عورتیں نکلیں۔ چالیس روزہ حسن گود، چھوٹے بچے دوسرے شیر خوار اٹھائے۔ گھر کی چابیاں ساتھ، رشیدیہ میں گم۔

النہر، الکابل، النہالی، ترشیحا، الدیر—نام گنواتے وہ سوگ کی بے خودی میں چہرہ ہاتھوں میں لے کر نوحہ کرنے لگی۔ سننے والے نوجوان خاموش؛ جانتے تھے یہ سچا دکھ اور مانوس رسم ختم

ہو گی۔ دیوار پر 1939ء، شادی کے چھ برس بعد، فاطمہ اور شوہر :سنجیدہ حسین سیاہ بال لڑکی؛ بے حد معصوم خوش شکل مرد، ہینڈل مونچھ اور مانگ والے چپٹے بال۔ فرار میں کار والے سالے محمد سے ملی؛ وہ کمبل کپڑے لینے گھر لوٹا۔ ”چند دن سمجھا۔ یہودی داخل ہوئے؛ شوہر کھیت سے ہمارا نیا ”گھر اڑتا دیکھتا رہا۔ تیل اور مشینیں لے گئے، پورا گاؤں، قبرستان بھی تباہ؛ والد وہیں دفن۔

مئی 1948ء ناقورہ سے لبنان—جہاں کنفانی مہاجروں کا دکھ لکھے گا—صور میں بارہ پونڈ ماہانہ گھر، پھر البص کیمپ، صرف خیمے اور خود بنائے بلاک، پھر رشیدیہ۔ ”گھر لوٹنے کا یقین تھا؛ کیمپوں میں انتیس برس ہو گئے۔ ”عین اختتام پر گھریلو فضائی سائرن چیخا؛ گہرے نیلے آسمان میں تین اسرائیلی جیٹ کی سفید لکیریں، صور کی طرف، پھر بحیرۂ روم پر جنوب الجلیل۔ فاطمہ مطمئن دیکھتی رہی؛ ڈیڑھ برس پہلے اسرائیلی مسلح جنوبی مسیحی علاقے کا گولہ چھت پر، سابق گھر تباہ۔ نصف عمر تشدد میں۔

گفتگو بھر بھری کلاشنکوف دیوار سے لگی—چائے پینے گئے نوجوان کی۔ بیٹوں کا پیشہ پوچھا تو جواب :سب ”انقلاب ”کے لیے۔ سرحد کھلے تو واپسی؟ بلا توقف” :انتظار ہے؛ امید زندہ رہوں، پھر فلسطین، وہیں مرنا چاہتی ہوں۔ ”چیری کے سامنے دیوار سے لگ کر تصویر؛ کیمرے کو گویا ”بات۔ مسکرانے کو کہا تو نوجوان کا سرد جواب” :نہیں مسکرا سکتی، زمین کھوئی ہے۔

زمین پچیس منٹ، صرف پندرہ میل؛ مگر سیاست نے مجھے یونان، تل ابیب، چار گھنٹے گاڑی—ہزار میل چکر—دیا۔ اسرائیلی طرف سے دور رشیدیہ دکھا۔ اس سفر سے فاطمہ خوش نہ ہوتی :زمین اب کیلے کی کاشت کے نیچے، بند مسجد سے چند سو گز؛ سفید دو منزلہ گھر اور نقشے سے گاؤں کا نام غائب؛ ام الفرج معدوم۔ مقام پر زرعی بستی ”بن عامی”؛ باشندے نام سے تقریباً ناواقف۔ یارملکہ ”پہنے نوجوان ٹریکٹر سوار” :کبھی نہیں سنا؛ کیوں پوچھتے ہو؟

سوال ہی شک۔ لبنانی سرحد سے پانچ میل، رشیدیہ و صور کے فلسطینی کاتیوشا کی زد؛ بنگلوں میں آہنی فضائی پناہ گاہیں، خاردار تار، فولادی باڑ پیچھے غراتے السیشین۔ خوف زدہ نہیں مگر دشمن کے لیے تیار؛ 1948ء کے سوال کے لیے مضبوط وضاحت لازم۔ ایک اسرائیلی" :عرب گاؤں تھا، کچھ باقی نہیں؛ قصہ بہت پرانا ختم۔ "سیاہ بنیان، قینچی والا داڑھی دار" :کس طرف؟ ہماری یا ان کی؟"

مقامی خاتون ویٹرنری ڈاکٹر نے گھر بلایا، سینڈوچ کافی دی، تصدیق یہی ام الفرج، فاطمہ کی داستان غور سے سنی۔ شام کے ساتھ لہجہ سرد ہوا۔ 1948ء کا قریبی رہائشی بلایا؛ ادھیڑ، جھریاں، خون آلود آنکھیں، صرف عبرانی، نام اور اقتباس اجازت کے تابع—کس کی اجازت، نامعلوم۔ اس نے بعض بات مانی، بعض درست کی۔ گھروں پر انگور؛ وہ زیتون تیل نکلوانے لاتا۔ یہودی ڈاکٹر: کیوی، ناتھن، مریم بیئر؛ سب فوت۔ مگر دو منزلہ گھر؟ اس کے مطابق سب ننھے یک منزلہ، شاید چار مربع میٹر۔

اس نے کہا پہلی گھات یہودی نہیں عربوں نے کی :1948ء بہار حیفا–نہاریا بس سے پانچ یہودی اتار کر گلے کاٹے۔ پھر خبر کہ مفتی حاج امین الحسینی لبنان سے عکّا جا رہے ہیں؛ الانشراح میں بس پر گھات، ساتھ کی دو گاڑیوں پر فائر، عرب گولہ بارود والی ایک پھٹی—فاطمہ شاید یہی کہتی ہے۔ ام الفرج پر گولہ باری نہیں؛ یہودیوں نے کئی میل دور الکبری کے پاس دستی بم پھینکے۔ فاطمہ کا فرار راستہ درست مگر گاؤں، گھر، قبرستان تباہ نہیں؛ مسجد اور ایک سنگی گھر اب بھی؛ بعض گھر بعد گرے۔ راستے کے تتنے درست مگر سبب بھولی :عربوں نے الکبری میں الگ کبوتز کے امدادی قافلے پر گھات کر کے 47 یہودی مارے، انتقام کے خوف سے نکلی۔ "بس 47 یہودیوں کا قتل بتانا بھول گئی۔"

الکبری میں زرہ بند قافلہ واقعی گھات کا شکار؛ زنگ آلود آہنی ٹرک اب بھی پرانی سڑک کنارے، ٹائر غائب، گولی ڈھال سلامت؛ مدافع رائفلیں یادگار کے طور پر پہلو میں ویلڈ۔ وزارت دفاع کی تختی مقتول کمانڈو بن عامی پختر کو خراج—اسی لیے ام الفرج کا نام مٹا اور بن عامی آیا۔ مسجد بھی واقعی موجود؛ در کھڑکیاں بلاکوں سے بند، چھت کے نیچے قرآنی کتبہ، پچھلی دہائی میں رنگ؛ واحد گھر گودام۔

قبرستان مشکل۔ داڑھی دار نے مسجد کے پاس خاردار تار پیچھے ''تحفظ' 'میں، اب ناقابلِ دید کہا۔ میں تار گھوم کر رینگتا اندر گیا :ملبہ، جھاڑ، مٹی کے ٹیلے، بکھرے ٹوٹے پتھر؛ دو سیمنٹی قبریں دہائیوں پہلے توڑی کھولی گئیں۔ فاطمہ درست، اسرائیلی بیان کے خلاف قبرستان منظم طور پر تباہ دکھا۔ نئی ورزش گاہ کے پاس راستہ صاف کرتا عرب اسرائیلی مجھے چیڑ کے بڑے مربع تک لے گیا'' :یہ ام الفرج''، ہاتھ دھماکے کی نقل میں ملائے اور چلا گیا۔ درختوں تلے پرانا کنکریٹ، دیوار کے ٹکڑے، سستا دیہاتی دروازہ شہتیر؛ ٹریکٹر پاس تین اسرائیلی کسان دیکھتے رہے۔

تاریخ کا دائرہ :مقتول یہودی قافلہ کمانڈر نے فاطمہ کے گاؤں کی زمین کو نام دیا؛ نئی اسرائیلی بستی اب انہی فلسطینی راکٹوں کی زد، شاید ان مردوں کی جو بچے تھے تو فاطمہ کے ساتھ یہودی قافلے کی گھات کے بعد نکلے۔ واپسی پر نہاریا جنوب پٹرول کم ہوا۔ اسرائیلی عرب نوجوان متولی نے سرد شمال میں سیاح سمجھ کر پوچھا۔ بن عامی، ام الفرج، فاطمہ کا ذکر—چہرہ روشن'' :وہ میری ''پھوپھی ہے۔

عثمان عبدالعال پٹرول پمپ سے رومی آب راہ کے کھنڈر گرد عرب گاؤں المزرعہ لے گیا۔ بہن بھائی اسرائیلی شہری، عبرانی بولتے، اسرائیل میں رہتے کام کرتے۔ والد محمد وہی تھا جو 1948ء آخری ترکِ گاؤں سے پہلے بچوں کے کپڑے لایا۔ سیاست نہیں، فاطمہ کی صحت پوچھی؛ بن عامی کبھی نہیں جاتے، مسکرائے۔ گھر؟ بڑی بہن'' :ختم؛ ماں بعد میں دیکھنے گئی، غائب۔ ''گاؤں؟ عثمان

نے بہن بھائی دیکھے" :انہوں نے اڑا دیا۔ خاندان نے نہ دیکھا، دھماکے سنے؛ الزرعہ آ رہے تھے۔ "ایک خاندان، شاید ہمیشہ کے لیے دو قومیتوں میں، صرف پندرہ میل؛ شمالی پہاڑ سے رشیدیہ دکھ سکتا تھا، مگر کبھی چڑھے نہیں۔

دامیانی، ابو خضرا، زمزم کی واپسی روکنے کو اسرائیلی "غائب مالک "قانون اور برطانوی انتداب سے منتقل ضبطِ اراضی قوانین۔ اسرائیلی رشتہ داروں والے دو ہفتے جا سکتے؛ کئی، دامیانی کی بیوی سمیت، دور سے سابق گھر دیکھے۔ ہورووٹز کہتا اس نے 40 ہزار کو خاندان سے ملا کر شہری بنایا۔ مگر اکثر جلاوطن واپسی کے لیے اسرائیلی شہریت فطری طور پر رد کرتے۔ ہورووٹز کا جنگی ملک کے شہری ہونے کے باعث دعویٰ ناممکن کہنا غلط :ہر فلسطینی خصوصی کمیٹی سے معاوضہ مانگ سکتا؛ پانچ برس میں صرف 170 —عدالت میں دعویٰ ریاستِ اسرائیل کو تسلیم کرنا ہے۔

پی ایل او ترجمان محمود لبدی، اپنے اسرائیلی ہم منصب جیسا مہذب و طنز آشنا، مغربی بیروت کی سفارتی تقریب میں" :حیرت کیوں معاوضہ نہیں؟ رقم نہیں، زمین چاہیے۔ "1976ء ویو کلیکو شیمپین کا گھونٹ، انگلی بلند" :نقد لینا فلسطینی کے لیے ذلت؛ گھروں کی واپسی کا مطالبہ کمزور۔ " درست؛ اسرائیل بھی جانتا۔ 1980ء امید کہ مسئلہ عمومی امن میں ڈھائی ملین تارکین وطن کو یک مشت آخری معاوضے سے ختم۔ واپسی نہیں چاہتے؛ اعداد سبب :بیس لاکھ سے زائد خود کو ء کا شکار؛ پانچ سات لاکھ کی اولاد، پوتے فلسطینی۔ 1948ء مغربی کنارے آنے والے 1948 ء میں دوسری بار مہاجر؛ سب اسرائیل اندر زمین کا اخلاقی حق—اسی لیے پی ایل او عرصہ 1967 یہودی ریاست کی حدود سے باہر فلسطینی ملک پر آمادہ نہ تھا۔

اسرائیل بننے والے حصے میں عرب زمین متنازع۔ موشے اوّمان نے برطانوی اعداد سے : یہودی 8.6 فی صد، عرب 20.2؛ اس کے مطابق 16.9 فی صد عرب فوجوں کی متوقع فتح میں چھوڑ گئے۔ مگر سب سے زیادہ علم یعقوب منور کو—دامیانی و زمزم کے برعکس علمی، دقیق، دبلا

زاہد؛ عبرانی یونیورسٹی قانون، تل ابیب و یروشلم دفاتر؛ عہدہ ''غائب املاک کا متولی''، گویا مالک لوٹنے کی زحمت نہ کرتا ہو۔ عثمانی رجسٹری، ضبط کی پیچیدگیاں، 1950ء قانون کی نقل فوراً؛ ہر فعل ''قانون کے عین مطابق''۔

اس کے پاس تقریباً ہر برطانوی رجسٹری کی نقل، 1948ء سے پہلے عرب یہودی مالکان کی فائلیں۔ زمزم کی ام الفرج زمین فوراً :ترقیاتی اتھارٹی، پھر بن عامی کو لیز؛ اصل مالک بے خبر، رقم ایک سرکاری شعبے سے دوسرے۔ حکومت ضبط کرے تو متولی کو معاوضہ؛ نظری طور پر وہ اصل مالک کو—مگر زمین گئی۔

قانون سخت و مکمل۔ 1950ء میں ''غائب :''20 نومبر 1947ء سے ہنگامی حالت کے اختتام تک اسرائیلی علاقے میں قانونی مالک، جو اس مدت میں لبنان، مصر، شام، سعودی عرب، شرق اردن، عراق یا یمن کا شہری، وہاں موجود، یا اسرائیل سے باہر فلسطین میں تھا؛ یا فلسطینی شہری جو یکم ستمبر 1948ء سے پہلے فلسطین سے باہر یا ریاست کے قیام روکنے/لڑنے والی قوتوں کے زیر علاقے گیا۔ ہنگامی حالت اب تک ختم نہیں؛ جنگ میں عرب زیر قبضہ علاقے کو نکلنے والا، لڑا نہ ہو، گھر زمین سے محروم۔ منور :عکّا کا محمد لڑائی کے بعد ''بغاوت کی جگہ ''جائے تو غائب، چاہے عرب فوج میں نہ ہو۔

ایک شق منور کو غیر غائب قرار دینے دیتی اگر کوئی ''اسرائیلی دشمن کے ضرر کے خوف ''یا فوجی کارروائی کے علاوہ وجہ سے نکلا؛ چالیس رعایتیں۔ اسرائیلی قوت کے خوف سے نکلنے والوں— اکثریت کا بیان—کا خاص لحاظ نہیں۔ یوں دامیانی، ابو خضرا، زمزم ختم۔ نصف ملین سے زیادہ میں پانچ برس صرف 170 نے 1973ء معاوضہ قانون میں کامیابی؛ برطانوی اسناد قانونی تسلیم۔ 1973ء قیمت، مہنگائی فرق، چار فی صد سود۔

منور" :میں بہت آزاد خیال، ہر دعوے پر مثبت۔ "خود عراقی یہودی؛ اندازاً ڈیڑھ لاکھ نکالے گئے، املاک چھوڑ، بے پیسہ اسرائیل؛ وزارت انصاف میں مستقبل کے امن کے لیے دعوے۔ مصر، یمن، مراکش میں کھوئی ہر یہودی دونم و عمارت کا محتاط اندراج، آخری امن کانفرنس میں مہاجر قرضوں کے ترازو کے لیے۔ سیاست پر نہیں۔ پوچھا کتنی اسرائیلی زمین پر عرب برطانوی اور یہودی اسرائیلی دو دعوے؟ "تقریباً 70 فی صد۔ "اگر درست—1948ء اسرائیل نصف سے زیادہ صحرائے نقب—تو عرب ملکیت تصور سے کہیں زیادہ۔ اسے فرق نہ پڑا" :واقعی سمجھتے فلسطینی لوٹنا "چاہتے؟ بیشتر مر گئے؛ بچے اب اچھے عہدوں پر۔

یہ حقیقت سے اندھا بیان بھی میرے ٹائمز سلسلے پر اسرائیلی اور برطانوی حامی طوفان کی تنبیہ نہ تھا۔ دامیانی، ابو خضرا، زمزم اور یروشلم زمین کھونے والی رفکا بولوس کی مفصل انسانی کہانیاں، موجودہ مکین بھی؛ پی ایل او کا صرف شیمپین پیتا ترجمان، عرفات تنظیم ہزاروں الفاظ میں کہیں نہیں؛ منور کا طویل انٹرویو۔ مگر فلسطینی کو متعصب و "دہشت گرد "کے ہاتھ کھلونا نہیں، فرد دکھانا سبق آموز ردعمل لایا۔

آخری مضمون کے دن صیہونی فیڈریشن نے ٹائمز لندن کے باہر مظاہرہ :اخبار "نیا عرب خفیہ ہتھیار"، اگلا مالک پی ایل او۔ سفیر شلومو ارگوف" :بنیادی پی ایل او عقیدے کی جری مدافعت۔ " خطوط :اسرائیل کی قانونی بنیاد کھودنے کی سنگین کوشش؛ دشمنوں کا پلیٹ فارم؛ محض اشاعت یہود دشمنی۔ ارگوف کا پہلے خط ممکنہ ہتک کے باعث واپس؛ جواب سفارتی استثنا سے مقدمہ نہیں۔ فیڈریشن نے چاروں کو "اپنی جارحیت کے شکار "اور ریاست تباہ کرنے کے آلے کے طور پر مہاجر رہنے والا کہا۔

بے رحمی کا جواز نہ بتایا۔ اعزازی سیکرٹری ایرک گراؤس کی ٹائمز عمارت باہر نائب مدیر، سابق نامہ نگار لوئی کیرن سے تلخ بحث۔ کیرن 1948ء فلسطین میں اور مناخم بیگن کے ارگن کے

دیر یاسین قتل کے بعد داخل پہلے صحافیوں میں؛ اسے اس جنگ کی ہولناکیاں سنائی پڑیں جس میں اسرائیل آج بھی مظالم سے انکاری۔ مظاہرین، قارئین یا سفیر نے شلومو گرین کی شفقت کا ذکر نہ کیا—وہ بوڑھا اسرائیلی جو سابق فلسطینی مالک کے گھر رہ کر اس کے لیے ہمدرد تھا۔

لبنان کے بہت فلسطینی دلوں میں بھی فیاضی نہ تھی؛ 1948ء کی نفرت نئ نسل نے اٹھائی۔ 1981ء آغاز اسرائیلی فضائی حملہ رشیدیہ پر؛ فلسطینی کاتیوشا الجلیل، بن عامی کے قریب، جہاں ام الفرج تھا۔ دونوں طرف معمولی نقصان۔ کیمپ دروازے پر "مشترکہ پی ایل او قوتوں کے رہنما" سے مختصر تعارف۔ چند ثانیے بعد پہچانا: حسن زمزم—فاطمہ کا وہی بیٹا جسے چالیس روزہ گود میں ام الفرج سے جلاوطنی پر لائی تھی۔ اب بے دخلوں کے بچے ان لوگوں کی اولاد پر حملہ آور تھے جنھوں نے والدین کو دکھ دیا۔ جنگ واقعی پورا دائرہ کاٹ چکی تھی۔

باب 3

دمشق کا بانسری نواز

رابرٹ فسک

"ہم 1936ء کے اولمپک کھیلوں میں برلن گئے۔ میں نے وہاں نظم و ضبط دیکھا اور اپنے آپ سے کہا: ہم لبنان میں ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ "— پیر جمیل، جولائی 1982ء

کھنڈروں میں بیٹھا لڑکا بارہ برس سے زیادہ کا نہ تھا۔ طرابلس اسٹریٹ کے بیچ ٹوٹی گھومنے والی دفتری کرسی پر، تھکے بوڑھے چہرے پر بکھرے بھورے بال، تین درجے بڑی خاکی ڈنگری اور سامنے مکی ماؤس والی قمیص۔ دائیں ہاتھ میں کلاشنکوف کی نال، لکڑی کا کندہ سڑک پر؛ بائیں میں کھولتی چائے۔ لبنانی مسلمان لڑکے کو بندوق سڑک کنارے چائے پیتے فلسطینیوں نے دی تھی۔ وہ بندوق بردار نہیں، لبنان کی خاص پیداوار "بندوق بچہ "تھا—جوانی کی جھوٹی پختگی۔ گرد عمارتیں آگ سے سیاہ، چھتیں گری، سامنے گولیوں اور توپوں سے چھلنی۔

گرمی تھی، سایوں میں جھینگر سرگوشی کرتے۔ بیروت کی محاذی لکیر پر ایک میل دور گولے گِرے، دھیمے دھماکوں سے ہوا کا دباؤ بدلتے—جیسے بالکونی سے مہنگا قالین سڑک پر گرے۔ یہ لڑکا پہلے کہاں دیکھا تھا؟ آندرے وائدہ کی وارسا بغاوت پر فلم "کینال "میں اسی عمر کا لڑکا جلتی گلی کی رکاوٹ کے پیچھے، رائفل پاس، بوٹ سے کنکر نکالتا ہے؛ جرمن ٹائیگر ٹینک بڑھتا جاتا، مگر وہ تکلیف میں زیادہ محو۔ کیمرہ اسے محاذ کے فرنیچر کی طرح بوٹ جھاڑتا چھوڑ دیتا ہے۔

1976ء کا لڑکا جانتا تھا قریب ترین ٹینک تین سو گز پر مگر تباہ شدہ ہے—جیسے لبنان اور گزشتہ سترہ ماہ کے چالیس ہزار مقتول۔ چپٹی عمارتوں کے ڈھیر اور کھنڈروں کی گھاٹیاں جامد محاذ تھیں؛ بندوق بردار، زندہ لوگ، فوٹوگرافر اور نامہ نگار اس تھیٹر میں داخل ہوتے، مگر ملبہ، بندوق

اور صوتی اثرات ہمیشہ حاضر۔ صحافت سے مانوس ملیشیا کبھی رپورٹر کو محاذ دکھاتی، جان خطرے میں ڈال کر مدد، کبھی لوٹتی یا قتل کی دھمکی؛ برسوں بعد اغوا بھی۔ لڑکے کے پاس فیصلہ کرنے کو عمر تھی۔

جنگ دیکھنی ہے تو اُدھر۔ "جلے ریستوران کی طرف اشارہ، چائے رکھی، رائفل" کندھے پر اور ملبے میں چل دیا۔ ہم الاجمی کے دیوار میں کشادہ گولے کے سوراخ سے داخل؛ کبھی ممتاز ریستوران۔ اندھیرے، نم مخملی فرش سے باورچی خانے کی دیوار پار، باہر جھکی چار پانچ منزلہ عمارتیں ایک دوسرے کے سہارے، اندر آگ سے سکڑے—ایک حقیقی ڈریسڈن۔ بڑا ہو کر؟ "گوریلا کمانڈر"، فرانسیسی میں؛ تعلیم یافتہ بندوق بچے کی مختصر ذہنی آرزو۔ زرد دانتوں سے ہنسا؛ جنگ ختم؟ کندھے اچکائے۔

گندی تہہ گاہ، فضلے کی بو، دو فٹ گیلے کاغذ، لفافے، پارسل، سرکاری فارم۔ 1975ء کی مہروں کے وقت محاذ ڈاک چھانٹنے کے دفتر سے گزرا اور ملازم دورانِ کار بھاگے۔ زنگ آلود میز پر چھت سے دھول بھری روشنی؛ ہم میز پر چڑھ، سوراخ سے دوسری گلی۔ رائفلیں چیخیں؛ ناقابلِ شناخت عمارتیں، گرا کنکریٹ، گھاس، لوٹا فرنیچر؛ کرسی، دروازوں اور میزوں کی نیچی رکاوٹ۔ گولیاں سنسنائیں، ہم دوہرے ہو کر پار۔ سیوریج پر بیمار روشن سبز گھاس دہلیز تک؛ معلق ٹریفک بتی کے پاس مٹی کی دیوار سے جھاڑیاں۔

چھ برس بعد گھاس ملبے کا قالین، جھاڑیاں بتیوں پر؛ 1987ء میں مختصر جنگل، درخت کھنڈروں سے بلند، جڑیں گولے کے گڑھوں اور فرقہ وار یقین سے بنے بندوں میں۔ ماحولیات نے سیاست کی نقل کی؛ فطرت مرکزی بیروت واپس لے رہی تھی، جیسے سیاسی نظام خود رو ہو کر لبنان کو دھوکا دیتا رہا۔ 1976ء میں ہم کتنا کم سمجھے۔ خیال تھا برادریاں لڑ کر تھکیں گی، مرکزی

حکومت اور بیرونی امداد صلح کرائیں گے، سڑکیں صاف، عمارتیں بحال۔ آئرش ریڈیو کی ٹیپ میں فلسطینی فائر کے پس منظر پر میری آواز اسے ''لبنانی خانہ جنگی کی آخری گولیاں'' کہتی ہے۔

نومبر 1976ء ٹائمز کے پہلے صفحے پر اعلان: چھ ہزار شامی فوج اور سینکڑوں ٹینکوں کے 16 بیروت قبضے سے چالیس ہزار جانوں والا مرحلہ ختم۔ خصوصی ضمیمہ بحالی پر: بندرگاہ میں جہاز، مرکزی بینکاری، بعلبک معابد کی مرمت، پہلے سویڈش سیاح تل الزعتر کے کھنڈر اور بقاع۔ 1982ء اسرائیلی محاصرہ، پی ایل او انخلا؛ فلسطینی کے ساتھ آخری ریت بوریاں ہٹائیں—جنگ ختم۔ اسرائیلی مغربی بیروت آئے، لبنانی حلیفوں نے صبرا و شتیلا قتل، یورپی فوجیں—جنگ ختم۔ اسرائیلی اکثر لبنان سے نکلے—جنگ ختم۔ فروری 1987ء شامی فوج ملیشیا انتشار دبانے لوٹی—جنگ ختم۔

تراشوں میں میں گیلری سمعان پر شامی ٹی-54 کے اوپر؛ ایڈ کوڈی اور میں 1976ء پیش قدمی سے پہلے شامیوں کے ساتھ؛ مکی ماؤس لڑکا چائے و کلاشنکوف لیے 25 ستمبر کے صفحہ اوّل سے پرانے دروازوں کی رکاوٹ پار۔ فلم کمپنی دفتر میں عراقی وردی والے بارہ سپاہی خود کو عرب لبریشن فرنٹ کے فلسطینی کہتے؛ اکتیس دن دفاع، فرش پر خون کی لکیر، دیواروں کے سوراخوں سے کمروں میں۔ ٹوٹے زینے پر کارتوس کی انچ تہ اور خشک خون اوپری منزل تک؛ عراقی سپاہی ریت بوری کے شگاف سے خودکار رائفل چلاتا، تھکنے تک بھرتا چلاتا، بدن دھچکے کھاتا، لڑکا مسحور۔

شگاف سے پیلا قتال دفتر، کھڑکی چوکھٹے ہزار گولیوں سے چھبے—عیسائی فالانج محاذ۔ وہ بھی ایسے، جواب میں گولیوں کی چادر، چھت سے مارٹر۔ افسر'' :رات برا تھا، فالانج حملہ پسپا، ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں''—ظاہر جھوٹ۔ کیا بیروت محاذ بس بندرگاہ سے گیلری سمعان اور شوف کے دامن تک ایک میل چوڑی قبری سڑک تھا؟ ہم نے اسے سماجی نزاع و خانہ جنگی کا فوری اثر سمجھا؛ دراصل لبنانی مصیبت کی ناقابلِ تعریف حقیقت کا مرکز، ہر متاثرہ فرد کے ذہن کی لکیر۔

ء حکومت ٹرکوں سے صفائی، بینک و فضائی کمپنیاں دفتر بنائیں؛ جنگ نے پھر توڑا۔ 1976
ء فرانسیسیوں نے گولہ بارود جمع، گولے ناکارہ؛ 1983ء رفیق حریری نے شہر مرکز کی بحالی 1982
پر لاکھوں؛ پھر لڑائی اور بارودی سرنگیں۔ محاذ مرمت نہ ہو سکتا تھا، لبنانیوں کو سانحہ بیان کرنے
کے لیے لازم حوالہ بن چکا تھا۔ ہم سب قومی تباہی، تجدید اور سیاسی نشاۃِ ثانیہ پر یقین سے فریب
خوردہ؛ خون بھری سیڑھیاں نہ دیکھنے کو ان کے جھوٹ مانے۔ وہ داستان بھی کہ صبح پہاڑ پر اسکی
اور دوپہر بحیرۂ روم میں تیرا جا سکتا ہے—جسمانی طور ممکن، مگر کوئی کرنے والا نہ ملا۔

لبنان کی کہانی اندرونی انہدام اور بیرونی دھماکے دونوں؛ تاریخ بار بار حملہ آور فوجوں کی جو مذاکرہ، خوشامد، دھمکی یا طوفان بن کر بیروت پہنچیں۔ ویلز سے چھوٹا، کیلیفورنیا کا چالیسواں، مگر برفانی پہاڑی ریڑھ اسے رزمیہ وسعت دیتی۔ بیروت شمال نھر الکلب کی تنگ گھاٹی میں معمولی بھورا پانی؛ دیواروں پر پچیس صدیوں کی فوجی تحریریں: نبوکدنضر دوم، کراکلا کا تیسرا گالک لشکر، یونانی، آشوری، مصری، عرب، 1860ء فرانسیسی، جنرل گورو انتدابی فوج، 1941ء برطانوی۔ آخری
ء صدر بشارہ الخوری کی ”آخری بیرونی فوج“ کی روانگی۔ فرعونی نقش بگاڑا گیا، بدنام رومی 1946
لشکر کا نام کھرچا، باقی جڑوں، وقت اور غفلت سے شکستہ۔

نئی فوجیں بھی رسوا نکلیں: پی ایل او، شام، سعودی، شمالی یمن، سوڈان، اسرائیل، امریکا، فرانس، اٹلی، مختصر برطانوی دستہ—سب ناامید، ذلیل یا شرمندہ۔ ہر بار خوش، دوستانہ، زیرک، شکی لبنانی استقبال۔ نومبر 1976ء حازمیہ میں شامی ٹینک، پہلے پر بانسری والا؛ مسیحی بالکونیوں سے عرقِ گلاب اور چاول۔ ساڑھے پانچ برس بعد وہیں اسرائیلی اسی استقبال میں؛ کرنل“: دیکھیے، آزادی دلانے آئے، ہمارا انتظار تھا۔“ دونوں معصوم چہرے اور خود مختاری بحال کرنے، ایک منٹ زائد نہ رہنے کے وعدے؛ پھر مہینے، برس، آخر درد و رسوائی میں اخراج۔ ہر فوج کا پیچیدہ قانونی جواز، لبنانی وزارت خارجہ معنی سمجھتی رہتی اور فوج نکلنے لگتی؛ گویا واشنگٹن، دمشق، پیرس، یروشلم،

روم یا لندن میں کوئی مہم کو تاریخ سے جوڑ رہا ہو۔ سرنگ کا اختتام ہمیشہ بھورا دھواں اور گوشت کے ٹکڑے۔

لبنانی ملیشیائیں اپنی تاریخ کی فصیلوں پر۔ 1982ء اسرائیلی نائب جنوبی لبنانی فوج صیدا کے صلیبی سمندری قلعے میں؛ 1985ء قومی فوج قلعہ سینٹ لوئی؛ 1975–76ء طرابلس کا بارہویں صدی سینٹ جائلز سنی ملیشیا، ضیافت ہال صدر دفتر۔ طبنین کا مسلم برج دو میل جنوب اسرائیلی مورچوں کو دیکھتا۔ خانہ جنگی میں فلسطینی دریائے لیطانی پر شقیف/بیوفورٹ قلعہ، اسرائیل—یا ان کے مطابق فلسطین—پر نظر اور بیچ مسیحی دیہات پر گولے۔ 1977ء میں گولہ باری میں اس کے راہداریاں، مزین ستون اور تاج پوش سنگی چہرے؛ قدیم زرہ پوشوں کی سیڑھیاں اب میلی چھلاورن اور دیوار سے رائفلوں والوں کی۔

1192ء کی شکستوں کے بعد شہزادہ رینود کے صلیبی اسی بیوفورٹ میں صلاح الدین کے محاصرے میں؛ مذاکرات کے لیے انگوٹھی بطور امان، مگر رینود زنجیر بند، قلعے کے سامنے تشدد۔ فلسطینی محافظ تاریخ سے بے خبر، مگر خوف، خیانت اور درد مانوس۔ افسانوی سرنگ کا ذکر ہوا تو جوش سے کھائی کے اوپر تنگ کنارہ؛ جبل الشیخ کی برف، الجلیل کی نیلی وادیاں، لیطانی کا بھورا پانی، ہوا میں گولیاں فصیل پر۔ قدیم حوض سے جلا کوڑا، سڑا گوشت اور پیشاب کی بو—کیا یہی قدیم راہِ فرار؟

پانچ برس بعد اسرائیلی ایف-16 نے بیوفورٹ توڑا، یہودی فوج اور مسیحی ملیشیا ملبے میں؛ اب مغرب میں مسلمان، پہلے مشرق و جنوب میں عیسائی و یہودی، بارہویں صدی میں دونوں طرف مسلمان۔ دھند میں بادلوں کے اوپر فصیل، ناہموار وادیوں سے ہر بار دوسری جگہ، ٹوٹی دانتوں جیسی؛ سرد طوفان میں غائب۔ مارونیوں نے صلیبیوں سے خود کو جوڑا، ناخوش اتحادوں کی لت؛

شکست پر شمالی پہاڑ، کھائیوں کے بیچ برفانی سطح اور دیوداروں میں پناہ۔ عملیت پسند، بہادر، بدگمان؛ بقا اپنے ہاتھ—لبنان کی ہر اقلیت، بعد اسرائیلیوں جیسی صفت۔

صدیوں میں مارونی جنوب، بیروت، دروز و شیعہ علاقوں، شوف، زیریں بقاع اور صور جنوب سنگی رِج تک؛ آج اسرائیلی قبضے کی مسیحی سرحدی پٹی۔ 1860ء دروز جنگ میں بارہ ہزار مسیحی قتل، فرانس مارونیوں کے لیے؛ فرانسیسی بحری جہاز بیروت، خلدہ پر فوج—122 برس بعد امریکی میرین کا بدقسمت مرکز۔ یورو-مسیحی مداخلت بار بار، کیونکہ ہر برادری اقلیت، عظیم مذہبی انشقاق کی وارث، پہاڑ کی طبعی پناہ میں آنے والے قبائل بلا وطن۔

مارونی نام پانچویں صدی کے شامی زاہد مارون سے، بازنطینی کلیسا میں مسیح کی واحد الٰہی مشیت کے نزاع سے؛ ملکی یونانی آرتھوڈوکس و کیتھولک بھی مختصر مگر معاشی طاقت۔ دروز مصر سے، قدامت پسند مسلمانوں کے نزدیک بدعتی، تناسخ و انتقالِ روح، مگر اصل وفا قبیلہ، گاؤں، سردار؛ شوف چوکیوں پر مقدس رنگ، کھیتوں میں مختصر عبادت گاہیں—مسجد نہیں—اور جنبلاط خاندان مرکز؛ ولید سیاسی مطالبہ اور قومی حکومت کی نشست۔

شیعہ آٹھویں صدی میں علیؓ کے قتل سے سنی قیادت کے مدعی، ائمہ کو جائز جانشین؛ لبنان میں مذہب جتنا سیاسی تجربہ۔ سنی عثمانی شام میں تحقیر، جنوبی پہاڑی غربت، انگریز پروٹسٹنٹ کے آئرش کیتھولکوں جیسے متروک۔ سنی، سنت و حدیث کے پیرو، مملوک اور ترک رفاقت سے تجارت؛ شمال مشرقی بحیرۂ روم کے تاجر، شیعہ معاشی عروج میں مفاد کا نقصان—سنی طاقت شیعہ غربت پر قائم۔

1840ء سے یورپیوں نے ترکوں کو عیسائی-دروز تقسیم تجویز کی؛ امیر بشیر ثالث جھگڑا نہ روک سکا۔ 1842ء جبل لبنان شمالی عیسائی اور جنوبی دروز کینٹن، بیروت-دمشق شاہراہ حد۔ آج کہالہ کے مشرق یہی فالانج اور دروز پروگریسو سوشلسٹ محاذ۔ فرانس و آسٹریا مارونی، برطانیہ دروز،

روس یونانی آرتھوڈوکس؛ 1860ء جنگ بعد فرانسیسی فوج۔ 1892ء رہنما :عیسائی گورنر، باب عالی مقرر، یورپی عیسائی طاقتوں کی ضمانت؛ سنی، شیعہ، دروز، مارونی، یونانی کیتھولک و آرتھوڈوکس، مگر بیروت کی چھوٹی پھلتی یہودی آبادی غائب۔

1892ء کی بستیاں آج بھی :شوف دروز، صیدا و طرابلس سنی، جنوب شیعہ، بیروت شمال پہاڑ مسیحی۔ 1983ء فرانسیسی، اطالوی، برطانوی مغربی بیروت، امریکی جنوب، یورپ خود مختاری کا ضامن—گزشتہ صدی بارود۔ دھماکا پہلے کیوں نہیں؟ پہلی جنگ میں ترک بیوروکریسی اور ٹڈیوں سے قحط؛ سڑک کنارے بند آنکھیں، پیلے چہرے، کوڑے سے مالٹے کے چھلکے اور ہڈیاں کھاتے لوگ، عورتیں گھاس میں خوردنی جڑی تلاش۔ حلیف ناکہ بندی ترک فوج کو بھوکا کرنا چاہتی، ترک خوراک لے گئے، شہری مرے :شام و جبل لبنان کم از کم تین لاکھ؛ لبنان میں صرف دو برس ایک لاکھ بیس ہزار، چھت کی ٹائل تک روٹی کے لیے فروخت۔

1917ء فاتح حلیف بیروت آئے تو یادگاری پوسٹ کارڈ :1915ء یتیم خانے کے بچے، تیلی بازو، کھوپڑی چہرے، پھولے پیٹ۔ ایک لاکھ بیس ہزار 1975–89ء کی تمام جنگوں، اسرائیلی حملے سمیت، سے بیس ہزار زیادہ؛ جارج انتونیوس شام و لبنان 3.5 لاکھ بھوک، فوجی و قیدی ملا کر چالیس لاکھ سے کم آبادی میں نصف ملین۔ امریکا میں خود جلاوطن خلیل جبران کا غضب ناک نوحہ" :میرے لوگ بھوک سے مرے، جو نہ مرا تلوار سے ذبح ...دودھ و شہد کی سرزمین میں ... جہنم کے عفریتوں نے کھیت تباہ، سانپوں کی اولاد نے وہاں زہر تھوکا جہاں مقدس دیودار، گلاب اور چنبیلی مہکتے۔"

جنگ سے پہلے ہزاروں لبنانی، جبران سمیت، امریکا؛ ٹائٹینک کی تیسری جماعت میں ڈوبنے والے کئی غیر یورپی نام لبنانی۔ مگر لبنان کی طرف المیہ ہجرت پہلے یورپی ہولوکاسٹ کے آرمینی متاثرین کی۔ 1915ء ترکوں نے نازی مشینری کے بغیر دس لاکھ کو گولی، چاقو، عصمت دری کے

بعد قتل؛ راکھ گڑھے یا شناخت شدہ قبریں نہیں، دسیوں ہزار شمالی شامی صحرا کے جبری مارچ میں پیاس بھوک۔ تصویریں مستقبل کی تنبیہ :ترک سپاہی سوٹ کیس اٹھائے مردوں کی قطار لے جاتے— جھیل وان یا لووف؟ عثمانی یا ورماخت؟ باغ کنارے سفید قمیص لاشیں، پھولتے پیٹ؛ قاتل لاشوں کے ساتھ مسکراتے؛ دیر الزور ریت میں کتوں سے نوچی ہڈیاں اور گھٹنے ٹیکے پادری۔

انطلیاس آرمینی بطریقیت کی زرد پتھر ہشت پہلو یادگار، میلے شیشے کے پیچھے ترتیب سے کھوپڑیاں، ران، جوڑ، بازو پاؤں کی ہڈیاں؛ ٹوٹی، عمر سے بھوری۔ تقریباً 36 کھوپڑیاں، کم از کم دس لاکھ مردے—ہر کھوپڑی 27,777 لاشوں کی علامت۔ ترک حکومت آج بھی انکار؛ 1918ء قفقاز حملے میں 75 ہزار، 1919–22ء مزید ڈھائی لاکھ ممکنہ۔ زندہ کم، کیونکہ سب مارنے کی کوشش اور عمر۔ عثمانی زوال بعد بیمار آرمینی بیروت، برج حمود کی دلدل پر جھونپڑیاں، پھر کیمپ ماراش کی بلقانی بالکونیوں والے گھر۔

نوّے سالہ خورین پیلبوسیان بلدیہ چوک کے پاس، بہرا، صرف جابر کی ترک زبان۔ ”گیسریا گاؤں سے خالہ خالو لے گئے؛ گلی کونے پر سنگین زدہ لاشیں“—چھڑی سے وار۔ تصویر میں سیاہ پوش بہن فلورنس :ترکوں کے کرد کارندوں نے شوہر بچے قتل، عصمت دری، اغوا، ایک سے جبری شادی؛ دس برس بعد وہ مرا تو بیروت میں خاندان ملا۔ بیروت نجات؛ اس صدی میں سکون کے لیے لبنان آنے والی واحد قوم۔ خاندان اصل شہروں کے مطابق ساتھ، جیسے فلسطینی حیفا یا ام الفرج کے ہمسائے کیمپوں میں۔ فلسطینی کہتے :آرمینی قوم کے لیے لڑنے میں دیر کر گئے۔

کیمپ ماراش کے ڈیڑھ لاکھ آرمینیوں سے 1980ء کی ”آرمینی سیکرٹ آرمی“، ترک سفارت کاروں کے قتل سے انطلیاس ہڈیوں کا پُرتشدد کتبہ۔ سوویت آرمینیا والوں کے پاس ریاست بحالی کا نازک موقع؛ جیسے مغربی کنارے و غزہ کے فلسطینی ہی مؤثر لڑ سکتے۔ لبنان داخل ہر قوم سے سیاسی و فوجی بے بسی کی قیمت لیتا ہے۔

پہلی جنگ بعد یورپی طاقتیں ایسا نہ سمجھیں۔ فرانسیسی ثقافت و اقتدار؛ لیگ آف نیشنز انتداب شام و لبنان، برطانوی فلسطین، شرق اردن، عراق۔ فرانس نے اقلیتیں استعمال کیں :دروز نوآبادی ملیشیا، شامی علوی سنی قوم پرست بغاوت دبانے کو۔ علوی حافظ الاسد کی سنی اکثریت پر حکمرانی کی ستم ظریفی۔ 1982ء سے پہلے حما کے بیت العظم میں فرانسیسی مخالف سنی نوجوانوں اور پھانسی یافتہ مجاہدوں کی تصاویر؛ ”شہدائے حما“۔ دولت مند دو صدی حکمران عظم خاندان؛ عثمانی، عرب یا فرانسیسی وردی، بڑی مونچھ، بندوق، قوم پرستی کو عزت سمجھنے والے۔ 1948ء اسرائیل سے لڑتا گیری کوپر سا فرید ادیب عظم۔ فروری 1982ء سنی بنیاد پرست علوی حکومت کے خلاف؛ شہر تباہ، دس یا بیس ہزار قتل؛ تصاویر بھی جلیں۔

فرانس نے سنی شامی قوم پرستی توڑنے کو صور، صیدا، طرابلس، بقاع اور بیروت شام سے نکال کر عثمانی جبل لبنان سنجق میں جوڑے؛ بندرگاہیں شام سے، دمشق کمزور، بیروت و مسیحی نظام مضبوط۔ جنرل گورو نے 31 اگست 1920ء ”لبنانِ کبیر“—مکمل مصنوعی فرانسیسی اکائی—بنایا؛ یہی بعد آزاد سرحدیں، اسی کی مفروضہ خود مختاری پر نصف صدی بعد ہزاروں قتل۔ سنی مخالف؛ لبنانی و شامی دروز 1925ء بغاوت؛ یونانی آرتھوڈوکس اور صیدا، طرابلس، بیروت کے سنی شام سے اتحاد چاہتے؛ صرف مارونی فرانسیسی جام، مگر اس میں نوآبادی زہر :مسلم شام شامل کر کے شرح پیدائش سے عیسائی سب سے بڑی برادری نہ رہیں گے، لہٰذا مزید فرانسیسی تحفظ لازم۔

فرانسیسی خیر :معیشت، بندرگاہ، سڑک، عدلیہ، تعلیم، صحت؛ مگر شامی لبنانی سکہ گرتے فرانک سے باندھ کر کمزوری منتقل، فرانسیسی بینک حصص یافتگان عرب مالی خود مختاری پر خوش حال۔ عربی نے ٹوٹی عثمانی سلطنت کی ترکی پر فتح پائی تو اسکول میں فرانسیسی لازم؛ جھنڈا فرانسیسی سہ رنگ، عدالت میں برابر، دستاویز، پاسپورٹ، سائن دونوں زبان—آج تک۔ 1925ء دروز بغاوت فرانسیسی

مسلح آرمینی جتھوں سے سفاکی سے؛ سویدا میں تین ہزار فرانسیسی شکست، دروز دمشق اور بیروت قریب؛ فضائیہ دمشق و دیہات میں اندھا دھند شہری بم باری۔

نمونہ قائم :مارونی بیرونی طاقت سے تعاون کیونکہ آزاد مگر فرانسیسی محفوظ لبنان؛ مسلم قوم پرست 1920ء سرحد، فرانسیسی حکمرانی اور حکومت مخالف؛ مارونی فرانسیسی نام، پہلی زبان، اسکول و جامعات۔ نومبر 1936ء معاہدہ کاغذی آزادی مگر فرانسیسی فوج و سیاسی کنٹرول؛ بیروت طرابلس احتجاج دبایا، عیسائی خوف۔ مستقبل کی عیسائی ریاست میں وفا و نظم کیسے؟

دسمبر 1936ء فرانسیسی روزنامہ لوریان نے سنجیدہ ترتیب چھوڑ صفحہ اوّل پر برون رمانہ 16 میدان میں قطار بند سیکڑوں نوجوان :نیلی قمیص والی نئی فالانج کا پہلا دستہ۔ 1982ء اسرائیلی محاصرے میں لوریان-لوژور محفوظات میں 16 دسمبر شمارہ غائب؛ اگست برلن اولمپکس میں کپتان پیر جمیل کی لبنانی فٹ بال ٹیم والے شمارے، خزاں کی فالانج تحریریں متن سمیت کٹی۔ اصل صفحہ پیر جمیل کے مشرقی بیروت دفتر میں دیوار پر۔

ستتر سالہ مارونی بزرگ، تیس کی دہائی کا چوڑے کالر، کف، سیاہ ٹائی سنہری کلپ، سفید قمیص؛ دبلا دبا چہرہ، بال فرانسیسی تیسری جمہوریہ سیاست دان، عربی سے بہتر فرانسیسی۔ نازی جرمنی سوال پر آٹھ ثانیے" :فٹ بال کپتان و فیڈریشن صدر؛ نظم و ضبط دیکھ کہا لبنان کیوں نہیں، واپس نوجوان تحریک۔ ""ہٹلر، نازی پروپیگنڈا، جرمن یہودیوں کی ممانعت، سیاہ امریکی جیسی اوونز کے سو میٹر جیت پر ہٹلر خروج—ذکر نہیں۔ "تب نازی ازم کی آج والی شہرت نہیں۔ ہر نظام میں اچھا؛ نازی ازم تب نازی ازم نہ تھا، لفظ بعد آیا۔ نظم دیکھا؛ مشرق وسطیٰ کو سب سے زیادہ نظم چاہیے۔"

تحریک پھلی؛ باہر کمر پر پستول، زیتونی وردی پر تکونی دیودار۔ ہٹلر بعد یورپی فالانج مٹیں، لبنان میں فرانکو کی اولاد سے بھی دیرپا۔ جمیل کے نزدیک عثمانی چار سو برس بعد آزادی کے لیے

پختگی، نوجوانوں کو سیاست، پارلیمان میں انتخاب، ترک و فرانسیسی وزارتیں سنبھالیں۔ مگر آزادی مشکل :فرانس وعدوں سے مکرے؛ 1941ء وشی دور بعد حلیف قبضہ، برطانوی دوسری بار فلسطین سے؛ آسٹریلوی نے مرجعیون ٹینک جنگ میں پہلا وکٹوریہ کراس؛ دامور میں برطانوی سپاہی موشے دایان کی آنکھ وشی نشانچی نے لی۔

آزاد فرانسیسی انتظام؛ ڈیگال فوج رکھنے پر؛ چرچل مخالف۔ مارونی صدر بشارہ الخوری اور سنی وزیر اعظم ریاض الصلح نے اخراج مانگا تو فرانسیسیوں نے گرفتار، راشیا قلعہ قید؛ اب مارونی و جمیل بھی اخراج۔ 1946ء فرانس شام و لبنان سے گیا، دمشق پر گولہ باری، پانچ سو شامی قتل—آئندہ فوجیں نکلتے بھی اندرون پر فائر کریں گی۔ پیچھے آئینی و مہلک مارونی غلبہ۔ 1943ء غیر تحریری قومی میثاق :مارونی صدر، فوجی کمان اور اثاثے؛ بدلے فرانسیسی تحفظ ترک اور لبنان کی "عرب شناخت"قبول۔

مغرب نے اسے عرب آمریتوں میں جمہوری نمونہ کہا مگر دو نقائص :مارونی بمشکل 30 فی صد، شاید سنی یا شیعہ سے کم؛ مردم شماری 1932ء بعد کبھی نہیں؛ جمہوریت کے لیے مسلم فرضی مارونی اکثریت مانیں، بدلے شام سے اتحاد ترک۔ کسی فریق پر تنقید تو میثاق سوال۔ یورپی پارلیمانی مساوات ایسے ملک پر پیوند جس کا وجود نصف آبادی نے بیس برس رد کیا۔ جارج نقاش : سمجھوتا ریاستی عقیدہ، "تاریخی حادثے کو استحکام سمجھا"۔ عہدے فرقہ قوت کے مطابق :صدر مارونی، وزیر اعظم سنی، اسپیکر شیعہ؛ پارلیمان میں ہر پانچ مسلمان پر چھ عیسائی۔

مغرب میں شراکت اقتدار محبوب :قبرص یونانی عیسائی صدر، ترک مسلم نائب، یونانی بغاوت و ترک حملے سے ناکام؛ شمالی آئرلینڈ کو لبنان پڑھنے کا مشورہ، 1974ء بیلفاسٹ پروٹسٹنٹ چیف، کیتھولک نائب، دو بہ ایک کابینہ، مزدور پروٹسٹنٹ مخالفت سے منہدم۔ لبنان زیادہ چلا، آخر مسلم-مارونی رگڑ اور بیرونی مداخلت میں پارلیمان صدر بھی نہ چن سکی۔ معجزہ اور لبنانی ضد؛ مگر خوش

فہمیاں سہارا۔ 1975ء صحافیوں کو ابھی ختم سنہرا فونیقی عہد سنایا، مذہبی دشمن امن اور کمائی کرتے۔ معیشت بڑھی تو خواب معتبر؛ سنی و مارونی دونوں، آزاد مالی مرکز، یورپ–مشرق تجارت، بندرگاہ، عرب آمریتوں میں نسبتاً آزادی، مشرق و مغرب کا لاڈ، خلدہ ہوائی اڈے پر جدید کارواں۔

میثاق تین برس کا تھا جب 1946ء جنوبی سرحد/سمندر سے دھندلا خطرہ۔ 1948ء دامیانی، زمزم، کنفانی اور تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مہاجر؛ حکومت و فلسطینی جلد واپسی کی امید۔ لبنان نے مضحکہ خیز عرب لبریشن آرمی سے اسرائیل کے خلاف ناکام مدد کی؛ اپنی شکست مہاجروں سے اہم۔ فلسطینی صور، بیروت، طرابلس کنارے اقوام متحدہ کیمپ یا بعلبک کے گندے ویول بیرک؛ برطانوی فرانسیسی خالی نوآبادی احاطے طویل جلاوطنی کے گھر۔

ابتدا سے کم محبت۔ اکثر سنی، مارونیوں کو مسلم حلیف کا خدشہ۔ بعض رشتے داروں سے لبنانی بنے، اکثر بے شہری، پھیکا بھورا دیودار پاسپورٹ؛ سرکاری نوکری و شہریت حقوق نہیں، ورک پرمٹ تقریباً ناممکن، فلسطینی کسان مزدور لبنانی تعمیرات پر کم اجرت۔ پھر جمال عبدالناصر کی عرب قوم پرستی۔ اپریل 1958ء نیشنل جیوگرافک ”نوجوان–قدیم لبنان تجارت پر زندہ :“سینٹ جارج یاخت و واٹر اسکی، اے یو بی رقص، بشریٰ دیودار، جبیل، بقاع قالین، شکاری صدر کامل شمعون۔ خواب۔

مضمون نگار بیروت، جونیہ، جبیل، دیودار، بعلبک، بیوفورٹ؛ مسز شمعون بیت الدین محل؛ بقاع میں گاتے پرندے، کدال کندھے مزدور، پھر عالی جناب شمعون بلند قامت، کمر سے شکار۔ آخر بسطہ میں حکومت مخالف مظاہرہ: ٹیکسی والا ”جاؤ گے مارے جاؤ گے“؛ ہجوم و ژاندارم، پتھر، بالکونیوں سے بارش، سپاہی کی رائفل گری، بولٹ چیخے، گولی، مظاہرہ کار گرا، ایمبولینس، ٹینک۔ پھر

صحافتی تجسس ختم، اسے نوجوان جمہوریہ کے بڑھنے کا درد اور پانچ ہزار سال فاتحوں کے بعد پُرامن خوش حال مستقبل کہا۔ دراصل پہلی خانہ جنگی کا آغاز، آئندہ تباہی کا پہلا پردہ۔

1958ء جنگ امریکی میرین کے ساحل اترنے، بکنی خواتین اور کوکا کولا بیچتے بچے کی داستان سے یاد—سچ مگر اسطورہ۔ اصل نزاع عرب قوم پرستی بمقابلہ مغرب نواز مارونیت، 1920ء ہی کا۔ ناصر کی متحدہ عرب جمہوریہ—مصر و شام—اور اردن عراق ہاشمی مخالفت نے بالخصوص سنیوں کو جوش؛ شمعون کو خطرناک جنون۔ وہ فرانسیسی سے زیادہ انگریز نواز، ناصر سے ایڈن جیسی نفرت؛ سویز سے ناصر گرانا چاہا، اسے کمیونسٹ کہتا۔

نیشنل لبرل پارٹی میں قدامت پسند شیعہ سنی بھی، مگر شمعون نے جمہوریت کو حقیر کیا۔ 1957ء حلقہ بندیاں، مخالف ناصر کے امیدوار، صائب سلام اور کمال جنبلاط شکست؛ بسطہ احتجاج اسی دھاندلی پر۔ پھر دوسری صدارت کے لیے آئین بدلنے کی سوچ۔ آئزن ہاور نظریہ قبول: "بین الاقوامی کمیونزم" کے زیر جارح کے خلاف امریکی فوج۔ مسلم-دروز بغاوت، عروبی زبان؛ شمعون کے نزدیک ناصر کمیونسٹ، میرین بلائے۔ میثاق چرچرایا؛ سلام اور رشید کرامی نے مغربی اتحاد کا الزام۔ فوجی کمانڈر فواد شہاب کی صدارت اور فوج کو جنگ سے باہر رکھنے نے توازن بچایا۔

بیروت میں مسلح ملیشیا، فرقہ وار قتل؛ فضائیہ ہاکر ہنٹر سے فخانی مسلم مورچے؛ طرابلس میں کرامی باغی سرکاری فوج روکے۔ مگر باہر گویا کچھ نہیں؛ معیشت و بینک بڑھے، 1962ء 38 فضائی کمپنیاں 99 پرواز روز، 76 ہزار گاڑیوں میں 65 ہزار سیاحت؛ 1965ء رہنما "سیاحتی بابِ مشرق"۔ دنیا اندھی کیوں؟ 1976ء آئرش ٹی وی امن کی فلم مانگتا؛ قبرص محفوظات، 1969ء برطانوی فلم: سینٹ جارج اسکی، بقاع کسان، دیودار—پھر پہاڑی میں کاربائن فالانج نوجوان؛ جنوب میں مصری افسر مسلم لڑکوں کو رائفل؛ 1958ء ہاکر ہنٹر مغربی بیروت اسی بلاک پر جسے 1982ء میں اسی جگہ سے اسرائیلی جیٹ بم مارتا دیکھوں گا؛ آخر رات کی جھلملاتی بیروت روشنی۔

1972ء میں آئرلینڈ کا ٹائمز نامہ نگار چھٹی پر منی بس بقاع، انجانے مستقبل کے تیرہ برس۔ نارنجی خوشبو، بوگن ویلیا، بعلبک؛ مسیحی گائیڈ صرف فونیقی، رومی، آشوری، صلیبی—گویا جدید تاریخ سیاحت۔ مشتری ستون دوپہر سفید شام گلابی؛ باخوس مندر، کومیدی فرانسیز تہوار۔ شتورا چائے، سیاحتی نقشے پر سفید بو ٹائی صدر سلیمان فرنجیہ کا "دیانت، مہمان نوازی، آزادی، سلامتی، استحکام" پیغام۔ بیروت شاہراہ پر سنگ و ٹین کی جھونپڑیاں؛ کون؟ "فلسطینی، ہمارے لوگ نہیں۔"شتیلا کیمپ۔

راوشہ واٹر اسکی، مچھلی ریستوران؛ طرابلس مرکز فائر، اخبار "ڈاکوؤں نے بازار لیا"، اسکواڈ 16 جیپ خودکار رائفل، کسی کو وجہ نہیں۔ جبیل سے پرانی اسکول بس، نھر الکلب نقوش، مسلمان عیسائی سوار۔ قرنطینہ مذبح کی بدبو پوچھی تو مسیحی ڈرائیور ٹین دیوار کے پیچھے جھونپڑیاں" :شاید فلسطینی۔ "جنگ تین برس دور۔ 1982ء پیر جمیل فلسطینی کو "پانچواں ستون" :"ہم اور لبنانی نہیں، ہم اور فلسطینی جنگ؛ لبنان فتح، قبضہ، عرب دنیا میں تحلیل چاہتے۔ "اس کے الفاظ میں 1930ء میں اپنی سماجی خرابی کا الزام ایک کہیں کمزور اقلیت کو دینے والے دوسرے نظام کی بازگشت۔

فلسطینی اثر ناقابلِ انکار۔ 1975ء آبادی 3.5 لاکھ، 1967ء اور اردنی جنگ کے مہاجر، اب مسلح پی ایل او عمان سے نکلی، بیروت ثقافتی و عرفات صدر دفتر، اسرائیل کے لیے دشمن دارالحکومت۔ 1968ء جنوب سے حملے، اسرائیلی انتقام لبنانی دیہات :فلسطینی پناہ دیں تو خون؛ نکالنا ناممکن، وہ مسلح، فوج کمزور۔ پی ایل او کے لیے مقدس فرض، قابض سے وطن کی جنگ۔

1969ء قاہرہ مشتبہ معاہدہ عرفات و فوجی کمانڈر :ہر فلسطینی کو "انقلاب میں شرکت"، جنوب مشرقی آتشیں ارکوب—فتح لینڈ—کا راستہ محفوظ؛ لبنان کے اختیارات جاری، بے معنی۔ پی ایل او فوجی و شہری اسرائیلی ہدف؛ اسرائیل گہرے شہری انتقام، غیر متناسب :راکٹ و بارودی سرنگ سے

دو شہری دو فوجی قتل، حاصبیا گولہ باری 48 قتل 45 زخمی—اگلے پندرہ برس کا نمونہ۔ صبرا، شتیلا، قرنطینہ، تل الزعتر، برج البراجنہ دروازوں پر فلسطینی؛ ریاست کے اندر ریاست۔

ایتھنز میں العال حملے کے بعد اسرائیلی بیروت ہوائی اڈہ اتر کر ایم ای اے سمیت 13 جہاز تباہ؛ 10 اپریل 1973ء شارع وردان گھروں میں تین پی ایل او رہنما اور ایک بیوی اسرائیلی قتل دستہ؛ 1974ء بلا اشتعال "پیشگی "حملے۔ مارونی ارکوب قبضے پر شاکی؛ مسلمان عروبی ہمدرد۔ دمشق لبنان کو پی ایل او حملے کی اجازت کا دباؤ، مگر شامی زمین سے ممنوع۔ شام کی مسلح موقع پرست صاعقہ، افسر شامی، توانائی زیادہ تر فلسطینی بھائیوں کے خلاف۔

فلسطینی اخلاقی دائرہ :اسرائیل نہ لڑیں تو حق واپسی قربان، لڑیں تو غریب جنوبی شیعہ لبنانی نئے مہاجر۔ مارونی کہتے جمہوری آزادی تباہ؛ مگر لبنان پارلیمانی جمہوریت نہیں، زعما—جاگیردار سردار/مافیا—چلاتے۔ ہر قبیلے کا دولت، محافظ، ظلم، تعلیم، نجی فوج والا رہنما؛ اعلاناً لبنان و میثاق سے محبت، عملاً طاقت بیٹے کو۔ نرم بوڑھے صدور میں سرد سفاکی۔ سلیمان فرنجیہ پر 1957ء دواعیہ خاندان مشین گن قتل کا یقین؛ دمشق فرار و تحفظ، شام نے 1970ء صدر بنایا؛ انتخاب متنازع تو بندوق بردار پارلیمان میں۔

بدعنوان حکومت، بیٹا ٹونی کابینہ۔ 1977ء فرنجیہ نے فالانج–اسرائیل تعلق رد کیا تو بشیر جمیل نے ایدن میں 32 حامی و محافظ، پھر ٹونی کے سامنے بچہ، بیوی اور آخر اسے قتل۔ بشیر کی ننھی بیٹی کار بم میں مری تو زغرتا میں مرادہ ملیشیا محفوظ بوڑھا فرنجیہ" :امید ہے بشیر اب میرا احساس جانتا ہے۔ "کامل شمعون کی ٹائیگرز، بیٹا دانی، 1988ء صدارتی امیدوار۔ مسلم زعیم کم ظالم نہیں، سرپرستی خاندان :رشید کرامی والد، کمال جنبلاط 1977ء قتل تو ولید دروز اور بائیں اتحاد سربراہ، مختارہ محل، فوارے، سبز وردی۔

:ء ولید کے لوگ جیہ ساحلی روڈ پر آخری فالانج قتل؛ محل میں منجمد چیک بیئر پیتا1985 قتل، لوٹ—آہ یہ لعنتی جنگ ''!عیسائی واپسی و معاوضہ وعدہ؛ کچھ نہیں، سیکڑوں گھر و مارونی چرچ '' بارود و بلڈوزر؛ دروز کے ہاں قیدی نہیں۔ یہی جمہوریت کی اولاد—مرد ہی—ذاتی طاقت اور کثرتی مستحکم اسطورہ۔ جمیل دفتر میں آزاد، نجی اقدام، سماجی امن، پارلیمانی جمہوریت، سترہ فرقوں کے برابر حقوق اور ہر انسان دوست کی مذہبی داستان؛ تباہی صرف فلسطینی، سب سے زیادہ دکھی بڑھتے شیعہ غائب۔

ء لبنانی جنون؛ حمرا و ساسین کی مہنگی تصویری کتابیں :فائرنگ اسکواڈ سے پہلے 76–1975 نوجوان مسلم، نقاب پوش کے سامنے فلسطینی ماں، گھر میں مقتول عیسائی خاندان۔ فتح شجاعت، وطن یا انقلاب؛ شکست ہمیشہ ''سازش''—مؤامرہ/کمپلو—شامی، فلسطینی، اسرائیلی، امریکی، فرانسیسی، لیبیائی، ایرانی ہاتھ۔ ایڈ کوڈی اور میں کہتے ہر انٹرویو میں سازش کے لیے کرسی رکھیں۔

جنگ میثاق پر عربیت و مغرب کی آخری کشمکش، مگر میدان میں ہولناکیاں :رنگ روڈ سیاہ ہفتہ، دامور میں عیسائی، قرنطینہ و تل الزعتر میں فلسطینی قتل۔ آغاز صیدا مسلم ماہی گیر بنام شمعون و مارونی ماہی کمپنی؛ بائیں بازو میئر معروف سعد مظاہرے میں مہلک زخمی، عیسائی کمان والی قومی فوج مسلم و شدت پسند فلسطینیوں سے۔ 13 اپریل 1975ء عین الرمانہ میں فالانج نے بس کے 27 فلسطینی قتل؛ اشتعال دعویٰ مگر منصوبہ بند؛ جنگ کامیابی سے بھڑکی۔ کمال جنبلاط نے فالانج کابینہ رد، شدت پسند اور آہستہ عرفات فتح، پھر مسلم ملیشیا میدان؛ مختصر سینکڑوں جنگ بندیاں اور خود فریبی۔ وزیر اعظم رشید الصلح :سیکڑوں اسرائیلی اشتعال کار جمہوریہ توڑنے آئے—سازش بیروت پہنچی۔

ناصری مگر فطرتاً زر پرست مرابطون، پی ایف ایل پی جنرل کمان سے، جو جارج حبش سے خونریز انشقاق اور عرفات بندوق و زیتون شاخ کے خلاف؛ قنطاری اور بندرگاہ عیش ہوٹلوں سے

فالانج نکالے۔ دسمبر 1975ء "سیاہ ہفتہ :"مشرقی بیروت بجلی دفتر باہر کار میں چار عیسائی مقتول؛ بشیر دمشق سے مبینہ حکم چالیس مسلم انتقام۔ رنگ مشرق چوکی پر خاندانوں کے سامنے پہلے چالیس مرد پل نیچے گلے کٹے؛ مغرب میں مسلم نقل۔ دونوں سروں پر شہری کاغذ دکھانے قطار، خون آلود چھری والے نقاب دیکھ کر انجام؛ کم از کم 300 مسلم، شاید برابر عیسائی ذبح۔

جنوری 1976ء فالانج قرنطینہ، قتل یا اخراج۔ عرفات فتح باہر رکھتا تھا، مگر قرنطینہ و تل الزعتر محاصرے نے پی ایل او مسلم بائیں جنگ میں۔ دامور ریشم، زیتون، صیدا–بیروت شاہراہ کا حسین عیسائی گاؤں؛ شمعون کی سرخ چھت ولا، ٹینس و باغ سمندر تک؛ ہیلی کاپٹر سے نکلا، باقی سمندر سے یا فلسطینیوں نے قتل۔ اب فلسطینیوں کے لیے اپنی "جنگِ آزادی"، مارونی نائب دشمن؛ فلسطین کا راستہ جونیہ سے"۔ مئی 1976ء صلاح خلف :سَنّین مشرقی ڈھلوان سے عیون السیمان، " انطورا، جونیہ تک تاکہ فلسطینی وجود محفوظ۔ تکبر :جونیہ اسرائیل کے شمال نہیں، بیروت کے شمال؛ فلسطینی غلط سمت میں بڑھ رہے تھے۔

مرابطون نے اے یو بی سے نیا زمین بہ زمین میزائل جونیہ داغا؛ صحافی نام، اسرائیل استعمال، وار ہیڈ وزن و رینج پوچھتے۔ عربی ترجمان مزاحمت، تنہائی پسندی، انقلاب پر طویل؛ غیر عربی رپورٹر ترجمہ مانگیں تو اے پی محمد سلام کا خشک جواب" :وہ کہہ رہا ہے—کوئی تبصرہ نہیں۔ "مغربی بیروت پی ایل او زیر قانون شکن، بھتا، غنڈہ قتل؛ سلامتی دستے لوٹ روکنے تک۔ جون 1976ء صاعقہ نے دمشق حکم پر فتح سے کھلی جنگ؛ راوشہ نالی میں فتح لاش۔ مسلم لبنانی گھروں میں، گلی غیر ملکی میدان۔ فلسطینی فلسطینی جنگ آئندہ زیادہ سفاک؛ لبنانی حلیف ہوں تو عرب بھائی، باہمی حساب میں نظر انداز غیر ملکی۔

شامی مداخلت سب کو ناگزیر، فلسطینیوں کے سوا۔ پچھلی سردی عرفات و کمال دمشق :جیت رہے، عیسائی قلب تک؛ اسد ہر قیمت روکے گا، جنبلاط مشرقی بیروت حکم پر اسد غصے سے نکلا۔

عبدالحلیم خدام تین بار جنگ بندی و اصلاح۔ اوائل گرما فلسطینی سَنّین ڈھلوان، عیسائی مکمل شکست قریب؛ صدر فرنجیہ کی رسمی درخواست—شامی شرط—پر اسد زرہ بند بقاع۔ ساتھ لبنانی بائیں، بعثی خوشامدی، امن دوست شام کی خوشی بیان۔

فوجیں یکساں :اکتاہٹ، چند خطرناک ثانیے۔ جون گرم صبح دمشق شاہراہ، شتورا مغرب سفیدے، درخت سے شامی سپاہی، کندھے رائفل، منہ سگریٹ، سانپ چمڑا چھڑی۔ سڑک بیچ اسد کا چھ فٹ رنگین فضائی وردی پورٹریٹ، بوڑھا برطانیہ جنگ پائلٹ؛ تختے پر ننھا لبنانی جھنڈا؛ پیچھے کان میں ٹینک نال۔ ”صاحبو سلام، تصویر نہیں، ورنہ گاڑی گولیوں سے چھلنی“—رَصاص لفظ سسکارا۔ موڑ پر ٹینک گھاس میں دھوپ لیتے بوڑھے کتے۔ پرچہ :بہن لبنان کی مدد، فرنجیہ دعوت۔ یہی شتورا ریستوران جہاں سیاح گائیڈ نے مہمان نوازی والا فرنجیہ نقشہ دکھایا تھا۔

شامی بقاع بھر، سینڈوچ و شراب خریدتے۔ دکاندار” :مہمان اچھے، گھر جائیں تو بھی۔ “مگر نہ گئے۔ پارک ہوٹل پھول دار صحن میں کمانڈر، فلسطینیوں کو پہاڑی رِج چھوڑنے کی مہلت ایک دن؛ سفر جاری، تصویر نہیں؛ بقاع میں بندوق بردار غائب۔ مصری وزیر اسماعیل فہمی نے ”قتل عام و نسل کشی “کہا، مگر زحلہ محاصرہ کھلا، شامی مقامی فالانج سے تعاون، دفاع کمیٹی کپتان ٹیلی فون ایکسچینج۔ شامی عیسائی بچانے آئے—1860ء فرانس جیسے۔ اسد اقلیت سمجھتا؛ عیسائی قرض دار؛ ادارے بچانا، خود مختاری، ایک منٹ زائد نہیں۔

فلسطینی کچلنا بھی۔ اسد نہیں چاہتا لبنانی خون تنگ مخالفِ لبنان وادیوں سے دمشق کے علوی کنٹرول جسم میں وبا بنے؛ نہ مغربی سرحد پر انقلابی فلسطینی ریاست—فلسطین جنوب، جولان پار، مغربی کنارہ، غزہ، اسرائیل۔ فلسطینی جلد پوچھیں گے شام ریاست چاہتا بھی ہے؟ لبنان میں فلسطینی حکمرانی بھی بدنام :16 جون امریکی سفیر فرانسس میلوی، اقتصادی مشیر رابرٹ وارنگ اور ڈرائیور میوزیم کراسنگ سے اغوا، اسی شام جوتے جرابوں کے بغیر رملۃ البیضا ساحل لاشیں۔ فورڈ

انصاف "مانگتا؛ عرفات نے تین مجرم پہچان صور "رسوائی "بھیجے، ایک اگلے برس اسرائیلی حملے " کے خلاف افسر۔

امریکی انخلا؛ آئندہ بار بار، کچھ بارہ برس میں چار۔ برطانوی بیس گاڑی، یونین جیک، سفیر کی آسٹن، لاشوں والی ویگن۔ امریکی سفارت خانے میں ٹی وی کے لیے سیاہ سوٹ افسر آہستہ گیراج دروازہ، دو مکمل وردی میرین مومی مجسمے، پرچم تابوت" :بائیں سفیر میلوی "...پرائم ٹائم سیاہ تھیٹر، نیلی شرٹ گارڈ چیخا" :وقت ضائع نہ کرو، چلو۔ "پی ایل او مغربی بیروت تک، پھر چاندی گالف کلب چھڑی لیبیائی میجر حسن قصار، ناکام عرب لیگ امن دستہ، شامی محاذ تک؛ دس برس بعد امریکا کے ساتھ لیبیا بم کرنے والے برطانیہ کا شکریہ۔

اگلے دن امریکی 115 فٹ لینڈنگ کرافٹ مغربی ساحلی کلب، پی ایل او محافظ، دو سو سالہ لوگو؛ سفارت کار انہی افسران کا شکریہ جنہیں بعد "بین الاقوامی دہشت گرد"؛ فورڈ نے "فلسطینی " سے بچ کر "عرب سپاہی "کہا، اوول آفس رات۔ جہاز نصف سے کم، امریکی برطانویوں کا دسواں بھی نہ گیا؛ بعض نے انتخابی ڈراما کہا۔

پی ایل او نے شام مخالف ہڑتال۔ صیدا شامی زرہ بند دھاوا، فلسطینی و "لبنانی عرب فوج " نے ریاض الصلح اسٹریٹ میں ہر ٹینک، عملہ زندہ جلا۔ مگر پہاڑ پر شام روز قریب۔ فلسطینی رِج پر آر پی جی لیے "ایک میٹر/انچ نہیں"؛ اگلے دن شامی میل قریب۔ بھمدون سیاحتی پہاڑ، ریلوے، فرانسیسی سگنل، سعودی عمارتیں؛ شامی گولوں سے دکان، فلیٹ، کارلٹن دیوار۔ فلسطینی "سڑک بارودی"، کارتوس پٹیاں پہنے کامکس پڑھتے، مرابطون بارود کے پاس سوئے، فتح افسر گندی لمبی زلف سے سرخ خندق؛ تتلیوں کے کھیت پار شامی ٹینک۔ "شام و ہم صیہونی سے لڑیں؛ اسد امریکی خفیہ وعدوں سے دھوکا"—ہماری پرانی سازش۔

تل الزعتر مشرقی بیروت محاصرہ؛ شامی عیسائی بچا کر مارونی حملے کو آزاد۔ ابو ارز/اتین صقر کی سفاک ملیشیا قیدی ٹیکسی پیچھے باندھ بارہ میل جونیہ گھسیٹ، لاش خشک دریا؛ "عورت بچوں پر رحم ہو تو یاد رکھو کمیونسٹ، نئے کمیونسٹ جنیں گے۔" عرفات نے ہتھیار ڈالنے سے روکا، زندہ کہتے دنیا کے لیے شہید چاہتا؛ اگست بشیر فالانج و دانی ٹائیگرز نے ہزاروں، زیادہ شہری، دیے۔

شام نے الیاس سرکیس، دیانت دار بینکر، صدر بنایا؛ اس کے دور میں مزید انہدام۔ شتورا پارک ہوٹل تقریب 2,000 شامی، 40 ٹی-62، 67 اراکین شامی ہیلی کاپٹر و زرہ کار، باڈی گارڈ اینٹی ٹینک؛ ریاق سے لبنانی ہاکر ہنٹر اوپر، سرکیس "برادری، اتحاد، تقسیم سے نفرت پر نیا لبنان"۔ شام بھمدون فلسطینیوں سے گزرا، فالانج پیچھے؛ اکتوبر عرب لیگ "عرب بازدار فوج "مینڈیٹ، سعودی، یمنی، سوڈانی، اماراتی علامتی؛ اصل شامی قبضہ۔ بھاری ہتھیار جمع کرنے کا حکم—دہائی بھر بار بار اعلان، نظر انداز، فراموش۔

مارونی خوش نصیبی میں کہنے لگے مشرقی بیروت میں شامی نہیں چاہئیں—قبل از وقت۔ 10 نومبر سحر، جنگ کے تقریباً سترہ ماہ، ٹینک توپ گاڑیاں بیس میل، نیلا دھواں؛ 30 ہزار میں نصف شہر کی طرف، بعد جنگ پہلی عرب فوج بھائی/بہن دارالحکومت آئینی اجازت سے۔ سب سے آگے ٹی-62 پر اکیلا ٹوپی دار بانسری نواز، 35 میل رفتار، برج پر جھولتا، پھولے گال، پٹڑی شور میں بے آواز دھن—دمشق کا بانسری نواز بیروت کی راہ دکھاتا۔

کہالہ کھڑکیوں پر سفید جھنڈے، فالانج دفتر خالی؛ "برادرانہ محبت و امن ایلچی "پرچہ بانٹتا شامی افسر فوجی علاقہ بورڈ اکھاڑ کھائی میں۔ حازمیہ میں عرق گلاب چاول۔ گیلری سمعان فلسطینی محاذ کے سامنے فائر سے کالم رک گیا۔ باقاعدہ فوج گوریلا گلی انصاف ختم کرنے؛ مگر سپاہیوں کے سوٹ کیس، خوراک، بستر، بیرک سازوسامان، تعمیر و تیار عمارت حصے—چند دن نہیں۔

دوسری طرف جذبات۔ مسمار سینٹ میثل چرچ سے گانا؛ ریت بند کے فلسطینی شامی ٹینک دیکھتے۔ اندر قربان گاہ پر پانچ لڑکے ننھی گوریلا وردی و بندوق؛ دس گیارہ سالہ خودکار رائفل، اگلا راکٹ لانچر، آٹھ سالہ ایم-16 بوجھ، سینے گرنیڈ؛ لمبا نگران پستول۔ بار بار" :فتح، ہم تمہارے بچے؛ بڑے ہو کر سپاہی۔ "بڑے بوٹ پٹختے سفید سنگ چرچ سے کھائی پار۔ ایک گوریلا" :ان پر گولی کیوں نہ چلائیں؟ "عرب لیگ نے مزاحمت پر آہنی مکا کہا تھا۔

پھر شیعہ سے بیس لوگ—میاں بیوی، گرمی لباس لڑکیاں، دو بچے—سال بھر بعد بولیوار؛ گاڑیاں، ساٹھ ستر خاندان، تاجر بوڑھیاں ملبے پر، سوجی دیوار اور سیاہ بالکونی بے یقین۔ آخری عظیم فعل 16 نومبر :بندرگاہ پر انیس ماہ فائر جاری، آخری بے معنی منٹ؛ چودہ شامی پیدل جنگ ختم کرنے۔ چارلس حلو شاہراہ پر گولے، راکٹ و رائفل، پیچھے ٹینک؛ مونچھ، چھڑی، ریڈیو افسر فالانج کو نکلنے اور راستہ بتانے کو کہتا۔ شہدا چوک دور، کبھی پھل بازار، بس، سوق، کھجور و کیفے؛ اب ہر عمارت گولوں سے چورا، الٹی بس رکاوٹ، کنٹینر پہاڑ آخری عیسائی محاذ۔ "براہ کرم اب جائیں۔"

فالانج نے بچوں والا کیمرہ نکالا، رکاوٹ سامنے بازو کندھوں پر؛ ڈنگری، جینز، کاؤبوائے پستول، گھٹنوں بوٹ؛ دو نے کاغذی سواستیکا ٹوپیاں، تیسرے صلیب؛ تباہ شہر کے سامنے اسکولی رسالے جیسی تصویر۔ محاذ ان کی ذات میں، آئندہ حسرت۔ پھر سنجیدگی سے گئے۔ نصف گھنٹہ فائر کم؛ ساڑھے دس افسر نقشہ لے "نو مینز لینڈ"، ہم پیچھے۔ سڑک نہیں، آٹھ نو منزلہ عمارتیں ایک دوسرے میں پھسلی، دکان کے فرش چھت معلق؛ کنکریٹ، ٹائپ رائٹر، درزی پتلے، زندہ سرمئی گرنیڈ؛ لیس جیسے چھے دیوار۔

زرد سنگ دروازہ تہہ گاہ، اندھیرے سے کلاشنکوف و فلسطینی رومال، مٹی چہرہ خوف زدہ مسکراہٹ—فلسطینی محاذ۔ شامی نے بازو پھیلائے، وہ گلے لگا کر کندھے پر رویا؛ مزید گوریلا، دو

لڑکیاں راکٹ لانچر؛ سلام۔ گلی میں گھاس لپٹا وہی فلم دفتر جہاں دو ماہ پہلے بارہ سالہ بندوق بچہ۔ سامنے سابق پارلیمان چوک، عمارت جلی، چھت گری؛ قدیم رومی بیریتس فورم کے تین گولی زدہ ستون۔

مرابطون و فلسطینی خوشی میں فضا مشین گن سے بھرے، ملبے پر ہزاروں ریکوشے۔ ایک علامت نظر نہ آئی :شامی ٹینک انہی گلیوں سے چوک، نوّے درجے مڑا اور لبنان کی ''جمہوری '' پارلیمان کے دروازے پر رک گیا۔ معنی ابھی قبل از وقت۔ سہ پہر ایڈ کوڈی اور میں گیلری سمعان، شامی ریت بند توڑ چکے؛ فلسطینی رائفل والا تھکا، الجھا'' :کہاں؟ کاغذ؟ ''کوڈی کی سرد بے ''ہنسی'' :اب کاغذ نہیں چاہیے۔ انقلاب ختم ہو گیا۔

باب 4

دنیوی لذتوں کا باغ

رابرٹ فسک

بیروت کے نام ...وہ اپنے لوگوں کی روح سے شراب، ان کے پسینے سے روٹی اور چنبیلی بناتی ہے؛ پھر اس میں دھویں اور آگ کا ذائقہ کیسے آ گیا؟ "— لبنانی گلوکارہ فیروز "

بیروت میں میری ایک پڑوسن 1986ء میں مری۔ قتل نہیں ہوئی؛ سمندر کنارے زیریں منزل کے مختصر گھر میں چھبیس برس گزار کر سرطان سے۔ آوارہ کتوں بلیوں کو گھر میں پناہ اور آہنی دروازے کے باہر سایہ دار گلی میں خوراک دیتی۔ خبر رساں اداروں کے "وقفے وقفے کی گولہ باری "والے دن—توپوں کے گولے گھروں کے اوپر سنسناتے سمندر میں—وہ سامنے مٹی کے پارکنگ میدان میں خوف زدہ بلی کے بچے کو کھلا رہی تھی۔

موت کا استقبال لبنانی تکلف سے :رومال جتنے تعزیتی پوسٹر عمارت کے دروازے، دیوار اور تار کھمبوں پر؛ پڑوسی، رشتے دار، دور دوست گھر، بیٹا کافی پیش کرتا، ماں یاد اور سیاست۔ لاش اے یو بی ہسپتال میں تدفین کی منتظر۔ نیک عورت مسیحی، مگر رہتی مسلم مغربی بیروت؛ محاذ پار عیسائی علاقے لے جانا خطرناک۔ مقامی محافظ کے دستخط والے صفحات، کویتی سفارت خانے کے پیچھے گرم بے ترتیب قبرستان کے شیخ سے چند گز زمین؛ پھر عقیدے کی رسمی رکاوٹ— مسیحی مردہ مسلم قبرستان۔ دفن سے پہلے غیر رسمی اسلام قبول کرایا :مرنے کے بعد تبدیلیٔ مذہب۔ ایسا عظیم مظہر صرف بیروت۔

ایک معنی میں پورا بیروت بعد از مرگ تبدیلی کا شکار—مذہب نہیں، سیاسی طاقت۔ مردہ رہنما سب سے طاقت ور :دیواروں اور دروازوں پر بھولے ٹولپ و گلابوں میں ہر مسلح شہید کا

فن۔ بشیر جمیل، کمال جنبلاط، امام موسیٰ صدر، رشید کرامی—قتل کے بعد کون قوت جھٹلائے؟ اولاد و بہن بھائی لافانی عظمت سے مقابل۔ مشرقی بیروت میں آسمانی نور سے سہ جہتی لبنان پر مسکراتا بشیر، ملک سستے تابوت کی شکل؛ گویا ہر باشندہ مردہ۔

موت زندوں کا مینڈیٹ :جنوبی اسلامی مزاحمت کے مقتول خلیل جرادی کے یروشلم آزاد کرنے والے اسلام کو کون مسلم چیلنج کرے؟ ہیلی کاپٹر بم میں بکھرے رشید کرامی دو برس بعد حمرا کی ایک ڈالر کیسٹوں پر عرب شناخت، قومی اتحاد، صیہونیت کے خلاف درس؛ دشمن اسے شامی مہرہ کہتے تھے، اب الفاظ حکمت۔ وائس آف لبنان پر سات برس بعد بھی بشیر کا ریکارڈ :بیرونی مداخلت سے پاک، مضبوط، محترم لبنان؛ حامیوں کی داد۔ کون یاد کرے اس کی فالانج نے موت کے ہفتے صبرا و شتیلا میں دو ہزار تک قتل کیے؟

ایک گولی یا بم نے نصب العین لافانی، کلام ناقابلِ اعتراض بنایا۔ امل کا بلال فحص "عروس الجنوب"، سرکاری جنگی فن میں مرسڈیز بم اسرائیلی بکتر بند میں؛ پھر شہیدوں کا ٹی وی پروگرام۔ جنوبی لبنانی فوج پر خودکش ثنا محیدلی چند گھنٹوں بعد اپنی بعد از مرگ ویڈیو میں حسین، میک اپ، جنگی جیکٹ، سرخ ٹوپی، قربانی کی ضرورت پر مسکراتی۔ گویا مردوں نے زندگی اور موت کے بیچ راہ بنائی۔ مارونی کہتے بشیر ملبے سے زندہ ایمبولینس 90 میں نکلا، حالاں کہ نمبر نہ تھا؛ ضرورت کی گھڑی لوٹے گا—فالانج کا شاہ آرتھر۔

امام موسیٰ صدر بھی شیعوں کے نزدیک زندہ؛ 1978ء لیبیا میں لاپتا، غالباً قذافی کے ہاتھوں، جو انقلابی رقم کے شبہے میں۔ ساتویں امام کی نسل کا مدعی بارہویں امام سا لوٹے گا؛ پوسٹروں سے اپنے شہیدوں پر مہربان نگاہ۔ زندہ و مردہ کے بیچ، دلوں میں موت کے باعث زیادہ زندہ۔ بیروت برعکس :ناامیدی اس کی قوتِ بقا پر۔ اگر ہوائی اڈہ ہمیشہ بند، تجارت و سکہ ختم، لوگ ہاریں تو

،جنگ ختم؛ ابدی تجدید ہی المیہ۔ چند ماہ بعد جنگی شہر معمول، جنیوا یا پیرس شیشے کا مصنوعی حباب حقیقی "دنیا بجلی بند، جلتا کوڑا، بندوق و سیاسی عدم استحکام۔"

لبنانی اپنی محبت اور الٹ حقیقت سمجھا نہیں سکتے۔ جمہوری، دیہاتی، غیر موجود لبنان کے طویل ایمان بعد، چودہ برس میں ایک لاکھ قبروں والی مصیبت کیوں؟ اسی لیے فیروز کی کامیابی؛ :جیسے 1940ء لندن میں ویرا لن، تارکین ہزاروں ڈالر بلیک ٹکٹ دے "بیروت کے نام "سنتے دل بھر امن، سمندر و بادلوں کو بوسے؛ بوڑھے ملاح چہرے جیسی چٹانی بستی؛ لوگوں کی روح سے " "شراب، پسینے سے روٹی و چنبیلی—دھواں اور آگ کیوں؟

شہر بھی جھوٹ جیتا تھا۔ ڈیوڈ رابرٹس کے بیروت پر سنّین، شام کے درخت، خلیج پر قلعہ نما سرائے؛ نوجوان ٹی ای لارنس نے سرخ چھتوں، تنگ گلیوں کا نازک قصبہ دیکھا۔ پرانے پوسٹ کارڈ :چاکلیٹ کریم ٹرام، ترک چوکی، ستون دار ولا، پھولوں سے گلیاں؛ عین المریسہ—میرے فلیٹ کی جگہ—سمندر تک کھیت، نفیس شیشوں و سنگی ستون بالکونیوں والے شامی گھر۔ مگر 29 جولائی ء لندن اسٹینڈرڈ" :بیروت—بدامنی روز کا دستور، املاک و جان خطرے، جرم بے سزا، 1840 یورپی گھر کاروبار چھوڑ پُرامن ملکوں کو۔ "کیا میں 1984ء سے چند روز پہلے یہی خبر نہ لکھ چکا تھا؟

انیسویں صدی اینگلو فرانسیسی بحری بم باری، آواز صیدا تک؛ پوسٹ کارڈ" :عون اللہ گن بوٹ، اطالوی بم باری سے پانچ منٹ پہلے، 24 فروری 1912ء"۔ شہر دوستانہ مگر کالج سنجیدہ؛ ء اے یو بی پروٹسٹنٹ مشنری، صدر بلس پیتل فانوس تلے بھاری کتابوں اور فارسی قالین 1866 میں۔ ایک صدی بعد جانشین اسی کمرے باہر گولی سے۔ کیمپس چند باقیات؛ بندرگاہ صلیبی قلعہ نئی تعمیر کے پتھر کے لیے توڑا؛ سرخ چھت، شیشے، ستون، بالکونیاں ختم۔ 1950–70ء سٹہ بازوں نے بلند فلیٹ، صفائی و پانی کے بغیر، گرم بے درخت شہر—پسینہ بہت، چنبیلی نہیں۔

ء ٹوٹے شہر میں خواب کی بحالی۔ فونیقیا اسٹریٹ ہوٹل، سینٹ جارج، بینک، دولت کا 1976 دکھاوا ختم؛ غربت کی بھول بھلیاں حی السلم، برج البراجنہ، شیعہ، غبیری، حارۃ حریک، صبرا، شتیلا—فلسطینی نسلیں، خانہ جنگی بے گھر لبنانی، جنوبی تباہ دیہات کے شیعہ، حکومت سے باہر شہری گندگی۔ مسیحی قیادت اور شامی سرپرست سبب نہیں، جنگ کی یاد مٹاتے؛ سترہ ماہ ''الاحداث''— قدرتی آفت گویا—کہہ، تباہ سماج کے بجائے رفاقت۔ سبق پر بحث نہیں۔ شامی فوج النہار و السفیر دفاتر، تعمیر تصویریں مگر میثاق و سیاسی تعمیر نہیں؛ 1977ء مصری غذائی فسادات تک خاموش؛ غیر ملکی رسائل میں روز ''کھڑکیاں''کٹی، صفحات غائب۔

مشرقی بیروت سول سروس فالانج سنسر دفتر، مقامی و غیر ملکی رپورٹ لازماً۔ زاہی بوستانی قدآور، خوش شکل، مارشل فوش مونچھ، بہترین انگریزی، سرمئی سوٹ، نیلی کپر ٹائی پر اٹھارہویں صدی خاتون؛ نہایت مودب۔ بیس سنسر، صرف دو مسلمان؛ ذکر پر نظری طور پانچ برس ان غیر موجود جیلوں میں۔ صدر سرکیس کے ملیشیا ہتھیار جمع کرنے کی بے ضرر رپورٹ پر پریشان :اب بائیں/دائیں ''نہیں، پارٹی نام؛ عیسائی مسلم فرق؟ ''جنگ لبنانیوں اور فلسطینیوں میں تھی۔ ''سرخ'' قلم سے بڑی سطریں۔ میں مکمل متن اٹالک حذف کے ساتھ ٹائمز بھیجا، ویسا چھپا۔

حذف :شامی انٹیلی جنس سربراہ بریگیڈیئر محمد الخولی ملاقات—وہ صرف کرنل، سربراہ نہیں؛ عرب لیگ میں صرف شامی کہنا غلط، سعودی سوڈانی بھی؛ دائیں بائیں ''تفرقہ''۔ فلسطینی ہتھیار، مشرقی فالانج رکاوٹ، بم کے چالیس مقتول، جنازے سب ممنوع۔ ''ہم فرقہ وار نہیں؛ میں عیسائی، وہ مسلمان۔ ''پھر مسلم ٹیکسی والا محاذ پار کیوں نہیں؟ ''اس کا مسئلہ۔ ''مغربی پریس کیسے؟ ''آپ کا مسئلہ''—مسکراہٹ ختم۔ سرکیس نے چھپا ٹائمز مانگ پڑھا، بیرونی پریس سنسر فوراً معطل—صدارت کے چند آزاد فیصلوں میں۔

فلسطینی بھی حقیقت کا نیا سانچہ بناتے۔ جنوری 1976ء قبضہ دامور میں تل الزعتر زندہ لوگ سابق مسیحی گھروں میں۔ صحافی ثبوت ''مصطفیٰ''—فربہ ادھیڑ اہلکار، پرانے انگریزی محاورے، زور پر بائی گولی''، بارش ''کیٹس اینڈ ڈاگز''۔ طوفانی دامور :غالب غربت، تاریک چہرے، ہر گھر موت، '' مرد کم، قبل از وقت بوڑھی عورتیں دس پندرہ بچوں، نم جھونپڑی تیل چراغ، دیوار پر سوٹ ٹائی شوہر یا شرمیلا جوان شہید؛ اکثر تل الزعتر آخری قتل۔

مصطفیٰ'' :یہ فالانج کا گواہ، ہر خاندان مقتول، وہ جانور۔ ''مگر دامور قتل؟ حسین زرد پتھر، انگور چھت گھر؟ ''فالانج نے جاتے اڑائے''—جھوٹ۔ 20 جنوری 1976ء فلسطینیوں نے منظم تباہی، قرنطینہ قتل کی خبر سے دو دن بعد۔ بہت سمندر سے نکلے، کم از کم 350 عیسائی—20 ملیشیا، باقی شہری۔ جنگجو پھانسی، شہری دیوار سے مشین گن، گھر بارود؛ 149 لاشیں گلی، عورتوں کی عصمت دری، بچوں کے سر پیچھے قریب سے، دو سو لاپتا۔ مقتول جبیقہ خاندان اور ایلی جبیقہ کی منگیتر—یہ نام پھر سنیں گے۔

حشیش زدہ نوجوان، لبنانی مسلم جنبلاط اتحاد اور فلسطینی؛ قبرستان قبریں کھود، تابوت و مقبرے توڑ، انیسویں صدی کے اتوار لباس میں مردہ نسلیں باہر۔ مصطفیٰ خاموش؛ چرچ کی طرف بچوں کی آواز۔ جلا چرچ، دیوار فتح رائفل بردار، عین درست عرفات چہرہ؛ پادری کمرے 300 تل الزعتر بچوں کا اسکول، عربی، فلسطینی تاریخ، ہر دیوار ابتدائی نقشہ و یروشلم سرخ سنہری ستارہ۔ گیارہ سالہ جنگ تصویر :رائفل و توپ مشینی باریکی، انسان ضمیمے؛ مسجد و چرچ؛ اسرائیلی داؤد ستارہ جہاز بم گراتے—حالاں کہ محاصرے میں کوئی اسرائیلی / لبنانی جہاز نہیں۔ اسے نئی یاد سکھائی گئی۔

یہ فدائی ابتدائی مدرسہ؛ صحن فوجی نمایش۔ سب لڑکے لڑکیاں ننھی خاکی وردی، تین طرف صف، ایک فٹ اونچی لکڑی؛ دوڑ، قلابازی، نیچے رینگ کر ''فلسطین''چیخ۔ چھوٹے بغیر داد، گرا دیں خاموش ذلت۔ کیا ایسے اسرائیلی برقی باڑ کے نیچے لازمی قلابازی اور چیخ سے حملہ؟ دراصل آنے

والے زیادہ ڈرامائی واقعے کی تربیت :وہ اسرائیل نہیں جائیں گے، اسرائیلی دامور اور صحن تک آئیں گے۔

واپسی پر پوچھا دامور عیسائی کیوں قتل؟ ''ہم مصیبت زدہ، پروپیگنڈا نہ مانو، بچے کیا معنی؟ ''پھر دلیل :ایک بوڑھی عیسائی عورت اب بھی اپنے گھر، پرندے پالتی، سب محبت۔ ساتھ بندوق بردار ہنسی نہ روک سکا'' :پرندوں والی پاگل ہو گئی۔ ''دونوں قہقہہ۔ چند روز بعد عرفات شہید رشتے دار دیکھنے، پریس نہیں۔ عورتوں کو یاد اس نے گھیرے تل الزعتر کو ''اسٹالن گراڈ ''بننے کہا، خاندان شہید اس کی ضرورت؛ ''غدار ''چیخیں، گلی سبزیاں پھینکنے کی خبریں۔ مصطفیٰ حاضر نہ تھا۔

دامور پھر بھی معمول کی جھلک؛ بیروت کیمپ نہیں۔ نومبر طوفان، صبرا 30 ہزار نم دوزخ، سینکڑوں جھونپڑیاں زیر آب؛ سیاہ ٹین چھتیں پتھروں سے دبی ٹوٹی چھتریاں؛ بچے گندے کپڑے پانی میں، تاریک کھڑکی سے بڑے پاجامے والے شیر خوار۔ 1948ء اقوام متحدہ بھول گئی نشیب بارش میں دلدل؛ چھ انچ گلی، کھلی نالی غائب، ننگے پاؤں بوڑھے، سیوریج بو۔ 1975–76ء صبرا گولہ باری میں اندازاً دو ہزار عورت بچے، آبادی کا دس فی صد لبنانی۔

ہر گھر دو کمرہ تیار جھونپڑی، چولہا مگر بجلی پانی نہیں، تیل چراغ، نم پھیکے قالین؛ رات فالانج گولے، جلی لکڑی اور غیر مرئی نقصان۔ پچیس سالہ حسین مسز حشاشی، تیرہ میں شادی، سات بچے؛ بے جذبات مسکراہٹ سے گولہ باری رات اسقاط، چوہوں سے چیختے بچے؛ پندرہ منٹ بعد بتایا سات ماہ کا بیٹا فالج سے مرا۔ فلسطینی مرد آئے، ''آزاد فلسطین ''پر نمایاں سر ہلایا۔ پی ایل او کہتا کوئی کیمپ چھوڑنا نہیں چاہتا؛ مگر نکلنے کو عوامی کمیٹی اجازت، بلا اجازت واپسی پر خوراک و کمبل کٹوتی—اگر کوئی نہیں نکلتا تو سخت سزا کیوں؟

کمیٹی ''جمہوری مرکزیت ''پر طویل؛ گلی ہر پچاس گز ریت بوریاں، ہتھیار، کیمپ حریف حصوں میں :فتح جنگی جیکٹ خاکی سرخ ٹوپی، حبش پی ایف ایل پی میلی بھوری جیکٹ، صاعقہ چھلاورن، کارتوس پٹیاں، کوفیہ —فلسطینی مگر صبرا میں شام کی نمائندگی، ناقابلِ ذکر سچ۔

بیروت جنگ شامی نے دبائی تو جنوب میں بے اصول اسرائیل–فلسطینی جنگ۔ شام نے سرحد تک قبضہ پیش کیا، اسرائیل نے ''سرخ لکیر ''بنائی، پار کیا تو ''خاموش نہیں بیٹھیں گے''—آئندہ دہائی نقشوں کی لکیریں اور دھمکی :شام، عیسائی حملہ، فلسطینی بیروت، لبنانی گوریلا۔ بے فائدہ؛ شام کو فلسطینی کچلنے سے روک کر اسرائیل خود نمٹے۔ شام ساحل زہرانی ریفائنری تک، نبطیہ مشرق درختوں میں آٹھ سپاہی، اسرائیلی سرحد چھ میل، بکتر بند اور ترپال ٹی-54؛ بیوفورٹ پیچھے تین میل۔ ہر بار وہ پوچھتے آپ اسرائیلی حملہ جانتے؟

بارش بھیگے سپاہی، کیچڑ بوٹ، کارتوس ٹیپ، ہوا چوکی؛ نبطیہ کا ایک ریستوران، پرانے گیراج، گندے ورکشاپ، غریب کھیت۔ صاف صبح الجلیل سے اسرائیلی جاسوس جہاز سفید لکیر بنا کر اوپر مڑتا؛ ہم سمجھتے بخارات ہی سرخ لکیر، پھر سمندر، شامی چولہے اور چائے۔ دعویٰ بھاری ہتھیار روکنا اور فلسطینی–فالانج جنگ؛ حقیقت بیوفورٹ کو ٹرک کے گہرے نشان، محاذی توپ قلعے میں بند۔

اسرائیل کے نزدیک آٹھ اداس شامی سنگین خطرہ۔ معمول :اسرائیل امریکی سفیر، واشنگٹن، دمشق امریکی سفیر، شامی خارجہ، دفاع، لبنان کمان۔ فروری 1977ء تل ابیب نے اخراج چاہا؛ پیغام سمندر اوقیانوس گھوم کر، اگلی صبح سپاہی کمبل و بستر تین شکستہ ٹرکوں میں—تل ابیب بول چکا۔ اسرائیل فلسطینی اڈوں والے دیہات پر زیادہ سفاک، شام سے لڑنا نہیں؛ باہمی۔ جیسے صاعقہ شام کا فلسطینی نائب، اسرائیل نے دور جنوب عیسائی نائب۔

نومبر 1976ء ایڈ کوڈی کے ساتھ بنت جبیل سرکاری دفتر فلسطینی، سرحد دو خاردار پٹیاں، نرم مٹی قدم نشان؛ اسرائیلی جیپ امریکی لہجہ'' :گائز، ادھر آنا ہے؟ ''متولہ قریب سماج ختم :لبنانی

جانب اسرائیلی ٹرک، داڑھی بندوق بردار، افسر، گولہ بارود و رائفلیں۔ افسر حکم، ایک ہماری گاڑی پر چیخا، رائفل شیشہ" :نکل جاؤ، گرفتار۔ "یہی فالانج "آرمی آف فری لبنان "پھر "ساؤتھ لبنان آرمی"—اسرائیل کی وردی، تربیت، تنخواہ، اسلحہ، کمان۔

مگر جنوب کی خوب صورتی فریب :بارش بعد مالٹا و جھاڑی خوشبو، سیاہ تمباکو، موڑ پر سرخ سفید پھول؛ ارکوب میں ہیبسکس و پوست، آتشیں سنگ کی سویس رول پرتیں؛ سفیدے، برفانی حاصبانی، سالم رومی پل پر قدیم گاڑی کے نشان۔ زیادہ شیعہ، کچھ عیسائی دروز، فیاض؛ غیر ملکی احترام، کھانا، گلے میں چپکنے والی گاڑھی مصالحہ کافی؛ بیویاں، خاندان، سنہری دانت مسکراہٹ؛ پھر فلسطینی آمد، اسرائیلی نائب دھمکی، سیاست دان بدعنوانی، مہنگائی، موسم۔ خطرے میں گھر کھینچ کر جان بچاتے۔

1982ء اسرائیلی زیریں بقاع پیش قدمی، اندھا دھند توپ، جلتی شامی گاڑیاں؛ دیر الاحمر کے پاس جوڑے سے شمالی راستہ پوچھا، دونوں بازو پکڑ گھر" :رہو، نہ ڈرو، حفاظت کریں گے"۔ یونانی آرتھوڈوکس، دھماکوں میں کافی مٹھائی، رات رکنے، زحلہ و بیروت رشتے، شوہر شتورا تک ساتھ۔ مسلم عیسائی معزز لوگ؛ اگر ہمارے لیے جان خطرے میں تو ان کا المیہ لکھنے کو ہمیں بھی خطرہ لینا چاہیے۔ آئندہ قسمت اور سختی، کبھی ہمارے خلاف۔

جنوبی جنگ ہمیشہ جھوٹ۔ نومبر 1976ء فالانج اعلان کفرکلا فلسطینیوں سے ہاتھا پائی میں فتح؛ جنبلاط اتحاد انکار مگر "تلخ گلی جنگ"۔ وہاں بازار بھرا، عورتیں ندی میں چادریں، بوڑھا سفید مسجد پاس نماز، قرآن ریکارڈ۔ کمانڈر ولا صوفوں پر نفیس پیالی کافی—سب بائیں۔ گاؤں نہ گرا، دائیں جنگجو نہ آیا، دو بوڑھی توپوں سے کوئی زخمی/نقصان نہیں۔ دفاع کمیونسٹ، عراقی بعثی، مقامی نوجوان، رئیس خاندان کا غیر سیاسی بیٹا؛ کل اسلحہ دو سو پستول سے کم، چھ ماہ فلسطینی نہیں۔

قریب عیسائی کلیعہ فالانج، مگر غیر جنگجو ملاقات؛ مسلم عورتیں بہتر خریداری وہاں۔ نوجوان مقامی کمانڈر بے اکڑ؛ کزن عراقی بعث، ماہانہ نو ہزار ڈالر؛ دوسرا پرانی قومی فوج دائیں، کلیعہ بیرک؛ فوجی کمانڈر جنرل حنا سعید وہیں؛ سپاہی بائیں جنگ بندی قبول اگر فلسطینی واپس نہ آئیں۔ کفرکلا والے فلسطینیوں سے دشمن" :جو چاہا، چوری، مخالف فہرست، گرفتاری تفتیش؛ غیر سیاسی کو اسرائیلی "ایجنٹ۔

1977ء جنگ بندیاں؛ مگر فلسطینی باقی لبنانیوں کی پروا نہیں۔ راشیا الفخار، جبل الشیخ دامن خوب صورت عیسائی بستی، سنگی گھر، چرچ، اصطبل، ٹوٹے قدیم مٹی مرتبان۔ 21 ستمبر صبح اسرائیلی گولے؛ زیادہ بوڑھے، رات غیر مستعمل چرچ میں پیتل شمع دان، محراب کھڑکی ریت بوریاں؛ نوجوان بیروت ملیشیا۔ گولے گائے باڑے اور گھر، رشتے دار قتل؛ چوک عورت :ایک سال میں پورا خاندان۔ فرانسیسی بولتا چشمہ دار نمائندہ :فلسطینی چرچ والی گلی چھوڑیں؛ افسر نے نکالا۔

پی ایف ایل پی افسانوی جنگجو نہیں، میلی روٹی چباتے نوجوان، رائفل جھاڑی؛ کندھے بال کمانڈر، کوفیہ" :کون؟ صحافی؟ کچھ نہیں کہنا، دفع ہو۔ "حاصبیا کی ستم ظریفی :1860ء دروز سے پناہ عیسائی، بیس ماہ فلسطینی دفتر، مرجعیون اسرائیلی عیسائی ملیشیا کے گولے؛ دونوں قصبے زیادہ یونانی آرتھوڈوکس—لبنانی عیسائی اسرائیل کے لیے عیسائیوں پر گولہ باری۔

جولائی 1977ء نبطیہ، پہلے گولے ایک بجے؛ دکانیں بند، اندلس کیفے تین میز و بریژیت باردو تصویر، مالک بیئر جلد، دھوپ میں گولہ دیکھنے کی کوشش، سیخ مرغ سیاہ جلتا۔ مرجعیون سے ہفتوں روز رات۔ پلاسٹک چپل بچے گرم شریپنل ہاتھ بدلتے، عبرانی، "پانچ لیرہ"؛ دھماکہ، چار، دو پر خرید کر کوڑے میں؛ بڑا بچہ واپس لے بھاگا۔ فلسطینی گرد میں، جنوب مارٹر جواب۔ آدھ گھنٹہ، دھواں؛ دس ہزار سے تین چار سو۔ مالک :اسرائیلی گولے، عبرانی ثبوت؛ فالانج اسرائیلی بارود؟ تب بھی اسرائیل۔

درغایا یونانی چرچ میں ڈی ایف ایل پی صدر دفتر؛ محراب میں طیبہ سے پکڑی کئی ٹن توپ، مارٹر، تین ٹن اسرائیلی صندوق، زنجیری سگریٹ گارڈ 155 ملی میٹر گولہ، حجرۂ لباس میں رائفلیں؛ چینی گولی "دوسرے ذرائع"۔ جون میں پورے جنوب صرف بیس قتل—چھوٹی احمق جنگ۔ طیبہ میں سڑک کنارے پکنک و شراب ممکن، چیونٹی و چھ انچ چھپکلی کے سوا۔ لیفٹیننٹ فہمی تین ماہ 21 ہلاک زخمی، دشمن اگلی رِج؛ پھر بھی انقلابی ضروری جنگ۔

سب کا مفاد : فلسطینی کو بیروت بعد میدان، اسرائیل کو آئندہ مداخلت بہانہ، لبنان کو امریکی امداد، شام کو اسرائیلی توسیع ثبوت؛ اسرائیلی فوج بغیر مینڈیٹ۔ طیبہ 5 اپریل فتح، بوڑھا جوڑا دو لڑکیاں سوا خالی، گولی گھر، جنگلی باغ، مسجد بلیاں؛ شام سے پہلے فائر، فہمی نہیں جانتا کون کس پر— بدنام جنگ کی علامت۔

ابل السقی بھی محاذ، چرچ برج بیچ گولہ سوراخ، سرخ چھت عثمانی بالکونی، باڑے سے الجلیل۔ ستمبر گولیاں چرچ، فضا؛ فلسطینی دوستانہ :پہلے چائے، پھر اسرائیلی ٹینک۔ گیراج پھٹے بستر، کھولتی میٹھی چائے، مارلبرو—فلسطینی انقلاب :فائر، چائے، زنجیری سگریٹ، نیند۔ چرچ پیچھے کھلی سڑک دوڑ، تار کھمبا کرچیاں؛ ریت مورچے سے افق اسرائیلی ٹینک، برج مشین گن والا۔ ابو میاد بے حفاظتی" :دیوار دیکھو، اسرائیلی۔ "دس ثانیے بعد فائر؛ وہ سڑک، میں بڑی اونٹ کٹاری پر؛ گولی دیوار، کھمبا، تار ناچے۔

رکا، ابو میاد میری قمیص کانٹے و خون دیکھ مسکرایا" :زخمی، چائے۔ "گیراج چار پیالے؛ گولے، ایک بنگلہ آنکھوں کے سامنے؛ ہر پچاس ثانیے تیرہ چودہ سالہ 75 ملی میٹر بے دھچکا توپ جواب۔ ایک گھنٹہ پہلے ریڈیو اینٹینا 14 فٹ، اسرائیلی نیٹ کی کوشش، ہم نے بی بی سی متوسط موج: "انگریزی خاتون :بیگن فلسطینی جنگ بندی پر تیار۔ ترجمہ پر فلسطینی" :تو مانتے لبنان میں ہیں۔

دو دن بعد بیوفورٹ، جنگ بندی نہیں۔ لیفٹیننٹ ایمن شمالی محراب میں طیارہ شکن افقی، لیطانی پار اسرائیلی سرحد–مرجعیون روڈ؛ تیرہ سالہ لڑکا ہر گھنٹے بریچ و فائر۔ پاس مارٹر، ہر گھنٹے؛ نفیس کڑھائی کوفیہ ایمن بچے کی خوشی" :آؤ جلدی دیکھو"؛ دور درخت دھماکے سے لرزتا۔ اسے معلوم نہیں جواب کون۔ اسرائیلی ٹینک دکھانے بیٹھا، کچھ نہیں؛ "رات آتے"۔

صیدا حکام 45 ہزار نئے مہاجر کہتے، ہم ہفتے میں تین کار، دو مویشی ٹریلر۔ اسرائیل تین دیہات، ابل السقی فتح کہتا—جھوٹ؛ امریکی اسرائیلی ٹینک خطرہ—سچ۔ مصر بھی جارحیت کہہ سکا۔ عیسائی ریڈیو فلسطینی جھنڈے اتارنے، حالاں کہ گھروں پر نہیں؛ خیام "صفائی، 18 اجنبی قتل"— اجنبی فلسطینی۔ 26 ستمبر ٹینک واپسی؛ عیسائی بفر سمندر سے جبل الشیخ تک وسیع۔ ہر بحران پچھلے عظیم بحران سے عظیم، بیان میں شدید۔ رائٹرز نے بیوفورٹ پر سیاہ دھواں، محافظ قسمت نامعلوم کہا، جبکہ ایمن اکتاہٹ میں مارٹر؛ وہ لطف لیتا اور مان لیتا۔

اصل بڑی دراڑیں ہم سے اوجھل۔ 1977ء بنت جبیل شمال شیعہ گاؤں، فلسطینیوں کو مورٹر ہر 24 گھنٹے بدلنے کا درس؛ ایک سیاہ اسکارف، رائفل گود، عربی نہیں، بہترین انگریزی" :ایران سے حزب اختلاف، لڑنا سیکھنے، مشترک نصب العین، فلسطینی مدد سے شاہ تباہ۔ "ہم نے ناپختہ سمجھ قہقہہ لگایا—غلط تھے۔

صور کی "عوامی جمہوریہ "بھی فریب۔ لائٹ ہاؤس کیپر سال بے کام مگر تنخواہ، گرما میں ہوت کوتور دی پیرس "ایک کمرہ لباس؛ ایسٹیلین گیس و جہاز نہیں؛ سرخ مینار دکھایا، سمندر تلے " رومی ستون، مگر بندرگاہ ڈوبے جہاز بھولا—حالیہ واقعات کے حقائق مشکل۔ بیروت، صیدا، طرابلس شامی قبضہ؛ اسرائیلی سرخ لکیر نے صور کو خانہ جنگی ماضی میں :55 ہزار، ٹوٹی معیشت، مہاجر، بائیں و فلسطینی راج۔

چوراہوں بھوری وردی ”عوامی سلامتی“، رومی فورم پاس سابق آثار نگران ولا اب سیاسی کمیٹی؛ عراقی بعث، کمیونسٹ، ناصری، نام سے ”عوامی جمہوریہ “ہٹانے بحث۔ اول سیکرٹری ریاضی استاد محمد فران، جنبلاط دفتر مقتول کمال تصاویر؛ 16 ارکان :ہسپتال 18 ہزار ڈالر ماہ، سماج، پانی صحت، پولیس 1,800، دو باغ؛ قومی فوج آئے مگر کمیٹی رہے، رقم؟ ”زیادہ عراق۔ “فلسطینی دوستانہ، مگر رکن حسین حمیہ جھگڑے میں فلسطینی افسر سے قتل، دیوار سیاہ فریم؛ ذکر نہیں۔

کمانڈر قائد ذہین مددگار مگر واقعات :فتح–صاعقہ جنگ؛ پی ایف ایل پی جنرل کمان رہنماؤں میں لیبیائی اسلحہ جہاز اسپائروس، شامی نواز احمد جبریل نے غوطہ خور سے ہل اڑایا؛ چٹان پر نام فاماگوستا، لیبیا روز سات ہزار ڈالر سامان اترواتا، بیمہ پانچ ملین۔ چھوٹا ریری اسرائیل نے اسلحہ سمجھ کے بعد نکلا، فران کے بھائی cargo بارودی، مبینہ وہسکی؛ اصل اسلحہ جہاز دو روز پہلے سیمنٹ چارٹر۔ شہری” :فلسطینی و بائیں امیر کاروباری سے ہٹتا، جنوب اچھے گھر ہزاروں ہفتہ؛ فوج چاہیے؛ “پولیس تو موت۔

پورے لبنان میں عوامی نیک نیتی، نجی بدعنوانی؛ لوگ فوج چاہتے، صور نہ آئی۔ بیروت میں شامی–فلسطینی کیمپ فائر، حریف ملیشیا، شام اپنے حامی نوازتا؛ مخالف قیمت۔ کمال جنبلاط مارچ 1977ء قتل پیش خبر۔ یورپی بائیں اسے فلسفی سوشلسٹ کہتے، مگر جنگ میں سخت، فالانج پر فوجی فتح، شام کو تحقیر، 1860ء خون بدلہ، ہر مخالف فاشسٹ۔ جنگ بعد اسد سے ملنے انکار، قسمت۔

مختارہ جاتے باعقلین پہاڑی، لیموزین بندوق بردار؛ پچھلی نشست النہار پڑھتے سر پر پہلی گولی، دماغ اخبار پر۔ بعد دروز نے قریبی عیسائی گلے کاٹ قتل، اگرچہ غالب شامی ایجنٹ—شام عیسائی بچانے آیا اور شاید عیسائی قاتل استعمال۔ انکار مگر پیغام :شام سے تعاون سوچ کر رد۔ زعیم طاقت باقی :شمعون فلسطینی کو الزام، بشیر اسد تعریف، دمشق دربار سے ”دوسرے عرب رہنماؤں کے بارے بات نے قابل اعتماد بنایا“۔

بوڑھا شمعون سفید بال بجری آواز، جھکا؛ نائب وزیر اعظم، خارجہ و داخلہ۔ 1977ء پریس کانفرنس چشمہ بھول، محافظ نے کیمرہ مین جیب سے مذہب معلوم کرنے شناخت کے بجائے لائسنس چرایا؛ ”پوچھو، مسلمان ہوں۔ “شمعون :فرقہ واریت کردار مگر امتیاز نہیں؛ بعض علاقے پسماندہ کیونکہ لوگ سست، کام نہیں؛ عیسائی 70 فی صد ٹیکس، مسلم 50 فی صد فائدہ؛ عیسائی اکثریت 52 فی صد—اخبار اعداد اسی سے۔ جنگ فلسطینی، نکالو؛ فرانس امریکا عیسائی مدد کیونکہ کمیونسٹ مدد فلسطینی۔ 1958ء سبق نہیں۔ بیٹا دانی مغرب کو ”بوڑھا خرف“۔

شمعون نے سیاہ چشمہ پہن نوجوان ٹائیگر پر ہاتھ” :بہادر، یونیورسٹی، ڈاکٹر، ہزاروں مرے۔“ دو برس میں بشیر فالانج نے ٹائیگر طاقت توڑی، دانی” :چھوٹی پالتو بلیاں“۔ عیسائی زعما تقسیم سوچتے۔ پیر جمیل بین الاقوامی ہوائی اڈہ :شمالی پہاڑ، طرابلس جنوب دس میل، چٹان و جنگل، بشیر منصوبہ؛ ایک میل معیاری کنکریٹ رن وے، جدید ٹرمینل، کنٹرول ٹاور، ڈیوٹی فری، بوئنگ، چار ملین ڈالر، جنگ بعد آٹھ ماہ؛ حامت میں 17 رولر۔ نازیوں سے ایک مشابہت :عظیم پیمانہ و کنکریٹ کی کشش۔

شامی گشت ”سماجی“، منیجر ”انشورنس“، اسد تقسیم کو شام و عرب کے لیے خطرہ۔ عیسائی خود متفق نہیں :شمعون کمزور مرکز، الگ تقریباً آزاد علاقوں کا رنگین نقشہ، حد مشرقی بیروت سے جبل لبنان اور طرابلس جنوب سمندر؛ پیر جمیل کنفیڈریشن/علاقائیت مگر طاقت ور عاملہ اور مارونی فرضی اکثریت۔ مسلم قومی بنیاد پر تقسیم رد، مگر معیشت عیسائی لے جانے کا خوف؛ اگر آخری حل تو نیا آئین، جونیہ مواصلات، فالانج ریڈیو، حامت اڈہ کیوں؟ رن وے مکمل تو شامی ٹینک جنگل سے آکر بیٹھے؛ فرنجیہ عیسائی شراکت توڑ کر شامی انعام میں شمالی علاقہ و اڈہ۔

بیروت کی ہر دیوار دو پوسٹر :تھکا سرکیس، سخت اسد؛ سوال :لبنان کا صدر کون؟ بشیر دونوں غیر اہم سمجھتا۔ رہنما اپنے مسئلے میں عرب دنیا بھولے :کارٹر شام کو امن کانفرنس کردار، لبنان

مداخلت نہیں؛ امریکا سوویت جنیوا و فلسطینی جائز حقوق، اگلی صبح دایان انکار؛ کارٹونسٹ کارٹر اسکیٹ پر زگ زیگ جنیوا، عرب حیران۔

شامی مداخلت سیاست سے زیادہ۔ ستمبر 1977ء بعلبک گرد جنگ بعد پہلی حشیش فصل، غیر قانونی مگر تیس دولت مند مسلح خاندان؛ فضائی زہر کے خلاف طیارہ شکن، ایک کسان گھر ٹینک، کھیتوں پر شامی اسپیشل فورس ٹی-54۔ بقاع افق تک نرم سبز، گاڑیاں زحلہ /بوداعی پریس، روٹرڈیم منافع؛ زعما خاندان و پارلیمان؛ 1978ء دس ہزار ٹن برآمد۔ رپورٹ بعد دو خاندان سودا" :کتنا؟ "صحافی ہوں۔ "140 ڈالر کلو، کہاں؟ مشرقی برلن۔ نہیں؟ افیون، دمشق ایئرپورٹ سے ملک۔ "شام لبنان آیا، لبنان اسے بدعنوان کرتا؛ ہر حملہ آور کا استقبال اور بوسوں سے موت، جتنا رہے اتنا رہنا پڑے، روز زہر۔ حسین بقاع باغ کا نم خطرناک مرکز—خوب صورت سنجاق کاٹنا، بعد خارش، سوجن، درد، اکثر موت۔

اے ایف پی سبز پرچہ جیب :وزیر دفاع ایزر وائزمن، تل ابیب قریب اتوار گوریلا حملے میں تیس سے زائد اسرائیلی قتل بعد "جنوبی لبنان دہشت گرد مراکز ہمیشہ کے لیے صاف"۔ بیروت سے جنوب سحر مالٹا خوشبو، نیم تاریکی میں سیکڑوں پیدل شمال، درختوں اوپر آگ دھواں، وومف وومف سے گاڑی لرزی—فضائی حملے۔ 11 مارچ 1978ء فتح ساحل حیفا گشت سے بچ، ساحل سیاح قتل، شہری بس تل ابیب؛ فوج روکی، مسافر اور نو فلسطینی، کل 37 اسرائیلی۔ پی ایل او کہتا کچھ اپنی فوج سے؛ شہری قتل مقصد کا عذر نہیں، لبنانیوں پر انتقام یقینی۔

وائزمن :شام سمجھے محدود، لبنان احتیاطی، مہذب دنیا شہری حملے روکنا؛ 1973ء سے 108 اسرائیلی قتل۔ حملہ اب اندازاً دو ہزار، تقریباً سب شہری، قتل کرے گا۔ چھ بجے لیطانی شمال چیڑوں میں سورج، مہاجر؛ مائک تار کلائی، بے جذبات رپورٹ۔ گاڑی ہارن سے ہجوم پار، مرد خاندان پیدل، عورت بچے شکستہ کار، چار میل فی گھنٹہ؛ زمین حرکت، اوپر جیٹ سرگوشی۔ لمبی

اسکرٹ لڑکی ہتھیلی اوپر—بھیک نہیں، یاس :کیا کریں؟ داڑھی بوڑھا تین اونٹ، کوہان پر بستر بر تن۔

مہاجروں میں مقامی نوجوان کمیونسٹ، یہ جنگ اپنی نہیں۔ فلسطینی جیپ چیخنی کلاشنکوف؛ زاون وارتان اے پی آرمینی فوٹو، باب ڈیئر لندن سامنے، مائیکل ڈفی روم، میں پیچھے۔ تصویر ممنوع؛ ایک چھلاورن، بکھری مونچھ، رائفل بولٹ ”کلیک کلک“—لبنان میں یہی ”رکو“۔ خاندانی فحش، بندوق کھڑکی؛ وارتان فلم نکالتا۔ مجھ سے فلم، میں رپورٹر؛ مائک چھینا، تار کلائی، پھر سینے پر کلیک کلک۔ زندگی آنکھوں سے نہیں گزری؛ موت غیر اہم سی، ہتھیلی والی لڑکی کی طرح تقدیر قبول، صرف پلیز“۔”

مہربان بوڑھا آیا” :ٹھیک، جاؤ۔ “مونچھ نے ریکارڈر مکا، کیسٹ سڑک، نجات کی چابی سا جیب؛ ہمیں گاڑی۔ ڈفی کانپا، ڈیئر سگریٹ۔ فلسطینی خوف و غصہ متعدی، ہم بھی چڑچڑے؛ صرف جنگی تجربہ کار ڈیئر :گولوں میں ”یہاں مزاج کچھ خراب“۔ لیطانی پل پر گولوں میں تصویریں۔ اسرائیل نے ”آپریشن لیطانی “نام دے مقصد بتایا؛ پی ایل او اکثریت دریا پار، صور جیب سوا؛ مقتول تقریباً سب شہری۔

صور شہری سب سے خوف زدہ؛ لائٹ ہاؤس کیپر، متوسط شیعہ، عوامی جمہوری حکام بیروت؛ مرکز چند سو تہہ خانوں، باقی فلسطینی۔ دس بجے ویران ساحل؛ اسرائیلی جنوب، مشرق، شمال مشرق، صرف لیطانی روڈ کھلی؛ سڑک جنگ نہ چاہی، سمجھا فلسطینی بھاگیں گے—غلط۔ ڈی ایف ایل پی ساحل، سیاسی ناگزیریت سمجھتے؛ سمندر دو گن بوٹ، گولہ ریت و پانی، اوپر جیٹ، مشرق دھواں۔ پچاس سالہ گوریلا استاد سا :آنے/جانے گولے فرق، مارٹر پر نہ جھکو، گن بوٹ دھواں دیکھ دیوار؛ آسمان تین دھواں کیڑے، ”سام میزائل“، سفید پھول۔

چند سو گوریلوں پر کم از کم 25 ہزار اسرائیلی۔ بگین" :پی ایل او کی بری گھاس جڑ سے"؛ استعارہ مسلسل :گھاس اکھاڑو، فلسطینی شہری و گوریلا "سرطان"، بعد افسر "کاکروچ"؛ سب سے بڑھ دہشت گرد"—ہر نشریہ ہر جملہ، خود سرطان۔ جانور مارنے ہیں۔ اسرائیلی ریڈیو "سمندر کنارے " دہشت گرد رسد لائن "یعنی مہاجر بھری ساحلی سڑک سخت گولہ باری۔ ہم ہمیشہ تیز خوف سے۔

عدلون میں فلسطینی سڑک پر، خون آلود کوٹ ڈاکٹر بازو پھیلائے، دو جلی کاریں راکٹ و گولی۔ لاشیں اندر جمی، نوجوان بازو کھینچتا، پھٹ کر الگ ہاتھ، حیران۔ پھول دار نارنجی لباس سے عورت بچے شناخت، چہرے نہیں؛ ایک بے سر، لڑکی بڑی عورت کی بانہوں، نوجوان نرمی سے کمر کھینچتا، چہرہ سڑک پر پھسل، وہ الٹی۔ عورتوں کا نوحہ، اسٹریچر پر بچہ دو حصے۔ امریکی صحافی رویا" :یا مسیح …شاید یہ سب ہٹلر کے یہودیوں سے کیے کی وجہ۔ "ٹرک مہاجر بچوں کو لاشیں دکھاتے۔ دونوں کاروں میں سب قتل۔

رات اسرائیلی چھاپہ "دہشت گرد "تلاش، روشنی آتی کاروں پر اینٹی ٹینک راکٹ؛ جانچ نہیں—اس سڑک پر اور کون؟ وائزمن :شہری نقصان سے بھرپور گریز۔ نبطیہ ویران، درختوں میں فلسطینی، لاوارث جیپ۔ قعقعیۃ الجسر، نقشہ دیکھنے وقت نہیں؛ پانچ منٹ جیٹ، سامنے وادی عڑشیت پر دھماکے۔ رائفل بردار چودہ سے کم لڑکا سوچتا کون سا گاؤں مٹے گا۔ مسجد و گھر پر غوطہ چیخ، پانچ ثانیے نارنجی آگ، سیاہ دھواں، دھچکا کھڑکی سلاخیں؛ لڑکا ہنس پڑا—اس بار اس کا گاؤں محفوظ۔

18 مارچ صور چوک سیاہ پوش پستول وارتان سر" :شمال لے، ورنہ دماغ اڑاؤں"؛ ساتھی و طیارہ شکن گاڑی سے باندھنا۔ ڈیئر پہلے نہ دیکھ" :دفع کرو"، پھر "جو چاہے"۔ دوسرے گوریلا رائفل" :صحافی چھوڑ، بھاگ نہیں، ہمارے ساتھ لڑو مرو۔ "پرانا شہر شب و روز گولے؛ ریڈ کراس

ساحلی ہوٹل، گلی و فلیٹ تباہ؛ روز دس ہزار مہاجر، کھیت مٹی والے ٹریکٹر۔ اندازاً 2.85 لاکھ، تین چوتھائی لبنانی، مقبوضہ آبادی نصف۔

دامور پر شام نے شمال روکا، مہاجر واپس" :فلسطین کو بے لوگ زمین کہا؛ جنوب خالی تو پھر کہیں گے"؛ ہجوم سپاہی دھکیلتا، انہوں نے رائفل کندوں سے شیشے توڑے۔ لیطانی پل ایک ہفتہ تیس نشان، تین میل فی گھنٹہ، جنوب مشرق اسرائیلی دیکھتے اور گولے۔ ترکیب :شمال سے 80 میل رفتار، پل کنارے بریک، آہستہ پار جب توپ تیار، پھر دوڑ؛ الٹا بھی۔ بارود بو، نالیوں لاشیں؛ فولکس ویگن براہ راست، تین دن پیچ، بدبو ہر گزرتے۔

صور میں ساٹھ ہزار سے 300 شہری، دو تین فٹ علامتی پتھر دیوار :فلسطینی جائیں، اسرائیل گولہ وجہ نہیں۔ کچھ فلسطینی نکلتے، نبطیہ شمال عراقی رسد، شامی حفاظت۔ اگلے دن ہم فلسطینی لائن، درخت مارٹر، شاہ حرام فونیقی تابوت سے قانا دوستانہ سڑک؛ اسرائیلی ٹینک معمول سے ہم پر—اور کون دہشت گرد؟ ڈیوڈ ہرسٹ اگلے دن اسکول پناہ میں گولہ، اسرائیلی اسے بھی دہشت گرد سمجھے؛ عدلون شہری، عڑشیت باشندے سب۔

اسی جنون سے جنگی جرم :لیفٹیننٹ دانیال پنٹو نے چار لبنانی کسان گلا گھونٹ، ہاتھ پاؤں بند لاشیں کنویں؛ لیفٹیننٹ کرنل آریہ صادق نے قیدی قتل حکم۔ پنٹو سزا مگر جنرل رافیل ایتان دو سال پھر رہائی؛ صادق ڈھائی سال و میجر، اپیل پانچ سال و سپاہی، ایتان اصل بحال۔ ایتان حکم :دہشت گرد اور انفراسٹرکچر نیست"۔ دہشت گرد کون؟"

21 مارچ صور بوڑھا بی بی سی سے "جنگ بندی "پکارا؛ شرط نہ بتائی۔ ٹھیک نو بجے اسرائیلی توپ زیتون باغ سے، ریڈ کراس پاس نیلے فلیٹ، چھت دیوار، رومی اسٹیڈیم؛ پی ایل او دفتر خفیہ خبر مگر چار دن پہلے خالی، اب شہری بے گھر؛ دھواں بعد واحد بالکونی پر کپڑے۔ دو بجے، ہر دس ثانیے سے تیز بم باری، اسرائیلی ریڈیو :جنوب "نسبتاً پُرامن"۔ کس نسبت؟ لیطانی نیچے تنگ پٹی سوا

قبضہ، شمال سے فلسطینی راکٹ؛ لکیر چند میل شمال، قیمت دو ہزار لبنانی فلسطینی، بیس اسرائیلی۔ امریکا نے یونیفل—اقوام متحدہ عبوری فوج—کی حمایت؛ پھندا ''عبوری''۔

پی ایل او سرحد سے پیچھے مگر بیوفورٹ سے الجلیل کاتیوشا؛ حملہ کیوں؟ ٹائمز مدیر ولیم ریس موگ :رپورٹر تبھی بھیجو جب جنگ کا مطلب یقینی۔ اصل سبب برس بعد؛ لبنان میں جنگ ختم نہیں، معیار پورا نہیں۔ چار برس میں اس چھوٹی خونیں مہم کا معنی کھلے گا۔

22 مارچ صور باہر زیتون باغ اسرائیلی چوکی۔ روسی نژاد سنہری بال سپاہی کو ''شالوم''؛ کل ہم دہشت گرد، آج سیاح۔ ''اتنا دور آنے کا خیال نہیں؛ دہشت گرد زیادہ نہ لڑے، چند، اکثر فرار۔'' اس نے نرم جنوبی پہاڑ، گرمی میں بیوفورٹ دیکھا، کہا'' :واقعی خوب صورت ملک ہے۔ ''سنجاق نے کاٹ لیا تھا—اور اسے ڈنک محسوس بھی نہ ہوا۔

باب 5

مرجعیون کا شریف آدمی

رابرٹ فسک

مجھے ایک اسرائیلی افسر کا ریڈیو پر پیغام ملا۔ اس نے خبردار کیا کہ عیسائی ہماری ”سمت گولہ باری کرنے والے ہیں۔ پھر معذرت کرتے ہوئے چلّایا: چھے سیکنڈ—پانچ، چار، تین، دو، ایک۔ دو سیکنڈ بعد اقوامِ متحدہ کی صفوں کے عقب میں گولے گرنے لگے۔ اسے اتنا درست وقت کیسے معلوم تھا؟ گولہ باری وہ خود کرا رہا تھا۔ “— ولندیزی یونیفل بٹالین کا افسر، حارث، جنوبی لبنان، مئی 1980ء

23 مارچ 1978ء کو فرانسیسی ایک بار پھر لبنان آئے۔ اس بار استعماری جھنڈے کے بجائے نیلے اقوامِ متحدہ کے خود پہنے، سفید رنگ کے چودہ ٹرکوں میں بیروت سے ساحلی شاہراہ پر جنوب کی طرف اترے؛ دریائے لیطانی کے ٹوٹے پل کا ملبہ پار کیا اور صور میں داخل ہوئے۔ غریب شیعہ دیہات کے مرد و زن نوجوان سپاہیوں کو داد دیتے تھے۔ چند عمر رسیدہ افراد نے ”فرانس زندہ باد“ کہا تو کرنل ژاں ژرماں سالواں نے اسے خوش دلی سے قبول کیا۔ نئی بین الاقوامی فوج کے ہراول دستے کا اعزاز اس کی فرانسیسی چھاتہ بردار بٹالین کو ملا تھا۔

نارنجی کے باغات اور چیڑ کے طویل سلسلوں سے گزرتی کھلی چھت والی لاریاں ایک اور غیر ملکی فوج لیے جا رہی تھیں جو لبنان کو بچانے آئی تھی۔ صور پہنچ کر فرانسیسیوں نے سڑکوں پر بھاری اسلحے سے لیس، ابھی تک ناقابلِ شکست فلسطینی فدائی دیکھے۔ وہ اسرائیلی حملے کے سامنے بھی پیچھے نہ ہٹے تھے؛ فرانسیسیوں کے آ جانے پر کیوں ہٹتے؟ بعض نے کلاشنکوفیں سر سے بلند کر کے سلام کیا اور جوانوں نے جواب میں ہاتھ ہلائے۔ انہیں یقین تھا کہ جلد پورا صور اقوامِ متحدہ کے اختیار میں ہو گا—سلامتی کونسل کی قرارداد 425 کا بظاہر یہی مفہوم تھا۔

قرارداد 425 اخلاق، سادہ لوحی اور حماقت کا تقریباً مساوی آمیزہ تھی۔ یونیفل کو اسرائیلی فوج کا انخلا یقینی بنانا، بین الاقوامی امن و سلامتی بحال کرنا اور لبنانی حکومت کو جنوب میں اپنی ''مؤثر عمل داری ''واپس لانے میں مدد دینا تھی؛ اسے اپنی حدود کسی قسم کی دشمنانہ کارروائی کے لیے استعمال ہونے سے بھی روکنی تھی۔ یہ فرض اس اندھے یقین کا تقاضا کرتا تھا کہ اسرائیل واقعی مکمل انخلا کرے گا اور یہ بھی مان لیا جائے کہ ''حکومتِ لبنان ''محض بے اختیار دفتری ڈھانچا نہیں۔ جنوب میں اس کی عمل داری برسوں سے معدوم تھی؛ رنگارنگ بین الاقوامی بٹالینیں اسے کیسے زندہ کرتیں؟

یونیفل کے پاس ''دفاعی نوعیت ''کے ہتھیار تھے۔ شاید ان سے کچھ امن نافذ کیا جا سکتا، مگر مینڈیٹ نے بلند آہنگ مفروضہ قائم کیا کہ فریق سلامتی کونسل کے فیصلے ماننے کے لیے تمام ضروری اقدامات کریں گے۔ نیویارک کے ایسٹ ریور پر اقوامِ متحدہ کی شیشے کی بلند عمارت جنوبی لبنان کی پہاڑیوں سے کتنی دور تھی !وہاں کبھی کوئی گولہ نہیں پھٹا تھا۔ متن اس تکبر پر بنا تھا کہ اس ادارے کی ہیبت کے سامنے لبنانی ملیشیائیں اور ان کے علاقائی سرپرست بھی اختلاف کی جرأت نہ کریں گے۔ 23 مارچ کو صبح دس بجے صور کے جنوب میں حسن بورو بیرکوں پر فرانسیسیوں کو پہلا سبق ملا کہ یہ مفروضہ باطل ہے۔

قومی فوج کے باغی مسلم دھڑے، لبنانی عرب فوج، نے اسرائیلی یلغار تک بیرکیں سنبھال رکھی تھیں؛ حملہ ہوا تو وہ دانش مندی سے نکل گئے اور فلسطینیوں کو قلعہ اسرائیلی گولہ باری میں بچانے کے لیے چھوڑ دیا۔ مقامی فلسطینی کمانڈر ابو سیف نے بیرک کرنل سالواں کے حوالے کی۔ چند منٹ بعد دو گاڑیاں دروازے پر رکیں۔ ایک شخص نے خود کو لبنانی عرب فوج کا افسر، دوسرے نے وزارتِ دفاع اور ''نئی ''قومی فوج کا نمائندہ بتایا، تیسرا اس کا محافظ تھا۔ دونوں فوجی اپنے اپنے انداز میں بیرک واپس لینے آئے تھے۔ دروازے پر فدائیوں کا ہجوم غصے سے گرجا۔

سفید و سرمئی کوفیہ والے ایک فلسطینی نے پستول نکال کر وزارتِ دفاع کے اہلکار کو فالانج قرار دیا۔ محافظ نے ہتھیار تان لیا اور ایک دوسرے فدائی نے ٹینک شکن راکٹ لانچر میں گولا چڑھا دیا۔ اسی لمحے امریکی بحریہ کے لیفٹیننٹ کانوے زیگلر نے تاریخ میں اپنا مختصر سا کردار ادا کیا۔ عربی جاننے کے باعث فرانسیسی دستے سے منسلک زیگلر مسلح آدمیوں کے بیچ جا کھڑا ہوا اور سب کو ہتھیار نیچے کرنے پر آمادہ کیا۔ یوں اقوامِ متحدہ کی سرپرستی میں ہونے والے ہزاروں لبنانی سمجھوتوں میں پہلا طے پایا: وزارت کا نمائندہ فلسطینی حراست میں چلا گیا، عرب فوج کے افسر نے فرانسیسی پناہ لی اور محافظ غائب ہو گیا۔

فرانسیسی ٹرکوں کے سائے میں بیٹھ کر چھوٹے چولھوں پر پھلیاں گرم کرنے لگے، مگر جلد دروازے پر پھر شور اٹھا۔ بھاری اسلحہ اٹھائے بدحال فدائی پہرا توڑ کر پریڈ گراؤنڈ میں گھسے۔ ایک فلسطینی سنگین لگائے کھڑے چھاتہ بردار کو گالیاں دے رہا تھا، ادھر فرانسیسیوں نے درختوں کے پاس ہلکی مشین گن جما دی۔ آئرش آرمی ایئر کور کے کیپٹن مارٹن ایگن نے کانگو میں اپنے ملک کا خونیں اقوامِ متحدہ تجربہ یاد کر کے پوچھا: کیا یہاں بھی وہی ہونے والا ہے؟ آگے چل کر یہ اس سے کہیں بدتر ثابت ہوا۔ رات تک فلسطینی فرانسیسی اڈے کے اندر تھے؛ یونیفل اور پی ایل او کے باقاعدہ تعلقات قائم ہونے میں ہفتے لگے۔

یاسر عرفات کے بنیاد پرست حریفوں—پی ایف ایل پی، ڈی ایف ایل پی اور عراق نواز عرب لبریشن فرنٹ—نے صور چھوڑنے یا فرانسیسیوں سے تعاون پر آمادگی نہ دکھائی۔ بعض مواقع پر ابتدائی عہد کی وارث فرانسیسی فوج مذاکرات بھول کر دھمکیوں پر اتر آئی۔ مئی کے اوائل میں سالواں فتح کی جیپ میں جا رہا تھا کہ مخالف فلسطینی بندوق برداروں نے فائر کھول دیا۔ اس کی دونوں ٹانگیں شدید زخمی ہوئیں، ایک فرانسیسی سپاہی اور فلسطینی ڈرائیور مارے گئے۔ عرفات نے حملے کو جرم کہا—اور حسبِ روایت ''انقلابِ فلسطین کے خلاف سازش'' بھی۔

لیکن مینڈیٹ پورا ہونے کا اصل امکان اسرائیل نے تباہ کیا۔ مارچ 1978ء کی یلغار ابھی جاری تھی اور یونیفل وجود میں بھی نہیں آئی تھی کہ اسرائیلی چیف آف اسٹاف جنرل مردخائی گور نے سرحد سے بحرِ روم اور جبلِ حرمون کے درمیان عیسائی علاقوں تک پیچھے ہٹ کر "حفاظتی پٹی" بنانے کا اعلان کر دیا۔ نام حفاظتی تھا، مگر یہ لبنان کے خطرناک ترین خطوں میں شمار ہونے والی مستقل پٹی بن گئی۔ حکم اسرائیل کا چلتا، بظاہر مالک وہ عیسائی ملیشیا تھی جس میں فالانج بندوق بردار، منحرف لبنانی سپاہی اور مقامی غنڈے شامل تھے۔

1978ء کے حملے میں اسی جتھے نے خیام کے شیعہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک مسجد میں جمع کیا اور اسرائیلی افسروں کی نگاہوں کے سامنے مشین گنوں سے قتل کر دیا۔ واشنگٹن پوسٹ کے جوناتھن رینڈل کی ثابت قدم تحقیق نے اس حقیقی دہشت گردی کو دنیا کے سامنے لایا، مگر اسرائیلی رویّہ نہ بدلا۔ ان قاتلوں کو فلسطینی "دہشت گردوں" کے مقابل ڈٹے محبِ وطن کہا گیا اور ملازمت سے برطرف لبنانی فوجی میجر سعد حدّاد کو ایک نئی جاگیر کا حاکم بنایا گیا: اسرائیلی سرحد کے ساتھ وہ علاقہ جسے "آزاد لبنان" کہا گیا اور فلسطینیوں کے ساتھ ناپسندیدہ شیعہ مخالفین سے بھی "پاک" کر دیا گیا تھا۔

حدّاد کی ریاست انوکھی تھی: اسرائیل کی بنائی سڑکیں، دکانوں میں اسرائیلی بیئر اور خوراک، اسرائیلی نمبر پلیٹوں والی گاڑیاں، عبرانی نشانات، اسرائیلی اسلحے سے لیس ملیشیا اور ساتھ اسرائیلی سپاہی۔ کبھی گمان ہوتا کہ یہ لبنان نہیں، اسرائیل ہے۔ یروشلم کے سرکاری بیان میں وہ "آزاد" تھا، اقوامِ متحدہ کے لیے ہرگز کھلا نہیں۔ یونیفل کے گھانوی کمانڈر میجر جنرل ایمانوئل الیگزینڈر ارسکین نیلے خود پوشوں کو اسرائیلی سرحد سے تین میل شمال ایک چھوٹے پل پر لے گئے تو اسرائیلی سپاہی نے رائفل ان کے سینے پر رکھ دی۔ اقوامِ متحدہ اس سے آگے نہیں جا سکتی تھی— سوائے حدّاد کی جاگیر کے ایک گوشے، ناقورہ، کے۔

یوں اسرائیلی انخلا کی تصدیق، لبنانی حکومت کی عمل داری اور فریقوں کی اطاعت—سب کاغذی الفاظ نکلے۔ ابتدائی چھ ماہ کے لیے اڑسٹھ ملین ڈالر اور ایک وقت میں چھ ہزار سے زیادہ فوجی مختص ہوئے۔ فرانس، آئرلینڈ، ناروے، سینیگال، نائجیریا، ہالینڈ، فن لینڈ، فجی، نیپال، گھانا اور ابتدا میں شاہِ ایران کی فوج؛ اٹلی کے ہیلی کاپٹر، سویڈن کے طبی یونٹ؛ کم از کم چار نیٹو ممالک۔ ولندیزی ٹاؤ ٹینک شکن میزائل بھی لائے۔ پھر بھی یونیفل نہ سرحد تک پہنچی، نہ زمین حکومت کو لوٹا سکی، نہ فریقوں کا تعاون پا سکی۔ فلسطینی اور اسرائیلی سرپرستی میں حدّاد کے لوگ الٹا اس کے سپاہیوں پر حملے کرتے اور انہیں مارتے رہے۔

فلسطینیوں کو اسرائیلی ہٹ دھرمی ناگوار نہ تھی۔ اگر حدّاد یونیفل کو اپنی پٹی میں داخل نہیں ہونے دیتا تو پی ایل او کیوں صور اور لیطانی کے جنوب والے علاقے چھوڑتا؟ جنگ بندی کے وقت دو فلسطینی دستے—ایک صور کے مشرق اور دوسرا حاصبیا کے جنوب—موجود تھے؛ عرفات نے اصرار کیا کہ وہ یونیفل کے حلقے میں بھی فلسطینی قبضے میں رہیں۔ ناروے کے سپاہیوں نے حاصبیا کے جنوب محض سو مربع گز زمین پر ڈٹے بارہ فدائیوں کو گھیر لیا۔ وہ اسلحہ باہر یا گولہ بارود اندر نہ لے جا سکتے تھے۔ صور کے مشرق ''آہنی مثلث ''میں تقریباً ایک سو چالیس فلسطینیوں کو ولندیزیوں نے اسی طرز پر محصور کیا۔

ایک اور غیر ملکی فوج جنوب میں آباد ہوئی۔ خوب صورت ساحل، دھوپ، سستی شراب اور بیشتر دوستانہ آبادی نے اسے خوش آمدید کہا۔ ناقورہ کے پرانے لبنان-فلسطین کسٹم مرکز کو صدر دفتر چنا گیا؛ صور پی ایل او کے پاس اور زہرانی ریفائنری جزوی شامی قبضے میں تھی۔ مگر ناقورہ خود حدّاد کے علاقے کے اندر تھا۔ اس کے بندوق بردار جب چاہتے اڈہ محصور کر دیتے۔ اپریل 1978ء کی ایک نصف شب مارٹر، راکٹ اور بھاری مشین گنوں سے صدر دفتر پر حملہ ہوا؛ چھ

آئرش اور دو ولندیزی زخمی ہوئے، ہیلی کاپٹر تباہ اور ارسکین کی رہائش چھلنی ہو گئی۔ یونیفل کو حدّاد روکنے کے لیے اسرائیل ہی سے فریاد کرنا پڑی۔

سبق واضح تھے :حدّاد نے اپنی قوت دکھائی؛ اسرائیل نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دے کر ثابت کیا کہ اصل اختیار اسی کا ہے؛ اور یونیفل کو ماننا پڑا کہ لبنان کے اندر بھی اسرائیل سے معاملہ کرنا ہوگا۔ بعض افسر سمجھتے تھے کہ ناقورہ حملے کی رہنمائی تین اسرائیلی افسروں نے کی۔ دھوپ سینکنے کے خواب میں اب خون اور آگ شامل تھے۔ صورتِ حال کی لغت بھی بدل گئی :فلسطینی سرکاری رپورٹوں میں ”مسلح عناصر “اور حدّاد کے آدمی ”عملاً موجود قوتیں “تھے۔ سچ یہ تھا کہ لبنان اقوامِ متحدہ کے ادراکِ حقیقت کو بھی ٹیڑھا کر رہا تھا۔ ناروے اور ہالینڈ کے نیٹو فوجیوں کے مقابل وہ امریکی ہتھیار آتے جو اسرائیل نے حدّاد کو دیے تھے—ایک نیٹو طاقت کا اسلحہ دو دوسری نیٹو طاقتوں کے رخ۔

ادھر عراق اور لیبیا سے فلسطینیوں کو گولہ بارود ملتا، لیبیائی رسد جنبلاط کی دروز ملیشیا کے ذریعے آتی۔ شام پی ایل او کا کھلا حلیف بن رہا تھا؛ اسی کی دولت اور ہتھیار امام موسیٰ صدر کی تحریکِ محرومین ”سے جنم لینے والی شیعہ ملیشیا امل تک پہنچتے۔ بیروت کی سنی مرابطون بھی دمشق ” سے مسلح ہوتی۔ یوں شام، جو ملیشیاؤں کو غیر مسلح کرنے آیا تھا، اپنے قابو سے باہر گروہوں کو دوسرے سرپرستوں سے ملنے والے ہتھیار کا عذر بنا کر اپنے گروہ مسلح کر رہا تھا۔ فالانج کو اسرائیل سے شرمن ٹینک اور جونیہ کے ساحل پر ایم–16 رائفلیں ملیں۔ شامی اسلحہ سوویت اور اسرائیلی رسد زیادہ تر امریکی ساختہ تھی۔

جنہیں ہر مصیبت میں ”بڑی سازش “دکھائی دیتی تھی، ان کے لیے یہ بھرپور ثبوت تھا۔ پرانے استعماری اصول پر ملک بانٹا جا رہا تھا :کبھی فرانس اپنے لبنانی کارندوں سے کام لیتا تھا، اب اسرائیل جنوب اور مشرقی بیروت میں مقامی جتھوں کو، شام مغربی بیروت اور وسطی لبنان میں

اپنے بدنام حلیفوں کو استعمال کرتا تھا۔ کیمل شمعون نے تلخی سے کہا" :ہمیں طے کرنا ہے لبنان خود مختار ریاست ہے یا قحبہ خانہ۔ لیبیائی، عراقی اور دوسرے جنوب آزاد کرانے کے بہانے آتے ہیں۔ اگر یہی آزادی ہے تو یہودی کہیں بہتر ہیں۔"

مارونیوں اور شام کے تعلقات تیزی سے بگڑ رہے تھے۔ شامی فوج کے پیچھے مخابرات کے سادہ لباس نوجوان پستول جیبوں میں ڈالے آئے اور خود قانون بن گئے۔ شامی سپاہیوں نے بے شمار اغوا روکے اور ہزاروں جانیں بچائیں، مگر "برادر شام "کی امداد میں خفیہ پولیس نے خوف کا زہر گھولا : مسیحی اور مسلم ملیشیا افسر رات کو گرفتار ہو کر دمشق کی جیلوں میں پہنچتے۔ جمیل اور شمعون خاندان شام کو فلسطینیوں سے بھی بڑا خطرہ سمجھنے لگے۔ پہلے درخواست، پھر مطالبہ اور آخر حکم دیا گیا کہ شامی مشرقی بیروت چھوڑیں۔ عین الرمانہ کے پرانے ریلوے یارڈ سے شامی ٹینکوں نے اشرفیہ پر گولہ باری کی۔

شمعون اپنے فلیٹ کے تہہ خانے میں حملے جھیلتا اور وقفے میں نکل کر حکومت کو دھمکاتا کہ شامی فوج کے عرب لیگ مینڈیٹ کی تجدید قومی سالمیت کے خلاف ہوگی۔ ستمبر 1978ء میں ساسین اسکوائر کے ملبے میں اس نے مجھ سے کہا" :یہ کہنا غلط ہے کہ ہم مسیحی ہونے کے باعث لڑتے ہیں۔ اتفاق یہ ہے کہ لبنان کی آزادی کے لیے لڑنے والے مسیحی ہیں؛ دوسرے شاید کمزور یا بے حوصلہ ہیں۔ ہم اپنے ایمان نہیں، آزادی اور وقار کا دفاع کر رہے ہیں۔ "اس کا دعویٰ تھا کہ شامی نکل جائیں تو ایک دشمن کم ہوگا، لبنانی اور فلسطینی باہم امن چاہتے ہیں اور خانہ جنگی کی فوری واپسی کی دھمکی محض شامی بلیک میل ہے۔

مگر پچاس برس کے امن کی یہ کہانی جھوٹ تھی۔ 1987ء میں شامی فوج کی دوسری پیش قدمی ہی بیروت کو 1975–76ء سے بھی خونیں نئی خانہ جنگی سے بچائے گی۔ اسرائیلی مدد کے سوال پر شمعون نے مبہم جواب دیا" :خدا بزرگ ہے؛ وہ ہمیں سازوسامان حاصل کرنے کے وسیلے

دے گا۔ "خدا کے دوست بہت طاقت ور تھے، اور بوڑھے شمعون کے مقابل بشیر جمیل اسرائیل سے اسلحہ و سیاسی پشت پناہی کے براہِ راست مذاکرات کر رہا تھا۔

اکتوبر 1978ء میں دمشق جاتے ہوئے میں نے ایک شامی سارجنٹ کو گاڑی میں بٹھایا۔ 1967ء کے گولان کا مہاجر، سینتیس سالہ سپاہی جس کا خاندان حلب میں تھا۔ مشرقی بیروت کے محاصرے کا سبب پوچھا تو بولا" :کیوں سمجھتے ہو ہم مسیحیوں کو مارنا چاہتے ہیں؟ اگر یہی ارادہ ہوتا تو شام کے مسیحیوں کو قتل کرتے، مگر وہ خوش ہیں۔ کیمل شمعون جب بھی بولتا ہے، جنگ شروع کرنا چاہتا ہے۔ "دمشق کے گھرانے نجی طور پر شاکی تھے کہ ان کے بیٹے دو دشمن برادریوں کو الگ رکھنے میں جان دے رہے ہیں، جب کہ سرکاری اخبارات شام کی بردباری کے قصیدے لکھتے تھے۔

کبھی سپاہی خود بھی سرکاری یقین سے محروم تھے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے اسٹیو ہنڈی نے ایک شامی جوان کو گھر چھوڑا۔ چائے پر خاندان نے نئے ہتھیاروں کے بل پر اسرائیل سے اگلی جنگ جیتنے کا دعویٰ کیا، مگر جب اسی سپاہی سے پوچھا گیا تو اس نے زمین کی طرف دیکھا، سر ہلایا اور کہا" :نہیں، ہم نہیں جیتیں گے۔ "شام اپنی فوج کو عرب لیگ کی امن فوج کہتا، گھرانے اپنے لڑکوں کو واپس لانے "کی بات کرتے؛ ادھر مارونی ذہن میں مسلم دنیا کا خوف اور اسرائیل" کے لیے ایک اقلیتی اتحادی جیسی ستائش پرانی تھی۔

1937ء میں صدر امیل اڈّے اور مارونی بطریق نے پیرس میں صیہونی رہنما حائم وائزمن سے ملاقات کی تھی۔ اڈّے نے خواہش ظاہر کی کہ مستقبل کی یہودی ریاست دوستی کا پہلا معاہدہ لبنان سے کرے۔ اس تصور میں مارونی اور اسرائیلی مل کر پھیلتی مسلم دنیا کو روکتے تھے؛ مغرب کو بھی یہ منظر مانوس تھا۔ 1978ء میں شام نے انہی یادوں سے اپنی نشریات بھریں۔ مگر اسرائیل کا پہلا امن معاہدہ لبنان نہیں، مصر سے ہوا۔

کیمپ ڈیوڈ میں ستمبر 1978ء کے سمجھوتے نے اسرائیل کے اعتراف اور سینا سے انخلا کے بدلے مصر کو محاذ سے نکال دیا؛ اسد تنہا اور فلسطینی بے سہارا ہوئے۔ فلسطینیوں کو اپنے مستقبل کے تعین میں ”شریک “ہونے کی ضمانت ملی، جب کہ وہ اپنا مستقبل خود طے کرنا چاہتے تھے۔ بیروت میں شامی، فلسطینی اور لبنانی مسلمان اسے ناصر کے جانشین کی غداری سمجھتے تھے۔ اب شام اور پی ایل او جنوب کی پالیسی باہم طے کرتے :مصر کے ہٹنے کے بعد اسرائیلی فوج کے سامنے اور کون تھا؟

انور سادات سنجیدہ سیاسی دلیل کی جگہ ڈرامائی اشاروں پر یقین رکھتا تھا۔ فلپ حبیب کے مطابق یروشلم جانے سے پہلے اس نے اسد اور شاہ حسین کو ساتھ چلنے کی دعوت دی؛ انکار پر چلاّیا” :میں بونوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ یہ نہ آئیں تو اکیلا جاؤں گا۔ “کنیسٹ میں بیگن نے اسرائیل کی پیدائش، داوًد و جالوت اور دیو قامت دشمنوں میں ننھی ریاست کی داستان سنائی؛ سادات خاموش رہا۔ میں نے تب لکھا کہ وہ دشمن کی پارلیمان سے دنیا کو مخاطب ہوا، مگر کیا اس نے اسرائیلیوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے پروانۂ موت پر بھی دستخط کیے؟ چار برس بعد مصری فوجی افسر کے ہاتھوں اس کے قتل پر بیروت کے فلسطینی کیمپوں نے آسمان میں گولیوں کی روشن لکیریں کھینچ کر جشن منایا۔

اسی شور میں امام موسیٰ صدر کی گم شدگی محض پانچ پیراگراف کی خبر بنی۔ ایرانی نژاد شیعہ رہنما ستمبر 1978ء میں لیبیا میں لاپتا ہوا—افواہ کبھی شاہ کی ساواک، کبھی لیبیائی خفیہ ادارے کی۔ غالب گمان یہی تھا کہ اسے لیبیا میں قتل کیا گیا۔ اس واقعے نے بعد میں جنوبی لبنان کی مزاحمت کو علامت اور الہام دیا، وہی مزاحمت جس نے اسرائیلی فوج کو نکلنے پر مجبور کیا؛ مگر مشرقی بیروت کی لڑائی کے بیچ ہم اس کے دور رس نتائج دیکھ نہ سکے۔

اکتوبر کے وسط میں شام کو مشرقی بیروت چھوڑنا پڑا۔ ذلت یہ تھی کہ عیسائی علاقے میں عرب امن فوج کے غیر شامی—سعودی—دستے رکھنے پڑے؛ مارونیوں نے اس شام کے بجائے سعودی بادشاہ کی فوج پر قسمت چھوڑی جس کے ملک میں ایک گرجا بھی تعمیر نہ ہو سکتا تھا۔ بیت الدین کے انیسویں صدی کے محل میں سرکیس، شامیوں اور چار عرب وزرائے خارجہ نے معاہدہ کیا: مسلح نمود ختم ہوگی، ہتھیار جمع ہوں گے اور ناجائز قبضہ ممنوع؛ ساتھ عیسائیوں کو اسرائیل سے رابطہ ترک کرنا تھا۔ دونوں مطالبے کاغذ پر ہی ممکن تھے۔

سلیمان فرنجیہ، جو اب جمیل و شمعون خاندانوں سے الگ تھا، مسیحی ملیشیا افسروں کے لیے لبنانی-عرب غداری عدالت "مانگنے لگا۔ محل کے باہر شامی اجازت سے لگے بینروں پر مارونیوں کو" فاشسٹ اور کیمپ ڈیوڈ کے "ہتھیار ڈالنے "کے خلاف جدوجہد کا مطالبہ تھا۔ شمعون نے چالیس برس پرانا خط اچھال کر دشمنی شخصی کر دی جس میں شامی علویوں نے فرانسیسی وزیر اعظم لیوں بلوم سے کہا تھا کہ شام ابھی آزادی کے لیے تیار نہیں؛ مبینہ دستخط کنندگان میں موجودہ صدر کے والد بھی تھے۔

فالانج نے بیت الدین معاہدے کا مذاق اڑایا۔ اشرفیہ کی گولی خوردہ دیواروں پر داؤد کا ستارہ بنایا، وردیوں پر "اسرائیل "لکھا اور بعض نے رائفل کے بٹ پر کنواری مریم کے ساتھ وہی ستارہ کندہ کیا۔ شامی گولہ باری میں کم از کم سات سو عیسائی، زیادہ تر شہری، مرے؛ بربیر ہسپتال کے ایک سرجن نے بتایا اس کی نگرانی میں ایک سو بیس سے زیادہ شامی سپاہی بھی جان سے گئے۔ رِزق ٹاور میں چار ہفتے گھرے شامی چھاتہ بردار جب نکلے تو گولہ بارود، گندے بستر اور بدبو دار بھاری بوریاں ٹرکوں پر لاد رہے تھے—شاید وہ باقیات جو شامی مٹی میں دفن ہونا تھیں۔

لبنان کی سیاسی ترکیبیں کلیڈوسکوپ کی طرح بنتیں اور بکھرتیں۔ ریڈیو ان کی مستقل موسیقی تھا۔ فالانج کے "صدائے لبنان "نے ہالی وڈ فلم کو وادیس کی مذہبی دھن چرا کر مارونی خبرنامے کی

تمہید بنا لی۔ دوسری جانب "صدائے عرب لبنان "ناصر دور کا مارچ "اللہ اکبر "بجاتا۔ پھر "صدائے متحدہ لبنان"، بشیر جمیل کا "صدائے آزاد لبنان "اور دروز "صدائے جبل "آئے۔ سب غیر قانونی، متعصب اور حقائق میں ناقابلِ اعتماد تھے؛ سرکاری ریڈیو اتنا سنسر شدہ کہ فرقہ وارانہ قتل اور جنگ بندی کی خلاف ورزی بھی نشر نہ ہوتی۔

فالانج اسٹیشن پیرس کے نئے پاپ ریکارڈوں، کھلی ٹیلی فون گفتگو اور بائیں بازو کے خلاف خون طلب مجلسوں کے بیچ شیخ پیئر جمیل کا روزانہ دس منٹ کا درس چلاتا۔ عرب لبنان عرب قومیت اور "تنہائی پسند–صیہونی سازش "کو برا کہتا۔ بشیر کا اسٹیشن فرانسیسی فوجی موسیقی کے ساتھ ملک کو "اجنبیوں "سے پاک کرنے کا وعدہ کرتا—جس میں سب فلسطینی اور شاید سب لبنانی بائیں بازو والے شامل تھے۔ لڑائی میں یہی ریڈیو دشمن کے "حیوانی "کردار اور مسیحیوں کے متوقع قتلِ عام کی اشتعال انگیز تصویریں بناتے؛ مشرقی بیروت کے اصل سات سو کے مقابل پندرہ سو مارونی مقتول بتائے گئے۔

1978ء کے خزاں میں وسطی بیروت کے ملبے پر دو حریف ملیشیاؤں نے ایک ہی دفتر لوٹنے کی کوشش کی۔ فالانج میزیں اور ٹائپ رائٹر اٹھانے آئی، اندر صاعقہ کے گوریلے سامان نکال رہے تھے۔ دونوں نے توپ خانے کو مدد کے لیے بلایا، عمارت کے اندر ایک دوسرے کو مٹایا اور کئی رات جاری گولہ باری میں پندرہ شہری مر گئے۔ ادھر مختصر غیر ملکی برادری نسبتاً بے فکری سے جیتی :برطانوی سفارت خانہ کرسمس کیرول، ناروے کا سفارت خانہ شیمپین، سیاست دان، پی ایل او اہلکار، صحافی، دانش ور اور بیروت کی حسین خواتین۔ نووارد گولیوں سے ڈرتا، مگر ابھی خود کو ذاتی طور پر نشانہ نہ سمجھتا۔

اعتماد پھر بھی رخصت ہو رہا تھا۔ سال کے آخر برطانیہ نے شملان کا مشہور عربی مدرسہ بند کیا، جو سفیروں اور جاسوسوں کی نسل کا دوسرا گھر تھا۔ کم فلبی گاؤں میں اپنی دل کشی، خراب

عربی اور شدید لکنت کے باعث یاد تھا؛ جارج بلیک باقاعدہ طالب علم اور سفارتی مرتبے کے ساتھ وہاں پڑھا۔ آخری مدیر جولین واکر نے بلیک کی اہلیت و قیام گھٹا کر بیان کیے، مگر کمال جنبلاط اسے برسوں "جاسوسوں کا اسکول" کہتے رہے۔ جب بھی میں لبنان میں ہر غیر ملکی کو ایجنٹ سمجھنے کا مذاق اڑاتا، دو برطانوی—ایک صحافی، ایک سفارت کار—واقعی جاسوس نکلنے کی مثال سامنے آتی۔

شملان نے تہذیبی وضع قائم رکھی تھی :مناسب لباس کے سخت احکام، سمندر کو دیکھتی خالی جماعت میں دھوپ سے مڑی تصویریں—مستقبل کے عرب شناس افسر کلف دار کالروں اور بو ٹائی میں رقص کرتے یا سنجیدہ سفارتی چہرے کے ساتھ دل کش خواتین سے گفتگو کرتے۔ بیروت اب بھی آنے والوں کے لیے فی نفسہٖ خطرناک نہ تھا، مگر فلسطینی کیمپوں سے دور رہنے کا مشورہ تھا۔ 1977ء میں امریکی وزیر خارجہ سائرس وینس فلسطینی مستقبل پر حکومت کی رائے لینے آیا تو قافلے نے صبرا و شتیلا سے بچنے کے لیے ایک میل طویل راستہ لیا۔ جن لوگوں کے مستقبل پر بات تھی، اسی نے انہیں نظر سے اوجھل کر دیا۔

کیمپ ڈیوڈ کے خلاف پی ایل او کی گھسی پٹی نعرے بازی نے اندر کی آتش فشانی ناراضی چھپا دی تھی۔ ستمبر 1978ء میں ایک فلسطینی نے تار پر آنے والی امریکی خبر پڑھی کہ اجلاس کا "سب سے بڑا حل طلب سوال "مقبوضہ عرب زمین پر قریب سو یہودی بستیوں کا مستقبل ہے۔ چند لمحے سر ہلانے کے بعد اس کا چہرہ بگڑ گیا" :امریکی ہمیں کیا سمجھتے ہیں؟ صاف کیوں نہیں کہتے سب سے کم اہم سوال بیس لاکھ فلسطینی پناہ گزینوں کی قسمت ہے؟ "لبنان کے فلسطینی پوچھتے تھے :ان کا مستقبل کون طے کرے گا؟ کیا جنوب ہی ان کا نیا فلسطین بنا دیا جائے گا؟ مصر کے غیر مؤثر ہونے پر اسرائیل شام کے مشکل محاذ کے بجائے لبنان کے نرم پیٹ پر کیوں نہ وار کرے؟

جنوبی لبنان اچانک موت اور وحشیانہ انتقام کی بھٹی تھا، مگر بین الاقوامی فوج کی موجودگی نے اسے ایک خواب ناک مقام بھی بنا دیا۔ ابل الساقی میں، جہاں 1977ء میں ابو میعاد نے مجھے اسرائیلی ٹینک دکھائے تھے، اب ناروے کی بٹالین کا صدر دفتر، افسر خانہ، ناروے کی کتابوں کی لائبریری اور سونا غسل تھا۔ فلسطینی اور اسرائیلی گولے گاؤں کے اوپر سے گزرتے۔ مئی 1980ء میں پی ایل او حدّاد کے کھلونا دارالحکومت مرجعیون پر گولے برساتا؛ نارویجین چوک میں ہاتھ کمر پر رکھے اسے یوں دیکھتے جیسے دور سکی یا بادبانی کشتیوں کا مقابلہ ہو۔ سرخ چھتوں سے نیلا دھواں اٹھتا، دو سیکنڈ بعد دھماکا سنائی دیتا۔

شام ڈھلی تو نئے گھانوی دستے کا رنگیے بینڈ بارودی سرنگوں والے گرجے کے پاس ساز ملانے لگا۔ بچوں کے لیے ایک نارویجین نے ٹوٹی دیوار پر ووڈی وڈپیکر کارٹون چلایا۔ چھت پر نیپالی کرنل شاہ بیرندر کی ماحولیاتی دانش سے کھٹمنڈو کے قدیم فنِ تعمیر کی بقا سمجھا رہا تھا۔ شمال میں فلسطینی دراندازڈھونڈتے ناروے کے دستے نے تین روشنی کے گولے آسمان پر چھوڑے، مرجعیون اب بھی جل رہا تھا۔ منظر خواب، سرکس اور جنگ تینوں تھا۔

ناروے کے افسر حدّاد کے ”صدائے امید“کے عادی ہو چکے تھے۔ امریکی انجیل نواز ادارے کے سرمائے سے چلنے والا یہ اسٹیشن عربی و انگریزی میں بائبل، کنٹری اینڈ ویسٹرن موسیقی اور یونیفل و مقامی مسلمانوں کے خلاف خوں ریز دھمکیاں نشر کرتا۔ حدّاد نے نارویجین سپاہیوں کے لیے ناروے کے پاپ گانے بھی حاصل کیے تھے۔ کسی گاؤں کو ”دہشت گرد“پناہ دینے کا الزام آتا تو آس پاس کی سڑکوں پر گولے برسنے لگتے؛ اس لیے ریڈیو سننا تفریح نہیں، حفاظتی ضرورت تھی۔

رونالڈ ریگن کی پہلی انتخابی فتح کے دن میں فجی بٹالین کے گاؤں قانا میں تھا۔ ریڈیو نے شراب نوشی، بسیار خوری اور والدین کی اطاعت کے بائبلی وعظ کے بعد گانا سنانے کا اعلان کیا، مگر

دروازہ چرچرایا، مائک سے کوئی ٹکرایا اور سرگوشی ہوئی” :خواتین و حضرات، آج ہمیں خصوصی اعزاز ملا ہے؛ میجر حدّاد خود اسٹوڈیو میں داخل ہوئے ہیں۔ “قریب یونیفل چوکی پر دو فجی فوجی اور فرانسیسی افسر اپنے سیٹ پر جھکے سخت پریشان تھے۔ پھر بھاری آواز گونجی” :صدر ریگن، مبارک ہو۔ امریکا ہمارا دوست ہے۔ “سپاہیوں نے ریڈیو بند کیا اور مسکرا کر ڈھیلے پڑ گئے۔ حدّاد خوش تھا—کم از کم آج کا دن محفوظ تھا۔

دور جلتا قصبہ، ریگے، آسمانی شعلے، ووڈی وڈپیکر اور دیوہیکل ریڈیو—اپوکلیپس ناؤ کے شائق اس سحر کو سمجھ سکتے تھے۔ نرم بے معنویت کے باعث مناظر ترتیب سے یاد نہیں رہتے، مگر یونیفل کے اپاہج مشن کی بے بسی کو بے رحمی سے مجسم کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے تھوڑی سیاسی خیر سگالی ملے تو یونیفل سرحد تک پہنچ جائے؛ کوئی امن قائم رکھنے سے آگے امن نافذ کرنے کی بات کرتا، حالاں کہ بین الاقوامی دستے لبنانی نجی فوجوں سے کھلی جنگ کے لیے نہ تعداد رکھتے تھے نہ اختیار۔ نقشوں میں حدّاد کے علاقے پر اقوامِ متحدہ کے چھوٹے جھنڈے دکھا کر کہا جاتا یونیفل وہاں موجود ہے، مگر یہ دراصل الگ تھلگ چوکیاں تھیں جہاں نارویجین اور ولندیزی حدّاد کے یرغمال تھے۔

ہر بٹالین صدر دفتر پہنچتے ہی کوئی افسر حدّاد کی تازہ دھمکی سناتا :فلاں گاؤں نے مبینہ فلسطینی نہ نکالے تو گولہ باری؛ ملیشیا کو تنگ کیا تو ایک اور آئرش سپاہی قتل؛ پانی واپس نہ کیا تو پہاڑی بستی تباہ—کیونکہ میجر کو نہانا تھا۔ مضحک دھمکیاں بھی یونیفل کو اس کے مزاج کا اسیر بناتی تھیں۔ آپریشن روم میں ریڈیو پر اس کی گہری گرج آتی تو نوجوان افسر خاموش ہو جاتے۔ وہ اپنی ننھی روریتانیا کا شاہ لیئر تھا، زمین پر قیامت اتارنے کی وعید دیتا ہوا۔ وہ نہ دیومالائی بھوت تھا نہ مخالفوں جتنا پاگل؛ اصل خطرہ اس کے اسرائیلی استاد تھے۔

یونیفل سمجھ نہ سکی اسرائیل اسے مسلسل ہراساں کیوں کراتا ہے۔ اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس کا لیفٹیننٹ کرنل یورام حمزراحی بنت جبیل میں کیوں بیٹھا رہتا؟ لیفٹیننٹ کرنل گیری گال حدّاد کے لوگوں سے بار بار کیوں ملتا؟ شن بیت کا خوف ناک ''میجر حائم ''مرجعیون میں کیا کرتا تھا؟ لبنانی فوج کی ایک بٹالین، جو ریاستی خود مختاری کی نمائندہ تھی، جنوب آئی تو حدّاد نے اسرائیلی اجازت سے اسے بھی گولے مارے—حالاں کہ اسرائیل نے اسی مینڈیٹ کی حمایت کی تھی جو لبنانی حاکمیت بحال کر کے فلسطینی دراندازی روکنے کا وعدہ کرتا تھا۔

یونیفل نے جلد دیکھ لیا کہ حدّاد کی توپوں کے ساتھ اسرائیلی افسر خود موجود ہوتے، غالباً نشانے اور زاویے درست کراتے۔ حارث کے ایک ولندیزی افسر نے بتایا :اسرائیلی نے ریڈیو پر کہا عیسائی گولہ باری کرنے والے ہیں اور اسرائیل قصوروار نہیں، پھر الٹی گنتی کی؛ چند سیکنڈ بعد گولے یونیفل کے پیچھے پھٹے۔ ''اسے وقت اس لیے معلوم تھا کہ وہ توپ کے برابر کھڑا تھا۔ فائر وہی کرا رہا تھا۔ ''فخر کی جگہ زہر خند نے لے لی۔

جنرل ارسکین اسرائیلی مدد پر بار بار حیرت ظاہر کرتے، مگر ان کے عملے کے شبہات زیادہ تاریک تھے۔ انہیں 1919ء کی ورسائی امن کانفرنس میں پیش صیہونی نقشہ یاد تھا جس میں مجوزہ اسرائیل صیدا کے قریب تک پہنچتا تھا۔ ان کا خیال تھا اسرائیلی شمالی کمان جنوب میں عدم استحکام چاہتی ہے تاکہ دوبارہ قبضہ کر سکے۔ اپریل 1980ء میں حدّاد کے لوگوں کے ہاتھوں دو آئرش یونیفل جوانوں کے قتل نے ان شبہات کو خون آلود بنیاد دی۔

18 اپریل کو سپاہی ڈیرک اسمال ہورن، تھامس بیریٹ اور جان اوماہونی دو اقوامِ متحدہ مبصرین کو حدّاد کے علاقے سے گزار رہے تھے۔ عیسائی بندوق برداروں نے گھات لگا کر انہیں بنت جبیل پہنچایا۔ اسمال ہورن اور بیریٹ کو مارا پیٹا؛ اوماہونی کی پیٹھ، ران اور پاؤں میں گولیاں لگیں مگر وہ نکل گیا۔ امریکی فوجی مبصر اور ساتھ موجود ایسوسی ایٹڈ پریس صحافی نے دونوں

نوجوانوں کے خوف سے سفید چہرے دیکھے جب انہیں گاڑی میں ڈال کر لے جایا گیا۔ قریب ایک گھنٹے بعد گردن کے پیچھے ایک ایک گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ یہ اسرائیلی نگرانی والے حدّاد زون میں ہوا۔

اسرائیل نے فوراً لاعلمی ظاہر کی۔ حدّاد نے کہا عتیری میں یونیفل کے ہاتھوں ایک ملیشیا رکن کی موت کے انتقام میں یہ قتل ہوا، مگر اس کا حکم نہیں تھا۔ اقوامِ متحدہ اور آئرش پولیس نے مردہ ملیشیا رکن برزی کے دو بھائیوں کو قاتل قرار دیا؛ اسرائیل نے انہیں پوچھ گچھ کے لیے پیش نہ کیا، الٹا لبنان سے اسرائیل کے راستے ڈیٹرائٹ منتقل ہونے میں مدد دی۔ آئرش چھیالیسویں انفنٹری بٹالین کو زیادہ غصہ اس اطلاع پر تھا کہ ''ابو شوقی ''کوڈ نامی شن بیت افسر قتل کے وقت موجود، گولیوں کا گواہ تھا۔ اس کا اصل نام کبھی شائع نہ ہوا۔

اسرائیلی سفیر شلومو آرگوف نے قتل کو بزدلانہ کہا، مگر 20 اپریل کو آئرش ریڈیو پر ڈبلن والوں کو دور بیٹھے فیصلے صادر کرنے اور مسیحی اقلیت کے درد سے بے حس ہونے کا طعنہ دیا۔ اسی گفتگو میں اس نے اسرائیلی مدد کا جواز یہ بتایا کہ حدّاد ''ایک شریف آدمی ہے جو اپنے لوگوں کو نسل کشی سے بچانا چاہتا ہے۔ ''باب کا طنز اسی ''شریف آدمی ''میں پوشیدہ تھا۔ صرف دو دن پہلے اسی شریف آدمی کے اسرائیلی تنخواہ، اسلحہ اور وردی پانے والے جتھے نے عتیری کی لڑائی میں اکیس سالہ آئرش سپاہی اسٹیفن گرفن کو قتل کیا تھا۔

گالوے کے سینٹ جوزف گرجے سے گرفن کا تابوت نکلا تو ڈھکن پر اس کی نیلی یونیفل ٹوپی تھی اور آئرش افسر اسرائیلی ''ملی بھگت ''پر برہم تھے۔ میں ٹائمز کے فارن ایڈیٹر چارلس ڈگلس ہوم کی اجازت سے جنازے میں گیا۔ ہوا سے بھرا، سرد، کم قامت پتھریلی دیواروں والا ویران قبرستان؛ اس کے دس بھائی بہن قبر کے گرد روتے رہے اور فوجی بگل پر آخری سلام بجا۔ مغرب

میں بحرِ اوقیانوس کی سفید جھاگ کی باریک لکیر اور پہاڑیوں میں دور تک پھیلے بڑے سرمئی پتھر — بادلوں سے دھوپ نکلی تو منظر جنوبی لبنان کی پہاڑیوں جیسا لگا۔

یونان میں آئرش سفیر، جو اسرائیل کے لیے بھی مامور تھا، میناخم بیگن سے جواب مانگنے گیا۔ وضاحت کے بجائے اسے لبنان کے ”خون کے بدلے خون“کے اصول پر لیکچر ملا :ایک ملیشیا والے کی موت لازماً دشمن کے قتل کا باعث بنتی ہے۔ دو برس بعد صبرا و شتیلا کے بڑے قتلِ عام پر اسرائیلی ذمہ داری کا سوال اٹھا تو بیگن یہی سبق بھول کر کہے گا کہ اسے اندازہ نہ تھا لبنانی حلیف خونیں انتقام کریں گے۔

اسرائیلی معاشرے میں بھی آئرشوں کو زیادہ ہمدردی نہ ملی۔ یروشلم پوسٹ نے 1905ء کے لمرک حملے، قبل از جنگ آئرش بلو شرٹس اور 1945ء میں ڈی ویلیرا کی جرمن نمائندے سے ہٹلر کی موت پر تعزیت یاد دلائی؛ لبنان کی فالانج کے براؤن شرٹ ماضی کا ذکر نہ کیا۔ اصل نکتہ آخر میں تھا :آئرش یونیفل سپاہیوں کا فلسطینیوں سے مبینہ تعصب، زمین سے اکھڑے لوگوں سے اپنی مماثلت، اور ویٹی کن کی بین الاقوامی یروشلم پالیسی۔ اخبارات کے مطالعے سے صرف اتنا ثابت ہوتا تھا کہ آئرش فوجی ان لبنانی دیہاتیوں سے ہمدرد تھے جنہیں وہ حدّاد سے بچاتے تھے۔

اصل ناراضی فروری 1980ء میں بحرین میں وزیر خارجہ برائن لینہان کے بیان سے تھی :پی ایل او فلسطینی عوام کی نمائندہ، فلسطینیوں کو خود ارادیت اور آزاد ریاست کا حق۔ اس کے بعد اسرائیلی اہلکار صحافیوں کو وہسکی نوش ”جانی واکر آئرش“کے لطیفے سنانے لگے۔ حدّاد نے ٹائمز کو خط بھیجا—بعد میں مانا کہ اسرائیلی رابطہ افسر نے لکھا تھا—جس میں ایک پندرہ سالہ ”لبنانی لڑکے“کے قتل اور اپنے ہاتھوں آئرش سپاہیوں کی جان بچانے کا دعویٰ، یونیفل کے ترک ترجمان کو فلسطینی کہنا، اور دستخط ”کمانڈر، آزاد لبنان“تھے۔ ٹائمز نے اس خیالی ریاست کا پتا بھی چھاپ دیا۔

آرگوف نے الگ خط میں میری رپورٹنگ کو جانب دار، بدخواہ اشاروں اور بیرکوں کی گپ شپ کا مجموعہ کہا۔ تلخی معنی خیز تھی :یونیفل افسروں کے شبہات نقل کرنا بھی اسرائیلی ذاتی مذمت دعوت دیتا، حالاں کہ حدّاد کی فوجی سرپرستی خود علانیہ تھی۔ جو صحافی اسرائیلی فریب کا امکان لکھے، اسے یہود دشمن تک کہا جا سکتا تھا۔ سرکاری لفظ ''دہشت گرد ''نے بھی اپنا اثر دکھایا: اسرائیل میں مقیم نامہ نگار ہر فلسطینی گوریلے اور ہر سرگرمی کو دہشت گردی لکھنے لگے؛ لبنان دہشت گردوں سے بھرا'' ملک بن گیا۔''

بی بی سی پر میرے ایک دوست نے بے دھیانی میں اسرائیلی فضائی حملے کی خبر دیتے ہوئے یہی لفظ بولا تو دو فلسطینی دوستوں نے فون پر پوچھا'' :اگر ہم دہشت گرد ہیں تو حدّاد کے لوگ کیوں نہیں؟ ''مئی 1980ء میں میری یونیفل اور فلسطینی گوریلوں پر بے ضرر رپورٹ کے اوپر ٹائمز نے سرخی لگائی'' :اپنے علاقے میں دہشت گردوں کے ساتھ امن رکھنے کا ستم ظریف فریضہ۔ ''متن میں لفظ تھا ہی نہیں۔ میں نے ڈگلس ہوم کو لکھا کہ پی ایل او کے لیے یہ اصطلاح اپنانا خود بخود اسرائیلی موقف اپنانا ہے، جب کہ حدّاد شہریوں پر کہیں زیادہ تشدد کر رہا ہے۔ اگر لفظ رہے تو دونوں طرف کے دہشت گردوں پر یکساں لگے۔

کچھ روز پہلے اسرائیلی گولے صور–بیروت شاہراہ پر میری گاڑی سے دو سو گز کے اندر گرے تھے، مگر تل ابیب کے ہمارے معاون نے لکھا اسرائیلی گن بوٹ نے ''دہشت گرد اہداف ''پر فائر کیا۔ سڑک پر میری گاڑی کے سوا کچھ نہ تھا—گویا ہدف میں تھا۔ اس نے یقیناً میری موت نہ چاہی تھی، مگر مدیر نے نکتہ سمجھا اور حکم دیا کہ مشرقِ وسطیٰ کی ٹائمز رپورٹوں میں دہشت گرد ''صرف براہِ راست قول کے اندر آئے گا۔ الفاظ بھی محاذ ہوتے ہیں؛ غیر جانب دار '' صحافت کا پہلا فرض ہے کہ کسی فریق کی لغت بے سوچے نہ اوڑھے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلسطینی جنوب میں بے غرض یا بے گناہ تھے۔ عیسائی پٹی اور کبھی اسرائیل پر راکٹ حملے دانستہ جوابی وار بھڑکاتے۔ یونیفل حدود میں دراندازی روکتے فجی فوجی بھی فلسطینی گولیوں سے مرے۔ 1981ء میں ایک آئرش جوان قتل اور دوسرا اغوا ہوا؛ غالباً عرفات اور یونیفل کے تعلقات خراب کرنے والے پی ایل او دھڑے کا کام۔ اران جزائر کے کسان کا بیٹا کبھی نہ ملا۔ ایک روایت میں صیدا کے عین الحلوہ کی زیرِ زمین کوٹھڑی اسرائیلی بم سے تباہ ہوئی؛ دوسری میں اسے بیروت میں مہینوں قید رکھ کر 1982ء کی یلغار سے عین پہلے ٹھنڈے دل سے قتل کیا گیا۔

اس کے باوجود لبنان میں اقوامِ متحدہ کا کردار بے توقیر نہ تھا۔ محدود حد تک وہ اپنی حدود کے شیعہ دیہاتیوں کو بچاتی تھی۔ دیہی پس منظر کے نارویجین اور آئرش ان لوگوں کو لبنانی حکومت سے زیادہ سمجھتے تھے۔ نارویجین بٹالین علاقے کے مختاروں کے سالانہ عشایئے کرتی؛ اس کی موجودگی نے خاندانوں کو واپس آنے کا حوصلہ دیا۔ چار برس بعد تمباکو کے کھیت اور زیتون کے باغ پھر سنبھالے گئے۔ یہ چھوٹی بحالی قراردادوں کے شاندار لفظوں سے کہیں حقیقی تھی۔

1980ء میں ابل الساقی کے ایک جلے شہتیر والے پرانے گھر میں ناروے کے افسروں، سفارت کاروں اور گاؤں کے عمائدین کے ساتھ رسمی عشائیہ تھا۔ کھانے کے بعد بوڑھا مختار ذرا ڈگمگاتا اٹھا—یہ وہ وقت تھا جب شیعہ علما نے جنوب میں شراب پر پابندی نہیں لگائی تھی—اور کرنل اولے رونگ کی طرف دیکھ کر آہستہ عربی میں کہا: ”آپ ہمارے ماں باپ ہیں اور ہم آپ کے بچے۔ “چند لمحے سکوت، پھر مختاروں کی تالیاں۔ دو سو مرد و زن کے روایتی بزرگ کا جذبہ سچا اور دل چھو لینے والا تھا، مگر ذمہ داری ہول ناک: اگر حالات نے والدین کو بچوں سے دست بردار کر دیا تو؟ جواب نہ دینا بہتر تھا۔ عقابی سر اور تیز نگاہ والے کرنل نے مسکرا کر آکواویٹ کے جام پھر بھروا دیے۔

حدّاد کی فوج اقوامِ متحدہ کے مقصد کو جتنی محنت سے زخمی کرتی گئی، نیلے خود پوش اسے اتنا ہی نفرت کرنے لگے۔ فلسطینیوں کی طرح چھپ کر دراندازی نہیں؛ وہ کھلے عام یونیفل حدود میں فوجی مورچے بناتے۔ یہ اسرائیل و اقوامِ متحدہ سمجھوتوں کی صریح خلاف ورزی اور یونیفل کے اختیار و حوصلے پر حملہ تھا۔ ہر بحران گفت و شنید سے حل کرنے کی کوشش ہوئی، مگر لبنان میں سمجھوتہ ناقابلِ اعتماد ہتھیار تھا :اسے کمزوری سمجھا جاتا—اور کسی حد تک وہ تھا بھی۔

رشف اس کا نمونہ تھا۔ 1978ء کے اسرائیلی فضائی حملے سے برباد پہاڑی گاؤں مدت تک چھپکلیوں، تین فٹ سانپوں اور کبھی کبھار آئرش گشت کے سوا ویران رہا۔ بہار 1980ء میں اسرائیل نے حدّاد کے لیے کھنڈرات تک سڑک بنوائی؛ اسرائیلی شرمن ٹینک اوپر پہنچا اور ایسی ہری پہاڑی پر کھڑا ہوا جہاں سے تبنین کا آئرش اور حارث کا ولندیزی صدر دفتر دکھائی دیتا تھا۔ اس کی نالی کبھی تبنین، چند روز بعد حارث کی سمت گھومتی؛ ہر چند ہفتے ایک دو گولے یونیفل کے احاطوں پر داغ دیتی۔

آئرش نقشوں پر یونیفل کی جنوبی حد موٹی نیلی لکیر تھی جو رشف سے ایک میل، عتیری سے جنوب اور بیت یاحون سے دو میل پرے دکھتی۔ حقیقت میں حدّاد عتیری کے کنارے، بیت یاحون کے شمال ٹینک سمیت اور رشف پر بیٹھا تھا؛ اسے دو آئرش چوکیوں سے فوجی گاڑیاں گزارنے کی عجیب اجازت بھی مل چکی تھی۔ پوچھنے پر جواب آیا نیلی لکیر یونیفل کارروائی کی آخری حد ہے، حدّاد کی شمالی پوزیشن نہیں۔ مگر جو زمین کھو دی گئی وہ اب کارروائی کا علاقہ نہ رہی۔ نقشے جھوٹ بول رہے تھے۔ بیگن آئرشوں کے خلاف ”خون کے بدلے خون “کی خبر دے چکا تھا؛ کون سپاہی جا کر لکیر سچی کرتا؟

خود احتسابی یونیفل کی قوت نہ تھی۔ ارسکین کے دوروں میں دکھائی دیتا کہ تلخ حقیقت کس طرح دفتر کی زبان میں نرم ہو جاتی ہے اور مینڈیٹ پر عمل کے بجائے بحث ہوتی ہے۔ اصول تھا:

برے کام میں بہتر صورت، بہادر چہرہ۔ ایک بہاری صبح حارث میں دو ولندیزی کمپنیاں نیلی ٹوپیوں میں پریڈ پر کھڑی تھیں، بوڑھے گراموفون سے پتلی فوجی دھن نکلی، گرمی میں ایک سپاہی بے ہوش ہو کر رائفل سمیت گرا۔ پھر مالٹے کا رس، ہیلی پیڈ پر سلامی، اور جنرل اپنی چھڑی کے ساتھ بیل ہیلی کاپٹر کی کھڑکی میں بلی کی طرح سمٹ گیا۔

فضا سے جنوبی لبنان تہ در تہ پہاڑیوں، پتھروں، ہر چوٹی کے شکستہ گاؤں، مینار اور چھوٹی یونیفل چوکی کا منظر تھا۔ دس منٹ بعد مشین ساحل پر فرانسیسی رسدی یونٹ کے اوپر آئی؛ ناقورہ صرف تین میل جنوب تھا۔ مگر ہیلی کاپٹر سیدھا جانے کے بجائے تقریباً ایک میل بحرِ روم کے اوپر نکل گیا، پھر لہروں سے ذرا بلند جنوب مڑا۔ درمیان کی باریک زمینی پٹی حدّاد کے پاس تھی اور اس کے آدمی ہیلی کاپٹروں پر فائر کرتے تھے۔ جنرل کو اپنے صدر دفتر لوٹنے کے لیے ہر بار سمندر کا چکر لگانا پڑتا۔ ناقورہ اپنے ہی لشکر سے کٹی قلعہ بندی تھی۔

ارسکین دفتر میں امن قائم رکھنے کے نظریے پر سکون سے گفتگو کرتا :مینڈیٹ کو امن نافذ کرنے میں بدلنے کے لیے شریک ممالک کی رضامندی چاہیے، موجودہ حالات میں تبدیلی الٹا نقصان دے سکتی ہے؛ موجودہ وضع پوری طرح اطمینان بخش نہ بھی ہو تو دو برائیوں میں کم ہے؛ مسئلہ سیاسی اور پیچیدہ ہے، سیاسی حل کے لیے سنجیدہ کوشش چاہیے۔ باہر بھاری توپ گرجی، —دھماکے آئے، کھڑکی لرزی۔ اس نے معاون سے سبب معلوم کرنے کو کہا مگر جملے جاری رکھے غیر اطمینان بخش وضع"، "پیچیدہ مسئلہ"، "ممکنہ حل"—یہ لبنان کی سرکاری زبان تھی۔"

نوجوان اے ڈی سی اندر آیا" :سر، صور پر شدید گولہ باری ہو رہی ہے۔ "ہم دفتر، باورچی خانہ پار کر کے بحرِ روم کے اوپر تنگ بالکونی میں کھڑے ہوئے۔ اسرائیلی اور ملیشیا توپیں قدیم اسکندری شہر پر گولے برسا رہی تھیں۔ روشن گولے آتشیں شمع دانوں کی طرح سمندر کی طرف قطرے ٹپکاتے، ساحل، پہاڑیوں اور نیچے بجری پر دوڑتے آپریشن روم افسروں کے چہرے روشن

کرتے۔ ارسکین دیر تک دیکھتا رہا، پھر بولا" :آج رات لوگ صور خالی کرنا شروع کر دیں گے۔ "
مگر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ناقورہ حدّاد اور اسرائیل کا قیدی تھا—جس طرح اقوامِ متحدہ خود لبنان کی قیدی بن چکی تھی۔

باب 6

آنے دو اُنہیں!

رابرٹ فسک

"یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات اب، کل یا اگلے ہفتے بدتر ہوں گے؛ مگر ایک دن فیصلہ ہونا ہے۔ جلد یا بدیر ہمیں جنگِ آزادی لڑنا پڑے گی۔ "— بشیر جمیل، 10 اگست 1980ء

بیروت میں کہا جا رہا تھا کہ لبنان کے دیودار مر رہے ہیں۔ 1980ء کی سردیوں میں شبہ ہوا کہ بعض پندرہ سو سالہ درخت کسی وائرس کا شکار ہیں؛ گویا جس ملک کی علامت رہے، اسی کی سیاسی جسامت کی طرح اب لاعلاج بیمار ہو چکے۔ لامارتین نے انہیں "دنیا کی مشہور ترین قدرتی یادگاریں "کہا تھا، مگر اسکولی لڑکے کی طرح ایک عظیم تنے پر اپنا نام کھودنے سے باز نہ آیا۔ بائبلی زمانے میں جبلِ لبنان پر "خداوند کے دیودار "کا وسیع جنگل تھا، انہی کی لکڑی یروشلم کے ہیکل میں لگی۔ اب چند قدیم درخت بشرّی اور کوہِ شوف کے اوپر باروک کی بلندیوں پر باقی تھے۔

وزارتِ زراعت نے بشرّی کے تنوں پر سرمئی پھپھوند کا اعلان کیا اور کیمیائی ٹیکے لگانے کی بات ہوئی۔ پرانی سیاحتی کتابیں کہتی تھیں معاصر الشوف کے اوپر ایک گھاٹی میں بھی دیودار ہیں۔ وہاں جانے والی بسیں کب کی بیروت کی سڑکوں پر رکاوٹیں بن چکی تھیں، رہنما رخصت۔ کرسمس 1980ء سرد تھا، صنّین پر پہلی برف، بیروت کے جنوب شاہراہ پر سمندری پھوار کی دھند اور زیریں شوف پر کالے بادل۔ بیت الدین کے ویران محل کے پاس سیلاب تھا۔ باروک کے قریب چھ ہزار فٹ اونچی ننگی سرد پہاڑیوں میں سبز رنگ کا ایک دھندلا سا داغ دکھائی دیا۔

مرکزی سڑک کے کنارے زنگ آلود تین اشارے بھوت سی سیاحت کو دیوداروں کی طرف بلاتے تھے۔ ایک گلی میں تین بوسیدہ جھونپڑیاں — کبھی چھٹیاں منانے والوں کو بیئر دیتی تھیں — نم دیواروں پر بھدے دیودار بنائے کھڑی تھیں۔ پاس کے چھوٹے جنگل میں نوجوان درخت تھے، بعض بھورے اور مردہ۔ دیہاتیوں نے بے دلی سے کہا اصل دیودار بہت اوپر، تقریباً ناقابلِ رسائی ہیں۔ معاصر الشوف کے باہر دروز اشراف کی خوش حال ماضی بتاتی حویلیوں کے پاس جنبلاط ملیشیا کے جوان خودکار ہتھیاروں کے ساتھ ناکہ لگائے تھے۔ ہم نے دیودار دیکھنے کی بات کی تو مدھم مسکراہٹ کے ساتھ راستہ دے دیا۔

تنگ سڑک انگور کے باغات اور اجڑے مالٹوں کے درمیان بل کھاتی باروک کی چٹانوں پر چڑھی۔ ہزار فٹ بعد گڑھے، ایک گاڑی جتنی چوڑائی، اور مردہ فرانسیسی تعمیراتی دستوں کے بنائے ہیرپن موڑوں کے نیچے ٹوٹی کاریں۔ تین ہزار فٹ پر درخت غائب؛ اوپر سبز جھرمٹ چوٹی سے چمٹا تھا۔ کتاب کے مطابق آخری دو ہزار فٹ خچر پر طے ہونے تھے، مگر پرانی سڑک چلتی رہی۔ ساڑھے چار ہزار فٹ پر چٹانوں پر برف؛ ایک بوڑھا ملیشیا والا، سخت جھری دار چہرہ اور ہڈیوں کو نہ بچا سکنے والا کوٹ، رائفل پتھروں پر رکھے زمستانی ایندھن کے لیے لکڑی پرانی سفید گاڑی میں بھر رہا تھا۔ "دیودار؟" اس نے اوپر اشارہ کیا۔

پانچ ہزار فٹ پر پانچ خانہ جنگ زمستانوں کی برف نے سڑک توڑ دی تھی۔ کار بڑے پتھروں پر چرچراتی، اچھلتی؛ ہوا کم، اسٹیئرنگ سخت اور سانس پھولا۔ پانچ ہزار نو سو فٹ کے بعد پہیے کنارے سے پتھر گھاٹی میں لڑھکاتے ایک اور موڑ کاٹے، افق پر گھنی گہری سبز چھت نمودار ہوئی۔ اگلے خم پر ہم دیوداروں کے درمیان تھے۔

وہ نہ بیمار تھے نہ مر رہے تھے۔ صدیوں کی ہوا سے تنے گرہ دار، شاخیں عمر کے بوجھ سے موٹی مگر مضبوط؛ منجمد ہوا میں آہستہ، مسحور کن جنبش۔ باد ان کے اندر زندہ مخلوق کی طرح

سسکارتی اور کوڑے برساتی۔ بادلوں کی سطح سے اوپر جنوب میں وہ پہاڑ پھیلے تھے جو کبھی فونیقیا اور فلسطین، مشرق میں قدیم شام کہلاتے۔ شہروں اور ملیشیاؤں سے بہت بلند، جہاں کوئی بندوق بردار، زعیم، فوج، مینڈیٹ یا میثاق نہیں، اب بھی ان درختوں سے ہیکل بن سکتا تھا۔ لامارتین کا خیال تھا وہ تاریخ سے زیادہ زمین کی تاریخ جانتے ہیں؛ شاید اسی لیے ان بلندیوں پر بچے جہاں برف، باد اور پہاڑ ان لبنانیوں کو دور رکھتے تھے جو دیودار کا نام بے مصرف لیتے رہے۔

ملک کے جھنڈے میں الٹے سرخ و سفید ترنگے کے بیچ دبا، پاسپورٹ اور ورک پرمٹ پر مہر، پرانے بوئنگ 707 کی دم پر نقش دیودار ملیشیاؤں نے چرا کر مسخ کیا۔ مغربی بیروت کے جماعتی بینروں پر درخت ناممکن سیاسی مطالبات کے پالے تلے جھکا؛ مشرق میں فالانج نے اسے تکون اور دائرے کی بے جان مساوات میں بند کر دیا۔ استحصال اور غفلت دونوں ہی نے دیودار کو اس ملک کی سچی، طنزیہ علامت بنایا۔

بشرّی کی دکان میں عورت نے دیودار کی راکھ دانی دکھائی" :صرف گری ہوئی مردہ شاخوں سے بناتے ہیں؛ درخت کو نقصان قانوناً منع ہے۔ "چند منٹ بعد برف میں نوجوان ایک عظیم دیودار کی نچلی شاخیں منظم انداز میں نوچ رہے تھے۔ خلیل جبران نے لکھا تھا" :تمہارا لبنان تمہیں، میرا لبنان مجھے؛ تمہارا سیاسی لبنان اور اس کے مسائل، میرا فطری لبنان اور اس کا حسن۔ "اب یہ امتیاز بھی باقی نہ تھا۔ جبران کی قبر جنگل سے ایک میل سے کم دور تھی۔

عجیب یہ کہ 1980ء کے موڑ پر بیروت میں رہنے والے صحافی کے لیے لبنان ایک توازن بن چکا تھا جسے باہر والے نہ سمجھتے۔ عرب دنیا، ایران اور افغانستان کی عظیم ہلچل کے مقابل بیروت کی افراتفری میں اپنی داخلی استقامت تھی۔ ملک کی دراڑیں پہچانی گئیں تو ہم کم اجنبی محسوس ہوئے؛ خطرناک مگر مانوس شخص کی عادتیں آخر محبوب لگنے لگیں۔ جتنا سیکھتے، اتنا محفوظ سمجھتے—اور اسی لیے زیادہ غیر محفوظ ہوتے گئے۔

خطرہ صرف لبنان میں نہیں تھا، باہر واقعات کا پیمانہ رزمیہ تھا۔ 1979ء میں ٹائمز گیارہ ماہ بند رہا تو میں کینیڈین ریڈیو کے لیے انقلابِ ایران لکھتا رہا۔ قم میں آیت اللہ خمینی چند فٹ سامنے امریکا کی برائی، شاہ کی واپسی و مقدمے اور اسلامی جمہوریہ کی ابدیت پر درس دیتا، مگر انسانوں میں کسی کو نہ دیکھتا۔ نگاہ ناقص قالین پر روشنی کے ایک ذرے میں گڑی رہی؛ مترجم صادق قطب زادہ تک کی طرف نہیں—وہی شخص جس کی پھانسی پر بعد میں سکون سے راضی ہوا۔

خمینی تہران کے امریکی سفارت کاروں، ''جاسوسی کے اڈے'' کی قید قبول کر کے امریکا کو کاغذی شیر ثابت اور خلیج کی امیر عرب ریاستوں کا اعتماد توڑ سکتا تھا۔ لبنان میں ایسی اخلاقی قطعیت، ایسا انقلاب نہ تھا۔ میں فارس کے صحراؤں سے اصفہان، شیراز اور تبریز تک ٹوٹی کھڑکیوں والی ریل میں سفر کرتا؛ ہر دیوار خمینی کا پوسٹر۔ قم کی مذہبی عدالت میں شاہی فوج کا وارنٹ افسر شہریوں پر گولی چلانے کے الزام میں ان اصولِ انصاف کا سہارا لیتا جو انقلاب میں موجود نہ تھے۔ ایرانی تاریخ اخلاقی تمثیل :خمینی آسمانی، شاہ کے تاج کے نیچے دو سفید سینگ؛ خدا ایران کے ساتھ، امریکا شیطانِ بزرگ۔

اس کے مقابل لبنان پیچاپا ڈھانچا تھا۔ ہر سفر کے بعد گولہ خوردہ ٹرمینل اور جھاڑیوں بھرے راستے والے بیروت ہوائی اڈے، سمندر کنارے گھروں، شوف کی پکنک یا برمانا کے کھانے کو لوٹتے۔ لبنانی آئرلینڈ کے دور دیہات کو ٹیلیکس ملا سکتے، کابل کی پرواز یا بعلبک کے مندروں کے سامنے ہفتہ وار چھٹی طے کر دیتے۔ یورپ سے آؤ تو نم گرمی، بدحال کھجوریں، عربی کافی، پھلوں اور مصالحے دار گوشت کی بو—مشرق کا آغاز۔ ایران سے آؤ تو برطانوی اخبار، ہر بار میں جن ٹانک، فرانسیسی، اطالوی یا جرمن کھانا—مغرب کا آغاز۔ سب کے لیے سب کچھ، اپنے تشخص پر شاذ ہی سوال۔

ہم ویزوں کی تپتی قونصل خانوں میں پسینے کے دھارے اور بھرے جہاز میں نشست کے لیے لڑتے، قریب سے دیکھی تاریخ کا مطلب بھول جاتے۔ ڈگلس ہوم کے بقول ہم کوئلے کی کان کے اصل سرے پر نوٹ بک اور بال پین سے لفظ چھیلتے، کسی علامت، اقتباس یا فقرے کے ہیرے کی تلاش میں جو واقعے کی بو اور معنی دونوں روشن کرے۔ نتیجوں سے زیادہ تصویریں لوٹتیں: ہندوکش کی برف میں افغان چھریوں سے گھری روسی لاری، سوویت کرنل کا خاموشی سے مجھے رائفل دینا؛ ایرانی محاذ پر عراقی گولہ باری میں سر ننگا، قرآن سینے سے لگائے مسکراتا پاسدار؛ شمالی تہران میں بیٹے کی قبر پر ”بابا میرے لیے نہ رونا“ پڑھتا بوڑھا باپ اور پھر مٹی پر بے قابو رونا۔

سادات کے قتل کے بعد آنکھ بند مصری بنیاد پرست تفتیش کی قطار میں تھے، بے خبر کہ پولیس کے ہاتھ استرے ہیں۔ سب سے بڑھ کر لاشیں: دزفول میں دھوپ تلے عراقی جسم جن کی سڑاند ہیلی کاپٹر تک؛ بصرہ کے باہر بارودی کھیتوں میں دو ٹکڑے ایرانی نوعمر سپاہی؛ فاؤ کی دلدل میں ریت کی بوریوں کے ساتھ گلتا عراقی، سیاہ مردہ انگلی میں چمکتی سونے کی شادی کی انگوٹھی۔ سیاسی نقشہ واضح تھا: سادات کی موت، شاہ کا زوال اور افغانستان پر سوویت یلغار امریکی ضعف و وقار کے زیاں کی خبر؛ مگر بنیاد پرستی، خمینی کا الہام اور افغان مزاحمت کا ابھرتا اسلامی—خصوصاً شیعہ—اعتماد ہر علاقائی ملک، لبنان سمیت، کو چھونا تھا۔

پھر بھی لبنان کا اندرونی انہدام الگ، مانوس اور مستقل دکھائی دیتا۔ دبئی، ابوظبی، عمان یا قاہرہ میں پرواز کی قطار سے بیروت کے بوڑھے 707 کی دم پر بھاری سبز شاخوں والا دوستانہ دیودار نظر آتا تو گھر کی محبت ہوتی۔ حتیٰ کہ واپسی پر خبر ملتی کہ بشیر جمیل نے کیمل شمعون کے ”ٹائیگرز“ کو مٹانے کا فیصلہ کر لیا، تو یہ بھی بند جنگ کا مقامی باب لگتا۔ بشیر مارونی اقتدار اور ناجائز ٹیکس قومی لبرل پارٹی سے بانٹتے تھک چکا تھا۔ چھتیس گھنٹے میں فالانج نے ٹائیگرز کی بیرکیں اور

دفاتر لے کر سیکڑوں شہری قتل کیے، پھر مشرقی بیروت کو شہریوں کو "دہشت زدہ "کرنے والے ڈاکوؤں سے "پاک "قرار دیا۔

مغربی بیروت میں شامی بالادستی اس ادارے کے خلاف اسی درندگی سے ظاہر ہوئی جو قومی جھوٹ کو للکارتا تھا۔ سلیم اللوزی ذہین، زرخیز قلم صحافی، دو سیاسی ناولوں کا مصنف اور جرأت مند نفیس جریدے الحوادث کا بانی تھا۔ اس کی سخت نثر اور کبھی ناقص خبریں ساتھیوں میں ناپسند تھیں، مگر شامی اقتدار کی بدعنوانی پر تنقید حسد بھی جگاتی اور دمشق کی نفرت بھی۔ لندن کی حفاظت سے ادارت کرتے ہوئے 1980ء کے آغاز میں مختصر بیروت آیا۔ 24 فروری کو ہوائی اڈے جاتے شامی چوکی کے قریب اغوا؛ 5 مارچ کو عرمون کے جنگل میں برف تلے نیم محفوظ لاش ملی۔ پاؤں بندھے، گردن کے پیچھے دو گولیاں؛ لکھنے والے دائیں ہاتھ کا گوشت چھری یا تیزاب سے اتارا گیا۔

یہ لبنانی صحافیوں کے لیے تحریری ہاتھ پر لکھا انتباہ تھا۔ سرکاری طور پر وہ بیروت کے بدنام نامعلوم بندوق برداروں "کا شکار، غیر سرکاری طور پر کمال جنبلاط کی طرح دمشق کی توقیر مجروح" کرنے کی قیمت۔ صحافی یونین کے صدر ریاض طٰہٰ بھی قتل ہوئے؛ حکومت نے مذمت اور قاتلوں سے لاعلمی ظاہر کی؛ دونوں جنازوں پر شامی محافظ کھڑے تھے۔ رائٹرز کے بیروت سربراہ برنٹ ڈیبسمین نے حماۃ اور حلب کی حکومت مخالف تحریک کی خبریں دیں تو دو مسلح افراد نے مغربی بیروت میں پیٹھ پر گولی ماری۔ اے یو بی ہسپتال میں فتح کے پہرے کے بعد وہ ملک چھوڑ گیا۔ بی بی سی کے ٹم لیولین اور ایک برطانوی معاون بھی خطرہ محسوس کر کے نکلے۔

فالانج نے غیر ملکی صحافیوں کو مشرقی بیروت منتقل ہونے کی دعوت دی۔ ہم مغرب میں اس لیے رہتے تھے کہ سفارت خانے، مواصلات اور خبر رساں ادارے وہیں تھے۔ یہاں رہنا خطرناک، مشرق منتقل ہونا سیاسی اعلان تھا؛ دعوت مؤدبانہ رد ہوئی۔ ہم نے اللوزی اور طٰہٰ کے قتل اور ممکنہ

مجرم لکھے، حلب جا کر اسد مخالف شور دیکھا، ڈیبسمین پر حملہ رپورٹ کیا اور اگلے واقعے کا انتظار کیا۔ بشیر نے پھر تشہیری یلغار شروع کی :اگر رپورٹر مسیحی حفاظت میں نہ آئیں تو کم از کم اس کے اعتماد میں لائے جائیں۔ پہاڑیوں پر شاندار ظہرانے؛ ملیشیا سردار اب مفکر، سیاست دان، شاید مدبر۔ مگر غنڈے اور گینگسٹر کا پرانا نقش اترتا نہ تھا—شاید وہ خود اتارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

عین سعادہ کے بیٹھک کمرے میں بوڑھا کمزور، مسلسل سگریٹ پیتا توفیق یوسف عواد؛ ڈراما نگار ریمنڈ جبارہ نیلے مگ میں سرد بیئر اور لطیفے؛ جاپانی فن کی کتابیں، گلوسٹرشائر کے دیہات کی تصویریں، پوچینی، شونبرگ اور بیتھوون کی سوناتائیں۔ صرف بالکونی میں سبز چشمے کے پیچھے مشرقی بیروت اور سمندر کو گھورتا قدرے فربہ شخص بے محل تھا۔ بشیر داخل ہوا تو سب نے حرکت دیکھی۔ چشمہ اتارا، بڑی آنکھیں ہمیں یوں پرکھتی تھیں جیسے حادثے کا زخمی ڈرائیور ٹکر مارنے والے کو شناخت کرے—ہم سب مجرم۔ بتیس برس کا بشیر اب بھرا جسم، سرد بے آہنگ آواز، مسرت و شفقت کی جگہ بے دلی؛ بے مزاح نگاہ، مردہ گڑیا کی آنکھیں۔

اس نے ٹائیگرز کا قتل ”لبنانی افواج “کی داخلی تقسیم کا حل بتایا۔ دعویٰ تھا تین چار ٹینک رکھنے والا اپنی سیاسی اہمیت انہی سے ناپتا :تین ٹینک پر وزیر، پانچ پر وزیرِ زراعت، پانچ ہزار آدمی اور پانچ ٹینک پر وزیرِ داخلہ۔ ”میں اپنی، بھائی، دانی اور سب کی بات کر رہا ہوں؛ مگر چھ ہزار سالہ لبنانی نصب العین رکھنے والا باغ میں ٹینکوں کی تعداد سے اہمیت ثابت نہیں کر سکتا۔ “اس نے حل “کا فیصلہ خود کرنے کا اقرار کیا، مقتولوں کا نہیں۔ دانی شمعون پر استادانہ افسوس” :میرے ” تعلقات اس سے اچھے، اس کے مجھ سے برے؛ ایک دن سمجھے گا یہ اسی اور نصب العین کے فائدے میں تھا۔“

ظہرانے میں مٹھائی، سیخ بھنا گوشت اور سلاد۔ بشیر نے پلیٹ بھری، جھک کر سب سے حسین نوجوان عورت کو دے دی—مارونی دربار کے طاقت ور شہسوار کی عین ادا۔ پہاڑی ہوا، زیتون میں

جھینگر، سمندر پیچھے چمکتا؛ پھر غصہ نمودار ہوا۔ لبنان کی مصیبت اس دن شروع ہوئی جب سلیمان فرنجیہ نے اقوامِ متحدہ میں فلسطینیوں کی نمائندگی کی۔ صرف لبنان میں فلسطینی قومی فوج سے زیادہ طاقت ور کیوں؟ مغرب "دہشت گردی" کے سامنے کیوں نہ ڈٹے؟ "تم ایران کھو چکے، جلد سعودی عرب اور کویت کھوؤ گے۔ لوگ کہتے اسرائیل کی مذمت کرو؛ کیوں؟ پھر امریکا اور ویٹی "کن کی مذمت مانگیں گے۔ مذمت کمزوری ہے۔

بشیر نے چھری کی نوک سے روٹی پر وار کیے" :کس نے کہا ہم منقسم لبنان چاہتے ہیں؟ تقسیم فلسطینی چاہتے ہیں؛ دو تہائی ملک پہلے انہی کے پاس۔ "روٹی میز پر ناچتی رہی۔ "یہ نہیں کہا جا سکتا حالات اب، کل یا اگلے ہفتے بدتر ہوں گے؛ مگر ایک دن فیصلہ ہونا ہے۔ جلد یا بدیر جنگِ آزادی لڑنی پڑے گی۔ "کمرے میں خاموشی :نئ فالانج خود کو فلسطینیوں کو لبنان سے نکالنے کے قابل سمجھتی تھی۔ شام کی اندرونی بغاوت اور صحافیوں کو دھمکی کا حوالہ دے کر اس نے کہا حکومت بعبدا محل کی چار دیواروں میں سبز تاش میز تک ہے؛ "میں سیاست دان نہیں، تاش کھیلنا نہیں سیکھا۔ "مگر وہ ہر معنی میں سیاست دان اور بعبدا کی میز کا امیدوار تھا۔

اس کے منصوبے فلسطینی خوابوں سے زیادہ ممکن دکھتے۔ 1980ء کے آخر شامی فوج بدعنوان، افسر منشیات اور بھتہ میں؛ مغربی بیروت کے بڑے حصے پھر مقامی ملیشیاؤں کے پاس۔ فتح کی حفاظتی پولیس کبھی شامی فوج سے مؤثر، قیمت لے کر بڑے ہوٹل بچاتی۔ فاکھانی، جہاں عرفات اور پی ایل او قیادت کے دفاتر و گھر تھے، صبرا کی توسیع اور فتح بندوق برداروں کی نگرانی میں تھا۔ دمشق سے امل کے لیے گولہ بارود، لیبیا سے شوف کے دروزوں کے لیے گولے، جونیہ کے شمال ایکوا مرینا کے پاس اسرائیلی کشتیوں سے فالانج کے ٹینک بم، وارسا سے مسافر طیاروں کے کارگو میں پی ایل او طیارہ شکن اسلحہ —لبنان میں ہتھیار دریا کی طرح آتے۔

اس کاروبار کی تہہ میں سیاسی وقار کا باریک کپڑا پھٹتا۔ جرمن فوجی لاریاں پی ایل او تک کیسے پہنچیں، سوال نے بے وفا سوداگر، بیروت ہوائی اڈے کے پاس پراسرار اغوا، جرمن قلعے میں تربیت پاتے نو نازی اور شاید پی ایل او–فالانج ربط کی کہانی کھولی۔ مرکز کارل ہائنز ہوفمان، چار سو ارکان والے جرمن ”ملٹری اسپورٹ گروپ“ کا اداس سربراہ۔ مغربی جرمنی نے 1980ء میں جمہوریت الٹنے کے مقصد پر پابندی لگائی؛ اس کے لوگ دوسری جنگ کے جرمن خود اور جیک بوٹ پہن کر ایرلانگن کے ٹیوٹونک قلعے میں مارچ کرتے۔ عزت دار لبنانی ملیشیا اعلانیہ ایسے لوگوں سے تعلق نہ چاہتی—حالاں کہ فالانج اپنی 1936ء کی جڑیں بھولتی تھی۔

فالانج وکیل نے دعویٰ کیا ہوفمان اور چار ساتھی اگست 1980ء میں مغربی بیروت کے فتح پلیٹ کے ساتھ گھومے، ”صیہونیت اور یہودیت“ سے Fo-Ru کیمپ میں رہے، سرخ لی لینڈ کار لڑنے کا وعدہ دے کر جنوبی لبنان میں عملی تربیت پائی۔ پی ایل او ترجمان محمود لبدی نے کہا ہوفمان مشرقی بیروت میں فالانج کے لیے کام کرتا ہے۔ جرمن سفارت کاروں نے پرانی مرسڈیز فوجی لاریوں کی فروخت سے لاعلمی دکھائی، جب کہ جنوب کی تقریباً ہر پی ایل او لاری جرمن مرسڈیز تھی۔ لبدی نے نرمی سے کہا” :ہر روز نفیس، آزاد خیال، اچھے لوگ ہمیں سامان بیچنے آتے ہیں؛ ہوفمان جیسے بدنام شخص کی کیا ضرورت؟“

ستمبر میں صدائے لبنان نے خبر دی ہوفمان کے چار ساتھی 24 تاریخ کو وطن واپسی کے لیے ہوائی اڈے جاتے غائب ہوئے۔ فالانج نام، شہر، رہائش، مبینہ حملے سے انکار، حتیٰ کہ سفارت خانے کے خفیہ سفری کاغذوں کے نمبر اور پاسپورٹ تصویریں جانتی تھی۔ پولیس ریکارڈ میں انہی چار نے پاسپورٹ و رقم چوری کی شکایت کی، پھر کموڈور ہوٹل کی تین راتیں گزاریں—ایک نے پچاسی ڈالر روم سروس پر خرچ کیے—اور سفارت خانے سے نئے کاغذ و ٹکٹ لیے۔ ہوائی اڈہ نہ پہنچے۔ فالانج

نے پیلی جاپانی کار، سیاہ اینٹینا والی لیموزین تک بتا کر کہا فلسطینیوں نے اغوا کیا؛ پی ایل او نے کہا فالانج کے پاس؛ سفارت خانہ بدستور بے خبر۔

جرمنی میں ہوفمان کے لوگ مرسڈیز لاریاں آسٹریا کی سرحد پار لے جاتے پکڑے گئے تھے۔ پھر جنوب میں نئی چمکتی مرسڈیزیں نمودار ہوئیں جن پر فلسطینیوں نے فضائی شناخت سے بچنے کو کیچڑ ملا، عین وہی گاڑیاں فالانج علاقوں میں بھی۔ خبر ملی چاروں اغوا کے ایک ماہ بعد لبنان سے چلے گئے۔ حقائق جمع، ملیشیا و سفارت خانوں سے سوال، مگر نتیجہ نکالتے ہی نئے سوال۔ لبنان ایسا ہی تھا؛ فیصلہ قاری پر چھوڑنا پڑتا۔

یاسر عرفات سے ملاقات بھی اسی صبر آزما معمّے جیسی۔ فاکھانی میں لبدی کے دفتر بار بار حاضری :ابھی کیوں، کن موضوعات پر؟ ’’عمومی مشرقِ وسطیٰ گفتگو‘‘۔ ٹوٹی ٹیلی فون لائن، لبدی غائب، دروازے پر بندوق بردار، گھنٹوں چائے، پھر یقین دہانی۔ ہفتے بعد وہ امریکی اہلیہ سے فون پر’’ :رابرٹ، چیئرمین کو درخواست بتا دی۔ ’’ایک اور ہفتہ، رات دس بجے ریستوران میں اچانک پیغام’’ :ایک گھنٹے میں کموڈور پہنچ سکتے ہو؟ ’’ہفتوں ضائع وقت کے بعد پی ایل او کو یکایک ہر نصف منٹ قیمتی لگتا، کار رات کی سڑکوں پر ایسی تیز کہ نشست پکڑنی پڑتی۔

فاکھانی کی چوکیوں سے گزر کر اندھیری بدحال عمارت، سائے سے نکلتے گولہ بارود پٹیاں باندھے بے چین نوجوان۔ لبدی پادری کی طرح ہاتھ جوڑ کر سرپرستی کی مسکراہٹ؛ شکستہ پلاسٹک نشستوں والے دفتر میں پھر انتظار۔ گندی تنگ لفٹ کھلی، دروازے پر ہجوم، اس میں یاسر عرفات حیرت انگیز طور پر چھوٹا :قدرے فربہ، موتی جیسی آنکھیں، سخت مختصر جسم، کوفیہ سر اور دائیں گردن پر شعوری انداز میں لپٹا—’’میں عرفات ہوں ‘‘کا اعلان—جسے وہ بار بار درست کرتا۔

چہرہ دل کش بھی، کسی طرح رسوا بھی؛ بڑی متحرک آنکھیں، کھردری مونچھ، ژاں پال بیلموندو کی ہلکی جھلک، مگر تین دن کی داڑھی رات سڑک پر گزارنے والے آدمی کا تاثر۔ وہ نہ

شراب پیتا تھا، داڑھی جلدی خارش چھپاتی، پھر بھی انقلاب کی تھکن۔ نوجوان اس کی تصویر چی گویرا کے پاس نہ لگاتے؛ چہرے میں جوان شوخی، الہام یا طاقت نہیں۔ درمیانی عمر کی نگاہیں لبدی اور مشیروں پر مسلسل خطرے کی علامت ڈھونڈتیں۔ جی چاہا کہوں" :مسٹر عرفات، آپ کی آنکھیں کتنی بڑی ہیں "!مگر رسمی عرب رہنما سے صرف شکریہ ادا کیا۔

1981ء میں اس نے مشکل انگریزی پر اصرار کیا، لبدی اس کمزوری کو دل کش اثاثہ سمجھ کر کبھی بے مطلب گفتگو جاری رہنے دیتا، مگر سوال "ذمہ دارانہ "چاہتا—کس کے سامنے، واضح نہیں۔ عرفات افغانستان میں سوویت و گوریلا جنگ بندی کی ثالثی کو تیار اور ریگن کے پی ایل او کو "دہشت گرد "کہنے پر حیران تھا؛ کرٹ والڈہائم سے احتجاج کا حکم دیا۔ اصل موضوع غداری: کارٹر نے آتے ہی فلسطینی وطن کہا، عرفات نے تعریف میں جلدی کی؛ نتیجہ کیمپ ڈیوڈ کی "خود مختاری سازش "اور برژنسکی کا "بائی بائی پی ایل او"۔ وہ الفاظ نفرت سے تھوکتا :اب امریکی بیان نہیں، عمل کا انتظار؛ اقوامِ متحدہ کے تسلیم کردہ قانونی حقوق مانے جائیں۔

اس کا مزاج پل میں بدلتا :شاہ حسین سے تعلق دھیمی احتیاط سے، اگلے لمحے اسرائیلی دہشت گرد فوجی ٹولے "پر دم گھٹتا غصہ۔ جذبات اور نعرے کے بیچ پھنسا آدمی، مگر غصہ حقیقی۔" تراشا ہوا بیانیہ" :ہم چالیس لاکھ ہیں، بتیس برس کا المیہ؛ ساٹھ فی صد وطن سے نکالے گئے، بے ریاست؛ امریکا اخلاقی و تاریخی ذمہ دار۔ "اسرائیل کے اندر فلسطینی حملوں میں عورت بچوں کی موت پوچھو تو مٹھی میز پر، انگلی ہوا میں، لبدی گوشے میں ناخوش۔

میں نے کہا دوسری جنگوں کے گوریلا عموماً فوجی اور صنعتی اہداف تک حملہ محدود رکھتے، فلسطینی اکثر اسرائیلی بچے اور عورتیں قتل کرتے دکھتے ہیں۔ مٹھی دھماکے سے میز پر" :بچے! صرف بچے؟ اسرائیلیوں پر یقین؟ بڑا جھوٹ !جنوب میں فینٹم، ایف–15، ایف–16، کلسٹر بم اور ممنوع ہتھیار کس پر؟ اسرائیل کو جدید اسلحہ کا حق، مجھے اپنے بچوں کے دفاع کا نہیں؟ "وہ

)سرطان (کہتا۔ tumours)افواہیں (کو بار بار rumors)جھوٹ (کے بجائے lies انگریزی لفظ کیا اسرائیلی شہری نہیں مرے؟ ''ٹیومر ''!حالیہ حملے میں بچے؟ ''ایک اور بڑا ٹیومر ''!سوال کیوں؟ نگاہیں سازش کا حکم دینے والا ڈھونڈتی رہیں۔

مجھے مزاحمت کا حق؛ وہ میرے وطن سے نکلیں۔ ''آواز ریکارڈر کی سرخ حد تک، '' :گھٹنا میز ہلاتا۔ میں نے پھر عورت بچوں کا ذکر کیا۔ ''میں خلاف ہوں۔ ''سکوت۔ پھر مگر ان شہریوں سے پوچھو میرے وطن میں کیوں رہتے ہیں۔ ''کیا ایسے واقعات غلطی؟'' غلطی۔ ہاں، میں خلاف ہوں؛ مگر وہ اس المیے، اس جرم میں اپنی حکومت اور اسرائیلی '' فوجی ٹولے کے ساتھ شریک ہیں۔ ''غصے کے بوجھ سے اس کی انگریزی کے فعل اور زمانے ٹوٹے، سانس پھولا؛ لبدی نے چائے منگوا کر اگلا درد ناک سوال روکنا چاہا۔

فلسطینی ریاست کا ذکر لونگ کا مرہم تھا۔ عرفات فوراً جذباتی خواب میں :مشرقِ وسطیٰ کا جمہوری نخلستان، آزاد خیال جمہوریت۔ ''ہمیں انقلاب کی جمہوریت پر فخر؛ بندوقوں کے درمیان سب سے مشکل جمہوریت، یہی مجاہد آزاد ریاست میں بھی رکھیں گے۔ ''جمہوریت کا تکرار اسرائیلی دہشت گردی ''کے تکرار جیسا—لفظ کافی بار کہو تو ہر بات جائز اور شاید خود بھی یقین۔''

اس نے جنگی جیکٹ سے شکن زدہ نیلا ایک فلسطینی پاؤنڈ نکالا :برطانوی مینڈیٹ کا عربی و عبرانی نوٹ، ''عرب اور یہودی ایک فلسطین میں ساتھ تھے۔ ''وہ یہ نہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مینڈیٹ دوستی یا جمہوریت نہیں، استعمار تھا؛ نوٹ پر ''اینگلو-فلسطین بینک ''میں اینگلو پہلے تھا۔ خواب میں اس کی زندگی میں مشترک یہودی-عیسائی-مسلم ریاست، برابر شہریت؛ 1969ء کی پی ایل او تجویز ثبوت۔ سابق فلسطینی گھروں کے یہودی نکالے جائیں گے؟ ''نہیں، انتظام، حل؛ مگر واپسی کا حق مانیں۔ ''سات برس شکست و المیہ کے بعد ہی وہ تقسیم اور اسرائیل کے وجود کو قبول کرے گا۔

میں نے پوچھا فلسطین بنا تو متعدد بار داخلے کا ویزا ملے گا؟ چہرہ سخاوت سے روشن" :کیوں نہیں؟ "مشیر نے کان میں کہا تو فوراً اضافہ" :ہاں—اگر میں صدر ہوا۔ "جمہوریت یاد دلائی گئی تھی۔ لبنان پر چند الفاظ :وطن کی جدوجہد جاری، پھر لبنان چھوڑ کر میزبانی کا شکریہ؛ لبنانی بہت دکھ جھیل رہے ہیں۔ اس پر بشیر اور عرفات متفق تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل :بشیر اس لیے پریشان کن کہ دھمکی دیتا، عرفات اس لیے خوف ناک کہ دوست بننا چاہتا۔

دونوں شام کی دم گھونٹ قربت میں تھے۔ اسد کے زیرِ اقتدار کم از کم آٹھ خفیہ ادارے، ایک بھائی رفعت کے پاس۔ حافظ الاسد دشمنوں کے نقش جتنا فطری شر نہیں؛ نجی زندگی بے داغ، حب الوطنی حقیقی مگر خود مرکز، سیاسی طاقت اور انسانی کمزوری کی غیر معمولی سمجھ۔ اس نے آزادی کے بعد شام کو پہلا طویل استحکام دیا، خود کو اسی سے ایک سمجھا؛ سنجیدہ مخالفت بعث، قیادت اور قوم سے غداری۔ بین الاقوامی سازش دمشق میں عقیدہ تھی۔ 1983ء کا معمولی دل کا دورہ ہی اسے فنا کا اشارہ دے سکا؛ باقی مخالفت بے رحمی سے کچلی گئی۔

ایمنسٹی 1974ء سے شامی تشدد لکھ رہی تھی :پاؤں کے تلووں پر مار، لاٹھی، فولادی کیبل، جنسی حملہ، کلائیوں سے لٹکانا، ہڈیاں توڑنا، خفیہ پھانسیاں؛ بعض 1963ء سے قید۔ حلب کے فوجی جیل میں ناخن اکھیڑنے کا روسی آلہ، گوشت نوچنے کی قینچی، اور "العبد الاسود "جس کی گرم نوک جسم کے اندر آنتوں تک پہنچتی۔ بعد میں "جرمن کرسی "آہستہ ریڑھ توڑتی، مقامی "شامی کرسی " تیزی سے۔ اسرائیلی جیلوں میں بھی برقی جھٹکے اور جسمانی تشدد کی دستاویزیں تھیں؛ دونوں ریاستیں اپنی پولیس کو انسانی معیار کی پابند کہتی تھیں۔

شام کے تشدد کا ایک پرانا استاد برطانوی سفارت خانے کے قریب درختوں والی جارج حدّاد گلی میں رہتا تھا۔ اکہتر سالہ آسٹریائی پنشنر "جارج فشر"، چھت پر خرگوش، روز دس بجے چہل قدمی، ہفتے میں اموی مسجد کے پاس حمیدیہ بازار سے سبزی؛ امتیاز نیلی آنکھیں، چار کٹی انگلیاں اور

کلاشنکوف بردار مخابرات۔ زرد عمارت کی تیسری منزل، گھنٹی پر نام نہیں، گیٹ کے سامنے چمڑے کی جیکٹ میں پستول بردار، دونوں سروں پر مزید محافظ۔ 1981ء کے ویانا پارسل بم نے انگلیاں اڑا دیں۔ پڑوسی کو کہا کبھی شامی فوج کے جرمن شیفرڈ تربیت دیتا تھا؛ نشے میں اقرار کیا پرانے خفیہ ادارے کو برقی کیبل سے مارنے، خودکار پانی سے زخم کھولنے والی چرخی سکھائی۔

اس کا اصل نام الوئس برونر تھا :ایس ایس افسر، آئخمان کا مددگار، ویانا کے یہودیوں کی گرفتاری اور 1943ء سالونیکا سے 46,091 یہودیوں کو آشوٹز بھیجنے کے احکام پر دستخط؛ یونانی زندہ بچنے والوں کے مطابق دونوں ہاتھوں میں ریوالور، قیدیوں کو کوڑا۔ پھر فرانس کے درانسی کیمپ سے مزید چوبیس ہزار مشرقی یورپ کے موت کیمپ۔ 1950ء کی دہائی قاہرہ میں ناصر کی پولیس کو تفتیش، متحدہ عرب جمہوریہ میں دمشق، 1960ء مشرقی جرمنی سے دو ہزار جاسوسی آلات۔ اسد نے 1971ء میں اسے شرم ناک ورثے کے طور پر پایا، خاموش رہنے کے بدلے پنشن اور پناہ دی۔

شام اسے نکالتا تو اپنی خفیہ پولیس کو پیغام دیتا کہ نئی حکومت آنے پر جرائم کا حساب ہو سکتا ہے؛ پھر جلاد مخالفوں سے سمجھوتہ کیوں نہ کرتے؟ اس لیے برونر محفوظ آدمی تھا۔ 1983ء میں وزارتِ اطلاعات سے پوچھا تو عادل زعبوب نے کہا ایسا شخص شام میں نہیں، پھر فوراً" :آپ شام سے اچھے تعلقات جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ "کیا دھمکی؟ "ہم دھمکی نہیں دیتے: بس سمجھتا ہوں آپ تعلقات چاہتے ہیں۔ "سویڈش پڑوسی کے ذریعے انٹرویو مانگا تو برونر کا جواب: "شامی حکومت سے کبھی انٹرویو نہ دینے کا معاہدہ کیا ہے۔ "دستاویزوں پر دستخط کا اسے خاص تجربہ تھا۔

مگر مسلح بغاوت پر اسد کو سیاسی شرم نہ تھی۔ 1980–81ء میں سنی اخوان المسلمون نے سرکاری عمارتوں اور افسروں پر بم و قتل کیے۔ حلب کے "تنظیمِ علمائے حلب "نے شریعت، ہنگامی حالت کا خاتمہ، قیدیوں کی رہائی، برطرف اساتذہ کی بحالی، گم راہ کن پروپیگنڈے کا اختتام اور مکمل

آزادی مانگی۔ شام نے اسرائیل و فالانج کی سازش سمجھی، مگر پکڑا اسلحہ ترکی سے تھا جہاں الپ ارسلان ترکیش کے گرے وولوز اسلامی قانون مانگ رہے تھے۔ حلب اور ہمیشہ سرکش حماۃ میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔

عاصی کے کنارے حماۃ خوب صورت قدیم سنی شہر؛ محفوظ سنگی دیواریں اور چرچراتے لکڑی کے عظیم نواعیر۔ خاندان دریا کنارے تربوز ٹھنڈے کرتے، بچے پہیوں کے پھلوں پر چڑھ کر پانی میں چھلانگیں لگاتے۔ 1981ء کے خزاں میں شہر کے اکلوتے گندے ہوٹل میں رات خودکار فائر سے ٹوٹی۔ تین خوف زدہ غیر ملکی امدادی کارکنوں نے بتایا شہر بعث حکومت کے خلاف قریب بغاوت ہے۔ درجنوں بعثی عہدیدار گھر میں بیوی بچوں سمیت قتل، بعض علوی؛ جواب میں رفعت الاسد کی خصوصی فوج اور مخابرات پھانسیاں، تشدد اور مار پیٹ کر رہے تھے۔

ڈاکٹر اور انجینئر خاص ہدف۔ فولاد کارخانے کا نائب مدیر سڑک پر پیٹا؛ اخوان سے منسوب شیشکلی شہر باہر ملا، آنکھیں نکلی، چہرہ تیزاب سے جلا، خصی۔ چھ ہفتوں میں گیارہ نوجوان عاصی کنارے گردن کے پیچھے گولی؛ غیر ملکیوں نے ایسٹر کے بعد دو سو پھانسیوں کی خبر سنی۔ ایک لاکھ آبادی میں دس ہزار عیسائی بھی رفعت کے سپاہیوں سے محفوظ نہ تھے۔ مطلوب شخص بھاگا تو باپ یا بھائی قتل۔ حماۃ زاد ایک کرنل فرائض سے متنفر ہو کر لبنان تبادلہ مانگ لایا، ایک ہفتے میں مغربی بیروت میں ساتھیوں سمیت قتل؛ اخوان کا ہاتھ طویل تھا۔

سنی اخوان کی تحریک میں ایرانی انقلاب کا سایہ۔ دیواروں پر ”قیادتِ انقلابِ اسلامی شام“ کے پوسٹر، مخابرات اتارتی؛ دمشق کی فضائیہ و فوجی خفیہ عمارتوں، روسی انٹیلی جنس، سرایا اور تفتیشی مراکز پر حملوں کی فہرست، قرآن کی تمہید، دعویٰ صرف حکومتی مجرم ہدف۔ فروری 1982ء بغاوت اٹھی تو شام نے فون اور سڑکیں کاٹیں، صحافیوں کو ”جان لیوا صورت“ کی وارننگ—مشورے سے زیادہ دھمکی۔ رفعت کے دستے گواہ نہ چاہتے تھے۔

دو آئرش دوست حلب میں تھے۔ 17 فروری ٹیکسی سے شمال گیا، مگر پولیس نے حماۃ کے گرد دور چکر دیا۔ اگلی صبح واپسی پر بارہ میل دور افق پر چار پانچ میل چوڑی بھوری دھوئیں کی تہہ۔ ایک اور رخ موڑنے کا حکم، مگر دو اٹھارہ سالہ سپاہیوں نے اپنی حماۃ یونٹ تک لفٹ مانگی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا لے چلو؛ لبنان نے سکھایا تھا گاڑی میں شامی سپاہی ہو تو بند راستے کھلتے ہیں۔ دونوں ''چھٹی سے واپسی پر ناخوش اور مسلسل سگریٹ'' :سولہ دن سے لڑائی، ختم ہونے کا نشان نہیں۔

مضافات کی نئی عمارتیں سالم، سڑک پر چائے بناتے سپاہی۔ ٹیکسی موڑ کاٹی تو قدیم حماۃ درختوں کے پیچھے سے نکلا :مدت سے جلتا، دیواروں اور عاصی پار گلیوں سے گہرا بھورا سرمئی دھواں؛ اندر رائفلوں کی چرچراہٹ۔ نیلی مسجد کا گنبد پھٹا، سوراخ سے سفید دھواں۔ دریا کنارے رفعت کے ٹی–62 ٹینکوں کی قطار؛ ہر منٹ نالی ہلتی، ٹینک پیچھے جھٹکتا، گولا دریا پار دیواروں میں پھٹتا۔ ایک عظیم ناعور کے بیشتر پر شیل نے توڑ دیے۔ میلے گلابی چھلاورن، خون آلود بے خواب آنکھوں والے سپاہی ٹینک کی پٹڑی سے لگ کر سو گئے؛ مخابرات ان پر بھی نگاہ رکھتی۔

کالے لباس کی عورتیں جلتے شہر کو دیکھتی تھیں۔ ایک خفیہ اہلکار کی شک بھری نظر پر مسیحی ڈرائیور بولا'' :اب نکلنا ہے۔ ''پولیس والا ساتھ بیٹھا، پھر بیس سالہ نیلا دوپٹہ لڑکی ہاتھ جوڑ کر سامنے'' :مجھے باہر لے چلو۔ بھائی کا گھر جلا، وہ نہیں؛ قبرستان میں سو سے زیادہ لاشیں، اس کی نہیں۔ خدا رحم کرے۔ ''اگلی عورت بچہ اٹھائے'' :دنوں سے خاندان کو قبرستان میں ڈھونڈتی ہوں۔ وہ دیکھتے ہیں ہم کسی مجاہد کی لاش کا دعویٰ تو نہیں کرتے۔ کھایا نہیں۔ ''میں نے مارس بار بچے کو دی، بھوکی ماں نے چھین کر خود تیزی سے کھائی؛ بچہ چیخا۔

بعث ملیشیا چوکیوں پر بکتر بند جیپوں سے عورتیں اترتیں اور پانی مانگتیں۔ ایک درمیانی عمر افسر چہرے پر سفید بارود دھول لیے بیٹھا؛ سڑکوں پر شیل گڑھے، ٹوٹی روشنیاں و شیشہ، سنائپر کے بیچ تیز چلنے کا حکم۔ ''ہمارے بعض سپاہی دوسری طرف چلے گئے۔ ہم اپنے لوگوں سے لڑ رہے

ہیں؛ تہہ خانوں میں راکٹوں کے ساتھ، زیر زمین ہسپتال۔ اخوان کے ساتھ لڑکیاں؛ ایک زخمی :لڑکی نے گرفتاری پر پیٹ سے گرنیڈ لگا کر میرے بیس ساتھی مارے۔ "دوسرے افسر نے پوچھا ہمیں یہ لڑائی کیوں، گولان کیوں نہیں؟ "حماۃ کا زیریں قدیم شہر اخوان، اوپر نئی آبادی پر بھی " گولے؛ خواتین انیسویں صدی کی جنگ کے تماشائیوں کی طرح کنارے کھڑی۔

میرا دورہ مختصر مگر محاصرے کا پہلا مغربی عینی مشاہدہ :کم از کم ایک ڈویژن، جاری بڑی لڑائی، بے شمار ہلاکتیں۔ شام نے سیکڑوں کہا؛ ہم نے دس ہزار تک اندازہ، بعض بیس ہزار—چار ماہ بعد اسرائیلی یلغار سے بھی زیادہ۔ 1983ء میں قدیم شہر، دیواریں، گلیاں اور بیت عظم عجائب گھر مٹ کر وسیع کار پارک تھے۔ دمشق پہنچا تو وزارتِ اطلاعات پر ایک ٹن بارود کا اخوان بم پھٹا؛ وزیر اسکندر احمد اسکندر معمولی زخمی۔ فون سے رپورٹ بھیجی اور بیروت چلا گیا۔

دو دن بعد شامی ریڈیو نے میری "شر انگیز جھوٹ "کہی :فسک حماۃ گیا ہی نہیں، بھوک، اندھا دھند گولہ باری، منحرف سپاہی سب فرضی۔ ٹائمز نے خبر پر قائم رہ کر داخلے کی وضاحت کی۔ دبنے کے بجائے معافی مانگنے کو دمشق ویزا طلب کیا؛ فوراً ملا۔ پٹی باندھے وزیر قومی ریڈیو کے —"محفوظ دفتر میں حقائق سے اختلاف مگر موجودگی سے نہیں۔ "کیا مجھے جھوٹا کہتے رہیں گے؟ :رابرٹ، میں نے کبھی نہیں کہا۔ "ریڈیو نے کہا۔ "میں نے نشریہ نہیں سنا۔ "پھر ہوانا سگار" صرف سچے دوست ایسا اختلاف کر سکتے ہیں۔ "برادر شام مسکرا دیا۔"

دمشق اور لبنانی مسیحیوں کا تصادم عالمی اثر رکھتا تھا۔ مغرب حماۃ و حلب کے جبر پر فکرمند، مگر اسلامی انقلاب مانگتا اخوان امریکا یا یورپ کا دوست نہ بنتا؛ لبنانی مسیحی الگ تھے۔ شام 1976ء سے بقاع، شتورا کے عرب امن فوج صدر دفتر، زحلہ، ریاق، بعلبک اور ہرمل میں تھا۔ مسیحی پہاڑوں سے شامی واپسی پر سمجھوتہ ہوا کہ صنّین کی برفانی سطح غیر جانب دار رہے :شام آیا تو مشرقی بیروت خطرے میں، فالانج پہنچی تو بقاع پر شامی قبضہ۔

سیاسی آرزو نے یہ بندوبست توڑا۔ بشیر نے فیصلہ کیا زحلہ کے یونانی آرتھوڈوکس مسیحیوں کو فالانج حفاظت چاہیے، حالاں کہ وہ مارونی بشیر کو پسند نہ کرتے۔ شامی علاقے سے گزرنے کے خوف کا بہانہ بنا کر صنّین کے مغربی ڈھلوان پر زحلہ تک سڑک شروع ہوئی؛ اصل مقصد فالانج کمک۔ دمشق نے درست شبہ کیا :جونیہ پر اسرائیلی اسلحہ اترتا؛ سڑک مشرقی ڈھلوان تک پہنچی تو اسرائیلی ٹینک اچانک بقاع میں شامی فوج کاٹ کر حمص کی سرحد تک شام دو ٹکڑے کر سکتے۔ سڑک روکنا ضروری تھا۔

عمر شریف کی جائے پیدائش، سنگی ہوٹل اور خوب صورت دریا والا زحلہ پہلے ہی لڑ رہا تھا۔ 1980ء کے آخر بشیر صرف مارونی نہیں، تمام مسیحی لبنان کا قائد بننے کے لیے اندرونی فالانج کو شامیوں پر حملے دلاتا۔ بہار 1981ء شہر محاصرے میں، ٹینک گولے، درجنوں شہری۔ اسرائیل نے "نسل کشی "کا شور، بشیر نے رد نہ کیا۔ مشرقی بیروت شامی توپوں کی زد، فالانج صنّین کی منجمد زمین میں خندقیں کھود کر برف پار مارٹر پھینکتی۔ دنیا کو—خصوصاً اسرائیل—یہ مسیحیت کو مسلم ہجوم سے بچانے کی عظیم جنگ دکھائی؛ حقیقت میں گندی برف، بھوری مٹی اور برف چیرتی ادھوری فوجی سڑک کی افسردہ لڑائی۔

یروشلم نے کہا زحلہ کے مسیحیوں کا "قتلِ عام "جاری رہا تو اسرائیل خاموش تماشائی نہیں۔ بشیر نے بتایا زحلہ و صنّین گرے تو شام پورے لبنان کا حاکم۔ اسرائیلی انٹیلی جنس سربراہ جنرل یشوع ساغی نے اسے فالانج کا پھندا سمجھا، مگر چیف آف اسٹاف رافائل ایتان نے صنّین پر شامی مددگار ہیلی کاپٹروں کو نشانہ بنانے کا منصوبہ دیا۔ 28 اپریل کو ایف–15 اور ایف–16 نے ریاق کے قریب دو ہیلی کاپٹر مار گرائے؛ فالانج اپنی پچھلی خندقوں ہی میں بند رہی۔

مئی میں 7,500 فٹ بلند وادی کی گندی ریت بوری مورٹر چوکی پر پانی کے فلاسک سینے سے لگا کر برف پگھلانی پڑتی۔ ایک میل دور شامی ٹینک بے مقصد تنہا گولے؛ پتلی منفی درجہ ہوا

پھیپھڑے چھبوتی۔ فالانج نے ہمیں بھولے بوڑھوں کی طرح گرم جوشی سے لیا، گولے داغے اور une guerre جواب پر خوف و جوش سے چلائے۔ فرانسیسی بولنے والے لیفٹیننٹ نے اسے triste —اداس جنگ—کہا؛ فی الحال کوئی جیتنا نہیں چاہتا تھا۔ شام نے زحلہ سڑک روکی، فالانج نے شام کو فرایا اور سمندر کی پختہ سڑک تک نہ آنے دیا۔ شام چوٹی پر، مسیحی پچاس فٹ نیچے؛ عارضی طور پر دونوں اس جغرافیائی مرتبے پر راضی۔

ریت بوری سے جھانکو تو نرم سبز بقاع اور دور شامی سرحد کے پہاڑ؛ اسی لیے خوف۔ سڑک واقعی فوجی :مارٹر، اسرائیلی شرمن ٹینک، برفانی موڑ۔ فالانج کمانڈر کاروباری ڈگری، بہترین فرانسیسی اور اسلحے کا جنون۔ خراب مارٹر پر سارجنٹ آدھا منٹ گھورتا، پھر نالی میں جھانکتا؛ گولا نکال کر دوبارہ ڈالا تو باریک دھاتی ٹکڑے ہم پر برسے۔ ایک ہاتھ راکٹ سے کھو کر پلاسٹک ہاتھ لگائے چوبیس سالہ افسر بولا" :اب وہ جواب دیں گے۔ "شامی گولے برف پر پیچھے پھٹے۔

جرمن مرسڈیز لاری کا ٹائر پھٹا، اضافی نہ تھا؛ ہم نو میل برف و گھاٹی میں فرایا اترے، اوپر مارٹر اور ٹینک گولے۔ مزار ہوٹل شکستہ کھڑکیوں، کافی کے برتن، ریڈیو اور اسرائیلی وردیوں کی بیرک تھا۔ فالانج بوٹ سے خود تک اسرائیلی لباس، بعض "شالوم "اور صنّین پر عالمی آزادی کی جنگ کا درس۔ سب یقین دلاتے اصل اسرائیلی ساتھ نہیں—ابھی نہیں۔

اسرائیل نے 28 اپریل کو شام کے ساتھ لبنان میں ایک دوسرے کی فوج نہ چھیڑنے کا غیر تحریری عہد توڑا۔ 29 اپریل صبح شام نے بقاع میں سام–6 زمین سے فضا میزائل لگا دیے :اٹھارہ فٹ سفید جسم، چمکتے نقرئی سر، تین تین کے ریک، ریاق–مصنع سڑک، باغوں اور شتورا کے جنوب مغرب مٹی کے مورچوں میں۔ انہیں چھپایا نہیں؛ اسرائیلی جاسوس جہاز اور صحافی تصویر لیتے۔ اے پی کے بل فولی کے کیمرے و عدسے خصوصی فوج نے چھینے۔ مجھے دو خواتین سمیت

مخابرات نے شتورا لے جانا چاہا؛ میں مسلح اہلکار کو مقامی لبنانی تھانے لے جا کر اغوا کی شکایت کی۔ برادر شام نے پھر معافی مانگی۔

میزائل وارسا معاہدہ معیار سے پرانے، دفاعی اور اسرائیلی شہروں تک نہ پہنچ سکتے تھے؛ سیاسی اشتعال اور اسرائیلی طیاروں کے لیے بقاع میں رکاوٹ۔ امریکا کے الیگزینڈر ہیگ نے سوویت مدد مانگی؛ بیگن نے پہلے لاعلمی ظاہر کی، حالاں کہ فضائی تصاویر پاس تھیں۔ اسرائیل نے عہد توڑا اور شمال مشرقی لبنان کی فضائی بالادستی کھوئی—مسیحیوں کے خود مقرر محافظ ہونے کی قیمت۔ بعد میں بیگن سام–6 کو اسرائیل کا ”قومی خطرہ“ کہے گا۔

جولائی کے آغاز زحلہ محاصرہ کھل گیا؛ اصل لڑائی شام و فالانج نہیں، علاقائی طاقتوں کی تھی، قیمت شہریوں نے دی۔ یکم جولائی فالانج افسر نے کچرے، ریت اور گندگی میں باریک لکڑی کی صلیبیں دکھائیں :پینتیس لاشیں، نصف شہری، بچے بھی، گولہ باری میں جنازہ ممکن نہیں۔ ایک صلیب پر عربی ”جارج“، پاس بلڈوزر اگلی قبر کے لیے۔ فالانج کے مطابق تین سو ہلاک، تین ہزار زخمی۔ پانچ منزلہ گودام شامی ٹینک نے ستون اڑا کر تہہ خانے میں چھپے اڑتیس شہریوں پر گرایا؛ صرف ایک بچی زندہ، دونوں ٹانگیں کٹی۔ زحلہ پانچ برس پہلے بیروت جیسا کچلا اور آسیب زدہ۔

لبنانی نژاد امریکی ایلچی فلپ حبیب نے جنگ بندی کرائی :فالانج زحلہ چھوڑے، شام سام–6 ہٹائے۔ میزائل زحلہ نہیں، اسرائیلی ہیلی کاپٹر حملے کے جواب میں تھے؛ صرف پچانوے بیرونی فالانج نکلے، مقامی وہیں؛ شام نے میزائل نہ ہٹائے۔ امریکا نے ”دیانت دار ثالث“کا وقار داؤ پر لگایا، مگر دیانت ممکن، غیر جانب داری نہیں۔ اسی دوران چھوٹے فلسطینی حملوں اور حدّاد علاقے کی بارودی سرنگ نے اسرائیلی یلغار کی دھمکی پیدا کی؛ حبیب، اقوامِ متحدہ اور آئرش یونیفل کمانڈر جنرل ولیم کالاہن نے پی ایل او–اسرائیل غیر تحریری جنگ بندی بنائی۔

مارچ 1981ء میں نائجیریا یونیفل چوکی پر اسرائیلی توپ کے گولے سے دو سپاہی مرے۔ کالاہن نے "وحشیانہ "موت پر غصہ کیا، ایتان نے افسوس۔ کالاہن نے کہا آگ یا دھمکی میں مذاکرات کبھی نہیں—بعد میں پچھتانے والا جملہ۔ اس نے اسرائیلی شمالی کمانڈر اویگڈور بن گال کو کہا اسرائیلی توپچی لبنان کے اندر سے یونیفل پر گولے اور پھر فلسطینی گزارنے کا الزام ناقابلِ برداشت۔ مگر اسرائیلی افسر یونیفل کردار کشی بھی کرتے؛ فجی بٹالین کو شیعہ عورتوں میں بیماری پھیلانے تک کا جھوٹ۔

جنوب میں فلسطینیوں نے خاص نظم سے جنگ بندی مانی؛ عرفات یاد دلاتا اسرائیل بھرپور واپسی کا بہانہ چاہتا ہے۔ مغربی کنارے اور یورپ کے حملوں کو اسرائیل جنوب کی خلاف ورزی کہتا، فلسطینی اسرائیلی فضائی پروازوں کو۔ عرفات فالانج-اسرائیل گہرا اتحاد دیکھ رہا تھا۔ مارچ 1982ء ڈی ایف ایل پی نے غزہ میں اسرائیلی فوج پر گرنیڈ حملے کی جھوٹی بہادری قبول کی؛ عرفات کے افسروں نے ڈانٹا کہ بیروت سے اتنی دور کارروائی ممکن نہیں، محض لاف زنی؛ مگر اسرائیل نے نوٹ کر لیا۔

22 اپریل 1982ء اسرائیلی حملے نے دامور میں کم از کم انیس فلسطینی مارے۔ جواز جنوبی لبنان میں ایک اسرائیلی سپاہی کی موت؛ یہ نہ بتایا وہ حدّاد توپ چوکی پر تھا اور بارودی سرنگ شاید 1978ء کی، خود اسرائیلی یا حلیف لگائی۔ دو گھنٹے اسرائیلی طیارے بحرِ روم سے جوڑوں میں، بیروت رن وے پر موڑ، تیز نیچی پرواز، حرارت شکن فاسفورس، پھر دامور پہاڑی نارنجی و قرمزی آگ۔ کیلے کے باغ کی اینٹ جھونپڑی—بعد میں "دہشت گرد بحری اڈہ"—ہم گزرے چند سیکنڈ بعد مٹی۔ فلسطینی بے سود فائر۔

بھاری توپ والا ٹرک میری گاڑی سے آگے، پیتل کارتوس سڑک اور چھت پر؛ داڑھی والے پٹی بند نوجوان نے بیلٹ گرائی، زندہ گولیاں بکھریں، کار دھات پر پھسل کر ٹرک سے لگی۔ وہ

یوں گھورا جیسے میں نے ٹکر ماری۔ میں چلّایا" :معاف کرنا "!پیچھے آئینے میں منجمد تصویر :نوجوان شاہراہ سے طیارہ شکن گولیاں بانہوں میں سمیٹ رہا، اسرائیلی جیٹ سڑک کی لمبائی میں اوپر۔ عرفات نے رات مشیروں کے ساتھ جواب پر بحث کی؛ حملہ اسرائیلی سینا انخلا کے اعلان کے ایک گھنٹے بعد—کیا آخری بستیاں چھوڑنے سے توجہ ہٹانا تھا؟

امریکا نے مبہم دھمکی دی یلغار ہوئی تو امداد رک سکتی ہے۔ اپریل میں پیرس میں اسرائیلی سفارت کار یعقوب بار سامنتوف قتل ہوا تو واشنگٹن نے اسے جنگ بندی توڑنے والی "بڑی اشتعال انگیزی "نہ مانا۔ پھر بھی سب جانتے تھے حملہ وقت کی بات۔ فالانج میں اسرائیلی "پیش قدمی "کی سرگوشی، امریکی ٹی وی نے بیروت تک حملے کی صحیح تفصیل نشر کی۔ بیگن نے سینا آبادکار نکالے مگر عہد کیا ارضِ اسرائیل—اس کے نزدیک مغربی کنارہ—نہ چھوڑیں گے۔ لبنان میں پی ایل او پر عظیم ضرب مقبوضہ فلسطینی ریاست کا خواب بھی توڑ سکتی تھی؛ شام لازماً کھنچتا۔

بہار میں آخری بار سمجھ کر زیریں بقاع اور عرقوب دیکھا۔ پتھریلی پہاڑیوں پر سرخ گلابی شقائق، حاصبیا کے مرغزار، حاصبانی کا رومی پل؛ دیر الاحمر کے پاس کھیتوں میں شامی ٹینک، گندی اون بھیڑیں نالیوں سے لگی۔ یونیفل چوکی سے میل دو دور ویران باغ میں فتح لاری اور کاتیوشا؛ مشرقی گولان کی برف پر اسرائیلی بلند مورچے۔ فلسطینی گولہ بارود زیادہ، ہتھیار کم؛ جدید ٹینک کے دعوے کے مقابل 1942ء کے روسی ٹی–34 جو بھارتی فوج کے فاضل مال سے سستے خریدے۔ شام کے زیڈ ایس یو 23–4 طیارہ شکن، راڈار اور چار توپیں، فضائی حملے کی تیاری۔

گرمی بڑھی تو سام–6 دوبارہ لانچروں پر۔ کالاہن کو عالمی رائے اسرائیلی پیش قدمی روکتی دکھتی، مگر یونیفل افسروں کے خفیہ حکم :یلغار ہو تو بنکروں میں رہو۔ فاکھانی میں صحافیوں نے پوچھا اسرائیل آئے گا؟ عرفات خوش دلی سے بولا" :آنے دو اُنہیں "!ہر بیرونی اسائنمنٹ جلد ختم :جنگ

بندی توڑنے کی عرفاتی دھمکی یا اسرائیلی بیان، میں بحرین و دبئی میں ایم ای اے نشست مانگتا؛ دمشق سے ٹائمز مدیر ایوان بارنز کا فوراً واپسی فون۔

3 جون قاہرہ میں اسرائیلی وزیر خارجہ اسحاق شامیر نے کیمپ ڈیوڈ آگے بڑھانے کے لیے پی ایل او کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ اسی رات لندن کے کینزنگٹن ہوٹل باہر سفیر شلومو آرگوف پر گولی۔ حملہ آور ابو نضال کے کرائے کے فلسطینی قاتل، قیادت بغداد میں؛ عراق چاہتا شامی دشمن اسرائیل سے جنگ میں پڑے۔ عرفات نے مذمت کی، مگر 4 جون اسرائیلی فضائیہ نے جنوب اور مغربی بیروت بمباری کی۔ کینزنگٹن کی گلی جنوبی لبنان کی جنگ بندی میں کیسے شامل ہوئی، کبھی نہ بتایا گیا۔

قاہرہ کے مینا ہاؤس میں اہرام کے پاس ٹی وی پر خبر رساں تار چلتا۔ فاکھانی کے قریب شمعون اسٹیڈیم کے پی ایل او گولہ بارود اڈے کی پہلی بمباری کے بعد فلم بناتا فرانسیسی کیمرہ مین دوسری میں مارا؛ ریکارڈسٹ کے ہاتھ میں ٹوٹی کیبل، وہ ملبے اور دھات میں غائب۔ فلسطینی پچاس، لبنانی حکام دو سو دس شہری مقتول؛ صبرا کے باہر بچوں کے ہسپتال پر بم، ساٹھ لاشیں۔ 5 جون پچاس فضائی حملے؛ صیدا سے آتا اے پی رپورٹر ٹام بالڈون دامور کے شمال کاروں میں زندہ جلے، بم سے پگھلے شہری دیکھ کر سہم گیا۔

دو گھنٹے بعد بیروت فون ملا۔ اے پی کی ارلین ٹیٹرو" :اتنی مصروف ہوں، فسک، معلوم نہیں یلغار ہے یا نہیں؛ مگر تمہیں یہاں ہونا چاہیے، وقت نہ ضائع کرو، بالڈون سے بات۔ "بالڈون کی کھوکھلی آواز" :تار پڑھو؛ آج خوف ناک چیزیں دیکھی ہیں۔ "ٹی وی پر فاک لینڈ جنگ کے بیچ دوبارہ لبنان :فلسطینی جواب میں الجلیل پر کاتیوشا، ایک اسرائیلی کار سوار ہلاک۔ قاہرہ ہوائی اڈے پر شام کی پرواز جا چکی؛ لبنانی منیجر نے صبح کا وعدہ کیا۔ رات بھر نیند نہیں، اے پی تار اور بی بی "سی۔ بارنز کو کہا لوٹنا ہے؛ ہنسا" :امید ہے پھر وقت ضائع نہیں کر رہے۔

صبح پانچ بجے ہوائی اڈہ۔ بیروت سے بوڑھا 707 آ چکا تھا؛ گرم صبح کی دھوپ میں دم پر وہی دوستانہ دیودار۔ ایم ای اے عملہ مسکرایا" :دیکھا؟ لبنانی کبھی تمہیں مایوس کرتے ہیں؟ "یہ بیروت کی آخری پرواز تھی۔

باب 7

کوئی سفید پرچم نہیں

رابرٹ فسک

سنیے، مجھے معلوم ہے کہ آپ یہ گفتگو ریکارڈ کر رہے ہیں، لیکن ذاتی طور پر میری ” خواہش ہے کہ وہ سب کے سب مر جائیں۔۔۔ میں تمام فلسطینیوں کو مردہ دیکھنا چاہتا “ہوں، کیوں کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں، ایک بیماری بن جاتے ہیں۔

اسرائیلی فوج کا ایک لیفٹیننٹ، بعبدا، لبنان، 16 جون 1982ء —

بس یہ پتا کرو کہ تعداد کتنی ہے—تیمور سے پوچھو، اس نے کتنے دیکھے ہیں “!” مغربی بیروت میں ایسوسی ایٹڈ پریس کے دفتر کا گہرے بھورے رنگ کا لکڑی کا دروازہ بھی ارلین ٹیٹرو کی آواز نہ دبا سکا۔ ”کتنے؟ کتنے؟ “میں نے بالڈون کو ٹیلی فون پر جنوبی لبنان میں اقوامِ متحدہ کے ترجمان تیمور گوکسل سے چیختے ہوئے سنا۔ ”کتنے ٹینک؟ “وہ بار بار چلا رہا تھا۔ میں نے دروازہ دھکیل کر کھولا۔ یہ وہ دوست اور ساتھی تھے جن کے ساتھ مجھے اگلے چار پُرخطر ماہ گزارنے تھے۔

فاروق نصار کھڑکی کے پاس اپنی میز پر بیٹھا تھا، سامنے ٹائپ رائٹر رکھا تھا اور وہ کندھے کے اوپر سے ارلین سے بات کر رہا تھا۔ ”کتنے ہیں، ارلین؟ “یہ ایک احمقانہ سوال تھا۔ ”خدا کے لیے، مجھے کیا معلوم؟ بالڈون ابھی تک پتا نہیں لگا سکا۔ “نصار کھڑا ہوا اور تقریباً وحشیانہ بے بسی کے عالم میں آہستہ آہستہ مڑا۔ ”اگر مجھے یہ ہی معلوم نہیں کہ اسرائیلی کہاں ہیں تو میں رات کی “!مرکزی خبر کیسے لکھوں؟ “پھر دروازے پر اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ ”حبیبی، تم پہنچ گئے

پیدائشی طور پر فلسطینی مگر شہریت کے اعتبار سے لبنانی، نصار کا دی ٹائمز سے خاندانی تعلق بھی تھا؛ فلسطین پر برطانوی انتداب کے آخری دنوں میں اس کے والد حیفا میں اخبار کے مقامی نامہ نگار رہے تھے۔ خبر رساں ادارے کے لیے رات کی مرکزی خبر نصار سے زیادہ تیزی سے کوئی نہیں لکھ سکتا تھا؛ نہ کسی ملیشیا کی طاقت کا زیادہ باریک بینی سے اندازہ لگا سکتا تھا اور نہ اس سے زیادہ زیرکی کے ساتھ کوئی فقرہ تراش سکتا تھا۔ اسے گھوڑوں سے عشق تھا اور بیروت کے ریس کورس میں وہ ہمیشہ اپنی رقم ہار آتا۔ وہ سخی اور سخت جان آدمی تھا، جس کے انداز میں عیاش نوجوانوں سی بے فکری تھی؛ پندرہ برس پرانی اسکاچ پیتا اور چرچل سگار پیتا تھا۔ اس میں وہ ایک وصف بدرجۂ اتم موجود تھا جو کسی بھی خبر رساں ادارے میں اس کی بقا کی ضمانت بن سکتا تھا: قابلِ اعتماد ہونا۔

بجلی بند تھی، ایئر کنڈیشننگ ناکام ہو چکی تھی اور نصار کی قمیص پسینے کے دھبوں سے بھری تھی۔ اس کے پتلے سفید بالوں سے بہتا پسینہ چہرے پر اترتا اور اس کی سخت وضع بھوری مونچھوں کے گرد ننھے ننھے راستے بناتا جاتا۔ اس نے اپنے موٹے چھوٹے بازو پھیلا دیے۔ ”فسکی، تم یہاں کیسے پہنچے؟ اسرائیلی حملہ کر چکے ہیں، پورے جنوبی لبنان پر بم باری ہو رہی ہے۔“ اس نے یہ اعلان واعظانہ سنجیدگی سے کیا، جیسے کوئی مبلغ اپنے پیروکاروں کو بتا رہا ہو کہ ان کے گناہوں کی سزا آنے ہی والی ہے — بالکل ویسی سزا، جس کے بارے میں وہ ہمیشہ کہتا آیا تھا کہ ضرور آئے گی۔

ارلین ٹیٹرو کمرے میں واپس آ گئی۔ انڈیانا سے تعلق رکھنے والی یہ بارعب، چشمہ پوش خاتون چودہ برس سے اے پی کے ساتھ تھی۔ اس میں بے پناہ توانائی اور وہ قابلِ تحسین تلخ حقیقت پسندی تھی جو لبنان میں زندہ رہنے کے لیے ہم سب نے اپنے اندر پیدا کر لی تھی۔ ”تم نے پہنچنے میں بہت دیر لگا دی، فسک۔ اب ہمارا وقت ضائع نہ کرنا۔ اسرائیلی حملہ کر چکے ہیں۔ وہ اقوامِ متحدہ

کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل گئے ہیں۔ عرفات نے آج صبح ایک اور جنگ بندی چاہی تھی، مگر بات نہ بنی۔ "اے پی کے بیورو چیف نک ٹیٹرو—ارلین کے شوہر—وہاں موجود نہ تھے۔ "وہ جنوبی یمن میں پھنس گیا ہے۔ واپسی کی پرواز نہیں مل رہی۔ کوڈی بھی اس کے ساتھ ہے۔ "ایک لمحے کو میرے ذہن میں کوڈی کا چہرہ ابھرا؛ آنکھیں اس مخصوص یاس میں نیم وا، جو وہ ہمیشہ اس وقت ظاہر کرتا جب مشرقِ وسطیٰ اس کے منصوبوں اور آرزوؤں کو کچل دیتا۔ کوڈی اب واشنگٹن پوسٹ کے لیے کام کرتا تھا۔ اسے ایسے وقت یمن ہرگز نہیں جانا چاہیے تھا۔

ارلین کے چہرے پر تھکن کی لکیریں تھیں۔ "دیکھو فسک، اپنی خبر لکھو، جو کرنا ہے کرو— مگر میرے راستے سے ہٹ کر۔ بجلی نہیں، جنریٹر خراب ہے، فرانسوا اسے ٹھیک کرنے کے لیے موجود نہیں اور ہم اپنی رات کی مرکزی خبر بھی نہیں بھیج پا رہے۔ عملے کو اکیلا چھوڑ دو۔ پیچھے کہیں جا کر اپنے مضامین لکھو۔ "ہم سب ارلین سے محبت کرتے تھے۔ لندن اور نیویارک سے کمپیوٹر لائن بحال ہوتی تو وہ اے پی کی کاپی کے الگ الگ صفحات کے درمیان میری خبر بھی نظام میں داخل کر دیتی۔ بعد میں جب اسرائیلی بیروت کے اتنے قریب آ گئے کہ ان کے گولے اے پی کے دفتر کے آس پاس کی عمارتوں سے ٹکرانے لگے تو میں ٹیلیکس مشینوں کے پاس ارلین ٹیٹرو کے ساتھ بیٹھ کر اے پی کے لیے نیوز وائر کی کاپی ٹائپ کرتا—یوں فی الفور اے پی کے عملے کا اعزازی، بے معاوضہ رکن بن گیا۔ آنے والے ہفتوں میں کئی بار مجھے یوں محسوس ہوا کہ ان لوگوں سے میری وفاداری شاید دی ٹائمز سے وابستگی پر غالب آ گئی تھی۔

موصول ہونے والی تار اب بھی چل رہی تھی اور اس پر جنوبی لبنان میں واضح طور پر ایک بہت بڑے اسرائیلی فوجی حملے سے متعلق "فوری خبریں "مسلسل آ رہی تھیں۔ ارلین ٹیٹرو کی میز پر پیغامات کھٹ کھٹ چھپتے جاتے اور ہر پیغام سے پہلے ایک ننھی سی مشینی گھنٹی بج کر اس کی فوری نوعیت کا اعلان کرتی۔ خبروں کی تاریخ و مقام تل ابیب یا یروشلم تھا—کسی بین الاقوامی ردِ عمل

کے لیے ابھی بہت جلدی تھی—اور اعداد و شمار مبہم تھے۔ پچیس ہزار تک اسرائیلی فوجی تین محاذوں سے لبنان میں داخل ہو چکے تھے :ساحلی سڑک سے ناقورہ میں اقوامِ متحدہ کے صدر دفتر کے سامنے سے—جہاں تیمور گوکسل خود مرکاوا ٹینکوں کی قطاریں اپنے دفتر کے سامنے سے گزرتے دیکھ رہا تھا—تبنین سے، جہاں آئرش بٹالین کا صدر دفتر تھا، اور ابل الساقی کے پار سے، جہاں گزشتہ چار برسوں کے دوران میں نے ناروے کے فوجیوں کے ساتھ نہ جانے کتنے دن گزارے تھے۔

کیا یہ 1978ء کی یلغار کا اعادہ تھا؟ اتنا ضرور تھا کہ اس بار کارروائی کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ اسرائیلی صور کے قریب پہنچ چکے تھے؛ صیدا میں اے پی کے مقامی نامہ نگار احمد منتش نے فون پر بتایا کہ اسرائیلی جنگی کشتیاں اور طیارے اس کے شہر کو بھی گولہ باری کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ارلین کی میز پر گھنٹیاں بدستور بجتی رہیں۔ تل ابیب میں اے پی کے عملے کو حملے کے ”محدود مقاصد“ بتائے گئے تھے—ان کے بقول مقصد یہ تھا کہ پی ایل او اور اس کے توپ خانے کو سرحد اور اسرائیل کے شمالی علاقے الجلیل کی مار سے باہر دھکیل دیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ جارحانہ جنگ نہیں بلکہ امن کے تحفظ کے لیے محض ایک پیش بندی ہے۔ جنگ اور امن— اسرائیلی کتنی آسانی سے ان دونوں لفظوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتے تھے۔ اب اس حملے کو ایک نام بھی مل گیا تھا” :آپریشن امنِ الجلیل“۔ اس اتوار کی صبح اے پی نے ہمیں یہی بتایا، حالاں کہ حملے کا اصل نام یہ نہیں تھا۔ کارروائی کا حقیقی نام ”سنو بال “تھا۔ اور ہم سب جانتے تھے کہ برف کے گولے کو زمین پر لڑھکایا جائے تو جتنا آگے دھکیلا جائے، وہ اتنا ہی بڑا ہوتا جاتا ہے۔ ایک اور گھنٹی بجی۔ ابل الساقی کے مخالف کناروں سے اسرائیلیوں اور فلسطینیوں نے توپ باری شروع کی تو ”دو طرفہ فائرنگ “میں اقوامِ متحدہ کا ایک نارویجین فوجی مارا گیا۔ یوں جنرل ولیم کالاگان کا ”عالمی رائے عامہ کی طاقت “پر اعتماد بھی آشکار ہو گیا۔

اسرائیل سے آنے والی اے پی کی بیشتر کاپی کے ساتھ اب بھی گھنٹیاں بج رہی تھیں، لیکن ہر خبر کے سرے پر حسبِ معمول ایک جملہ بھی درج ہوتا کہ رپورٹ اسرائیلی فوجی سنسر کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ بعض صورتوں میں ادارہ واضح کرتا کہ سنسر نے مواد حذف کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم سب سمجھ گئے کہ یہ ایک بے مثال جنگ ہونے والی ہے۔ بیروت میں کوئی سنسرشپ نہ تھی۔ پہلی بار کسی عرب اسرائیل جنگ میں مغربی پریس محاذ کے دونوں جانب کام کرنے والا تھا—اور بیروت میں موجود غیر ملکی صحافیوں کو سچ بیان کرنے کی وہ آزادی حاصل ہوتی جو اسرائیل میں ان کے ساتھیوں کو میسر نہ تھی۔ ماضی کے تنازعات میں یروشلم اور تل ابیب کے نامہ نگاروں کو اسرائیلی فوج کے پریس افسر جنگ زدہ علاقے کے نگرانی شدہ دورے کراتے تھے۔ صحافی اسرائیلی جانب سے جنگ دیکھتے، جب کہ عرب دارالحکومتوں—قاہرہ یا دمشق—میں ان کے ہم منصبوں کے ساتھ جاسوسوں سا سلوک ہوتا؛ انہیں پُرتعیش ہوٹلوں میں بند رکھ کر سرکاری جھوٹے بیانات کھلائے جاتے۔ اب ایسا نہیں تھا۔ بیروت کے کسی سرکاری دفتر میں کوئی غیر ملکی پریس سنسر نہیں بیٹھا تھا۔ مجھے کوئی خبر لکھنی ہوتی تو صرف بجلی کی بندش، لائنوں کی خرابی اور فرانسوا کے مزاجی جنریٹر سے نمٹنا پڑتا۔

اے پی کا دفتر لبنان کے اپنے مذہبی تانے بانے کا ایک مختصر نمونہ تھا۔ مقامی عملے کے رکن سمیر غطاس اور اس کے والد، چیف ٹیکنیشن فرانسوا، یونانی کیتھولک تھے۔ فاروق فلسطینی سنی تھا۔ دفتر کا منتظم چارلس عاصی مارونی مسیحی تھا۔ تصویری شعبے میں ایک سنی ایڈیٹر، ایک شیعہ اور ایک آرمینیائی—زاوین وارتان—شامل تھے۔ شہرزاد فرامرزی ایرانی تھی؛ ایران عراق جنگ چھڑنے پر ٹیڑو نے اسے عملے میں شامل کیا تھا۔ اے پی کے لیے بیروت اب بھی مشرقِ وسطیٰ کا مرکزی دفتر تھا۔

دفتر بوسیدہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں پھنسی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی بھول بھلیاں تھا: میلی سفید دیواریں، شیشے کی سطح والے جنگی جہاز جیسے خاکستری رنگ کے بھاری دھاتی میز اور لوہے کے ٹائپ رائٹر۔ برابر کے کمرے میں ٹیلیکس مشین اور کمپیوٹر لائن دھم دھم چلتی رہتیں؛ دیواروں پر وہ ٹیلیکس فیتے لٹکے تھے جو خبریں بھیجنے کے لیے پہلے ہی استعمال ہو چکے تھے۔ بالکونی میں ایک بہت بڑا، بد مزاج جنریٹر کھڑا تھا اور عاصی نے اس کا ایندھن مشین کے پاس کنستروں میں رکھا ہوا تھا۔ کم از کم نصف دفتر میں پٹرول کی بو رچی رہتی۔ مخالف کونے میں فرانسوا غطاس کی سولڈرنگ آئرن اور ریڈیو مواصلاتی آلات سے بھری گھریلو تجربہ گاہ تھی۔ یوں دفتر میں موٹر کاروں کی مرمت گاہ والی کچھ خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں؛ اور جب عاصی ہر صبح صرف تیراکی کا جانگیا پہنے غسل خانے اور بالکونیوں کے ٹائلوں والے فرش دھونے آتا تو یہ تاثر اور گہرا ہو جاتا۔

زبان دفتر کو جوڑتی بھی تھی اور بانٹتی بھی۔ نک ٹیٹرو مصری عربی بولتا تھا، مگر یہاں کام کرنے والے بیشتر امریکی کارکن—بالڈون اور وہ عارضی ماہر رپورٹر جو حملے اور بعد ازاں بیروت کے محاصرے کے دوران روم اور پیرس سے پروازیں لے کر آنے والے تھے—عربی بالکل نہیں جانتے تھے۔ مقامی عملہ آپس میں عربی اور ہم سے انگریزی بولتا۔ مثال کے طور پر ارلین اور بالڈون، بیروت کے اخبارات کی سرخیاں سمجھنے کے لیے نصار پر اور مقامی خبروں کے بلیٹن کی تشریح کے لیے سمیر غطاس یا فرامرزی پر انحصار کرتے—فرامرزی عربی، فارسی اور انگریزی تینوں روانی سے بولتی تھی۔ ٹیٹرو کے سوا اے پی کے بیشتر مغربی رپورٹروں کے لیے مقامی بھرتی کیے گئے ان کارکنوں کی باہمی گفتگو ایک راز ہی رہتی۔ ان کے خدشات اور خوف بھی اس وقت تک نامعلوم رہتے جب تک وہ خود انگریزی میں بات کرنے کا فیصلہ نہ کرتے۔

یوں ایک عجیب باہمی انحصار پیدا ہو گیا تھا: عربی بولنے والے کارکن، جن کے خاندان اور عمر بھر کے دوست بیروت میں تھے، روزگار کے لیے مغربیوں کے محتاج تھے؛ مگر واقعات کی خبر کے

لیے مغربی صحافی تقریباً پوری طرح اپنے لبنانی، فلسطینی اور ایرانی ساتھیوں پر منحصر تھے۔ فاروق نصار، فرامرزی یا غطاس وہ کھڑکی کھول سکتے تھے جس سے امریکی لبنان کو دیکھتے؛ یا اگر ان کی نظر میں باہر کے واقعات اہم نہ ہوتے تو کھڑکی بند رکھ سکتے تھے۔ باہر کی شکلیں شاید پھر بھی نظر آتیں، مگر ان کا مفہوم معدوم ہو جاتا۔ اس تعلق کو قائم رکھنے والی باہمی تفہیم لبنان کے بارے میں بہت کچھ کہتی تھی۔ ملک کے بیشتر حصوں کے برعکس اے پی کا دفتر اس لیے چل رہا تھا کہ یہاں مفاد، اعتماد اور دوستی مشترک تھے۔ صحافیوں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہی تھا؛ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ شاید یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ اے پی کا دفتر ایسی ہم آہنگی سے کام کرتا تھا؛ لبنان میں یہ واحد دفتر تھا جہاں داخل ہو کر میں نے تقریباً ہر مذہبی برادری کی نمائندگی دیکھی۔

دوپہر کو باہر جانے والی تار بحال ہو گئی۔ نصار کی رات کی مرکزی خبر کمپیوٹر ٹرانسمیٹر سے کھٹ کھٹ گزرتی چلی گئی۔ یہ پرانے ماڈل 15 کی ٹیلی ٹائپ مشین تھی، جسے شکنجے کی طرح میز پر کس دیا گیا تھا۔ 1982ء میں مشرقِ وسطیٰ کے خبر رساں اداروں کے پاس ابھی کمپیوٹر اسکرینیں نہیں آئی تھیں؛ فوری ترسیل میں مزید دو برس باقی تھے۔ چناں چہ بیروت کے محاصرے کی خبر ایسے آلات پر دی جانے والی تھی جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے بہت کم بدلے تھے۔ اے پی میں خبریں بھیجنے والا یہ آہنی عفریت دراصل امریکی فوج کے اس ٹیلی ٹائپ نظام پر مبنی تھا جو کوریا میں استعمال ہوا تھا۔ اس میں وقت لگتا؛ اور دورانِ ترسیل بجلی بند ہو جاتی تو پورے فیتے کی ازسرِنو کوڈنگ کرکے اسے دوبارہ بھیجنا پڑتا۔

صحافت کی کوفتیں ان لوگوں پر کبھی عیاں نہیں ہوتیں جو اس پیشے کو رومانوی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہچکاک کی فلم "فارن کرسپانڈنٹ"—جس نے اسکول کے زمانے میں مجھے رپورٹر بننے کی ترغیب دی تھی—میں جوئل میکریا نے ایک ایسے صحافی کا کردار ادا کیا جو نازی ایجنٹوں کو مات دیتا، فلم کی حسین ترین لڑکی جیت لیتا، نیویارک کے صدر دفتر کو یکے بعد دیگرے تہلکہ خیز خبریں

بھیجتا اور بحرِ اوقیانوس میں اس وقت بھی زندہ بچ جاتا جب ایک جرمن پاکٹ بیٹل شپ اس کا طیارہ مار گراتا۔ اپنی خبریں بھیجنے کے لیے وہ بس ٹیلی فون پر املا کرا دیتا تھا۔ کاش صحافت اتنی ہی آسان ہوتی !بیروت میں بین الاقوامی ٹیلی فون رابطہ ملانے میں چھ سات گھنٹے لگ سکتے تھے۔ ٹیلیکس اکثر خبر کا حلیہ بگاڑ دیتا اور کمپیوٹر لائن شہر کی بجلی، تباہ شدہ بندرگاہ سے سمندر میں جانے والی زمینی تار اور فرانسوا کے جنریٹر کی قابلیت—تینوں کی محتاج تھی۔[1]

مجھے معلوم تھا کہ میرے فارن ایڈیٹر بارنز حملے کا پس منظر سمجھانے کے لیے اندرونی مرکزی صفحے کا ایک فیچر، صفحۂ اول کی مرکزی خبر اور بعد کی اشاعتوں کے لیے ہر نئی پیش رفت کی توقع کر رہے ہوں گے۔ یہی سخت مگر ناگزیر پابندیاں لبنان میں میری پیشہ ورانہ زندگی کی حدود طے کرتی تھیں۔ اسرائیلی حملے کے اس پہلے ڈرامائی دن مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ اے پی کے دفتر سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ میں جنوبی لبنان جاتا تو دی ٹائمز کو اپنی خبر بھیجنے کے لیے بروقت واپس نہ پہنچ سکتا۔ اس صبح ہوائی اڈے سے آتے ہوئے میں نے مہاجرین کی پہلی گاڑیاں جنوبی مضافات میں پہنچتی دیکھی تھیں—چار برس پہلے جنوبی لبنان میں اسرائیلیوں سے جان بچا کر بھاگنے والے پناہ گزینوں کی طویل قطاروں کا ایک آسیب زدہ اعادہ۔ تباہ حال شمعون اسٹیڈیم کے پاس پی ایل او کی طیارہ شکن توپیں کھڑی تھیں۔ بیروت میں شامی فوج کی بریگیڈ بے عملی اور بدعنوانی کے باعث زوال پذیر ہو چکی تھی؛ لبنانی فوج کے وہ افسر جو اب بھی سرکاری طور پر ''عرب بازدار فوج ''کہلانے والی فورس کے ساتھ تعاون کرتے تھے، کہتے تھے کہ شامی بریگیڈ کے پاس باقاعدہ جنگی تنظیم تک موجود نہیں۔ اس کے باوجود اس صبح شامی فوجی جنگی وردیوں اور فولادی خودوں میں سڑکوں پر دکھائی دیے اور روشہ کی چٹانوں پر توپیں نصب کر رہے تھے۔

اگر شامی جنگ میں شامل ہو جاتے تو یہ حملہ سوویت یونین اور امریکا کے درمیان بحران بھڑکا دیتا؛ کیوں کہ اگرچہ ماسکو ہمیشہ اسد کی اس عادت سے چڑتا تھا کہ وہ فوجی کارروائی سے پہلے

نہیں بلکہ بعد میں اپنے سوویت اتحادیوں سے مشورہ کرتا، پھر بھی سوویت یونین اور شام کے درمیان معاہدۂ دوستی کو نہایت سنجیدگی سے لیا جاتا تھا۔

اور اسے ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتا تھا۔ شام کے خلاف کوئی بھی خطرہ ماسکو کو فوراً ملوث کر دیتا۔ تو اسرائیلی کہاں تک جائیں گے؟ میں نے کمپیوٹر لائن کے ذریعے لندن میں بارنز کو پیغام بھیجا، بتایا کہ میں بحفاظت مغربی بیروت واپس پہنچ گیا ہوں اور خبردار کیا کہ ”اگر اسرائیلی وادئ بقاع کی طرف بڑھے تو ان کا سامنا شامیوں سے ہو گا، جس کے بعد یہ جنگ اچانک بہت بڑی ہو سکتی ہے۔ ”میں نے اسے مشورہ دیا کہ لندن میں مقیم کسی نامہ نگار کے لیے شام کا ویزا تیار رکھے، تاکہ وہ دمشق کے لیے فوراً پرواز کر سکے۔

ٹیلیکس کی گھنٹی بجنے لگی۔ آئرش ریڈیو کو دو طرفہ براہِ راست انٹرویو درکار تھا۔ اس کے فوراً بعد کینیڈین ریڈیو ٹیلیکس پر آ گیا۔ دونوں ایک ہی سوال کا جواب چاہتے تھے :اسرائیلی کہاں تک جائیں گے؟ میں نے کینیڈا کے لیے اپنی ریڈیو رپورٹ کی ابتدائی سطریں ٹائپ کیں“ :۔۔۔آج مقامی وقت کے مطابق دوپہر کو اسرائیلی فوجی ملک میں اُمڈے چلے آ رہے تھے؛ یہ کارروائی ملک کے جنوبی حصے پر مکمل حملہ معلوم ہوتی تھی۔۔۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ حملہ—کیوں کہ اب یہ حملہ ہی دکھائی دیتا ہے—لندن میں اسرائیلی سفیر کے قتل کی کوشش سے بہت پہلے طے کیا جا چکا تھا یا نہیں۔ سفیر پر حملہ وہ ظاہری سبب ہے جو اسرائیلیوں نے گزشتہ تین دن سے لبنان میں جاری خون ریزی کے لیے پیش کیا ہے۔ آج لبنان میں یوں محسوس ہوا جیسے اسرائیلی اس فوجی کارروائی کی منصوبہ بندی ایک طویل عرصے سے کر رہے تھے۔۔۔ گزشتہ چند روز کے دوران اسرائیل سے آنے والی رپورٹوں پر یقین کیا جائے تو اسرائیلی اب لبنان سے فلسطینی گوریلوں کا ”مکمل صفایا کرنے پر تُلے ہیں۔

جنگ کے زمانے میں اخبار کے قارئین کو—جرنیلوں ہی کی طرح—نقشوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی غیر ملکی کے لیے بظاہر ناقابلِ تلفظ ناموں کا ایسا سلسلہ، جس میں ان مقامات کی جغرافیائی یا فوجی اہمیت کا کوئی حوالہ نہ ہو، حد درجہ الجھا دینے والا ہوتا ہے۔ 1982ء کے موسمِ بہار میں، میں نے دی ٹائمز کے شعبۂ گرافکس کو لبنان کے متعدد نقشے بھیجے تھے۔ ہر نقشے پر بیروت کے محاذ، ملیشیاؤں، شامی فوج، اقوامِ متحدہ کی بٹالینوں اور سرکاری فوج کے زیرِ قبضہ علاقے نشان زد تھے۔ انہی نقشوں کا ایک مکمل مجموعہ بیروت میں اے پی کے دفتر کی اپنی دراز میں بھی رکھا تھا۔ چناں چہ حملہ شروع ہوتے ہی مجھے صرف اتنا کرنا تھا کہ نئی فوجی پوزیشنیں یا مصدقہ پیش قدمی سامنے آتے ہی ان کے نقاط درج کرکے نقشے میں ہونے والی تبدیلیاں اپنے اخبار کو ٹیلیکس کر دوں۔ مگر ملک کے اندر اسرائیل کی تین رُخی یلغار اتنی تیز تھی کہ مجھے نقشے کی تفصیلات مسلسل تازہ کرنا پڑیں—نقاط بدلتا اور اسرائیلیوں کو لبنان کے نرم، تاریک خطے میں اندر سے اندر دھکیلتا جاتا۔ دوپہر کے وسط تک میں نبطیہ کی طرف بڑھتے اسرائیلی ٹینکوں کے ایک دستے اور قلعۂ شقیف پر فضائی بم باری کی اطلاع دے رہا تھا—وہی عظیم صلیبی قلعہ جہاں پانچ برس پہلے ایک ہوا دار دوپہر میں فلسطینیوں کے ساتھ توپوں کی زد میں بیٹھا تھا۔

میں نک ٹیٹرو کے پچھلے دفتر میں بیٹھا ٹائپ رائٹر پر اس حسین دیہی خطے، اقوامِ متحدہ کی کم زوری اور اسرائیلی حملے کے ناگزیر ہونے سے متعلق اپنی تمام یادیں انڈیلتا رہا۔ ان میں وہ اشارے اور بدگمانیاں بھی شامل تھیں جو میں نے حملے کی منصوبہ بندی کے بارے میں سنی تھیں۔ کیا لندن میں ڈورچسٹر ہوٹل کے باہر آرگوف کے قتل کی کوشش واقعی اس یلغار کا سبب ہو سکتی تھی؟ میں نے ٹائپ کیا” :دریائے لیطانی کے کنارے طے پانے والا جنگ بندی کا معاہدہ۔۔۔ آخر ڈورچسٹر ہوٹل کے باہر فٹ پاتھ تک کیسے پھیل سکتا تھا؟ “میں نے امکان ظاہر کیا کہ ابو نضال کے گروہ نے آرگوف کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی—بعد میں فلسطینی مسلح افراد کے مقدمے نے اس

شبہے کو درست ثابت کیا—لیکن مجھے فلسطینیوں اور لبنانیوں کی عجیب اور خطرناک تقدیر پرستی بھی یاد آئی۔ ”ایک ہول ناک انداز میں یہ باعثِ اطمینان بھی تھا۔ لبنان اتنے طویل عرصے سے اسرائیلی حملے کے خطرے تلے جی رہا تھا کہ آخرکار اس خطرے کی تکمیل ایک ایسی شے بن گئی تھی جس کی گوریلا جنگجو اور خود لبنانی تقریباً خواہش کرنے لگے تھے۔“

باہر سڑکوں پر مسلح افراد نکل آئے تھے :فتح کے کارکن، پی ایف ایل پی کے گوریلے، مرابطون کے ملیشیا اہل کار اور دروز جنگجو۔ میں کچھ دیر کے لیے دفتر سے نکلا اور جدید لبنان کے بہترین مورخوں میں سے ایک اور اپنے پرانے دوست کمال صلیبی سے ملنے گیا۔ وہ منارہ میں اپنے عثمانی طرز کے گھر کی بالکونی میں بیٹھا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اسرائیلی پی ایل او کی سرگرمیاں محض محدود کرنے کے بجائے اسے تباہ کرنے میں زیادہ دل چسپی رکھتے ہیں۔ ”وہ یہاں بھی آ سکتے ہیں، “اس نے کہا۔ بیروت تک؟ ”کیوں نہیں؟ “صلیبی کی نگاہ میں امریکی انتظامیہ اسرائیل کو روکنے والی قوت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ کیا الیگزینڈر ہیگ اسرائیلیوں کو ”سبز جھنڈی “نہیں دکھا چکا تھا؟ کیا ہم مناخم بیگن کے حالیہ دورۂ واشنگٹن کی اہمیت نہیں سمجھ سکے تھے؟ قدیم عبرانی کے عالم صلیبی نہایت شائستہ وضع قطع اور بہت نرم آواز رکھنے والے شریف النفس شخص تھے۔ ایسے مہذب آدمی کو اس قدر تباہی کے اندیشے کے ساتھ بات کرتے سننا بے چین کر دینے والا تھا۔ یہ ہم سب کے لیے نہایت خوف ناک صورتِ حال بن سکتی ہے، “اس نے دھیمی آواز میں کہا۔” “مجھے بدترین انجام کا خوف ہے۔”

اے پی کے دفتر سے میں نے ڈیموکریٹک فرنٹ برائے آزادئ فلسطین کے ایک فلسطینی افسر کو فون کیا۔ وہ صبرا کیمپ میں تھا اور مجھے لائن کے دوسرے سرے پر طیارہ شکن توپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نہیں، وہ کوئی پیش گوئی نہیں کرے گا—صرف انتشار تھا۔ شام پر کوئی بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا بس یہی تبصرہ تھا۔ میں نے پھر ٹائپ کرنا شروع کیا۔ یہ ایسی جنگ

تھی جس میں امریکیوں کے لیے کوئی فائدہ نہ تھا۔ میں نے لکھا" :مشرقِ وسطیٰ میں ان کی ساکھ اس نئے حملے سے شدید متاثر ہو گی۔ ان کا خیال تھا کہ تزویراتی معاہدے میں فوجی رابطہ اور عسکری وابستگی بڑھا کر وہ اسرائیل پر اپنا 'اثر و رسوخ 'بڑھا سکیں گے۔ مگر جنوبی لبنان پر حملہ کرنے والے لڑاکا بم بار امریکی ایف-16 ہی تھے۔۔۔ صدر حافظ الاسد کے لیے سوویت وعدوں میں اضافے کی راہ کھل گئی ہے؛ لبنان میں اسرائیل کی ہر نئی پیش قدمی کے ساتھ روسیوں کو خطے "میں مزید جگہ ملتی جاتی ہے۔۔۔

شام کے ابتدائی پہر تک اسرائیلیوں نے صور کا رابطہ کاٹ دیا تھا۔ ان کے طیاروں نے شہری آبادی پر پمفلٹ برسائے جن میں خبردار کیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے پی ایل او کے "دہشت گردوں "کو پناہ دی تو حملہ آور فوج ان کے گھر اڑا دے گی؛ انہیں حکم دیا گیا کہ اپنی کھڑکیوں اور بالکونیوں پر سفید پرچم لہرائیں۔ اقوامِ متحدہ نے اطلاع دی کہ اسرائیلی ٹینک ان عمارتوں پر گولے برسا رہے ہیں جن میں پی ایل او کے اہل کاروں کے چھپے ہونے کا شبہ تھا۔ سینکڑوں خوف زدہ پناہ گزین حفاظت کے لیے لبنانی فوج کی حسن بورو بیرکوں میں قائم اقوامِ متحدہ کی چوکیوں میں گھس گئے، مگر پھر خود بیرک بھی گولہ باری کی زد میں آ گئی، جب کہ شہر کے اندر اسرائیلی اور فلسطینی لڑ رہے تھے۔ اسرائیلی مقاصد میں بظاہر صور اور دریائے لیطانی کے پُل تک پھیلے ابھار پر قبضہ شامل تھا—وہ خطہ جسے وہ 1978ء کے حملے میں خاص طور پر حاصل نہیں کر سکے تھے—اس کے علاوہ قلعۂ شقیف، نبطیہ اور زیریں وادیٔ عرقوب کے ایک حصے پر قبضہ بھی مطلوب تھا۔ اس شام لندن بھیجی گئی اپنی خبر میں میں نے یہی اہداف لکھے؛ یقیناً اسرائیلی ٹینکوں کے بیشتر عملے بھی یہی سمجھ رہے تھے۔ کئی دن بعد انھوں نے ہمیں بتایا کہ آگے بڑھنے کا حکم ملنے پر خود انہیں بھی حیرت ہوئی تھی۔ اس روز معلوم ہونے والا واحد اسرائیلی جانی نقصان ایک تنہا ہوا باز تھا، جس کے اسکائی ہاک طیارے کو نبطیہ کے گردونواح پر بم باری کرتے ہوئے کندھے سے داغے جانے والے

زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل نے نشانہ بنایا تھا۔ وہ طیارے سے پیراشوٹ کے ذریعے کود گیا اور کہا گیا کہ پی ایل او نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔

اندھیرا چھا چکا تھا جب فرامرزی کو پی ایل او کی طرف سے فون آیا۔ ''وہ کہہ رہے ہیں کہ ہوا باز کو سامنے لانے والے ہیں،''اس نے بلند آواز سے کہا۔ ہم گاڑی میں صبرا کی طرف روانہ ہوئے۔ سڑکوں کی بتیاں بجھی تھیں اور فاکہانی کے قریب فائرنگ ہو رہی تھی۔ راستے میں مسلح افراد نے ہمیں بار بار روک کر شناخت پوچھی۔ صبرا کے ایک اسپتال کے تہ خانے میں فلسطینی اپنا قیدی سامنے لائے۔ کیپٹن اہاز اہارون کو طبی چوغے میں تیز روشنیوں والے کمرے میں لایا گیا۔ اندر حبس اور گرمی تھی۔ خودکار ہتھیار اٹھائے کم از کم بیس پی ایل او اہل کار اہارون کے گرد کھڑے تھے۔ اسے بھی پسینہ آ رہا تھا؛ کبھی ہاتھ سامنے باندھ لیتا اور ٹیلی وژن کیمروں کی طرف مبہم سی مسکراہٹ پھینکتا۔ پی ایل او نے کہا کہ وہ ایک بیان دے گا۔ اہارون نے انگریزی میں آہستہ آہستہ بات کی؛ ظاہر تھا کہ اس نے استعمال کیے جانے والے الفاظ پر خوب غور کیا تھا۔ ''میں توپ خانے کے ایک ہدف اور قلعۂ شقیف پر بم باری کرنے آیا تھا،''اس نے کہا۔ ''مجھے ہدف نہیں ملا اور میرا طیارہ نشانہ بن گیا۔ میں]پیراشوٹ سے [ایک گاؤں میں اترا؛ وہاں کچھ مسئلہ پیدا ہوا کیوں کہ کسان غصے میں تھے۔ لیکن پی ایل او کے لوگ آئے تو وہ مجھے لے گئے اور پھر کوئی مشکل نہ رہی۔''

تین دن سے فضائی حملوں کی زد میں آئے دیہاتیوں نے اہارون کو مار مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی پشت پر ضربیں پڑ رہی تھیں جب پی ایل او کے مسلح افراد نے اسے بچایا۔ مگر پی ایل او مزید تفصیل سننا نہیں چاہتی تھی۔ ''کوئی سوال نہیں،''ایک فلسطینی اہل کار چلایا۔ ہم نے سفید طبی چوغے میں کھڑے اہارون سے بات جاری رکھنے کی کوشش کی؛ وہ ممکنہ شہید اور ڈاکٹر کلڈیر کا مضحکہ خیز امتزاج لگتا تھا۔ ''میرے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہے،''اس نے

کہا، جب کہ سامنے ٹیلی وژن کے کارکن اور مسلح افراد ایک دوسرے کو دھکے دینے لگے۔ ”میں پہلے سے کہیں زیادہ۔۔۔ “پی ایل او کے ایک آدمی نے اہارون کو رکنے کے لیے جھڑکا۔ مگر ہمیں جسمانی طور پر اس سے دور دھکیلا جا رہا تھا تو اہارون نے کیمروں کی طرف کھل کر مسکراتے ہوئے پکارا“ :میں ہرزیلیا سے ہوں۔ اپنے خاندان، اپنی بیوی، بیٹی اور بہن کو سلام—مجھے امید ہے کہ میں انہیں پھر دیکھوں گا۔۔۔ “وہ تہ خانے کے پچھلے دروازے سے غائب ہو رہا تھا، مگر جملہ مکمل کرنا چاہتا تھا۔ ”بہت جلد، “اس نے چلا کر کہا۔

اسی رات اسرائیلیوں نے شامیوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ دمشق ریڈیو نے اعلان کیا کہ لبنان میں شامی فوجی صیدا کے جنوب میں کسی مقام پر حملہ آور فوج کے ساتھ ”براہِ راست رابطے “میں ہیں۔ بیروت سے صور جانے والی ٹیلی فون لائنیں سہ پہر کے آخری حصے میں منقطع ہو گئی تھیں، لیکن صیدا سے اے پی کے مقامی نامہ نگار اب بھی فون کر رہے تھے۔ منتش نے بتایا کہ اس نے اسرائیلیوں کے ہاتھوں دریائے بسری سے ذرا شمال میں، زیریں شوف کی شامی چوکیوں پر توپ باری شروع ہونے کی اطلاع سنی ہے؛ اور یہ کہ رات کی تاریکی میں شامی فوجیوں کو علاقہ خالی کرتے دیکھا گیا، جب کہ ان کے پیچھے اگلی صف کی چوکیوں میں دھماکے ہو رہے تھے۔

اگلی صبح طلوعِ سحر سے پہلے میں نارویجین ریڈیو کے کارسٹن توائت کے ساتھ وادیٔ بقاع کے لیے روانہ ہوا۔ توائت جسیم آدمی تھا؛ بھوسے کے رنگ کے بال، بہت ہلکی نیلی آنکھیں اور لبنان کی ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کبھی نہ بجھنے والی، خطرناک بھوک۔ چھ برس پہلے کوڑی ہی نے مجھے سکھایا تھا کہ صحافی کو کسی جنگ کی رپورٹنگ کرنی ہو تو اسے میدانِ جنگ تک سفر کرنا چاہیے۔ کسی شراب خانے میں بیٹھ کر دوسروں سے سنی ہوئی روداد بیان کرنا، خبر رساں اداروں کی ان تاروں کو دوبارہ لکھنا جن میں خود بالواسطہ معلومات ہوں—لبنان کی رپورٹنگ کا یہ کوئی طریقہ

نہ تھا۔ مگر توائت، کوڈی کے صحافتی اصولوں کو انتہا تک لے جاتا تھا۔ میرے جاننے والے بیشتر لوگ گولہ باری کی زد میں آتے ہی بھاگ نکلتے۔ توائت صرف اس صورت رکتا جب خود سڑک فائرنگ کی زد میں آ جاتی۔ یوں اس کی جرأت کے بجائے اس کی دانائی مشتبہ ہوتی، اور یہ میرے لیے ہمیشہ حیرت کا باعث رہا کہ توائت لبنان میں مارا نہیں گیا۔ مگر وہ ہر اسائنمنٹ سے صحیح سلامت لوٹ آتا تھا۔ وہ زندہ بچنے کا ہنر جانتا تھا، اور میں نے اصول بنا رکھا تھا کہ صرف ایسے ہی لوگوں کے ساتھ سفر کروں گا۔

کوہِ لبنان سے گزرتی دمشق شاہراہ اب بھی کھلی تھی۔ سڑک دروز قصبے عالیہ سے ہوتی ہوئی اوپر چڑھتی اور پھر سیاحتی مقام بحمدون سے گزرتی تھی، جہاں چھے برس پہلے میں شامی محاذ کے سامنے فلسطینیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ شاہراہ پر شامی فوجی گاڑیاں رواں تھیں، مگر پہاڑی سلسلے اپنے مانوس رنگوں میں نہائے ہوئے تھے: سرمئی پتھر، چمک دار سبز گھاس، اور سڑک کنارے صنوبر کے درخت جن سے تیز خوش بو اٹھ رہی تھی۔ گاڑی کی کھڑکیاں کھلی تھیں، اس لیے ہم مدھم صبح کے آسمان کی بلندیوں میں جیٹ طیاروں کی سرسراہٹ سن سکتے تھے۔ مگر ضہر البیدر کی تباہ شدہ اسکی لفٹوں سے آگے جا کر ہی ہم نے اپنے اندر خطرے کے اس کیڑے کو کسمساتے محسوس کیا—وہ مخصوص بے چینی جو میدانِ جنگ کی طرف بڑھتے ہوئے ہمیشہ آ گھیرتی تھی۔ شامی فوجیوں سے بھرے کئی ٹرک شتورا کی طرف اتر رہے تھے۔

شاہراہ سے جنوب کی طرف مڑ کر جب ہم عرقوب کی سڑک پر، پیش قدمی کرتے اسرائیلیوں کی سمت بڑھے، تو زیریں بقاع کے لوگ اپنی دکانوں اور بنگلوں کے باہر کھڑے آسمان کو تک رہے تھے۔ سورج کی طرف آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے اور ہاتھوں سے روشنی روکنے کی کوشش کرتے۔ پورے پورے دیہات کی آبادیاں تنگ گلیوں میں کھڑی یہی کر رہی تھیں؛ سب آسمان کی طرف نظریں اٹھائے، سر پر ہاتھ رکھے ہوئے، جیسے کسی طویل آسمانی سلام میں مصروف ہوں۔

دروز گاؤں راشیا پہنچ کر ہی ہمیں احساس ہوا کہ طیاروں کی آواز بلند ہو چکی ہے؛ سرسراہٹ ایک تیز چیخ میں بدل گئی تھی، جس کے درمیان دور سے لمبی، گہری گڑگڑاہٹ سنائی دیتی۔

گاؤں قدیم تھا اور اس کے مکین بھی بوڑھے: لمبے رنگین لباس پہنے جھکی ہوئی عورتیں اور سیاہ، ڈھیلی شلواروں میں سفید گھنی داڑھیوں اور خوف زدہ آنکھوں والے مرد۔ وہ گاؤں چھوڑنا چاہتے تھے، کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ اسرائیلی ضرور آئیں گے۔ ناہموار گلیوں میں مسلح دروز ملیشیا اہل کار موجود تھے اور ان میں وہ تیز و تند جوش نظر آتا تھا جو عموماً خوف زدہ نوجوانوں پر طاری ہو جاتا ہے۔ ترقی پسند سوشلسٹ پارٹی کے جنگجو بندوقیں تیار رکھے ہوئے تھے، مگر ان کی حرکات، آوازوں—حتیٰ کہ ہمیں گھورنے کے انداز—میں بھی ایک بے آرام کر دینے والی تیزی تھی۔ خاکی پوش ایک نوجوان نے ہمیں بتایا، ”یہاں سب پُرسکون ہے، کوئی گڑبڑ نہیں۔“ اس نے گرمی کی دھند کے پار نیچے اس مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں حاصبیا کے نیچے وادیٔ عرقوب تنگ ہو جاتی تھی۔ ”اگلے گاؤں پر فتح کا قبضہ ہے اور اس کے بعد اسرائیلی ہیں،“ اس نے کہا۔ یہ بتانے کا اس کا اپنا انداز تھا کہ راشیا اور حاصبیا—جہاں اسرائیلی ٹینک اب شمال کی طرف بڑھ رہے تھے—کے درمیان بس چند فلسطینی گوریلے حائل تھے، جن کا اسرائیلیوں نے صفایا کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ اس نے وہ بات زبان پر نہ لائی جو سب سوچ رہے تھے: راشیا کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو سکتا ہے جو نبطیہ اور جنوبی لبنان کے دوسرے قصبوں کے ساتھ ہوا؛ اسے بھی فضا سے روند ڈالا جائے گا۔

تب، گیارہ بجنے کے کچھ ہی بعد، نیچے وادی کی تہ میں موجود شامیوں نے اسرائیلیوں پر اپنا پہلا گولہ داغا۔ دور مار گولہ ایک عجیب کھوکھلے دھماکے کے ساتھ توپ سے نکلا اور سائیں سائیں کرتا عرقوب کی زیریں پہاڑیوں کے پار کوکبا کے گرد اسرائیلی بکتر بند دستوں کی طرف چلا گیا۔ توپ سے نیلے بارودی دھویں کی باریک تہ اٹھی۔ یہ روسی ساختہ 130 ملی میٹر کی ایک بڑی، پرانی

توپ تھی، جو راشیا کی طرف جاتی چھوٹی سڑک کے نیچے سخت سرخ مٹی میں مورچہ بنا کر نصب کی گئی تھی۔ ایک منٹ بعد وادی میں کچھ اوپر نصب دوسری توپ سے گولہ داغا گیا؛ اس کا دھماکا کوہِ حرمون کے نیچے خوب صورت، پتھریلی چھوٹی پہاڑیوں میں اسی کھوکھلے پن کے ساتھ بار بار گونجتا رہا۔

تب جا کر دیہاتیوں میں گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ اپنی گاڑیوں میں سوار ہونے لگے یا ڈرائیوروں سے بل کھاتی وادی سے باہر لے جانے کی التجا کرنے لگے۔ توائت اور میں نے ایک بوڑھے جوڑے کو قریبی سڑک پر ان کے بیٹے کے گھر پہنچایا۔ اب ہمیں کھیتوں میں حرکت دکھائی دینے لگی۔ شامی فوجی راستوں اور نالیوں سے قائمہ زاویے پر کھودی گئی انفرادی خندقوں اور مورچوں سے نکل رہے تھے؛ کچھ دوربینوں سے جنوب کی طرف دیکھ رہے تھے اور کچھ آسمان کو گھور رہے تھے۔

گرمی تھی اور زمین پر ایک ایسی گرم جوشی بھری منتظر خاموشی پھیلی تھی جو جنگ نہیں بلکہ عروجِ گرما کی آمد کی خبر دیتی ہے۔ شاید شامیوں نے بھی یہی محسوس کیا تھا، کیوں کہ ان کی جنگی کارروائی میں تقریباً سست روی تھی۔ وہ ہر ویران سے محسوس ہوتے منٹ کے بعد میدانی توپ سے ایک گولہ داغتے۔ یہ توپیں مٹی میں اتنی تازہ تازہ نصب کی گئی تھیں کہ کسی نے ان کی بائیس فٹ لمبی چمکتی نالوں پر ترپال تک ڈالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ کھیتوں میں، انگور کی بیلوں کے کنارے اور چھوٹی پہاڑیوں کی ڈھلوانوں پر سیکڑوں شامی فوجی منظم، معمول کے انداز میں خندقیں کھود رہے اور گولہ بارود کے صندوق اتار رہے تھے، جیسے جنگی مشقوں میں شریک ہوں۔ زیریں بقاع میں ہمارے سامنے جاری یہ لڑائی محدود، تقریباً اشرافیہ کے آداب کی پابند معلوم ہوتی تھی۔

لیکن دوپہر کی دھوپ میں سرخ چھتوں والے دوسرے ننھے دروز دیہات کے باشندے بھی راشیا کے لوگوں جیسی بے چینی دکھا رہے تھے۔ پہلی شامی توپ داغے جانے کے ساتھ ہی وہ

لوگ—خواہ اس نئی حیثیت کے بارے میں انہوں نے سوچا ہو یا نہیں—پناہ گزین بن چکے تھے۔ انہوں نے اپنا سامان قدیم بسوں میں لادا اور شمال کی طرف سفر شروع کر دیا۔ بعض عورتیں شیعہ تھیں اور سفید اسکارف اوڑھے ہوئے تھیں؛ ہر ایک نے یا تو کوئی صندوق تھام رکھا تھا یا بچہ۔

سڑکوں پر ان سے کم سلیقے سے ملبوس مسافر آگے نکلتے جاتے :خستہ حال ٹرکوں میں شامی فوجی اور کاروں و وینوں میں نوجوان فلسطینی گوریلے۔ ان گاڑیوں کی چھتوں، حتیٰ کہ سامنے کے شیشوں پر بھی کیچڑ لیپا گیا تھا، تاکہ سورج کی کوئی چمک بلندی پر موجود اسرائیلی ہوا بازوں کے سامنے ان کی موجودگی ظاہر نہ کر دے۔ شتورا سے آنے والی سڑک پر کاتیوشا راکٹ لانچر بھی آ رہے تھے۔ باغات میں گولوں سے بھرے ٹرک کھڑے تھے اور گھر لوٹتے ہوئے کچھ مزید شمال میں ہم نے شامیوں کو پٹریوں پر چلنے والی خودکار طیارہ شکن توپیں کھیتوں سے گزارتے دیکھا۔ توپیں اب بھی ہر منٹ بعد ایک گولہ داغ رہی تھیں، جب کہ پسینے میں شرابور شامی رسد کے اہل کار سڑک کنارے تاریں اور زمینی رابطے جوڑ رہے تھے۔ یہ تاریں ان بے نام بٹالینوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں جو سلطان یعقوب، محیدثہ، رافد اور خربت روحا جیسے ناموں والے دیہات کے قریب مورچے کھود رہی تھیں—گنجان اور سطحِ مرتفع کی لکیروں سے بھرے ان نقشوں پر ننھے ننھے نام، جن کا مطالعہ ہم ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی ہوئی بے چینی سے کرنے والے تھے۔

کوہِ لبنان کی مغربی ڈھلوان سے اترتے ہوئے کسی نقشے کی ضرورت نہ تھی۔ فلسطینی کیمپوں سے سیاہ دھویں کا ایک مینار اٹھ کر شہر کے اوپر شمال کی جانب پھیل رہا تھا؛ اسرائیلیوں نے فاکہانی پر حملہ کیا تھا اور ان کے طیارے اب بھی اوپر منڈلا رہے تھے۔ وہ ہمیں صاف دکھائی دیتے تھے—انتہائی ننھی چاندی کی مچھلیاں جو شہر کے اوپر نہایت آہستگی اور بڑے صبر سے حرکت کرتیں، دھویں کے ستون سے بہت بلند، نرمی کے ساتھ دائرے بناتیں۔

تواٸت نے فیلانجسٹوں کا ریڈیو ”وائس آف لبنان“ چلا دیا۔ اعلان ہوا کہ اسرائیلی کمانڈوز نے قلعۂ شقیف پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسرائیلی فوج صیدا کے شمال میں اتر چکی ہے۔ ”صیدا کے شمال میں “!تواٸت کو یقین نہ آیا۔ ”وہ بیروت آ رہے ہیں۔ “ہم نے پہاڑی شاہراہ پر کحالہ کے جنوب میں گاڑی روکی اور فاکہانی پر حملہ دیکھنے لگے۔ اسرائیلی طیاروں میں سے ایک کاہلی سے اپنے دائرے سے نکلا اور رفتار پکڑتے، ناک نیچے کیے اترنے لگا؛ پھر دھویں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ کہر میں سے گندلے بھورے دھویں کا ایک نیا ستون ایک طرف کو پھوٹا۔ چار سیکنڈ بعد آواز ہم تک پہنچی—ایک گہری دھمک جس کا ارتعاش گاڑی کے اندر محسوس ہوا۔ اگر اسرائیلی صیدا کے شمال میں تھے تو ان کا ارادہ شہر اور عین الحلوہ کیمپ پر قبضہ کرنا تھا۔ وہ دامور پر حملہ کرتے۔ راشیا میں واضح ہو چکا تھا کہ دروز اسرائیلیوں سے لڑنا نہیں چاہتے۔ سو شوف سے مختارہ میں جنبلاط کے محل کے سامنے سے گزرنے والی سڑکیں ان کے لیے کھلی ہوتیں۔ وہ—یہ ناقابلِ تصور لگتا تھا، مگر وہ—بیروت کا محاصرہ کر سکتے تھے۔

اے پی کے دفتر میں اطمینان بخش ہنگامہ برپا تھا۔ سمیر غطاس ٹیلی فون کان سے لگائے نصار کو پکار رہا تھا۔ ”اسرائیلی دامور کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ “نصار ٹائپ رائٹر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ناممکن۔ وہ دامور تک نہیں پہنچ سکتے۔ “تواٸت اور مجھے دیکھ کر نصار نے ایک ہاتھ ہماری طرف ” بڑھایا، جیسے خاموش دعوت دے رہا ہو۔ ”جلدی بتاؤ—فوراً—تم نے کیا دیکھا؟ “شامی بقاع میں اسرائیلیوں پر گولہ باری کر رہے ہیں۔ ”حبیبی، تمہیں یقین ہے؟ “فاروق، ہم نے انہیں دیکھا ہے۔ ہم وہاں موجود تھے۔ فاکہانی میں کیا ہوا؟ ارلین ٹیٹرو نمودار ہوئی۔ ”تم پھر ہمارا وقت ضائع کر رہے ہو، فسک۔ تم بقاع میں پکنک مناتے رہے اور ہم یہاں فضائی حملے کی رپورٹنگ کر رہے تھے۔ یہ منحوس تار پڑھو۔ “ٹیلیکس کی گھنٹی بج رہی تھی” :براہِ کرم جلد از جلد دی ٹائمز کے رابرٹ فسک بذریعہ اے پی بیروت آگے پہنچائیں :بی بی سی آؤٹ لک ورلڈ سروس آج کی نشریات کے

لیے قلعۂ شقیف پر تاریخی/تزویراتی دو طرفہ گفتگو کی خواہش مند، کیا آپ کے فون کرنے کا کوئی امکان۔۔۔ "ٹیلی فون لائنیں کئی گھنٹوں سے بند تھیں۔ مگر قلعۂ شقیف کے قبضے کو "تاریخی" بننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ فرانسوا غطاس دفتر میں موجود تھا—جسیم، بھاری بھرکم، خوش خلق اور بے حد قابلِ اعتماد فرانسوا۔ کیا اے پی کی باہر جانے والی تار چل رہی ہے؟ فرانسوا کے نچلے ہونٹ کے دائیں سرے پر سگریٹ لٹک رہا تھا، جس کی راکھ فرش پر جھڑتی جاتی۔ "میں تمہارا دایاں ہاتھ ہوں، "اس نے کہا۔ فرانسوا سب سے یہی کہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ لائنیں چل رہی ہیں۔ میں نے کمپیوٹر کے ذریعے دی ٹائمز کو پیغام بھیجا؛ بارنز کو بتایا کہ شامی اب لڑائی میں شامل ہو چکے ہیں، اور آخر میں لکھا" :افواہ ہے کہ اسرائیلی بیروت کے ذرا جنوب میں دامور کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اسرائیلی بحری جہاز اب بیروت کے ساحل سے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس وقت آسمان "اسرائیلی طیاروں سے بھرا ہے مگر فی الحال بم باری نہیں—صرف طیارہ شکن فائر ہو رہا ہے۔

یہ توپیں شامیوں کی نہیں، فلسطینیوں کی تھیں—روسی ساختہ، چار نالی توپیں، دوسری جنگِ عظیم کے زمانے کی یادگار، جو بلندی پر آواز سے تیز اڑتے جیٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ پی ایل او جھوٹا دعویٰ کرتی تھی کہ عجائب گھر میں رکھنے کے لائق ان ہتھیاروں سے اسرائیلی طیارے تباہ کیے جا سکتے ہیں، مگر زیادہ سے زیادہ یہ سڑکوں پر بارودی چھروں کی بارش کر سکتے تھے۔ ان کا کوئی فائدہ تھا تو صرف اتنا کہ فلسطینیوں کا حوصلہ بلند ہوتا اور انہیں محسوس ہوتا کہ وہ جوابی لڑائی کر رہے ہیں۔ مغربی بیروت میں رہنے والے لبنانیوں کو ان توپوں سے کوئی تسلی نہیں ملتی تھی۔

ان کے دھماکوں کی کڑک سے اے پی کے دفتر کی کھڑکیاں ہی نہیں، دیواریں بھی لرزتیں۔ پی ایل او کے چند اہل کار طیارہ شکن توپ کو شارع مے یافث کے ایک سرے پر لے آئے تھے اور مسلسل آسمان کی طرف گولے داغ رہے تھے۔ نصار نے حقارت سے کہا، "یہ اپنی توپوں کی

نالیاں پگھلا دیں گے۔ ‘‘اے پی کے دفاتر سے چار منزل اوپر عمارت کی چھت پر ہم نے گولوں کے دھماکوں کو مدھم شام کے آسمان پر دھبے بناتے دیکھا—ایک فضول، بے مقصد مشق۔ دھماکوں کے ایک میل کے اندر تک کوئی طیارہ نہ تھا۔ بارودی ٹکڑے کھٹ کھٹ ہمارے گرد گرتے، اپارٹمنٹ عمارتوں اور سڑک پار کموڈور ہوٹل کی دیواروں سے ٹکرا کر چھٹکتے جاتے۔

پھر سہ پہر ساڑھے چار بجے کے کچھ بعد مغربی بیروت کے آسمان میں گھومتے دکھائی دینے والے جیٹ طیاروں کے ایک سلسلے نے اچانک شہر کے اوپر غوطہ لگایا۔ وہ اپارٹمنٹ عمارتوں کی چھتوں پر بڑھتی ہوئی گرج کے ساتھ لپکے اور خود کو حرارت کا پیچھا کرنے والے میزائلوں سے بچانے کے لیے فاسفورس کے گولے بکھیرتے گئے۔ فاکہانی سے اب دھویں کا اس سے بھی بڑا مینار اٹھ رہا تھا جو بقاع سے واپسی پر ہم نے پہاڑی سے دیکھا تھا۔ اس دھویں کے نچلے حصے میں گلابی جھلک دوڑی، پھر یکے بعد دیگرے پانچ دھماکے ہوئے؛ اتنے شدید کہ تین میل دور سڑکیں اور عمارتیں حقیقتاً لرز اٹھیں۔ ایک عجیب لمحے کے لیے آسمان صاف حد بندی والی شوخ سبز آگ سے بھر گیا، جب پی ایل او کے طیارہ شکن گولے پسپا ہوتے طیاروں کے پیچھے بے سود پھٹتے رہے۔ اب اسرائیلی چھاپوں میں اپارٹمنٹ کی پوری پوری عمارتیں ڈھا رہے تھے۔ ان کے بم فاکہانی کے گرد عمارتوں کے اندر گہرائی میں پھٹتے اور کنکریٹ کے ہزاروں ٹن وزنی فرش، بالکونیاں اور زینے تہ در تہ ان کے مکینوں پر گرا دیتے۔

رات ہونے تک اسرائیلی فوج صیدا کے باہر پہنچ چکی تھی اور دریائے زہرانی کے جنوب میں بیشتر زمین اس کے قبضے میں تھی۔ محتاط اندازے کے مطابق اس کا مطلب تھا کہ لبنان کے چار سو مربع میل تک—پورے ملک کا دسواں حصہ—اب اسرائیلیوں کے ہاتھ میں تھا۔ گوکسل کے دفتر نے اطلاع دی کہ اقوامِ متحدہ کے فوجی سیکڑوں اسرائیلی ٹینکوں کو کمک کے طور پر سرحد پار کرکے

لبنان میں داخل ہوتے دیکھ رہے ہیں؛ اقوامِ متحدہ کے صدر دفتر کا اندازہ تھا کہ رات تک اسرائیل لبنان میں پینتالیس ہزار فوجی اتار چکا تھا۔

یہ کہنا کہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی جنگ ایک خطرناک اور انتہائی سفاک تنازع بنتی جا رہی تھی، لبنان میں اس کی فوجی مہم جوئی کی سیاسی حقیقتوں کو بہت کم بیان کرنا ہو گا۔ جنگ کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ کی انتہائی معتدل ریاستوں میں بھی امریکا مخالف شدید جذبات جنم لے رہے تھے۔ اسی دوپہر بیروت میں یہ غصہ عملی شکل میں ظاہر ہوا: کورنیش پر امریکی سفارت خانے کا مظاہرین نے محاصرہ کیا، پھر عمارت راکٹ سے چلنے والے دستی بموں کی زد میں آ گئی۔ حتیٰ کہ مصر کے صدر حسنی مبارک نے — جن کے پاس اسرائیل کے باقی ماندہ سینا خالی کرنے کے بعد واشنگٹن سے اچھے تعلقات برقرار رکھنے کی ہر وجہ موجود تھی — حملے کو "اشتعال انگیز" قرار دیا۔ سرکاری کنٹرول میں دمشق کے پریس نے الیگزینڈر ہیگ کو ذمہ دار ٹھہرایا اور الزام لگایا کہ اسے بیگن کے حملے کے منصوبے کا پہلے سے علم تھا اور وہ اس امید میں اس سازش کا شریک بنا کہ پی ایل او کی تباہی سے واشنگٹن کو تزویراتی فائدہ ہو گا۔

پھر بھی یوں لگتا تھا کہ اسرائیلیوں پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس رات صیدا شدید توپ باری اور فضائی بم باری کی زد میں تھا۔ چار اور پانچ جون کو جنوبی لبنان کے ہزاروں پناہ گزین یہ سمجھ کر صیدا پہنچے تھے کہ میدانِ جنگ سے پچیس میل شمال میں واقع شہر انہیں کچھ تحفظ دے گا۔ وہ الم ناک طور پر غلط ثابت ہوئے۔ اب شہر کے وسط کے قریب عمارتوں پر رات کے فضائی حملے ہو رہے تھے۔ صور میں ایک ہزار سے زیادہ پناہ گزینوں نے ریڈ کراس کے مرکز میں پناہ لی — اسی ساحلی ہوٹل میں جہاں چار برس پہلے پہلے اسرائیلی حملے کے دوران ہم نے جائے پناہ تلاش کی تھی۔

اگرچہ اسرائیلی اب بھی دارالحکومت سے کم از کم بارہ میل دور تھے، بیروت پہلے ہی محاصرے میں محسوس ہو رہا تھا۔ شہر آنے والی مشرقِ وسطیٰ ایئرلائنز کی تمام پروازیں منسوخ ہو چکی تھیں؛ قاہرہ سے آنے والی آخری پرواز، جس پر میں سفر کرکے آیا تھا، بیروت میں مڑی اور خالی ہی قبرص کے شہر لارناکا روانہ ہو گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد ایم ای اے کے ایک کنٹرولر نے پیرس سے آنے والی پرواز کو بیروت میں اترنے کی اجازت دی۔ وہ بوئنگ 707 پھر کبھی زمین سے نہ اٹھ سکا۔ کئی دن بعد بھی طیارہ ایپرن پر کھڑا تھا، مسافر دروازہ کھلا اور عملہ کب کا جا چکا تھا، جب ایک اسرائیلی گولا اس کے ایندھن کے ٹینک سے ٹکرایا اور طیارہ پھٹ گیا۔ اب لبنان آنے والوں کو دمشق پرواز کرکے بقاع کے راستے گاڑی میں آنا پڑتا، یا قبرص تک طیارہ لے کر وہاں سے مسافر بردار کشتی کے ذریعے مسیحی بندرگاہ جونیہ پہنچنا ہوتا۔ شہر میں پھل اور سبزیوں— جو روایتی طور پر جنوب میں اگتے تھے—کا ذخیرہ اچانک ختم ہو گیا۔ پٹرول اب رشوت دے کر ہی مل سکتا تھا۔ بین الاقوامی مواصلاتی نظام ٹوٹ رہا تھا۔ جیسے بیروت کی معیشت کے نازک ڈھانچے کو صرف ہلانے کی دیر تھی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔[2]

اس صبح اسرائیلی ٹینکوں کے اگلے دستے بیروت اور صیدا کے درمیان ساحلی شاہراہ پر دامور کے ذرا جنوب میں سعدیات پہنچ چکے تھے۔ کیوں؟ بعد کے تناظر میں واضح تھا کہ گزشتہ روز بیروت کی پہاڑیوں سے فاکہانی پر فضائی حملہ دیکھتے ہوئے توائت اور میں اسرائیلی فوجی حکمتِ عملی سمجھ گئے تھے۔ مگر ہم ایسی کارروائی کے سیاسی محرک کو نہیں سمجھ پاتے تھے۔ اسرائیلی بیروت کا گھیراؤ کرنے کا فیصلہ کر بھی لیتے تو کیا وہ پھر شہر کے مغربی حصے میں طاقت کے بل پر گھسنے کی کوشش کرتے؟ کیا وہ واقعی لبنان میں پی ایل او کو تباہ کرنا چاہتے تھے—ان ہزاروں گوریلوں کو حقیقتاً قتل یا گرفتار کرنا، جو اب شہر میں پسپا ہو رہے تھے؟ یا وہ محض فیلانج کے ساتھ اپنا اتحاد نقطۂ عروج تک پہنچانا چاہتے تھے؟ اور اگر ایسا تھا تو آخر کس مقصد کے لیے؟ کیا اسرائیلی—کیا

امریکی ــ سمجھتے تھے کہ فیلانج تنہا لبنان کو قابو میں رکھ سکتی ہے؟ کیا بشیر جمیل بحیرۂ روم کے کنارے ایک نئی مغرب نواز ریاست کی قیادت کرنے والا ان کا آدمی تھا؟

بیروت کے جنوب کی سڑک اب ایک ڈراؤنا خواب تھی۔ خوف زدہ مسلح افراد ہوائی اڈے کے جنوب میں خلدا کے چوراہے سے دونوں سمتوں میں گاڑیاں دوڑا رہے تھے؛ پانچ جون کے اسرائیلی فضائی حملوں میں مارے گئے شہریوں کے باقیات اب بھی ان کی جلی ہوئی گاڑیوں سے چپکے تھے۔ عرمون سے سفید دھویں کے مرغولے اتر رہے تھے، جہاں اسرائیلی گولے گر رہے تھے۔ سڑک پر ہمیں کویتی خبر رساں ادارے کے محمد سلام ملے۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے اپنی کھڑکی سے ہم سے بات کرتا رہا ــ لبنانیوں کی ایک مانوس عادت ــ اور بتایا کہ ہماری طرح وہ بھی سعدیات پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم اسرائیلیوں کو دیکھنا، انہیں گوشت پوست میں اپنے سامنے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے؛ ابھی غیر واضح انداز میں، ہم ان سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔

خلدا سے ہم بائیں مڑے اور زیریں شوف کی پہاڑیوں کی طرف چل دیے۔ سڑک کے دونوں جانب باغات میں شامی بکتر بند یونٹ کے دستے تعینات تھے۔ شاہراہ کے شمال میں درختوں تلے کئی ٹی-54 ٹینک کھڑے تھے اور کھیتوں میں حفاظتی پشتوں کے گرد ریت کی بوریاں چنی گئی تھیں۔ سڑک پر ریڈیو مواصلات کا ایک ٹرک کھڑا تھا ــ ایک بوسیدہ پرانی گاڑی، جو اوپر لگی پتلی اونچی چمنی کے باعث خانہ بدوشوں کی گاڑی دکھائی دیتی تھی۔ اسرائیلی فضائیہ کی ایسے اہداف سے رغبت جانتے ہوئے ہم تیزی سے ان کے پاس سے گزر گئے۔

ہمیں احساس تھا کہ ساحلی شاہراہ گولہ باری کی زد میں ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ دامور پر فضائی حملہ ہو رہا ہے۔ لیکن اگر ہم دامور کے مشرق کی طرف سفر کرتے تو شاید سعدیات میں اسرائیلیوں کو ڈھونڈ سکتے تھے۔ ہم جھاڑیوں سے ڈھکی تنگ سڑکوں پر آگے بڑھے، ان دیواروں

کے نیچے سے جن سے شہد رنگ کے بڑے بڑے پھول لٹک رہے تھے۔ چھوٹے دروز دیہات میں ہم نے دیکھا کہ باشندے نہیں بھاگے؛ مقامی مسلح افراد نے اپنے لوگوں سے گھر نہ چھوڑنے کو کہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح یہ بات پھیل گئی تھی کہ اسرائیلی ان دروز آبادیوں کو بخش دیں گے۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اسرائیلی فوج کے دروز سپاہی پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ لبنانی دروز حملہ آور فوج سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ بعورتہ پہنچے تو لوگ اپنے گھروں کے برآمدوں میں بیٹھے کافی پی اور سگریٹ پھونک رہے تھے؛ انگور کی بیلوں کے سائے تلے جنگ کی قریب آتی آوازیں سن رہے تھے۔

جنگ مسلسل ان کی جانب بڑھ رہی تھی، مگر وہاں کے خاندانوں نے ہمیں اپنے چھوٹے گھروں میں پناہ کی پیش کش کی۔ اس صبح ساڑھے پانچ بجے اسرائیلیوں نے ذرا شمال میں ایک وادی پر بم باری کی تھی؛ گھروں پر دہکتے سرخ بارودی ٹکڑے برسے، لیکن انہوں نے گاؤں پر حملہ نہیں کیا تھا۔ لوگ اس مہربانی کو اپنے گھروں کے آس پاس فلسطینی اڈے نہ ہونے کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ بعورتہ دھماکوں کی آواز سے لرز رہا تھا، مگر اب تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ دامور مغرب میں مخروطی پہاڑی کے پیچھے چھپا تھا، مگر ایک طیارہ شکن توپ مسلسل گولے برسا کر بحیرۂ روم کے گہرے نیلے آسمان میں بے معنی سفید دھوییں کے مرغولے بنائے جا رہی تھی۔ جنبلاط کی پی ایس پی ملیشیا کا ایک افسر—جس نے بے موقع کاؤ بوائے جوتے، سفید بیلٹ اور داغ دار جنگی وردی پہن رکھی تھی—ایک بنگلے کی چھت پر ہمارے ساتھ کھڑا دوربین سے مخروطی پہاڑی کو دیکھ رہا تھا، تاکہ یقین کر سکے کہ فلسطینی بعورتہ میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں۔ گاؤں والوں کو فلسطینی نصب العین سے بے ہمدردی نہ تھی، مگر وہ پہاڑی چوٹی پر اپنی بیش قیمت غیر جانب داری کا تحفظ چاہتے تھے۔

بحیرۂ روم کی طرف دیکھ کر اس کی وجہ سمجھنا مشکل نہ تھا۔ ساحل سے ایک میل سے بھی کم فاصلے پر دو اسرائیلی جنگی جہاز—نیلے پانی کے مقابل سرمئی، پیچھے سفید جھاگ کی پٹیاں بناتے ہوئے—دامور کے جنوب میں ساحلی سڑک پر گولے برسا رہے تھے۔ ان کے گولے بلند چیخ کے ساتھ دو رویہ شاہراہ پر گرتے اور سفید گرد کے بادل اٹھاتے۔ ذرا جنوب میں دھند کے پار سعدیات تھا، جہاں اسرائیلی سنچورین ٹینکوں کے اگلے دستے نے سڑک کنارے مورچے بنا رکھے تھے۔

ہم شاید ایک گھنٹے سے چھت پر اس ملیشیا اہل کار اور خاندان کے بوڑھے دادا کے ساتھ بے مقصد کھڑے تھے۔

دوپہر گزرے ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ شوخ نیلے فراک اور دو چوٹیوں والی ایک چھوٹی بچی کنکریٹ کی سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آئی۔ اس کے ہاتھ میں نفاست سے منقش چینی کی پیالیوں کی طشتری اور بھاپ اڑاتی کافی کا جگ تھا۔ اس نے ہمیں بڑی سی مسکراہٹ دی؛ اس کے والدین اچانک ان کے گھر پہنچ جانے والے غیر ملکیوں پر اپنی مہربانی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے ابھی پیالیاں اٹھا کر بھرنے کے لیے آگے ہی کی تھیں کہ عین سر کے اوپر سے غوطہ لگاتے جیٹ طیارے کی آواز آئی۔

پہلا اسرائیلی طیارہ آسمان سے اتنی تیزی سے نکلا کہ ہم نے بلندی پر اس کے جیٹ انجن کی دھاگے جیسی مدھم سرسراہٹ بمشکل سنی ہی تھی کہ وہ پہاڑیوں پر آواز سے تیز رفتار سے جھپٹا، اپنے پیچھے آگ بکھیرتا اور جنوب کی ایک چھوٹی وادی میں نو دس سیاہ سی اشیا گراتا چلا گیا۔ لڑاکا بم بار سورج کی روشنی میں بل کھاتا اوپر اٹھا تو ندی کے قریب زمین جیسے اچھل پڑی اور گہرے سیاہ دھویں کی آٹھ بھاری انگلیاں آسمان کی طرف لپکیں۔ دھماکوں کی لہریں زمین پر آبشار کی طرح

ہماری جانب آئیں تو اس ننھی عمارت کی دیواریں، فرش—حتیٰ کہ عین ہوا—سب لرز اٹھے۔ پہلا جیٹ نظروں سے اوجھل بھی نہ ہوا تھا کہ اگلے طیارے کی آواز سنائی دینے لگی۔

اس بار وہ مشرق سے چیختا ہوا آیا؛ دریائے دامور کے خشک پاٹ کے اوپر سختی سے مڑا اور وادی کے ساحلی سرے پر اپنے انتہائی دھماکا خیز بم گرا دیے۔ ان پہاڑیوں کی اوٹ میں درختوں کے اندر پناہ لیے فلسطینی گوریلے اگر صرف ان دو حملوں میں زندہ بچ گئے ہوں تو یقیناً کوئی دیوتا ان کا نگہبان تھا۔ تیسرا طیارہ ہمارے سروں کے اوپر سے آیا۔ شاید ہوا باز کو زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل کا خوف تھا، کیوں کہ اس نے اپنے طیارے کو ایک تیز، بل کھاتے غوطے میں نیچے لایا اور ہم سب کی سانس رک گئی۔ طیارے سے متعدد غبارے نکلے جو جیٹ کے پیچھے فاسفورس کی چمک میں پھٹ گئے۔ پاگل وار غوطہ لگاتے طیارے سے نکلتے غبارے سبز روشنی اور آگ کی چکردار سیڑھی بناتے، گرمیوں کے آسمان میں نیچے تک اس کے اترنے کا نقش کھینچتے گئے۔ دوربین سے ایک لمحے کے لیے ایف-16 کا عکس میری نگاہ میں آیا—پروں پر بے رونق بھورا چھلاوا اور کاک پٹ کی چھتری پر سورج کی چمک—پھر دھماکوں کی لہریں ہمارے گرد آ ٹکرائیں۔ خوف ناک وادی سے دھماکوں کی ایک لہر اٹھی جو دریا کے پاٹ کے ساتھ پھیلتی چلی گئی اور سیاہ دھویں کی انگلیاں پھر اوپر کو یوں اٹھیں، جیسے زمین سے کوئی مردہ ہاتھ نکل رہا ہو۔

ہم یہ سب ان تماشائیوں کی گھبراہٹ سے دیکھ رہے تھے جنہیں اندیشہ ہو کہ کھیل کے دوران تھیٹر کی چھت ان کے سر پر آ گرے گی۔ اس سارے منظر کا ہول ناک حسن ہمیں خاموش کیے ہوئے تھا۔ پھر ایک منٹ کے قریب گزرا تو چھت پر بیٹھا بوڑھا ہماری طرف مڑا اور بولا، ''ہمارے ملک کا کیا بنے گا؟''ہم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کاؤ بوائے ٹوپی والے ملیشیا اہل کار نے نہایت شائستگی سے ہمیں مشرقِ وسطیٰ کی حالیہ تاریخ، فلسطین پر انتداب اور ریاستِ اسرائیل

کے قیام کی یاد دلائی۔ بوڑھے نے اس کی بات سنی، پھر کہا، ''تمہارے ملک نے اسرائیل بنانے میں مدد دی۔ تم ہمارا مستقبل طے کر رہے ہو۔''

ایک شرمندہ خاموشی چھا گئی—ایسا لمحہ جسے ملیشیا افسر، حتیٰ کہ چھوٹی بچی نے بھی سمجھ لیا۔ آخرکار مسلح شخص بولا، ''بات صرف اسرائیل کی نہیں۔ ہمیں ایک نیا لبنان چاہیے۔ یہ ملک پہلے جو کچھ تھا، ہم اس سے نجات چاہتے ہیں۔ ہمیں ایک باقاعدہ صدر، ایک آزاد رہنما چاہیے—کوئی ایسا شخص نہیں جو شام کے حکم پر چلے۔'' یہ عجیب طور پر بالواسطہ تبصرہ تھا، کیوں کہ ہمارے گرد منظرنامہ جلانے والے طیارے اسرائیلی تھے، شامی نہیں۔

پھر بھی اس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہی دو ملک لبنان کا فوری مستقبل طے کر رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں شامی پھر دکھائی دیے؛ ان کے بکتر بند دستے اور طیارہ شکن توپیں اب درختوں اور جالیوں کے نیچے گہری چھلاوا پوشی میں، خلدا کے مشرق میں چھوٹی سڑکوں کے ساتھ ایک قطار میں پھیلے تھے۔ وہ حملے کی تیاری نہیں کر رہے تھے؛ ان کی موجودگی اسرائیلیوں کو یہ بتانے کے لیے تھی کہ دمشق بیروت چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یہ شام کی ''سرخ لکیر'' تھی۔ ان کے ٹینکوں کے پاس سے گزرتے ہوئے سڑک کنارے فوجیوں نے ہماری طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کی آنکھیں معمول سے کہیں بڑی دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ہمیں ناسمجھی کے عالم میں گھورتے اور بار بار اپنے گرد دیکھتے—اوپر پہاڑیوں، آسمان اور سمندر کی سمت۔ وہ خوف زدہ تھے۔

اور رات ہونے تک ان میں سے بیشتر مر چکے تھے۔ اسرائیلیوں نے سہ پہر کے آخری حصے میں ٹینکوں پر حملہ کرکے سب تباہ کر دیے۔ چار دن بعد میں اسی سڑک سے گزرا تو بکتر بند دستے کی واحد باقیات مواصلاتی ٹرک کا ملبہ تھا—وہی گاڑی جو خانہ بدوشوں کے کارواں جیسی لگتی تھی۔ وہ ایک کھائی میں پہلو کے بل پڑی تھی اور اس کی مضحکہ خیز چمنی کو اسرائیلی ٹینکوں کی پٹریوں

نے سڑک پر چپٹا کر دیا تھا۔ آخرکار اسرائیلیوں نے دامور کے بچے کھچے حصے کو بھی ٹینکوں کی گولہ باری سے ویران کر دیا اور کھنڈرات میں داخل ہوتے ہوئے اس ٹوٹے گرجے تک پہنچ گئے، جہاں چھے برس پہلے میں نے ایک ناگوار حد تک چچا بننے والے کمانڈر کی نگرانی میں فلسطینی بچوں کو ننھے گوریلے بننے کی تربیت لیتے دیکھا تھا۔

8 جون 1982ء کی شام اسرائیلی ٹینک بیروت ہوائی اڈے کے رن وے 1-8 کے آخری سرے پر واقع خلدا چوراہے پر گولے برسا رہے تھے اور ان کی زمینی فوج کھلی آنکھ سے لبنانی دارالحکومت دیکھ سکتی تھی۔ شوف کی بلندیوں میں دروز نے مکمل فرمانبرداری سے اسرائیلی بکتر بند قطاروں کی آمد دیکھی۔ بیت الدین میں، جہاں امیر بشیر ثانی کا محل دریائے حمام کی وادی کے اوپر ایک سطح مرتفع پر واقع تھا، تقریباً سو اسرائیلی ٹینک بعقلین سے سڑک پر چڑھ آئے۔ شاہراہ پر شامیوں کی دو نگراں چوکیوں—اور ان میں موجود اہل کاروں—کو گولے مار کر وادی میں اڑا دیا۔ پہاڑِ باروک کی بلندیوں پر، جہاں قدیم دیودار اب تک لبنان کی جنگوں سے لاتعلق جیتے آئے تھے، اسرائیلی چھاتہ برداروں نے ریڈیو مواصلات اور جاسوسی کا اڈا قائم کر لیا۔ ان سرد پہاڑی چوٹیوں سے وہ پوری وادئ بقاع، بعلبک سے پرے تک دیکھ سکتے تھے؛ انہیں سلسلۂ کوہِ شرق لبنان کی طویل خاکستری ڈھلوانیں نظر آتی تھیں، جو لبنان اور شام کی سرحد متعین کرتی تھیں۔ بہت نیچے بیروت-دمشق شاہراہ تھی۔

اسرائیل کے بڑے حملے کی غیر معمولی رفتار اور گہرائی نے فلسطینیوں اور شامیوں دونوں کو ششدر کر دیا۔ اس رات بیروت میں پی ایل او کے رہنماؤں نے اپنے عرب بھائیوں کی اخلاقی بزدلی پر غصے سے بات کی—ان نام نہاد ”انقلابی“ ملکوں پر جنھوں نے فلسطینیوں کی خاطر ”عوام کو متحرک کرنے“ کی اپیلیں نشر کی تھیں، مگر اس نصب العین کی حمایت کے لیے نہ آدمی بھیجے، نہ ہتھیار؛ وہی نصب العین جس کے لیے وہ بظاہر اسرائیل کے ساتھ چار جنگیں لڑ چکے تھے۔ فتح کے

حفاظتی ڈھانچے کے سربراہ صلاح خلف—جن کا تنظیمی نام ابو ایاد تھا—نے سب سے پہلے پی ایل او کے غصے کو زبان دی۔ مغربی بیروت کے دفاع کا انتظام بڑی حد تک انہی کے کندھوں پر آنے والا تھا۔ انہوں نے کہا، "اپنے موجودہ نظاموں کے ساتھ عرب ملک قبر کی طرح ساکت ہیں۔ وہ "اسرائیلی ضربوں کا جواب صرف تحریری یا زبانی مذمت سے دیتے ہیں۔

جنوبی لبنان میں پی ایل او کی مزاحمت صور اور صیدا میں جاری تھی۔ اسرائیلی عین الحلوہ کیمپ کو کھنڈر بنا رہے تھے، جب کہ اس کی بیشتر شہری آبادی اب بھی اندر موجود تھی۔ فلسطینی اسٹالن گراڈ، "آخری مورچے "اور شکست میں فتح کی باتیں کرنے لگے۔ خلف نے کہا، "زمین ہی واحد اہم شے نہیں۔ لڑنے کا عزم بھی اتنا ہی اہم ہے، اور ہم گلی گلی اسرائیلیوں سے لڑیں گے۔ " یوں محسوس ہوتا تھا کہ بیروت فلسطینیوں کا اسٹالن گراڈ بننے والا ہے۔ مگر اگر بیروت اسٹالن گراڈ تھا تو فلسطینی دوسری جنگِ عظیم میں شہر کے دلیر سوویت محافظوں کا کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔ حالاں کہ اسٹالن گراڈ میں آخرکار روسی نہیں، جرمن محصور ہوئے تھے۔ اور اب بیروت میں پھنسنے والے فلسطینی تھے۔

اس رات اے پی کے دفتر کی بالکونی میں جنریٹر گرج رہا تھا اور ٹیلیکس مشین کے پاس روشنیاں مدھم پڑ رہی تھیں۔ میں نے دی ٹائمز کے لیے ایک خبر ٹائپ کرکے بھیجی، پھر آخر میں ایک تازہ، تاخیر سے موصول ہونے والا پیراگراف شامل کیا۔ میں نے لکھا" :اندھیرا چھانے کے کچھ دیر بعد۔۔۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسرائیلی شوف کی پہاڑیوں سے شمال کی طرف بڑھ کر بحمدون کے قریب بلندیوں پر مرکزی بیروت-دمشق شاہراہ کاٹنے کا منصوبہ بنا رہے ہوں، یوں بیروت میں موجود شامی فوج بقاع کی اپنی فورسز سے جدا ہو جائے گی۔ اگر اسرائیلی اسی حکمتِ عملی پر عمل کر رہے ہیں تو وہ جلد دائیں بازو کی مسیحی فیلانج کی اب تک خاموش فوج سے جا ملیں گے— وہ ملیشیا۔۔۔ جس کی اسرائیل کے لیے گرم جوشی کو لبنان میں کبھی جھٹلایا گیا ہے، نہ چھپایا۔ "یہ

پیراگراف ایک پیش گوئی تھا، مگر اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اسرائیلی ایسی تمام قیاس آرائیوں سے آگے نکل کر انہیں حقیقت بنا دینے والے تھے۔

مغربی بیروت اب ہزاروں پناہ گزینوں سے بھر گیا تھا، جو سڑکوں پر پڑاؤ ڈالے، اپارٹمنٹ عمارتوں کی راہداریوں اور عوامی پارکوں میں براجمان تھے۔ اس رات میرے اپارٹمنٹ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میرا مالک مکان تھا—ایک دروز، نیک اور مہربان آدمی، جو مجھ اور میرے دوستوں کو اپنے خاندان کا فرد سمجھتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی ان شامیوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں جنہیں میں نے دن میں دیکھا تھا۔ وہ بھی خوف زدہ تھا۔ اس کے خاندان کے کئی افراد 1975ء میں مشرقی بیروت کی لڑائی کے باعث پہلے ہی پناہ گزین بن چکے تھے اور اب وہ دوبارہ فرار ہونے کا سوچ رہے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے جاتے ہی مسلح لوگ اور بے گھر قابض عمارت میں گھس آئیں گے۔ میں نے اپنی فائلیں اور دی ٹائمز سے متعلق اہم ترین دستاویزات سمیٹیں، انہیں محفوظ کرنے کے لیے اے پی کے دفتر لے جا کر ٹیڑو کے کمرے میں رکھ دیا۔ ایک اور پیغام میں اپنے اخبار کو خبردار کیا کہ مالک مکان چلا گیا تو ملیشیا اہل کاروں کو گھر لوٹنے سے روکنا میرے لیے ممکن نہیں ہو گا۔ کم از کم اے پی کا دفتر تو خالی نہیں کرنا پڑے گا—یا یہی ہماری امید تھی۔

ہم خوش نصیب غیر ملکیوں کے لیے بیروت کی فضا میں کچھ غیر حقیقی سا تھا۔ بین الاقوامی پریس کا ایک بہت بڑا لشکر اب لبنان پہنچ چکا تھا۔ اسرائیل میں مقیم سیکڑوں رپورٹر اور کیمرا ٹیمیں اسرائیلی فوج کے پیچھے پیچھے شمال کی طرف بڑھیں، جب کہ مزید سیکڑوں سمندر کے راستے بیروت میں مقیم نامہ نگاروں سے آ ملے۔ پہلا گروہ سنسرشپ کا پابند تھا، دوسرا نہیں۔ بہت سے صحافی مشرقی بیروت کے نسبتاً محفوظ حصے میں ٹھہرے، مگر نئے آنے والوں کی اکثریت شہر کے مغربی حصے میں رہنے والے رپورٹروں کے پاس آ گئی۔ کموڈور ہوٹل کا امیر فلسطینی مالک یوسف نزال اب

امریکی ٹیلی وژن نیوز کے بڑے بڑے ناموں کی میزبانی کر رہا تھا۔ کموڈور کے مہنگے ریستوران کی مقبرہ نما نیم تاریکی میں اس کے ساتھ عشائیے پر بیٹھنا کسی بڑے بحری جہاز میں کپتان کی میز پر کھانا کھانے جیسا تھا۔ ہوٹل کا جنریٹر—جو مدت پہلے صیدا کے قریب ایک تباہ شدہ بحری جہاز سے آزاد کرایا گیا تھا—تاریکی میں دھم دھم چلتا، جب کہ نزال شمپین اور ٹھنڈے کمروں میں پلے اسکاچ مویشی کا گوشت منگواتا اور قرض خواہ کی تشویش سے مہمانوں پر نظر رکھتا۔

مگر کموڈور خود ایک پھندا تھا۔ اگر وہ جنگ سے محفوظ پناہ گاہ تھا—کم از کم فی الحال—تو اس نے پریس کو اپنے دروازوں کے باہر کی دنیا سے الگ بھی کر دیا تھا۔ امریکی نیٹ ورکوں کی ٹیمیں، شہر میں گھر رکھنے والے مستقل صحافی، خبر رساں اداروں کے رپورٹر اور نئے آنے والے بہت سے نامہ نگار ہر روز ملک میں سفر کرتے تھے۔ لیکن ہوٹل میں صحافتی آوارہ گردوں کی ایک نسل بھی آباد تھی :ایسے رپورٹر جو شاذ ہی عمارت—یا نیچے والے شراب خانے—سے باہر نکلتے اور لابی کی نیوز وائر مشینوں سے معلومات چنتے رہتے۔ جن لبنانیوں سے وہ تقریباً واحد گفتگو کرتے، وہ ہوٹل کا عملہ، صفائی کرنے والے، ویٹر اور شراب خانے کے ملازم تھے۔ ان کے "باخبر ذرائع "سفارت کاروں کا وہ گھٹتا ہوا گروہ تھا جو ہوٹل آتا تھا۔ ناگزیر طور پر انہوں نے ہوٹل ہی کے بارے میں لکھنا شروع کر دیا :دوسرے رپورٹروں کے بارے میں، اس طوطے کے بارے میں جو آتے گولوں کی آواز نقل کرتا اور "مارسیلیز "اور بیتھوون کی پانچویں سمفنی کی ابتدائی دھن گاتا تھا۔

کموڈور نے بیروت کی کہانی پر ایک غیر صحت مند ملمع چڑھا دیا تھا۔ یہ ایک غیر حقیقی دنیا تھی جو کبھی ہمیں یہ خوش فہمی دیتی کہ ہم کسی اسٹیج پر کھیلا جانے والا ڈراما یا تھیٹر دیکھ رہے ہیں؛ جیسے باہر برپا سانحہ روزانہ نشر ہونے والا کوئی ٹیلی وژن سلسلہ ہو جس سے ہم بے خطر لطف اندوز ہو سکتے ہوں۔ ہم سب کموڈور میں کھاتے پیتے تھے؛ وہ ملاقات گاہ، پریس کلب اور کانفرنس مرکز تھا، جس کی داغ دار راہداریوں یا گندے کمروں میں ہم اپنے سفر طے اور ہنگامی طور پر خبریں بھیجنے

کے انتظامات کر سکتے تھے۔ گولہ باری میں گاڑی چلانے یا فضائی حملے میں جان خطرے میں ڈالنے کے بعد ہمیں آرام کی اجازت کیوں نہ ہوتی؟ مگر ہوٹل نے ہمیں تماش بین بھی بنا دیا تھا۔ ہم ہر شام تھکے اور مضطرب لوٹتے تو مسکراتے ہوئے شراب خانے کے ملازم، مستعد ویٹر اور ایک پیانو نواز ہمارا استقبال کرتے۔ یوں لگتا، آخر حالات اتنے برے بھی نہیں۔

یہی گھٹن، یہی دنیا سے کٹا رہنا تھا جس نے بعد میں اس وقت کموڈور سے شاذ ہی باہر نکلنے والے صحافیوں کو حقیقی صدمے سے دوچار کیا، جب ٹینک کا ایک گولا ہوٹل کی دیوار توڑ کر ایک خواب گاہ میں پھٹ گیا۔ اس گولے نے صرف کموڈور کی دیوار نہیں توڑی؛ اس نے شیشے کے مرتبان کی سطح بھی پھاڑ دی—جیسے بیروت نے آخرکار ان چکنے چپڑے، سجے سنورے جان داروں سے صبر کھو دیا ہو، جنہیں وہ شیشے کے دروازوں کے پار دیکھتا تھا۔

اب اے پی میں کمپیوٹر کے ذریعے شاذ ہی کوئی پیغام پہنچتا۔ موصول ہونے والی نیوز وائر دن میں صرف ایک گھنٹہ چلتی، مگر جو پیغامات آتے بھی، وہ ہماری حقیقی دنیا سے بہت کم تعلق رکھتے دکھائی دیتے۔ ہر سہ پہر موصولہ تار پر "فوری "گھنٹیاں بجتیں تو نیویارک میں اے پی کا صدر دفتر ارلین ٹیڑو اور اس کے ساتھیوں کو یاد دلاتا کہ انہوں نے اب تک روزانہ موسم کی معمول کی رپورٹ نہیں بھیجی۔ آج لبنان میں دھوپ تھی یا بادل؟ یا بارش کا کوئی امکان؟ کیا ہلکی گولہ باری، شدید فضائی حملوں یا وقفے وقفے سے بم باری کی اطلاع دینی چاہیے تھی؟

جون کو دی ٹائمز کسی طرح مجھے کئی یادداشتیں بھیجنے میں کامیاب ہوا۔ ایک میں پوچھا گیا کہ 9 کیا آئندہ پیغامات مختصر صفحات میں بھیج سکتا ہوں، کیوں کہ "یہاں انہیں کاٹنے تک بعض اوقات خاصے گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ "ایک دوسرے پیغام میں اعلان تھا کہ فن لینڈ سے میری ایک دوست کرسٹینا جوئلسن چھٹیاں گزارنے لبنان آنے والی ہے۔ چھٹیاں گزارنے !لندن سے ایک اور پیغام "میں لکھا تھا" :کام جاری رکھو اور سر جھکائے رکھو۔

9 جون کی صبح اسرائیلیوں نے بیروت-دمشق شاہراہ کاٹنا شروع کر دی۔ نارویجین ریڈیو کے توائت، ناروے کے سفارت خانے کی آنہ کارینہ آرویسان اور میں طلوعِ سحر کے وقت کحالہ سے آگے نکلے، عین اس وقت جب بیروت پر فضائی حملے شروع ہوئے۔ مگر اب صاف پہاڑی ہوا اور ڈھلوانوں پر صنوبر کے درخت بھی ہماری بے چینی کم نہیں کر سکتے تھے۔ اگر مشرقِ وسطیٰ کی جنگوں کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک ذلت ہے تو کوہِ لبنان کی بلندیوں پر وہ پوری طرح نمایاں تھی۔ درّوں میں شامی ٹینکوں کے نو عمر عملے لبنان کے دارالحکومت تک رسد کا واحد شامی راستہ کھلا رکھنے کی بے تاب مگر بے سود کوشش کر رہے تھے۔ ٹینک اتنی عجلت میں پہاڑی ڈھلوانوں پر کھڑے کیے گئے تھے کہ گاڑیوں پر چھلاوے کے جال تک ڈالنے کا وقت نہ ملا تھا۔

ضہر البیدر میں اور وہاں سے شتورا اترتی سڑک کے ساتھ شامی بکتر بند گاڑیاں موجود تھیں—وہی سڑک جہاں 1976ء کے موسمِ گرما میں ٹھیک چھے برس پانچ دن پہلے اس اکتائے ہوئے شامی فوجی نے کوڈی اور مجھے روکا تھا۔ مگر اب ایک طاقت ور شامی فوج کے ہراول دستے کے بجائے ہمیں بکتر بند بریگیڈ کے قابلِ رحم باقیات ملے، جن کا عملہ خوف سے آسمان کو گھور رہا تھا۔ وہ دوربینیں لگائے اندیشے کے ساتھ اسرائیلی جیٹ طیارے تلاش کر رہے تھے، مگر ان پر فائر فضا سے نہیں، زمین سے آیا۔

پہلے گولوں نے انہیں جیسے اچانک صدمے سے دوچار کر دیا۔ گولے عازونیہ میں موجود اسرائیلی ٹینکوں سے پہاڑی چوٹیوں کے اوپر سائیں سائیں کرتے آئے اور شمال کی پتھریلی ڈھلوانوں پر پھٹنے لگے۔ شامیوں کو جوابی فائر کرنے میں پورے دو منٹ لگے۔ انہوں نے توپوں کی نالیاں شاہراہ کے پار گھمائیں اور ان اہداف کی طرف گولے داغنے لگے جو انہیں دکھائی تک نہیں دے رہے تھے۔

تو ائت کرائے کے لبنانی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھا، ہر گولہ پھٹنے کے درمیان سیکنڈ گن رہا تھا۔ اس نے کہا، ''وہ چاہتے ہیں کہ شامی سامان باندھ کر چلے جائیں—یہ سنجیدہ لڑائی نہیں۔ ''شمال میں ہمیں اسرائیلی گولے ڈھیلے پتھروں کے درمیان پھٹتے دکھائی دیتے: دھماکوں کی کڑک اور بازگشت پہاڑی ڈھلوان پر نیچے تک آتی۔ کئی گولے جنوب کی ایک چھوٹی سڑک پر گرے، جو عالیہ کی طرف جاتی تھی۔ ہم نے یہی جنوبی راستہ اختیار کیا تو ایک شامی ٹی۔ ٹینک نے روک لیا۔ اس کا عملہ برج پر بیٹھا نقشہ پڑھ کر اپنا مقام معلوم کرنے کی کوشش کر 54 رہا تھا اور آپس میں اسرائیلی گولہ باری کے منبع پر بحث کر رہا تھا۔ عالیہ کے اوپر مخالف پہاڑی سلسلے تک پہنچے تو بادل اتر آیا۔

اونچا چمکتا سورج اچانک گھنی دھند میں چھپ گیا، جو پہاڑی ڈھلوان سے لپٹ گئی تھی۔ اس پردے کے نیچے—اسرائیلی بم بار ہوا بازوں کی نگاہوں سے محفوظ—شامی پسپا ہو رہے تھے: بالائی شوف سے جتنے بکتر بند دستے اور توپیں بچا سکتے تھے، نکال رہے تھے۔ طیارہ شکن توپیں کھینچتے ٹرک، مارٹر اور گولوں کے خولوں سے لدے بھاری ٹرک عالیہ کی گلیوں میں دیوانہ وار دوڑ رہے تھے۔ فوجی ان کے پہلوؤں سے لٹکے ہوئے تھے اور شہری گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو راستہ خالی کرنے کے لیے چیخ رہے تھے۔ بادلوں کے اندر سے گولہ باری کی بھاری، دبی دبی آواز آ رہی تھی: ایک موقع پر نچلی پرواز کرتا طیارہ—نابینا اور اَن دیکھا—قصبے کے اوپر سے تیزی سے گزرا۔ دھند گہری ہوتی گئی تو بھاگتے فوجی دشمن سے جتنا، شاید اپنے تخیل سے بھی اتنا ہی شکست خوردہ دکھائی دیے۔ اگر کبھی بے خبر فوجیں رات کے اندھیرے میں ٹکرائی تھیں تو اس پہاڑی سلسلے پر یہی ہو رہا تھا۔ عالیہ کے دوسری جانب—جہاں ہم قریب ترین اسرائیلی دستے سے زیادہ سے زیادہ ایک میل دور ہوں گے—تاریکی میں سے ہیولوں کی ایک قطار نمودار ہوئی: خاکستری شکلیں، جو سڑک پر ایک قطار میں شمال کی طرف قدم بڑھا رہی تھیں۔

وہ فتح کے اہل کار تھے، بادلوں کی آڑ میں پسپا ہوتے ہوئے؛ دبلے، نڈھال، بے ریش تراش گوریلے، تھکن سے چُور۔ ہم نے بات کرنے کے لیے گاڑی روکی تو وہ یوں ہمارے پاس سے گزرتے رہے جیسے ہم وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ تقریباً تیس آدمی ہوں گے اور ہم نے ان سے گفتگو کی کوشش کی۔ میں نے ایک سے پوچھا کہ کہاں جا رہا ہے، مگر وہ دھند میں بھوت کی طرح ''میرے پاس سے چلتا گیا۔ توائت اپنے خیالوں میں گم تھا۔ پھر بولا، ''وہ سو رہے ہیں۔

مسلسل فضائی حملوں کے نیچے تین دن لڑنے کے بعد یہ فلسطینی صرف بنیادی ترین انسانی جبلت کی رہنمائی میں جنگ سے دور جا رہے تھے۔ وہ فتح—حتیٰ کہ شہادت—کو بقا کے لیے ترک کر چکے تھے۔ کئی زخمی تھے؛ بازوؤں پر بندھی پٹیوں میں خون جم چکا تھا۔ ایک شخص کندھے پر رائفل اور پیشانی کے گرد قرمزی گاز کی چوڑی پٹی لپیٹے چل رہا تھا۔ مگر سب نے کوفیے گردنوں کے گرد ڈھیلے نہیں بلکہ سروں پر باندھے تھے—جیسے فلسطینی جنگجو پی ایل او کے بیروت میں شائع کردہ تبلیغی پوسٹروں میں دکھائی دیتے تھے۔ اب وہ فوجی تھے۔ ہر شخص نے اپنا ہتھیار سنبھال رکھا تھا۔ فلسطینی ایک بار پھر فلسطین کے لیے لڑ رہے تھے؛ اور ہمیشہ کی طرح، غلط سمت میں مارچ کر رہے تھے۔ ہم سڑک کنارے خاموش کھڑے رہے، جب تک یہ نیند میں چلنے والے لوگ دھند میں گم نہ ہو گئے۔

بیروت-دمشق شاہراہ پر مزید فلسطینی موجود تھے، تقریباً انہی آدمیوں جتنے تھکے ہوئے جنہیں ہم ابھی دیکھ کر آئے تھے۔ جنوبی لبنان کی شکست سے جان بچانے کے بعد انہوں نے اپنی جیپیں اور پک اپ ٹرک شتورا کے مغرب میں سڑک کے گھاس دار کنارے پر کھڑے کیے تھے۔ بعض ٹرکوں پر کاتیوشا راکٹ لانچر تھے، باریک میزائل اپنے خانوں میں داغے جانے کے لیے تیار۔ کئی فلسطینی ٹرکوں کے پاس گھاس پر گہری نیند سو رہے تھے۔ شامی—جو چھ برس پہلے اسی شاہراہ پر انہی آدمیوں سے لڑے تھے—اب گوریلوں کو اتحادی سمجھتے تھے۔ شاید صدر اسد کا اسی ہفتے

فلسطینیوں کے ساتھ ایک ہی خندق میں شریک ہونے "کی بات سے یہی مطلب تھا۔ کوہِ لبنان کی" ڈھلوانوں پر محسوس ہوتا تھا کہ ان کی فوج بھی اب اسی ذلت میں شریک ہونے والی ہے۔

پوری پہاڑی شاہراہ پر شامی مزید بکتر بند گاڑیاں لا رہے تھے۔ اب مرکزی سڑک سے نکلنے والے ناہموار راستوں پر بھی شامی ٹینک موجود تھے؛ ایسے عملے انہیں لمبی گھاس اور جنگلی پھولوں کے درمیان لے گئے تھے جنہیں اندازہ ہی نہ تھا کہ اسرائیلی اتنے قریب ہیں۔ بحمدون سے عالیہ تک تمام پہاڑی سلسلوں پر شامی بدحواسی میں اپنے بکتر بند دستے کھڑے کر رہے تھے، جو ممکنہ فضائی حملے کے سامنے بری طرح کھلے تھے۔ درخت سے توڑی گئی کوئی شاخ یا کسی فوجی کا بستر ہی چھلاوے کا واحد دکھاوا تھا۔ اسرائیلی گولے ہیبت ناک دھماکوں سے پہنچتے اور ہر دھماکے کی بازگشت اگلے پندرہ سیکنڈ تک پہاڑی دیواروں سے کھڑکھڑاتی، تالیوں کی طرح ٹکراتی رہتی۔ بیروت میں شامی فوج کی شہ رگ کا گلا گھونٹا جا رہا تھا۔

اسرائیلی ہر منٹ صرف چار گولے داغ کر شامیوں کو پسپائی کی طرف دھکیل رہے تھے؛ وہ انہیں باقاعدہ جنگ کا اعزاز دینے سے انکاری تھے۔ اس غیر معمولی منظر پر تماشائیوں کا ایک سلسلہ بھی آ گیا۔ زیادہ تر عام شہری، مرد و خواتین تھے، جو بیروت سے نکلنے کے لیے شاہراہ پر دمشق کی طرف گاڑیاں دوڑا رہے تھے؛ پاؤں ایکسیلیریٹر پر اور نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی۔ فلسطینی گوریلوں سے بھرے مزید ٹرک تھے؛ جنوبی بقاع کی لڑائی سے لانے والے گندے ٹرکوں میں وہ مویشیوں کی طرح ٹھنسے تھے۔ ان کے چہرے بھی بے ریش تراش تھے، مگر وہ خوف زدہ ڈرائیوروں کی طرف ہاتھ ہلاتے اور فتح کے نشان بناتے، جیسے فوجی تباہی نہیں، کام یابی کی طرف جا رہے ہوں۔

اسی سڑک پر کیچڑ سے اٹی ایک نیلی گاڑی بھی آئی، جس میں خاکی وردی پہنے بسام ابو شریف کا چھوٹا سا سراپا تھا۔ وہ پاپولر فرنٹ برائے آزادیٔ فلسطین کے سرکاری اور عموماً نہایت باخبر ترجمان

تھے۔ ابھی عرقوب سے آئے تھے، جہاں اسرائیلی اب شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن بیروت جانے والی شاہراہ پر معلومات کے معاملے میں وہ کم فیاض دکھائی دیے۔ ہاں، انہوں نے بتایا، وہ ابھی جنوب کی لڑائی سے آئے ہیں۔ ''سب کچھ ٹھیک جا رہا ہے،'' انہوں نے کہا اور عاجزانہ مسکراہٹ دی۔ سب کچھ؟ ہم نے پوچھا۔ ''ہاں، سب کچھ۔ ''وہ ہماری طرف نہیں، اپنی گاڑی کے اسٹیئرنگ کی سمت مسکرائے۔ اسٹیئرنگ ہی کو دیکھتے ہوئے بولے، ''حالات ہمارے لیے بہت اچھے جا رہے ہیں—بہت اچھے۔ ''یہ من گھڑت بات کہہ کر وہ گاڑی لے گئے اور کھڑکی سے ہاتھ ہلاتے رہے۔ اسرائیلی گولے سڑک کے اوپر پہاڑی سلسلے پر بدستور گرتے رہے—ایسی دروغ گوئی کا ظالمانہ جواب۔

پہاڑ کی دوسری طرف بیروت اترتی سڑک پر رقت آمیز منظر تھا۔ شہر کے بڑے حصے کو دھویں نے ڈھانپ رکھا تھا، مگر شاہراہ پر موجود شامی اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی کئی چوکیاں اب خالی تھیں اور کھیتوں میں شامی فوجی گولہ بارود ٹرکوں پر لاد رہے تھے۔ مغربی بیروت میں ہم نے شامی مخابرات کے ایجنٹوں کو گہرے سبز رنگ کی رینج روور گاڑیوں کے ایک بیڑے میں فرنیچر بھرتے دیکھا۔ لبنانیوں کو ان کی پسپائی پر کوئی افسوس نہ ہوتا۔ شامی فوج اب اس لبنانی دارالحکومت کو چھوڑنے کی تیاری کرتی دکھائی دیتی تھی، جہاں چھ برس پہلے وہ ایسی فتح مندی اور نظم کے ساتھ داخل ہوئی تھی۔ فوج کی بیروت آمد کی قیادت کرنے والے ٹینک پر بیٹھا تنہا بانسری نواز—دمشق کا پائڈ پائپر—اس اداس روانگی کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

وادیٔ بقاع کے فرش پر شام کی فوجی حالت کہیں بدتر تھی۔ سہ پہر کے دوران اسرائیلیوں نے کوہِ لبنان اور سلسلۂ کوہِ شرق لبنان کے درمیان شامیوں کی ہر سام-6 میزائل بیٹری پر فضائی حملے کیے۔ بلندی پر پرواز کرتے اسرائیلی بوئنگ 707 نے ان کے برقی نظام جام کر دیے، چناں چہ جب اسرائیلی فضائیہ بحیرۂ روم کی طرف سے بڑی قوت کے ساتھ بقاع پر پہنچی اور بیروت-

دمشق شاہراہ کے ساتھ میزائل بیٹریوں پر بم باری کی تو راکٹ اپنے خانوں سے ہلے تک نہیں۔ شامیوں نے اپنی فضائیہ کو ہنگامی طور پر اڑایا اور بیس سے زیادہ مگ لڑاکا طیارے گنوا دیے، جنہیں اسرائیلی فضائیہ کے سائیڈ ونڈر میزائلوں نے تباہ کیا۔ تین دن کے اندر اسرائیلیوں کے خلاف بے سود پروازوں میں وہ مجموعی طور پر 79 طیارے کھونے والے تھے۔ امریکی ٹیلی وژن کی ایک ٹیم بعلبک کے پالمائرا ہوٹل کے باغ میں چائے پی رہی تھی کہ ایک شامی مگ آسمان سے گرا؛ رومی معبدِ باخوس کو بال بال چھوڑا اور کھنڈرات سے ذرا جنوب میں پھٹ گیا۔ اسرائیلیوں پر حملہ کرنے والا واحد شامی جیٹ صیدا کے قریب ساحلی شاہراہ کے اوپر نمودار ہوا، ساحل پر بے ضرر ایک بم گرایا، پھر نچلی پرواز میں شوف کے اوپر سے مشرق کی طرف بھاگ گیا۔

شامیوں نے 1973ء کی مشرقِ وسطیٰ جنگ کے بعد ”سب سے بڑی فضائی لڑائی“ کا اعلان کیا—شکست بیان کرنے کا ایک انداز—اور اسرائیلیوں کے ساتھ زمینی لڑائی کا حجم بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ یہ بذاتِ خود تضاد تھا، کیوں کہ شامی سنگین لڑائی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی سبب فلپ حبیب، جو تل ابیب میں ایک اور جنگ بندی کرانے کی بے سود کوشش کر رہے تھے، اب شام مدعو کیے گئے۔ شامی فلسطینیوں کے لیے اپنے ملک کی قربانی دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ دمشق نے دعویٰ کیا کہ بقاع پر اس کے صرف تین طیارے تباہ ہوئے—ایک کھلا جھوٹ، جسے بقاع جانے والا کوئی بھی شخص فوراً سمجھ سکتا تھا۔ مگر دروغ گوئی صرف شام تک محدود نہ تھی۔ اسرائیلی اب دعویٰ کر رہے تھے کہ صور اور صیدا میں تمام لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ یہ جھوٹ تھا؛ دونوں شہروں—خصوصاً صیدا کے عین الحلوہ کیمپ—میں پی ایل او اب بھی مزاحمت کر رہی تھی۔ صیدا سے شہری ہلاکتوں کی ہول ناک اطلاعات بھی آ رہی تھیں :رات کے اسرائیلی فضائی حملے میں ایک اسکول کے اندر سیکڑوں پناہ گزینوں کا قتل؛ متعدد فلسطینی اور لبنانی قیدیوں کا

اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں مار پیٹ یا بھوک سے مر جانا۔ مغربی صحافیوں کی بعد کی تحقیقات نے ان رپورٹوں کو درست ثابت کیا۔

کبھی دونوں فریق سچ جھٹلانے پر متفق ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر اگلی سہ پہر کرسٹینا جوئلسن اپنی چھٹیاں گزارنے بیروت پہنچ گئی۔ وہ شام تک پرواز کرکے آئی تھی اور دمشق کے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پورا بقاع عبور کرنے اور اس ننھی زمینی پٹی سے گزرنے پر آمادہ کیا تھا جو اب بھی شامی فوج کو بیروت سے جوڑے ہوئے تھی۔ دمشق سے نکلتے ہوئے اس نے ایک اسرائیلی جیٹ کو مزہ کے مضافاتی علاقے پر نہایت کم بلندی اور تیز رفتاری سے اڑتے اور ایک اپارٹمنٹ عمارت پر بم گراتے دیکھا تھا۔ اس رات اے پی کے دفتر میں اس نے ہمیں بتایا، "میں نے دیکھا—ایک عمارت سے بہت سا دھواں اٹھا—میں نے طیارے کو بم گراتے دیکھا۔" دمشق میں اے پی کے مقامی نامہ نگار لوئی پیرس—پرانی فلموں کے اداکار پیٹر لوری جیسی دل کشی اور شخصیت رکھنے والے شخص—نے بتایا کہ شامی جوئلسن کے بیان کی قطعی تردید کرتے ہیں۔ اسرائیلیوں نے بھی انکار کیا۔ مگر لندن بھیجی گئی تاخیر سے تیار ہونے والی خبر میں میں نے بم باری کی اطلاع شامل کر دی۔ جوئلسن اسکینڈینیوین ایئرلائن ایس اے ایس کی ملازم تھی، مگر فن لینڈ کے ایک اخبار کے لیے مقامی نامہ نگار کے طور پر بھی کام کرتی تھی۔ وہ پہلے لبنان آ چکی اور فضائی حملے دیکھ چکی تھی۔ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی تھی۔

صرف دس گھنٹے بعد شامیوں اور اسرائیلیوں نے حقیقت تسلیم کی۔ معلوم ہوا کہ ایک شامی مگ اسرائیلی طیارے کا تعاقب کر رہا تھا اور اسرائیلی ہوا باز نے طیارہ ہلکا کرکے بچ نکلنے کے لیے اپنے بم گرا دیے۔ نتیجتاً آٹھ شہری مارے گئے اور پچاس زخمی ہوئے۔ اسرائیلی یہ اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے دمشق میں شہریوں پر بم گرایا۔ شامی یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اسرائیلی دمشق میں شہریوں پر بم گرا سکتے ہیں۔

مگر جوئلسن کے بقاع عبور کرنے کے غیر معمولی سفر نے دمشق پر محض ایک فوجی حادثہ ہی آشکار نہیں کیا۔ اس نے ایک سویڈش صحافی کے ساتھ سفر کیا تھا اور سڑک کنارے شامی بکتر بند گاڑیوں کی کثرت دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ تھکی ہوئی تھی، مگر ہم اس کے سفر کی ایک ایک تفصیل سننے پر مصر رہے۔ اس نے کتنے ٹینک دیکھے؟ ہم نے پوچھا۔ ''معلوم نہیں—شاید چالیس۔'' وہ کس طرف جا رہے تھے؟ ''وہ کھڑے تھے۔'' کیوں؟ اسرائیلی میزائل بیٹریوں پر حملہ کر رہے تھے تو شامی اپنے ٹینک مرکزی سڑک پر کیسے کھڑے کر سکتے تھے؟ جوئلسن نے جھلا کر کہا، ''وہ چل نہیں سکتے تھے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟—وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ سب کے سب جل رہے تھے۔'' تب بعلبک میں اے پی کا مقامی نامہ نگار بقاع سے فون کے ذریعے دفتر تک پہنچنے میں کام یاب ہوا۔ اس نے بتایا کہ شامیوں نے بعلبک کے شمال میں لبنانی سرحد پار ٹینکوں کی ایک قطار بھیجی تھی۔ یہ ٹینک جان بچا کر بھاگتے پناہ گزینوں کی ٹریفک میں پھنس گئے۔ اسرائیلی جیٹ طیارے سر پر آئے تو خوف زدہ پناہ گزین تحفظ کی خاطر گاڑیاں ٹینکوں کے قریب لے آئے۔ ہوا بازوں نے درجنوں شہری گاڑیاں ضرور دیکھی ہوں گی، مگر پھر بھی بکتر بند قطار پر بم باری کی؛ ہر ٹینک تباہ اور ہر پناہ گزین ہلاک کر دیا۔ سو تک شہری اپنی گاڑیوں میں زندہ جل گئے۔

اسرائیلی محاذ کی دوسری طرف سے بھی پناہ گزینوں کی ہلاکت کی اطلاعات ہم تک پہنچتی رہیں۔ یروشلم میں دی ٹائمز کے نامہ نگار کرسٹوفر واکر کو اسرائیلیوں نے نہایت محتاط نگرانی میں قلعۂ شقیف کا دورہ کرایا تھا—9 جون کی سہ پہر بارنز کے ایک پریشان کن پیغام میں بتایا گیا کہ وہ کھنڈرات کے پاس ''پکنک منا رہا ہے''—مگر ہمیں اب بھی بیروت سے اسرائیلی صف عبور کرنے کا راستہ نہیں ملا تھا۔ ہم پریس افسروں اور سنسرشپ کی پابندیوں کے بغیر اسرائیلی قبضے کے علاقے میں سفر کر کے یہ جانچنا چاہتے تھے کہ اسرائیلی جنگ بندی کی کیا قیمت وصول کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس رات میں نے اپنی روزانہ کی خبر کے آخر میں ایک مختصر پیراگراف بھیجا، جس میں یہی سوال اٹھایا۔ میں نے لکھا کہ جنگ بندی کے عوض ”قرینِ قیاس ہے کہ اسرائیلی آئندہ]لبنانی [صدارتی انتخابات پر اثر انداز ہونا چاہیں گے، اور یہ امکان سے باہر نہیں کہ فیلانج کے فوجی رہنما جناب بشیر جمیل ملک کے اعلیٰ ترین منصب کے ممکنہ امیدوار کے طور پر اسرائیلی حکومت کی دل چسپی حاصل کر لیں۔ چھے برس سے شام لبنان میں اپنا اختیار استعمال کرتا آیا ہے؛ طے کرتا ہے کہ صدر کون ہو گا اور لبنان کو اپنی حفاظتی ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ شاید اب اسرائیل کی باری ہو۔ “مجھے جمیل کے ساتھ وہ ظہرانہ یاد آیا، مگر یہ بھی یاد آیا کہ بعد میں کافی پیتے ہوئے اس نے مجھ سے کیا کہا تھا—وہ جملہ جسے دو برس پہلے میں ناقابلِ فہم طور پر لندن بھیجی خبر میں شامل کرنا بھول گیا تھا۔ اس نے کہا تھا، ”ہم اسرائیلیوں سے مدد لیں گے۔ لیکن تمھیں سمجھنا چاہیے کہ اسرائیلی صرف اسی وقت مدد دیں گے جب تم ان کے کام آؤ۔ وہ کچھ بھی مفت نہیں کرتے۔“

اور نہ ان کے قول پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ 10 جون کی صبح سویرے ایک اسرائیلی طیارہ مغربی بیروت کے اوپر آہستہ مگر بہت بلندی پر پرواز کر گیا۔ ہم اس وقت اے پی کی عمارت کی چھت پر کھڑے تھے اور دیکھا کہ طیارے سے مستطیل زرد کاغذوں کا بادل نیچے تیر رہا ہے۔ گرم، ابتدائی صبح کی ہوا میں یقیناً دسیوں ہزار پمفلٹ لہرا رہے تھے—دیوانہ وار پھینکی گئی رنگین کترنیں، جو اپارٹمنٹ عمارتوں کی چھتوں، سڑکوں، پچھلے باغات اور کورنیش کے ساتھ بحیرۂ روم کی سطح پر اتر رہی تھیں۔ وہ لبنانیوں کے نام نہیں بلکہ شہر میں اب بھی موجود شامی فوجیوں کے لیے تھے، خصوصاً مغربی بیروت میں بچی کھچی شامی بریگیڈ کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل عمر ہلال کے نام۔ ان پر اسرائیلی حملے کے شمالی محاذ کے کمانڈر بریگیڈیئر جنرل امیر دروری کے دستخط تھے۔ یہ ایک

فوجی افسر کا دوسرے—اگرچہ دشمن—افسر سے مخاطب ہونے کا عجیب طریقہ تھا: دس ہزار فٹ کی بلندی سے پہنچایا گیا کھلا خط، جس نے کرنل ہلال کو بتایا کہ اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔

''دروری کے خط میں لکھا تھا، ''ہم بہت کم وقت میں شہر پر قبضہ کر لیں گے۔

عربی میں تحریر جاری تھی'' :ہم نے اپنی فضائی، بحری اور بری فوج کا ایک بڑا حصہ بیروت شہر کے علاقے کے لیے وقف کر دیا ہے۔۔۔ یہ افواج تعداد اور اسلحے دونوں میں تمہاری تمام فوج سے برتر ہیں۔ ایک تجربہ کار اور دانش مند جنرل کی حیثیت سے تم یقیناً جانتے ہو کہ اپنی فوج کو]اسرائیلی [دفاعی فوج کے مقابل لانے کی ہر کوشش خودکشی کے مترادف ہے۔ ''اس خط میں شامیوں کے لیے اسرائیل کے فوجی مقاصد بڑی سہولت سے بیان کر دیے گئے تھے—شہر پر قبضے کے لیے اسرائیلیوں کو ظاہر ہے بیروت-دمشق شاہراہ کاٹنا پڑتی—مگر اس میں ایک پھندا بھی تھا۔ خط مختصر اور چکنا چپڑا تھا؛ ''دانش مند ''شامی جنرل کا سرپرستانہ حوالہ یقیناً ہلال کی نظر سے نہیں بچا ہو گا۔ مگر خط نے شامیوں کو بظاہر حفاظت کی ایک راہ بھی دکھائی۔ دروری کے خط کی پشت پر مغربی بیروت کا نقشہ تھا، جس پر شہر سے باہر نکلنے کا محفوظ راستہ نشان زد کیا گیا تھا۔ اگر شامی اس سڑک سے بقاع جاتے تو ان پر بم باری نہ ہوتی۔ ایک موٹی سیاہ لکیر کی صورت دی گئی ہدایات مغربی بیروت سے نکل کر گیلری سمعان کے مقام پر محاذ پار کرتیں، پھر حازمیہ میں دمشق شاہراہ پر اور وہاں سے کوہِ لبنان کی ڈھلوانوں پر مدیراج کی پہاڑی کے چوراہے تک لے جاتی تھیں۔

مغربی بیروت کی سڑکوں پر مسلح افراد نے اس خط میں چھپا خطرہ فوراً سمجھ لیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ پمفلٹ ''زہریلا ''ہے۔ ہم نے کئی ملیشیا اہل کاروں کو باقاعدگی سے خط پرانے اخبارات میں لپیٹ کر کوڑے کے ڈھیروں پر پھینکتے دیکھا۔ پھر بھی یہ پمفلٹ یقیناً زہر کی ایک لطیف شکل تھے، جو بیروت میں رہنے کا سوچنے والے شامی فوجیوں کا حوصلہ توڑ رہے تھے۔

اب مغربی بیروت پہنچنے والے اے پی کے صحافیوں میں بل فولی بھی تھا—مہربان اور دلیر مگر بے صبرا فوٹوگرافر، جس نے مصر کی افسر شاہی کے درمیان رپورٹنگ کرتے ہوئے مستقل چڑچڑے پن کا تقریباً دائمی مرض پال لیا تھا۔ گزشتہ برس سام-6 میزائل بیٹریوں کے پاس شامیوں نے فولی ہی کو گرفتار کیا تھا۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ اسرائیلیوں کے بتائے ''محفوظ راستے ''سے بیروت سے نکل کر دیکھیں گے کہ کتنے شامی شہر سے فرار ہو رہے ہیں۔ مغربی بیروت کے علاقہ شیاح میں گیلری سمعان کے قریب ہمیں ٹرکوں پر گولوں کے صندوق لادے جاتے ملے۔ حازمیہ کے قریب دو شامی سپاہیوں—مونچھوں والے نوجوان، چہروں پر پسینہ بہتا ہوا—نے منت کی کہ انہیں پہاڑ کی دوسری طرف پہنچا دیں۔ وہ گاڑی کے پچھلے حصے میں چڑھ گئے اور خاموش بیٹھے رہے؛ بات کرنے سے انکار، بے چینی میں کھڑکیوں سے باہر دیکھتے ہوئے۔

مرکزی سڑک پر شامی چوکیاں تقریباً ویران تھیں۔ البتہ کحالہ سے اوپر پہاڑی شاہراہ پر دونوں فوجیوں نے اچانک اترنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے پہاڑی ڈھلوانوں سے سیاہ دھویں کی ایک عظیم چادر اٹھتی دیکھ لی تھی۔ ہم انہیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھے؛ خودکار توپوں اور جیپوں کے پاس سے گزرے۔ عالیہ اور بحمدون کے قصبوں میں اب بھی شامی بکتر بند گاڑیاں موجود تھیں، مگر شامی افسر صوفر کے زرد پتھر والے بنگلے خالی کر رہے تھے، جنہیں چھے برس پہلے شامی فوج کے لبنان میں داخلے کے وقت قبضے میں لیا گیا تھا۔ فولی اور مجھے عین ایک ہی لمحے تشویش ہوئی۔ گاڑی کے انجن کے شور سے بلند ایک گہری ''دھمک ''سنائی دی اور کھڑکی سے ہوا کا جھکڑ اندر محسوس ہوا۔

پہاڑی موڑ کے پار، مدیراج کے پہاڑی چوراہے پر ایک بہت بڑا دھماکا ہوا—وہی چوراہا جسے اسرائیلیوں کے بیروت پر گرائے نقشوں میں نشان زد کیا گیا تھا۔ گہرے بھورے دھویں کے بادل میں ہمیں ملبے کے ٹکڑے سیکڑوں فٹ ہوا میں اچھلتے دکھائی دیے، مگر فولی نے عین اس وقت

بریک پر پاؤں جما دیا جب سڑک کے ساتھ ڈھلوان کھیت میں پھینکے گئے شامی فوج کے دو ٹرک ہماری نظر میں آئے۔ ان کے پاس تباہ شدہ گاڑیاں پڑی تھیں؛ بعض بڑے بڑے بم گڑھوں میں، بعض ہمارے بائیں جانب کھائی کے قریب سلگتی ہوئی۔ ''بل، ان پر بم باری ہو رہی ہے۔ خدا کے لیے یہاں سے نکلو ''!ایک اور تباہ کن دھماکا ہوا۔ بعد میں ہمیں اپنے عین الفاظ یاد آنے والے تھے۔ گھبراہٹ میں ادا ہونے والے معمولی ترین فقرے بھی یادگار بن جاتے ہیں۔ میں فولی سے مسلسل چیخ رہا تھا، ''خدا کے لیے گاڑی موڑو ''!اور فولی جواب میں چلایا، ''تمہارے خیال میں میں ''کیا کر رہا ہوں، احمق آدمی؟

ہم مدیراج سے دور شاہراہ پر واپس نیچے کی طرف دوڑنے لگے۔ فولی بار بار ایک ہی گالی بڑبڑا رہا تھا؛ پیچ در پیچ موڑوں سے لڑتے ہوئے گیئر کو دوسرے سے تیسرے اور پھر واپس دوسرے میں جھٹکے سے ڈالتا، گیئر لیور پر مکا مارتا جیسے خود گاڑی نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہو۔ تو یہ تھا بیروت سے نکلنے کا اسرائیلی ''محفوظ راستہ !''شامی گھات میں جا پھنسے تھے۔ اب سمجھ آیا کہ ان دو خوف زدہ فوجیوں نے کحالہ کے اوپر ہماری گاڑی کیوں چھوڑ دی تھی۔ اور کیوں کرنل ہلال نے اپنی بریگیڈ کے باقی حصے کو بیروت ہی میں رکھنے اور محاصرے میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔

ہم حازمیہ پہنچ کر ہی رکے۔ سہ پہر کے سورج میں شاہراہ کے پاس گاڑی کھڑی کرکے ہم نے پورے بیروت پر نظر ڈالی۔ شہر کے جنوبی اور مغربی کنارے جہنم بنے تھے۔ فضائی حملے پھر شروع ہو گئے تھے—ایسی شدت کے ساتھ جو ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہوائی اڈے کے مشرق میں صنوبر کے جنگلوں سے نکلنے والی سڑک کے اوپر سے، شہر کے مغربی حصے، فاکہانی، صبرا اور شتیلا کی جھونپڑی بستیوں اور ان سے آگے تک سیاہ دھواں آسمان پر پردوں کی طرح لٹک رہا تھا۔ جیٹ طیارے اس کے نیچے آگ کو ایندھن دیتے تو دھواں بلند سے بلند تر ہوتا جاتا۔ حازمیہ میں تین میل دور ہمارے کھڑے ہونے کی جگہ تک بارودی ٹکڑے سڑک اور چھتوں پر ٹن ٹن

گرتے؛ دھماکوں کی لہریں ان گھروں سے ٹکراتیں جہاں مشرقی بیروت کے مسیحی خاندان مغرب میں فلسطینیوں کی تباہی دیکھنے جمع تھے۔

ان کے خلاف اسرائیل کا انتقام ہول ناک تھا—نہ ختم ہونے والے دھماکے، اور شعلوں کے بلبلے جو شہر کے انتہائی مغربی حصے میں اِدھر سے اُدھر دوڑتے۔ اسرائیلی تل ابیب اور یروشلم میں پریس کو بتا رہے تھے کہ وہ ''دہشت گردی ''تباہ کر رہے ہیں۔ فاکہانی کے پاس فلسطینی ریڈیو اسٹیشن فلسطینیوں کی ''شہادت ''بیان کر رہا تھا۔ حازمیہ کی ہلکی ڈھلوان والی پہاڑی سے یہ سب دیکھتے ہوئے انسان خود کو کسی طرح بے حس، لاتعلق اور تماش بین محسوس کرتا—ان صحافیوں کی طرح جو کموڈور ہوٹل سے کبھی باہر نہیں نکلتے مگر لبنان کے سانحے پر لکھتے تھے۔ فولی اور میں نے اس گھر کی بالکونی سے ٹیک لگائے ایک دوسرے کی تصویریں بھی بنائیں، جہاں ایک مسیحی خاندان نے ہمیں کافی دی تھی۔ تصویریں اب بھی میری پرانی فائلوں میں ہیں :بیروت جل رہا ہے اور فسک و فولی مسکرا رہے ہیں۔ پسینے میں ڈھکی احمقانہ مسکراہٹیں—مضحکہ خیز، خود ستائشی مسکراہٹیں، کیوں کہ پہاڑ پر ہم بال بال بچے تھے اور اب ایک خاندانی گھر کے سکون میں کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔

ہمارے پیچھے، دھند کے بہت پار برج البراجنہ کے فلسطینی کیمپ سے سفید دھویں کا ایک پیچ اٹھا—گرد اور بخارات کا ستون جو اچانک تاریک ہوا اور نئے دھماکوں میں کھمبی کی شکل اختیار کرکے باہر پھیلنے لگا۔ مزید مغرب میں بھی یہی ہوا، جہاں پی ایل او اور شامیوں نے ہوائی اڈے کے نیچے طیارہ شکن توپیں نصب کی تھیں۔ دھویں کا ہر ستون دوسرے سے ملتا اور نئے دھماکوں سے اوپر دھکیلا جاتا؛ تین میل دور ہمیں یہ دھماکے روشنی کی سوئی جیسی چبھن دکھائی دیتے۔ آسمان سے اسرائیلی جیٹ مسلسل غوطے لگاتے اور ان کی توپوں کی آواز کاغذ پھٹنے کی طرح ہم تک پہنچتی۔ پندرہ منٹ بعد انہوں نے سٹی اسپورٹیف کے کھنڈرات کی طرف توجہ کی—وہ اسٹیڈیم

جہاں پی ایل او نے اپنا بیشتر گولہ بارود رکھا تھا اور جسے 4 جون کے حملے میں اسرائیلی بموں نے ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ کچھ گولہ بارود لازماً باقی تھا؛ چمک دار زرد شعلے کا ایک دہانہ کھلا اور آگ کا بلب آسمان کی طرف اچھل گیا۔

اس منظر سے متاثر نہ ہونا ناممکن تھا—اتنے بڑے پیمانے کے تشدد اور حازمیہ کے گھروں کے نیچے کھلے ننھے گلابوں کے باغات اور بوگن ویلیا کے درمیان فاصلے کو محسوس نہ کرنا مشکل تھا۔ دن گرم تھا اور سامنے پھیلے منظر سے دھماکوں کی کڑک کے باوجود چڑیاں چھتوں کے درمیان پھدک رہی تھیں؛ سڑک کے اوپر صنوبر کی شاخوں سے لپٹتی تھیں، جہاں عورتیں اب دھوپ میں دھلے کپڑے سکھانے ڈال رہی تھیں۔

واضح تھا کہ ہم تاریخ بنتے دیکھ رہے تھے—فلسطینی سانحہ یا شکست۔ مگر ان آگوں نے اہم سوالوں کے جواب مانگے؛ صرف شہری ہلاکتوں کے بارے میں نہیں—اگرچہ یہی سب سے بڑا اخلاقی مسئلہ تھا—بلکہ یہ کہ کیا گوریلا فوجوں کو واقعی تشدد سے کچلا جا سکتا ہے؟ کیا ان کی سیاسی یا قومی آرزوئیں انتہائی دھماکا خیز مواد سے جلا کر ختم کی جا سکتی ہیں؟

مسیحی خاندان بھی بالکونی میں ہمارے پاس آ گیا تھا :ادھیڑ عمر کپڑے کا درآمد کنندہ، اس کی بیوی اور نوعمر بیٹا—بیکالوریٹ کا طالب علم جو سہ پہر کی کلاسوں میں واپس جانے کے لیے بے چین تھا۔ فلسطینی کیمپ اب بھورے دھویں کے پردوں میں لپٹے تھے، مگر کبھی اس تاریکی سے کسی فلسطینی کے کندھے سے داغا گیا میزائل نکلتا؛ تباہی کے درمیان گلابی شعلے کی روشن لکیر دھویں کو چیرتی ہوئی کمان بناتی اور پھر دھوپ میں گم ہو جاتی۔

ہمارے پاس موجود نوجوان نے جنگ، معیشت، تعلیم اور اپنی پڑھائی پر اس کے اثرات کے بارے میں پختگی سے بات کی تھی۔ اس کی رائے میں فلسطینیوں نے لبنان کو استعمال کیا۔ آواز

میں کوئی کینہ نہیں تھا۔ مگر جب ہم نے پوچھا کہ مغربی بیروت کی آگ کے بارے میں کیا سوچتا ہے تو اس نے ہمیں یوں دیکھا جیسے سوال غیر ضروری ہو۔ ''اچھا ہو رہا ہے،'' اس نے کہا۔

اسرائیلیوں کے لیے فضائی حملہ زمینی لڑائی سے کہیں آسان تھا۔ اس سہ پہر خلدا کے گرد ساحلوں پر ان کے اگلے ٹینکوں کا سامنا پی ایل او کے ان گوریلوں کی مرتکز مارٹر، کاتیوشا اور چھوٹے ہتھیاروں کی گولہ باری سے ہوا، جنہوں نے اب امل ملیشیا کے اہل کاروں سے اتحاد کر لیا تھا۔ بہت کم لوگ یہ لڑائیاں دیکھ سکے۔ ویت نام جنگ کی تجربہ کار فرانسیسی فوٹوگرافر کیتھرین لیروئے ساحلوں پر پہنچی تو اس نے ڈی ایف ایل پی کے اہل کاروں کو مورچوں سے لڑتے اور اسرائیلی بکتر بند گاڑیوں پر راکٹ سے چلنے والے دستی بم داغتے دیکھا۔ اس کے ساتھ موجود فرانسیسی ساتھیوں نے بعد میں بتایا کہ اسرائیلی فضائی حملے میں ان کی گاڑی نشانہ بننے سے چند سیکنڈ پہلے انہوں نے لیروئے کو ساحل پر اوندھے منہ گرتے دیکھا تھا۔ اسرائیلی ٹینک گولیوں کے درمیان مرکزی سڑک پر آگے بڑھا تو گاڑی پھٹ گئی۔ وہ یہ سمجھتے ہوئے بیروت لوٹے کہ لیروئے مر چکی ہے۔ کئی گھنٹے بعد گرد اور ریت میں اٹی لیروئے کموڈور ہوٹل پہنچ گئی؛ اس نے بتایا کہ فلسطینی مسلح افراد نے اسے پناہ دی تھی۔ ''وہ اسرائیلیوں سے لڑ رہے تھے اور انہیں روکے ہوئے تھے—وہ بہت پیشہ ور تھے۔''[3]

لیروئے درست کہتی تھی۔ فلسطینیوں اور امل کی مشترکہ قوتیں بیروت کی طرف پیش قدمی میں اسرائیلیوں کو پہلی بار سنجیدہ زمینی مزاحمت کا تجربہ کرا رہی تھیں۔ اس وقت ہم نے اسے اتفاق سمجھا، حالاں کہ خلدا میں ایک غیر معمولی مظہر شکل اختیار کر چکا تھا۔ شیعہ ملیشیا اہل کار پیدل اسرائیلی گولیوں کی طرف دوڑ کر بکتر بند گاڑیوں پر دستی بم پھینک رہے تھے؛ حقیقتاً ٹینکوں سے بیس فٹ تک قریب جا کر فائر کھول دیتے۔

بعض شیعہ جنگجوؤں نے اپنی قمیصیں پھاڑ کر کپڑے کے ٹکڑے سروں پر شہادت کی پٹیوں کی طرح باندھ لیے تھے—جیسا ایک برس پہلے ایرانی پاسدارانِ انقلاب نے مشرق میں ایک ہزار میل دور خلیجی جنگ میں عراقیوں کے خلاف پہلے اجتماعی حملوں کے وقت کرنا شروع کیا تھا۔ جب انہوں نے ایک اسرائیلی بکتر بند گاڑی کو آگ لگائی تو مسلح افراد مزید آگے بڑھنے کے لیے دلیر ہو گئے۔ میرا خیال ہے ہم میں سے کسی نے بھی اس رات خلدا کے واقعات کی فیصلہ کن اہمیت نہیں سمجھی۔ لبنانی شیعہ شہادت کے اصول سیکھ اور انہیں عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس سے پہلے ہم نے ان افراد کو ایسی پٹیاں پہنے کبھی نہیں دیکھا تھا؛ ہم نے سمجھا یہ ملیشیا کا ایک اور بناوٹی انداز ہے، مگر ایسا نہیں تھا۔ یہ ایک ایسی داستان کا آغاز تھا جس میں سچائی کا ایک طاقت ور عنصر بھی شامل تھا۔ اب شیعہ لبنانی مزاحمت تھے—بلاشبہ قوم پرست، مگر اپنے مذہب سے بھی تحریک یافتہ۔ خدا کی جماعت—عربی میں حزب اللہ—اس رات خلدا کے ساحلوں پر موجود تھی۔

ایک اسرائیلی بکتر بند نفری بردار گاڑی کے عملے نے اپنی گاڑی چھوڑ دی اور پیادہ کمپنی کے بچے کھچے فوجیوں کے ساتھ عرمون کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ زہراء کے تباہ شدہ اسکول کی عمارت میں پسپا ہو گیا۔ کئی ہفتے بعد مشرقی بیروت میں اسرائیلی فوجیوں نے مجھے بتایا کہ شیعہ مسلح افراد نے ایک سنچورین ٹینک اور اس کے اسرائیلی عملے کو گرفتار کیا تھا۔ اس فوجی نے کہا کہ قیدیوں کو پھر پشت سے گولی مار دی گئی۔[4] اتنا ضرور ہے کہ بعد میں سڑک کنارے دو اسرائیلی ٹینک سلگتے دیکھے جا سکتے تھے۔ اسی شام دیر گئے پیشانیوں پر وہی سفید کپڑے کی پٹیاں باندھے شیعہ مسلح افراد اپنے قبضے میں لی اسرائیلی بکتر بند نفری بردار گاڑی چلاتے ہوئے بیروت میں داخل ہوئے۔ اس کا پیغام سادہ تھا: آخرکار اسرائیلی ناقابلِ شکست نہیں تھے۔

خلدا میں اپنی فوجی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے اسرائیلیوں نے اس رات پھر فضا سے کیمپوں کو نشانہ بنایا۔ ریگن کی جانب سے بیگن سے لبنان میں فوری جنگ بندی کی اپیل کے صرف چند

گھنٹے بعد درجنوں اسرائیلی جیٹ واپس آئے اور مغربی بیروت کی فلسطینی آبادیوں پر ہزاروں ٹن انتہائی دھماکا خیز مواد گرا دیا۔ جنگی کشتیاں ساحل کے قریب آ کر خلدا کے ساحلوں پر گولے برسانے لگیں۔ اے پی کے دفتر میں ہم فاکہانی میں پی ایل او کے ریڈیو اسٹیشن سے ایک بدحواس اناؤنسر کی نشریات سن رہے تھے۔ ''دشمن ہمارے کیمپوں، ہماری عورتوں، ہمارے بچوں پر بم باری کر رہا ہے، ''وہ چیخا۔ آدمی غصے سے اتنا مغلوب تھا کہ آواز ناقابلِ فہم ہونے لگی۔ ''ہم لڑیں گے، لڑیں گے، لڑیں گے، ''وہ چلایا۔

بیروت کا اسرائیلی گھیراؤ تقریباً مکمل تھا۔ سہ پہر کے آخری حصے میں وہ پہاڑی قصبے عالیہ پہنچ گئے تھے۔ ٹینکوں کی ایک قطار لبنانی فوج کی بیرکوں کے دروازوں تک آئی، جہاں ایک مقامی شہری معزز نمودار ہوا؛ اسے بظاہر لبنانی کمانڈر کی طرف سے اندر موجود فوجیوں کا ہتھیار ڈالنا طے کرنے کا اختیار تھا۔ کمانڈر نے پھر اپنے فوجیوں کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا اور وہاں موجود چند صحافیوں سے کہا، ''جنگ ختم ہو گئی اور ہمیں اسرائیلیوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ ''فلسطینیوں نے یقیناً اس کے بالکل برعکس کہا۔ پی ایف ایل پی کے کارندے ابو شریف—جنہوں نے اسرائیلیوں کی بیروت-دمشق شاہراہ پر گولہ باری کے دوران عرقوب میں سب کچھ ''ٹھیک ''ہونے کا دعویٰ کیا تھا—نے اس رات اعلان کیا کہ پی ایل او نے اسرائیل کی 150 بکتر بند گاڑیاں تباہ کر دی ہیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز جھوٹ تھا۔ مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ فلسطینیوں نے خلدا میں چھے اسرائیلی حملے پسپا کیے، جو سچ تھا۔ پھر اضافہ کیا، ''بیگن شکست کھائے گا اور اسے اپنی شکست یہیں ملے گی—بیروت اس کا قبرستان بنے گا۔''

تل ابیب اور دمشق کے درمیان فلپ حبیب کی مسلسل آمد و رفت نے بالآخر ایک ''جنگ بندی ''پیدا کی۔ ہم نے لفظ کو واوین میں لکھنے کی عادت ڈال لی، کیوں کہ بیروت کی آخری جنگ بندی ہی—جو خود صبرا و شتیلا قتلِ عام کا پیش خیمہ بنی—دو دن سے زیادہ قائم رہی۔ بیشتر جنگ

بندیوں کا اعلان اسرائیل نے کیا۔ اور مغربی بیروت کی سرحدی لکیر پر کھڑے ہو کر ہم نے خود دیکھا کہ بیشتر جنگ بندیاں اسرائیل ہی نے توڑیں۔ پی ایل او کا دعویٰ تھا۔۔۔

کہ اسرائیلی اپنی ہی اعلان کردہ ان جنگ بندیوں کو فوجی پوزیشنیں مستحکم کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ ان کا اختتام عموماً ایک ہی طرح ہوتا :کوئی اسرائیلی یونٹ مزید زمین حاصل کرنے کے لیے جنگ بندی کی لکیر سے آگے بڑھتا، پی ایل او اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دے کر فائر کھول دیتی، اور اسرائیلی اعلان کرتے کہ فلسطینیوں نے جنگ بندی توڑ دی ہے۔ پھر اسرائیلی توپ خانہ مغربی بیروت پر گولہ باری دوبارہ شروع کر دیتا۔ اگلے دو ماہ کے دوران ایسی تقریباً ساٹھ ''جنگ بندیاں ''ہونے والی تھیں—اتنی ہی فریبِ نظر جتنی وہ فتوحات جنہیں اسرائیلی اور فلسطینی دونوں عن قریب حاصل کرنے کے دعوے کرتے تھے۔

شامی، جو طویل مدت میں صرف نقصان اٹھا سکتے تھے، پھر بھی ایک نہایت اہم فوجی کام یابی حاصل کرنے میں کام یاب رہے :انہوں نے اسرائیلیوں کو بیروت-دمشق شاہراہ کے بلند ترین مقام پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ عین دارہ نامی گاؤں میں ہونے والی ایک کم معروف لڑائی میں انہوں نے مسلسل اسرائیلی فضائی حملوں کے نیچے اسرائیلی ٹینکوں کے حملے پسپا کیے۔ فضائی تحفظ کے بغیر—اور جنگ کی نمایاں ترین خصوصیت زمینی افواج کی اسرائیلی فضائیہ کے سامنے بے بسی تھی—شامیوں نے دشمن کو مدیراج کے پہاڑی سلسلے سے دور رکھنے کے لیے حقیقتاً اپنا خون بہایا؛ وہی تباہ شدہ چوراہا جہاں ایک روز پہلے فولی اور میں مرتے مرتے بچے تھے۔

حبیب کی جنگ بندی نافذ ہونے کے دو گھنٹے بعد ہم عین دارہ پہنچے تو تنگ دیہی سڑک کے پاس شامی ٹینک اب بھی بری طرح جل رہے تھے؛ ان کے زخمی اور ہلاک عملے کھیتوں میں خون میں ڈوبے پڑے تھے۔ خود عین دارہ برباد ہو چکا تھا؛ اسرائیلی گولہ باری نے گھر توڑ کر کھول دیے تھے اور بہت سے اب بھی جل رہے تھے۔ سڑک کے نیچے ایک ذہنی امراض کے اسپتال کے

مکین—جنہیں نرسیں مدت پہلے چھوڑ گئی تھیں—اپنی تباہ شدہ عمارت کی چھت سے نوحہ کر رہے تھے۔ ہم ابھی پہنچے ہی تھے کہ ایک شامی فوجی اپنے افسر کی بے سر لاش اٹھائے میرے ڈرائیور کے پاس آیا۔ وہ رو رہا تھا، آنسوؤں سے گلا رندھا ہوا؛ التجا کر رہا تھا کہ لاش گاڑی کی ڈکی میں رکھ کر دمشق لے جائیں۔ مرکزی گلی میں چار ٹینک فضا سے نشانہ بنے تھے؛ شعلے اب بھی ان کی پٹریوں اور گولہ بارود کے خانوں کو چاٹ رہے تھے اور گرد کے پتھروں کو سیاہ کر رہے تھے۔ ایک چھوٹی وادی میں ٹرک بموں سے چپٹا ہو چکا تھا، جب کہ جلی ہوئی بکتر بند گاڑی چار سو فٹ گہری کھائی کے کنارے پڑی تھی۔

باغات کے اندر گہرے سبز پتوں میں بیس کے قریب چمک دار سنہری آگیں بے قابو جل رہی تھیں—خاکستر ٹینک جن کا عملہ پہلے ہی زندہ جل چکا تھا۔ اس موسمِ گرما عین دارہ کے باغات نے کڑوا پھل دیا تھا۔ گاؤں کی مرکزی سڑک کے وسط میں ایک شامی ٹرک صحیح سلامت کھڑا تھا، مگر اس کے اندر لاشیں اور زخمی ایک ساتھ ڈھیر تھے؛ زندہ فوجیوں کا خون بہہ کر ان کے ساتھیوں کی لاشوں پر گر رہا تھا۔ عقب میں ایک فوجی بیٹھا تھا، سر کا اوپری حصہ کھلا ہوا اور کسی طرح کا سفید سیال اس خون کے ساتھ مل رہا تھا جو آبشار کی طرح اس کے چہرے پر بہتا تھا۔ وہ بھی رو رہا تھا اور اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے—شاید دعا کر رہا تھا۔

عین دارہ پہاڑی گاؤں تھا: نیچے اترتی سڑک کا چھوٹا سا حصہ جو مڑ کر خود ہی کی سمت لوٹ آتا تھا، دونوں جانب خوش گوار مگر بے ترتیب بنگلے، جن میں سے بہت سے اب جل رہے تھے۔ ان کے کھنڈرات سے مزید فوجی نکلے؛ کسی کے سر، کسی کے بازو پر پٹی بندھی، مگر اب بھی رائفلیں تھامے اور فولادی خود پہنے ہوئے۔ انہوں نے تقریباً دو دن اسرائیلیوں کو روکے رکھا تھا اور ان کی فتح کا ثبوت گاؤں کی سڑک کے موڑ پر بمشکل دکھائی دیتا تھا۔ وادی کے پار صنوبر کے درختوں میں جلتے اسرائیلی ٹینکوں سے نیلے دھویں کے ستون اٹھ رہے تھے۔ وہ صرف ان شامی

بکتر بند گاڑیوں کی گھات میں نہیں آئے تھے جنہیں ابھی فضا سے تباہ کیا گیا، بلکہ عین دارہ اور اطراف کے جنگل سے سیگر میزائل داغتے شامی فوجیوں نے بھی انہیں نشانہ بنایا تھا۔ ناقابلِ شکست فوج ایک بار پھر روک دی گئی تھی۔[5]

عین دارہ میں ملنے والے شامیوں کے چہروں پر وہی سراسیمگی تھی جو ہم نے عالیہ کے اوپر بادلوں میں نیند کے عالم میں چلتے فتح کے اہل کاروں میں دیکھی تھی۔ مگر ان کی تھکن میں اتنی ویرانی نہ تھی۔ انہوں نے ہم مکمل اجنبیوں کو اپنی تباہ شدہ چوکیوں میں چائے کی پیش کش کرکے خوش آمدید کہا۔ ایک افسر—رفعت الاسد کی خصوصی فوج کا رکن—نے ہم سے ہاتھ ملایا۔

میں نے اپنی گاڑی کے ریڈیو اینٹینا پر رومال باندھ کر ایک کم زور سا سفید پرچم بنا لیا تھا۔ مقصد شامیوں کو بتانا تھا کہ ہم غیر جانب دار اور بے ضرر ہیں۔ ہم نے یہ بھی سوچا کہ اگر کسی حادثے میں بے خبری سے اسرائیلی صف پار کر گئے تو شاید یہ اسرائیلیوں کو ہم پر فائر کرنے سے روک دے گا۔ اسرائیلی شکست کے حجم کو دیکھتے ہوئے بعید ہے کہ وہ ہماری جان بچا سکتا۔ مگر ڈرائیور کی جانب سامنے والی کھڑکی کے آگے بے چارگی سے پھڑپھڑاتے رومال نے عین دارہ کے باہر شامی ٹینک کے عملے کی توجہ کھینچ لی۔ وہ اپنی گاڑی کے پاس گھاس پر بیٹھے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک—لمبا آدمی، خود کے نیچے سے پتلے بال دکھائی دیتے ہوئے—کھڑا ہوا۔ وہ انتقامی انداز میں نہیں بلکہ بھرپور عزم کے ساتھ ہماری گاڑی تک آیا، میرا رومال پکڑا اور اینٹینا سے نوچ لیا۔ پھر میرے ہاتھ میں دے کر بولا" :کوئی سفید پرچم نہیں۔"

11 جون کی رات تک شامیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان جنگ بندی قائم تھی۔ اسرائیلیوں کے لیے یہ معاہدے کا سب سے اہم حصہ تھا، کیوں کہ وہ بھی شام کے ساتھ مکمل جنگ کے اتنے ہی متحمل نہیں ہو سکتے تھے جتنا شام اسرائیل کے ساتھ۔ مگر تل ابیب سے تار پر آنے والی اے پی کی خبروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسرائیلی پی ایل او کو جنگ بندی کا فریق نہیں سمجھتے۔ یوں

بیروت کی سرحد پر لڑائی جاری رہی؛ خلدا میں فلسطینیوں کے خلاف ایک اور بے سود اسرائیلی ٹینک حملہ ہوا۔ اسرائیلیوں نے مغربی بیروت کے لبنانی رہائشی علاقوں پر بھی گولہ باری شروع کر دی۔

اسرائیلی جنگی جہاز گزشتہ روز ہی ساحلی اپارٹمنٹ عمارتوں پر راکٹ برسا چکے تھے، مگر 11 جون کی سہ پہر کے آخری حصے میں بم باری زیادہ شدید ہو گئی۔ ان کے بہت سے گولے حمراء کے علاقے میں گرے۔ حسبِ معمول اسرائیلی ریڈیو کی خبروں میں اعلان ہوا کہ مغربی بیروت میں دہشت گرد اہداف ''حملے کی زد میں ہیں—مگر یہ جھوٹ تھا۔ اس شام میں نے پروٹسٹنٹ کالج'' کے قریب گولہ باری سے تباہ گھر سے ایک شہری نوجوان اور اسکول کے بچے کی لاشیں لے جاتے دیکھیں؛ ان کے مردہ جسم ایک کھلے ٹرک کے پچھلے حصے میں اچھل رہے تھے، جو انہیں مردہ خانے لے گیا۔

اب لبنان کا ایک چوتھائی اسرائیلی قبضے میں تھا۔ مغربی بیروت کے لوگوں کے لیے ملک کی جنوبی سرحد اب بیروت ہوائی اڈے کے دوسرے رن وے کے عین نیچے ٹیڑھی میڑھی لکیر کی صورت گزرتی تھی—آگ اور ویرانی کا مقام، جہاں گزشتہ تین روز میں سیکڑوں فلسطینی اور لبنانی شیعہ ملیشیا اہل کار نئی سرحد کو مزید شمال میں شہر کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے مارے گئے تھے۔ لبنانی بائیں بازو کے افراد—کمال جنبلاط کے پرانے 1975-76ء فوجی اتحاد کی ریڑھ کی ہڈی—اپنی وردیاں اتار چکے تھے۔ دروز نے شوف کا دفاع نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ صرف پی ایل او اور امل لڑ رہے تھے۔

فلسطینیوں نے جنگ جاری نہ رکھی تو ان کا کوئی مستقبل نہ تھا۔ وہ خود کو مغلوب ہونے دیتے تو پی ایل او کچلی جاتی، قیادت قتل یا منتشر ہو جاتی اور اس کے وجود کو مزید کسی سیاسی اہمیت کا حامل نہ سمجھا جاتا۔ ریگن انتظامیہ پی ایل او کی تباہی پر پریشان نہ ہوتی۔ اسرائیلی بے حد خوش

ہوتے۔ شامی دعویٰ کرتے کہ انہوں نے لبنان میں فلسطینی نصب العین کے لیے جنگ لڑی، مگر پی ایل او کی گم شدگی دمشق کے لیے بھی مکمل طور پر ناپسندیدہ نہ ہوتی۔ چھے برس پہلے شامی فوج فلسطینیوں کو قابو میں رکھنے کے لیے لبنان آئی تھی۔ اب اسرائیلی فوج بھی یہی کر رہی تھی— اگرچہ کہیں زیادہ بے رحمی سے۔ دوسرے عرب ملک بھی پی ایل او کا اثر و رسوخ تار تار ہونے پر حد سے زیادہ فکرمند نہ ہوتے۔ خلیج میں بہت سے لوگ فلسطینیوں کو عرب جنگ جوئی کا واحد زندہ مظہر سمجھتے تھے، مگر وہاں کے بیشتر حکمران اسے اپنی مغرب نواز حکومتوں کے لیے خطرہ گردانتے۔ وہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک اور جنگ نہیں چاہتے تھے؛ فلسطینی اقتدارِ اعلیٰ کے بجائے اپنے لیے امن چاہتے تھے۔ اسرائیلی بھی یہی چاہتے تھے۔

البتہ حملے کو زیادہ قابلِ فہم بنانے والی بات اسرائیلیوں کا یہ یقین تھا کہ جب تک پی ایل او زندہ ہے، وہ 1967ء کی جنگ میں قبضہ کیے گئے فلسطینی مغربی کنارے اور غزہ کو کبھی قابو میں نہیں رکھ سکیں گے۔ اسرائیلی بجا طور پر سمجھتے تھے کہ مقبوضہ علاقوں کے لوگ اپنی سیاسی قوتِ ارادی پی ایل او سے حاصل کرتے ہیں۔ اسرائیلی حکومت مغربی کنارے میں غیر قانونی یہودی بستیوں کی تعداد بڑھانا، حتیٰ کہ علاقہ ضم کرنا چاہتی تو بیروت کے فلسطینیوں کو بے اثر کیے بغیر ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اسرائیلیوں نے پی ایل او کو نہ کچلا تو مغربی کنارے اور غزہ کے فلسطینی ایک روز ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہو سکتے تھے۔ سو پی ایل او کا خاتمہ ضروری تھا۔

مگر حملے کے پسِ پردہ صرف یہی نہیں تھا۔ مغربی بیروت کی زیادہ تر مسلمان لبنانی آبادی اب پوچھ رہی تھی کہ اسرائیل شہر کے ان کے حصے کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ کیا اسرائیلی اسے فتح کرنا چاہتے تھے یا مغربی بیروت کے گرد اپنی مسلسل بدلتی سرحد مشرقی بیروت کے مسیحی فیلانجسٹوں کے حوالے کرکے لبنان کو ایک باج گزار ریاست بنانا چاہتے تھے—فلسطینیوں سے پاک، تل ابیب سے وفادار، جو اب بلادِ شام کا نیا بابِ عالی بن جاتا؟ اب فیلانجسٹوں کو بھی

تشویش تھی کہ شاید یہی معاملہ ہو۔ اسرائیلی اسلحہ اور حمایت قبول کرنے والا بشیر جمیل غیر معمولی طور پر خاموش رہا۔

وہ اسرائیلیوں کی تعریف کیسے کر سکتا تھا، جب انہوں نے اتنے لبنانی شہریوں کو ہلاک کر دیا تھا—اسی قوم کے باشندے جس پر وہ بطور صدر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ حملہ شروع ہونے کے بعد کم از کم آٹھ ہزار افراد—صرف صیدا میں دو ہزار—ہلاک ہو چکے تھے۔ 12 اور 13 جون کو اسرائیلی فضائی حملوں نے اپارٹمنٹ عمارتوں میں چار سو سے زیادہ افراد کو بموں سے مار ڈالا؛ تقریباً سب لبنانی شہری، اور ان میں بیشتر عورتیں اور بچے تھے۔ بعد میں اسرائیلیوں نے ان اعداد و شمار کو متنازع قرار دیا؛ دعویٰ کیا کہ انہیں استعمال کرنے والے پی ایل او کے فریب خوردہ لوگ ہیں، یا پھر—یہ الزام اب پریس کے خلاف ایک اضطراری ردِعمل بنتا جا رہا تھا—یہود مخالف۔

مگر اعداد و شمار کے بارے میں جھوٹ اسرائیلی بول رہے تھے، اور ان کے افسر و سرکاری اہل کار یہ بات خوب جانتے تھے۔ جنگ کے پہلے ہفتے میں صرف صیدا کی ایک اجتماعی قبر میں سیکڑوں لاشیں دفن کی گئی تھیں۔ تدفین کا یہ مقام، جو اب میدانِ شہداء کہلاتا ہے، شارع ریاض الصلح کے آخری سرے کے چوراہے پر تھا۔ آج وہاں پام کے خوب دیکھ بھال کیے گئے درخت اور جھاڑیاں ہیں، جو ہول ناک انداز میں زرخیز ہوئی مٹی پر کثرت سے اگتی ہیں۔

بیروت کے روزناموں نے اپنے آخری صفحات کے کالم مرنے والوں کے ناموں سے بھر دیے۔ صرف 5 جون کو بیروت پر ایک ہی اسرائیلی فضائی حملے کے دو سو سے زیادہ مقتولین کی فہرست موجود تھی—حملہ شروع ہونے سے ایک دن پہلے۔ تفصیلات ان اسپتالوں سے جمع کی گئیں جہاں ریڈ کراس اور شہری دفاع کی فورسز لاشیں لے گئی تھیں۔

ہلاکتوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مسلسل خون ریزی نے برطانوی اخبارات میں فاک لینڈز جنگ کی خبر کو بھی دوسرے درجے پر دھکیل دیا۔ دارالحکومت کے بیشتر مقتول مسلمان تھے،

اگرچہ متاثرین میں مغربی بیروت میں رہنے والے چند مارونی مسیحی بھی شامل تھے۔ صبرا کے کنارے مسلمانوں کا قبرستان اسرائیلی حملوں کے مقتولین سے اتنا بھر چکا تھا کہ لاشیں اجتماعی قبروں میں تیس تہوں تک، ایک دوسرے کے اوپر دفن کی جا رہی تھیں۔

ہزاروں نہیں، دسیوں ہزار پناہ گزین—جن میں بہت سے غیر ملکی بھی تھے—اب جونیہ کی مسیحی بندرگاہ سے لبنان چھوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ساحل پر گشت کرنے والی اسرائیلی جنگی کشتیوں نے جہازوں کو نکلنے سے روک دیا۔ 14 جون کی رات فرانس اور اٹلی دونوں اسرائیلی ناکہ بندی توڑنے اور اپنے شہریوں کو ملک سے باہر لے جانے کے لیے جنگی جہاز بھیجنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ فیلانج نے بیشتر لبنانی مسلمانوں کو اپنی صفوں سے گزرنے دیا، مگر مارونی برادری میں تعلقات رکھنے والے انتہائی امیر فلسطینی ہی مشرقی بیروت جا سکتے تھے۔ فلسطینیوں کی اکثریت کو مغرب میں اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

13 جون کی سہ پہر جب اسرائیلی جیٹ مغربی بیروت کے آسمان سے گزر کر فلسطینی کیمپوں پر پھر حملہ کر رہے تھے، میں اے پی کے دفتر سے پیدل کمال صلیبی کے گھر گیا۔ صلیبی اپنی عثمانی بالکونی میں جلابیہ پہنے بیٹھے تھے—ایک غم زدہ پیغمبر، جس نے مغربی بیروت کے انتشار میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا کیوں کہ اس کے خیال میں اصل عرب ثقافت اب بھی یہیں پھل پھول رہی تھی۔ انہوں نے کہا، ''کتائب]فیلانج [لبنان کو ایک چھوٹی سی مسیحی بنانا ریاست بنانا چاہتے تھے۔ وہ تیسرے درجے کا ساحلی کلب اور اسکی ریزورٹ چاہتے تھے۔ مگر یہ کیسا لبنان ہوتا؟ میں ایسے ملک سے اپنی شناخت وابستہ نہیں کرنا چاہوں گا۔ ملک کو کسی نصب العین کی علامت ہونا چاہیے۔ کم از کم فلسطینی کسی چیز کے لیے کھڑے ہیں—عرب ضمیر کی بچی کھچی رمق کے لیے۔ مگر کتائب نے پی ایل او کے ساتھ مفاہمت قائم کرنے کا موقع گنوا دیا۔ ''اسرائیلی فلسطینیوں کو کچل دیتے—جو

لبنان میں روایتی طور پر مسلمان بائیں بازو کے اتحادی تھے—تو فیلانج ہمیشہ مسلمانوں کی دشمن رہتی؛ اور اب مسلمان لبنان کی آبادی کی اکثریت تھے۔

اس رات دی ٹائمز کو بھیجی خبر کے اختتام پر میں نے لکھا کہ ''لبنانی۔۔۔ یہاں فوجی زندگی کی ایک بنیادی حقیقت سے حسبِ توقع تلخ تسلی حاصل کرتے ہیں :لبنان باہر سے آنے والے مسلح آدمیوں سے اپنے مخصوص انداز میں انتقام لیتا ہے۔ لبنان میں داخل ہونے والی ہر فوج—فلسطینی، لیبیائی، شامی، عراقی، حتیٰ کہ اقوامِ متحدہ—نے خود کو سیاسی و فوجی دلدل میں پھنسا اور دشمنوں کے سامنے ذلیل پایا۔ کوئی تاریخی وجہ نہیں کہ اسرائیل اس فہرست میں شامل نہ ہو۔ ''اس شام اے پی کے دفتر سے ٹیلی ٹائپ کمپیوٹر تار پر میری کاپی کھٹ کھٹ گزرتی رہی، جب کہ اسرائیلی وزیرِ دفاع ایریل شیرون اپنی فوج کو ذلت کے اسی راستے پر لے جا رہا تھا—گولوں کے گڑھوں، چاول، عرقِ گلاب، جھنڈیوں اور نعروں سے اٹی سڑک، جو ناگزیر طور پر خون ریزی اور المیے تک پہنچتی۔

شیرون—جس نے وزارتی ساتھیوں کے مطابق حملے کے حقیقی فوجی اور سیاسی مقاصد کے بارے میں اسرائیلی کابینہ کو مسلسل گمراہ کیا تھا—نے بیروت کے انتہائی جنوبی کنارے پر واقع مضافاتی گاؤں شویفات کے گرد زیریں پہاڑیوں سے اپنے بکتر بند دستوں کے لیے راستہ بنایا۔ نصف شب سے کچھ پہلے وہ اور اس کے اگلے اسرائیلی دستے بعبدا پہنچ گئے—لبنانی حکومت کا مرکز، جہاں صدر الیاس سرکیس کا شیشے اور کنکریٹ کا محل بیروت کے اوپر ایک کھڑی ڈھلوان پر واقع تھا۔

اگلی صبح طلوعِ سحر سے پہلے ہمیں محاذ پار کرانے کے لیے ایک ٹیکسی ڈرائیور مل گیا۔ آخری رکاوٹ پر اونگھتے فلسطینیوں کو باتوں سے راضی کرکے ہم گیلری سمعان کے ملبے سے گزرے اور مشرقی بیروت کے مسیحی حصے میں حازمیہ سے ذرا آگے جا رکے۔ فضا میں انتظار تھا۔ خاندان اپنی بالکونیوں پر جمع تھے۔۔۔

ان کے ہاتھوں میں چاول اور عرقِ گلاب تھا۔ آپس میں دھیمی باتیں کرتے، بہت سے ریڈیو کانوں سے لگائے ہوئے۔ یہی خاندان چھ برس پہلے میری آنکھوں کے سامنے شامی فوج کی طرف ہوائی بوسے اچھالتے رہے تھے۔ اب ایک اور فوج آ رہی تھی۔ کوئی خوف نہیں تھا؛ اس کے بجائے سکون، تقریباً خوشی کا احساس اور وہ انتظار تھا جو کسی ممکنہ محبوب سے ملاقات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک بار پھر جنگ ختم ہونے والی تھی، لبنان کا غم مٹنے والا تھا۔ ایک بار پھر ایک ایسی فوج آ رہی تھی جسے تجدید اور سیاسی نشاۃِ ثانیہ کی نمائندہ سمجھا جا رہا تھا۔ مسیحیوں کو فلسطینیوں پر فتح یقینی نظر آ رہی تھی اور اس کے ساتھ حقیقی آزادی بھی۔ آخر آٹھ روز پہلے حملہ شروع ہونے کے بعد سے اسرائیلی حکومت بار بار کہہ چکی تھی کہ اس کی فوج ضرورت سے ایک گھنٹہ—ایک منٹ— بھی زیادہ نہیں ٹھہرے گی۔

ایک شاندار صبح نو مغربی بیروت پر پھیل گئی۔ روشنی شہر کے اوپر دھویں کی دھند کو چیرتی، ہزاروں اپارٹمنٹ عمارتوں کی کھڑکیوں پر شعلہ رنگ ہوتی اور جزیرہ نما سے آگے سمندر کی عظیم قوس روشن کرتی۔ صبح کے جلال میں مغربی بیروت گھرا ہوا تھا۔ پھر درختوں والی سڑک کے اوپر سے بکتر بند پٹریوں کی آواز آئی، جیسے سطح پر زنجیریں گھسیٹی جا رہی ہوں۔ بالکونیوں پر موجود مسیحی آگے کو جھکے۔ ہمارا سنی مسلمان ڈرائیور خوف سے ہمیں چھوڑ گیا؛ اپنی گاڑی کی طرف بھاگا اور مغربی بیروت کی سمت چلا گیا۔ سو ہم اکیلے کھڑے رہے، نظریں سڑک کے اس موڑ پر مرکوز جہاں یاس کے پھولوں کا درخت ہوا میں جھوم رہا تھا۔ ہم نے بھی اسرائیلیوں کو دیکھنے کے لیے طویل انتظار کیا تھا؛ ان کی صفوں سے گزر کر یہ پوچھنے کی بڑی کوشش کی تھی کہ انہوں نے حملہ کیوں کیا۔ اور اب وہ خود ہماری طرف آ رہے تھے۔

پہلا ٹینک تو ہونا ہی تھا۔ سوچیں تو ہر حملہ آور فوج کی قیادت غالباً کوئی ٹینک ہی کرتا ہے۔ مگر جب وہ حدث سے حازمیہ کی طرف سڑک پر آیا—اس کی غیر معمولی لمبی توپ کے گرد بکتر

سے چمٹے اسرائیلی فوجیوں کا ایک گروہ—تو پھر بھی یقین کرنا ممکن نہ تھا۔ اسرائیلی عین یہاں، بیروت کے بالکل مضافات تک پہنچ گئے تھے۔ مقامی مسیحی خاندان سڑک پر دوڑ آئے؛ بعض خوشی سے رو رہے تھے، چہرے مسکراہٹوں سے کھلے ہوئے۔

فوجی اتنے خوش دکھائی نہیں دیتے تھے۔ میلے اور تھکے ہوئے، گزشتہ رات کی تاریکی میں چھلاوے کے لیے چہروں پر جوتوں کی پالش ملی، خودوں کے نیچے پسینے کی تہ۔ کئی نے بیروت کے اوپر دھویں کی دھند کی طرف دیکھا؛ چند نے اوپر اس پہاڑی کو، جہاں لبنان کا بے اختیار صدر لازماً اپنے سیاسی زوال کے گھنٹے گن رہا تھا۔ ہم سڑک پر آگے گئے تو اسرائیلی واقعی اس پر بحث کر رہے تھے کہ اب الیاس سرکیس کیا کرے گا، جب اس کے اختیار میں لبنان کے صرف دو سو گز باقی ہیں۔ بیشتر اشکنازی یہودی تھے؛ بہت سوں کی نیلی آنکھیں، بعض کا نیویارک والا لہجہ۔ نوجوان، تقریباً لڑکے؛ دوستانہ اور اعتماد سے بھرپور۔

کیا واقعی یہ وہی فوج تھی جو مغربی بیروت کی آبادی کو دہشت زدہ کر رہی تھی؟ جس نے ہزاروں فلسطینی مار ڈالے تھے؟ جس کی فضائیہ نے سپاہی اور شہری دونوں کے خلاف ایسی ہیبت ناک قاتلانہ قوت استعمال کی تھی؟ مگر ان نوجوانوں سے نفرت کیسے کی جا سکتی تھی؟ وہ تعلیم یافتہ تھے، امن کی بات کرتے تھے، بعض جنگ کے مقاصد پر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔ کوئی شامی، کوئی فلسطینی ایسا کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ ان یورپیوں کے ساتھ قرابت محسوس نہ کرنا مشکل تھا؛ ان کے نام پر اور ان کی فوج و فضائیہ کے ہاتھوں ہونے والے ہول ناک اعمال کے لیے—خواہ بے سود ہی سہی—عذر تلاش نہ کرنا مشکل تھا۔ یہ اسرائیلی تھے :ناقابلِ شکست فوج رکھنے والے ناقابلِ شکست لوگ؛ ہولوکاسٹ کی اولاد، خروج کے لوگ؛ زندہ بچنے والے جو اپنی قوم کی پستی کی آخری حد سے نکل کر ایک نئی ریاست میں پھلے پھولے، جس کے دفاع میں انہوں نے ،جنگ کی اور جان دی۔ یہ وہ فوج تھی جو بار بار شہری ہلاکتوں سے بچنے کی ضرورت بیان کرتی

ہتھیاروں کی پاکیزگی "کی بات کرتی؛ جس کے شہری سپاہیوں نے—ہالی ووڈ کی مشہور داستان کے " مطابق—صحرا کو گل زار بنا دیا تھا۔

اشکلون سے تعلق رکھنے والا نوجوان طبی معاون لبنان کے سیاسی امکانات پر غور کر رہا تھا۔ ،اس کے شوخ سرخ بال اتنے لمبے تھے کہ تقریباً حفاظتی جیکٹ سے چھو رہے تھے۔ اس نے پوچھا کیا خیال ہے، صدر اوپر سے ہمیں دیکھ رہا ہو گا؟ "اور صنوبر کے درختوں میں ہم سے بہت اوپر " محل کی طرف سر سے اشارہ کیا۔ "میرے خیال میں فلپ حبیب کو یہاں پرواز کرکے آنا چاہیے، "،سرکیس کو محل کی کھڑکی تک لے جا کر دکھائے کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔

اسرائیلی واقعی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ٹینک اور بکتر بند نفری بردار گاڑیاں مرکزی سڑک کے پاس ایک چھوٹی ابھری چٹان پر کھڑی کیں، جہاں سے برج البراجنہ کا فلسطینی کیمپ بڑی سہولت سے دکھائی دیتا تھا۔ لبنانی فیلانجسٹ مسلح افراد کا ایک پرجوش گروہ ان کے ساتھ تھا، جو پیچھے سڑک پر ٹینکوں کا ازدحام دور کرنے میں بے حد خوش تھا۔ اسرائیلی گھاس پر کھڑے سگریٹ پی اور لبنانی بیئر کے ڈبوں سے چسکیاں لے رہے تھے۔ ایک ہفتے سے زیادہ ان کے فضائی حملوں اور ٹینکوں کی گولہ باری کی سفاکی دیکھنے کے بعد ہمیں آدھی توقع تھی کہ دیو قامت لوگ دکھائی دیں گے۔ مگر یقیناً بیشتر فارغ وقت فوجیوں کی طرح اسرائیلی بھی فوراً فیاض، سیاسی طور پر سادہ اور لبنان میں اپنی پیچیدہ و خوں ریز مہم پر ذرا سے الجھے ہوئے تھے۔

ایک بکتر بند گاڑی میں بیٹھے سیاہ مونچھوں اور بے عیب انگریزی والے فوجی—نیتنیا سے تعلق رکھنے والے کارپورل—نے مٹھی بھر گہرے قرمزی رنگ کی چیریاں میری طرف بڑھائیں۔ کیا ہم نے ناشتہ کیا تھا؟ بیئر پئیں گے؟ بیئر ٹھنڈی پیش کی گئی۔ ٹرک کے گرد جونیئر افسروں کا گروہ ہماری گفتگو سننے جمع ہو گیا۔ یہ سب دامور کے ساحل پر اترے تھے اور عالیہ کے گرد لڑتے ہوئے بیروت کے اوپر پہاڑیوں کے اس ٹھنڈے مقام تک پہنچے تھے، جہاں لبنان میں قدم رکھنے

کے بعد پہلی بار مارونی برادری نے ان کی میزبانی کی تھی۔ یروشلم کے ایک فوجی نے پوچھا فلسطینی کیسے ہوتے ہیں۔ سوال حیران کن تھا، کیوں کہ یروشلم بھی فلسطینی شہر ہے اور وہ پورا ہفتہ فلسطینیوں سے لڑتا رہا تھا۔ ہم نے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے وہ کیسے ہیں؟

اس نے کہا، ''فلسطینیوں نے بہت اچھی لڑائی نہیں لڑی۔ ہم نے کچھ زخمی پکڑے اور کچھ کو مارا۔ ان کے لیے ہم پر راکٹ سے چلنے والا دستی بم پھینک کر بھاگ جانا آسان ہے۔ اس کے لیے اچھا فوجی ہونا ضروری نہیں۔ شامی بہتر تھے۔ بعض شامی رفعت الاسد کے حفاظتی اہل کار تھے اور انہوں نے بھی لڑائی کی۔ ''ہم نے بیئر کی چسکیاں لیں اور مزید چیریاں کھائیں۔ کیا اسرائیلی لبنان میں رہنا چاہتے تھے؟ نہیں، اسی فوجی نے جواب دیا۔ وہ ٹھہرنا نہیں چاہتے؛ امن لانا چاہتے ہیں۔ ہم نے اسے غور سے دیکھا—کندھے پر رائفل، بیلٹ کے ساتھ دستی بم—مگر وہ جو کہہ رہا تھا دل سے کہہ رہا تھا، اور دوسرے سب فوجیوں نے سر ہلایا۔ ''اگر فلسطینی ہم سے نہ لڑتے تو ہم بھی ان سے نہ لڑتے، ''اس نے کہا۔

سڑک پار ایک لبنانی لڑکی اسرائیلی ٹینک کے عملے کی طرف ہاتھ ہلا رہی تھی۔ چند خاندان ہلکی ڈھلوان پر گاڑیاں چلا کر آئے تھے—جنگ کے سیاح—تاکہ غیر ملکی سرزمین پر اس اجنبی فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہی لوگ شامیوں پر عرقِ گلاب چھینکتے رہے تھے۔ اب اسرائیلیوں کو ''شالوم ''پکار رہے تھے۔ مگر اشکلون کے کارپورل کو کچھ پریشان کر رہا تھا۔ اس نے ''پوچھا، ''مغربی بیروت میں حالات کیسے ہیں؟

دوسرے فوجی قریب آ گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ سوال ان کے ذہنوں میں بھی تھا۔ سو ہم نے آہستگی سے اور مبالغے کے بغیر انہیں بتایا کہ اب مغربی بیروت کیسا تھا۔ ان ہزاروں پناہ گزینوں کا ذکر کیا جو حملہ آور فوج سے پہلے شہر میں امڈ آئے تھے۔ مسلح قابضین کے بارے میں بات کی جو دوسروں کے گھر چُرا رہے تھے، اور سڑکوں پر نمودار ہونے والی مسلح افراد کی نئی،

زیادہ شریر نسل کے بارے میں۔ پھر اسرائیلی بم باری بتائی؛ کورنیش مزرعہ اور صبرا کے گرد ان حملوں میں مرنے والے سیکڑوں شہری، جن میں نصف سے زیادہ عورتیں اور بچے تھے—جو نہ مجرم یا ''دہشت گرد'' تھے، نہ ہو سکتے تھے، نہ کسی اور نوعیت کے دشمن۔

ہمارے بتائے اعداد و شمار فوجیوں نے توجہ سے سنے۔ ہم خاموش ہوئے تو وہ بھی چپ رہے۔ ہم نے پوچھا، ان کے خیال میں شہری علاقوں پر بم کیوں برسائے گئے؟ نیتنیا کے سیاہ مونچھوں والے فوجی نے پہلے جواب دیا۔ ذرا سے کندھے اچکائے۔ ''یہ سیاسی سوال ہے،'' وہ بولا، ''اور ہم فوجی ہیں۔ ''اس کے ساتھیوں نے جواب کا غیر تسلی بخش ہونا واضح طور پر محسوس کیا۔ پھر ایک کپتان آگے جھکا اور بولا، ''ہم نے تمہارے ملک کے ہاتھوں فاک لینڈز میں مارے جانے والوں سے کم لوگ مارے ہیں۔ ''باقی فوجی اس شماریاتی بے معنویت پر مسکرائے۔ آخر طبی معاون نے ''کہا، ''ہم امن چاہتے ہیں اور یہاں امن لانے آئے ہیں۔ ہم قتل و غارت روکنے آئے ہیں۔

لبنان میں گزشتہ آٹھ دن کی اتنی خون ریزی کے بعد اگر یہ بات بے محل تھی تو بیروت کے مضافات میں داخل ہونے والے پہلے اسرائیلی اسے سمجھنے میں ناکام رہے۔ اور نہ وہ امن لائے۔ مغربی بیروت کا گھیراؤ کرنے والی بکتر بند یلغار کی ذاتی طور پر قیادت کرنے کے بعد شیرون شہر کے مشرق میں گیا، جہاں مارونی رہنماؤں کے ساتھ متعدد ملاقاتوں میں فیلانج سے اپنا اتحاد مستحکم کیا۔ سیکڑوں فیلانجسٹ مسلح افراد کو فوراً بالائی شوف میں اسرائیل کے نئے مقبوضہ علاقے میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ انہوں نے ان مارونی دیہات کے گرد مسیحی ملیشیا کی چوکیاں قائم کیں جو اب تک نقصان سے محفوظ تھے، اگرچہ وہ روایتی طور پر دروز کے زیرِ اختیار علاقے میں واقع تھے۔ شامیوں نے کبھی فیلانج کو ان دیہات میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی؛ دمشق ان مسیحیوں کی سلامتی کا ضامن تھا اور—کمال جنبلاط کے قتل کے بعد ہونے والی ہول

ناک خون ریزی کے واحد استثنا کے سوا—شوف میں اس اقلیت کا تحفظ کبھی سیاسی مسئلہ نہیں بنا تھا۔

اسرائیلیوں نے اپنے مسیحی ملیشیا اتحادیوں کو علاقے میں لا کر راتوں رات مارونی دیہاتیوں کو فیلانج کا ساتھی بنا دیا، اگرچہ بیشتر باشندوں نے ایسے ”تحفظ“ کے لیے کوئی جوش نہیں دکھایا۔ چند گھنٹوں میں اسرائیلیوں نے پہاڑوں کی برادریوں کے درمیان پہلے سے موجود اعتماد کا نازک توازن بگاڑ دیا؛ دروز نے فیلانج کی آمد کو اس علامت کے طور پر لیا کہ دیہاتی ان کے دشمنوں سے تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ یوں جس رات شیرون بیروت میں ”امن“ لانے آیا، ایک اور المیے کے بیج بو دیے گئے۔

اسرائیلیوں کی تعاون پر آمادگی سے حوصلہ پا کر فیلانجسٹ اب مشرقی بیروت کی سڑکوں اور بعبدا کے گرد مسیحی پہاڑیوں پر نمودار ہوئے، اپنی ”ملٹری پولیس“ کی چوکیاں قائم کیں۔ ان کے حروف ”MP“ رکاوٹوں پر مسیحی مسلح افراد نے خودوں کے گرد سرخ فیتے باندھے، سامنے رنگے ہوئے۔ فیلانجسٹ اپنا توپ خانہ بھی شہر کے اوپر پہاڑیوں میں لے آئے اور اسرائیلیوں نے انہیں روکنے کی ذرہ برابر کوشش نہ کی۔ جواباً اسرائیلی فوجی مشرقی بیروت میں داخل ہوئے اور آزادی دلانے والوں کی طرح ان کا استقبال ہوا۔ اسرائیلی افسروں نے بہترین ریستورانوں میں کھانے کھائے، جب کہ ان کے فوجیوں نے مشرقی بیروت کے سامان سے بھرپور سپر اسٹوروں میں خوب خریداری کی۔

اسرائیلی جیپوں اور ٹرکوں سے شہر کی تنگ گلیاں جام تھیں۔ وہ ٹریفک سگنلوں پر فرمانبرداری سے یوں رکتے، جیسے یہ تل ابیب یا حیفا ہو۔ مگر انہی گلیوں کے اوپر فیلانج کا تکونی دیودار نشان لٹکا تھا اور گھروں کی دیواروں پر بشیر جمیل اور اس کے والد پیئر کی بڑی بڑی تصویریں چسپاں تھیں۔ پیئر کو 77 سالہ بوڑھے کے بجائے نئی سیاہ ٹائی والے نوجوان رہنما کی صورت دکھایا گیا تھا۔

تصویر دراصل اسی نقش کی نقل تھی جو 1936ء میں جمیل کے نازی جرمنی کے فیصلہ کن دورے سے واپسی کے کچھ دیر بعد فیلانج کے دفاتر میں تقسیم ہوا تھا۔ مسیحی عورتوں نے فاتح اسرائیلی فوج کی طرف ہاتھ ہلائے؛ چار ہفتوں کے اندر اسرائیلی پریس حملے کے بعد پہلی بار ایک اسرائیلی فوجی اور مارونی لڑکی کی منگنی کا اعلان کرنے والا تھا۔

مغربی بیروت سے سنی مسلمان خاندان اب گاڑیوں میں بھر کر شہر کے اوپر پہاڑیوں میں پہنچ رہے تھے—پناہ گزین نہیں بلکہ سیاح، جو لبنان کے نئے مہمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ بعض نے بعبدا میں اسرائیلی فوجی احاطوں کے پاس پکنک منائی اور اسرائیلی فوجیوں کو اپنے خاندانوں کے ساتھ یادگاری تصویریں بنوانے کی دعوت دی۔ سنی اسرائیلیوں کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔

لبنانیوں میں معاف کرنے کی ایک مخصوص صلاحیت تھی، جو اس وجدانی حساب پر مبنی تھی جس میں ماضی کے گناہوں کو مستقبل کے ممکنہ فوائد کے مقابل تولا جاتا۔ اسرائیلی جیت رہے تھے، انہوں نے مغربی بیروت کو گھیر لیا تھا، وہ امن اور فلسطینیوں کو نکالنے کا وعدہ کرتے اور کہتے کہ لبنان پر ان کی نظر نہیں۔ سو مغربی بیروت سے گاڑیاں چلا کر آنے والے لبنانی خاندانوں نے گزشتہ ہفتے کی خون ریزی نظر انداز کی اور اپنی زمین پر قبضہ کرنے والے تازہ نوجوان فوجیوں کو دیکھ کر مسکرائے۔

وہ دیکھ سکتے تھے—جیسے ہم محاذ کے آر پار آتے جاتے دیکھ سکتے تھے—کہ اسرائیلی سیکڑوں مرکاوا جنگی ٹینک اور دور مار توپیں مغربی بیروت کی سرحد تک لا رہے تھے۔ شوف کی بلندیوں میں بیت الدین، بعقلین اور دیر القمر کے گرد ہم نے اسرائیلیوں کو بہت بڑی ایم-107 خودکار توپوں کے لیے کنکریٹ کے چبوترے بناتے پایا۔ بعض جگہ پانچ افراد پر مشتمل عملہ توپیں پہلے ہی نصب کر چکا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی 33 فٹ لمبی نالیاں ہمیشہ پہاڑی سلسلوں سے بلند بیروت کی

طرف اٹھی ہوتیں۔ بعبدا میں لبنانیوں نے پٹریوں پر چلنے والی ایم-108 ہووٹزر توپوں کی قطار حدث کی طرف گڑگڑاتے اترتے دیکھی۔ پکنک منانے والے لبنانی مسلمان یہ سب دیکھتے، پھر بھی مسکراتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے بچوں کو خاندانی گاڑیوں میں سمیٹا اور مغربی بیروت لوٹ گئے۔

جون کو فلسطینیوں کے بائیں بازو کے ملیشیا اتحادیوں نے پی ایل او کا ساتھ چھوڑ دیا اور 14 سرکیس نے ''قومی نجات کی حکومت''کا اعلان کیا، جس میں ولید جنبلاط، نبیہ بری اور—سب سے اہم—بشیر جمیل شامل ہوتے۔ حتیٰ کہ امل کے رہنما بری نے بھی اپنے آدمیوں کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا۔ اس شام ہوائی اڈے کے قریب مجھے امل کے چند اہل کار ملے جو بندوقیں ایک کھائی میں پھینک اور شناختی کارڈ پھاڑ رہے تھے؛ انہیں خوف تھا کہ اگلے دن اسرائیلی مغربی بیروت پر حملہ کرکے خلدا کی لڑائیوں کا بدلہ لیں گے۔ 14 تاریخ کی اسی شام میں نے مغربی بیروت کے علاقے حمراء میں چھتوں کے اینٹینوں اور اپارٹمنٹ بالکونیوں سے چادریں اور تولیے لٹکتے دیکھے—ہتھیار ڈالنے کے سفید پرچم۔ مگر فلسطینی اب محصور تھے اور لڑنے کے لیے ان کے پاس صرف مغربی بیروت تھا۔ پی ایف ایل پی کے رہنما جارج حبش نے ایک بار پھر بیروت کو ''نیا اسٹالن گراڈ'' بنانے کا وعدہ کیا۔

شامی بھی یہ قبول نہیں کر سکتے تھے کہ جس شہر کے تحفظ کا انہوں نے حلف لیا، وہ اسرائیل کے ہاتھ چلا جائے۔ حبیب ''قومی نجات''کی کابینہ بنانے میں سرکیس کی مدد چاہتے تھے، مگر شام کی حمایت کے بغیر لبنان میں نیا سیاسی توازن پیدا کرنا ناممکن تھا۔ 15 تاریخ کو شامی حکومت نے اصرار کیا کہ شہر میں اس کی فوج عرب لیگ کے دیے گئے امن فوجی اختیار کے تحت موجود ہے۔ دمشق ریڈیو پر پڑھے گئے بیان کے مطابق مغربی بیروت میں فلسطینیوں کے ساتھ گھرے شامی فوجی ''ایک عرب فیصلے اور قانونی لبنانی حکام کی درخواست پر''وہاں تھے۔ اس لیے شامی فوج

لبنانی حکومت کے قانونی اختیار، نیز لبنانی سرزمین اور لبنانی و فلسطینی عوام کے دفاع کا فرض اپنی ”پوری قوت سے ادا کرے گی۔“

تازہ ترین جنگ بندی قائم نہ رہی۔ اسے قائم رہنے کے لیے بنایا ہی نہیں گیا تھا۔

ایک دن بعد بعبدا کے گرد پہاڑیوں سے فیلانجسٹ توپ خانے نے فلسطینیوں پر گولہ باری کی اور جنگ بندی ختم ہو گئی۔ مسیحی ملیشیا کی بیشتر گولہ باری پی ایف ایل پی کے اس یونٹ کی طرف تھی جس نے لبنانی یونی ورسٹی کی سائنس فیکلٹی میں مورچے سنبھال رکھے تھے۔ فولاد اور بڑے شیشوں کی مستطیل جدید عمارت، جو حدث کے نیچے گھاس کے ایک چھوٹے احاطے میں، عین مغربی بیروت کی سرحد پر کھڑی تھی۔ توپوں کی بیٹریوں سے نیچے ایک اسکول کی عمارت میں پیادہ کمپنی کو ٹھہرانے والے اسرائیلیوں نے مداخلت کی کوئی کوشش نہیں کی۔ درحقیقت اس صبح جب ہم نے انہیں دیکھا تو وہ خالی جماعتوں کے جنوب میں کنکریٹ کی دیوار پر بیٹھے، توپ کے گولوں کو کیمپس پر سرمئی مرغولوں میں پھٹتے دیکھ رہے تھے۔

یہاں بہت سے اسرائیلی سفاردی یہودی تھے۔ وہ فیلانجسٹ مسلح افراد سے عربی میں باتیں کرتے، جو اوپر پہاڑی پر بیٹریوں سے چل کر نیچے آتے تھے۔ کئی افسر ان لوگوں کی طرح اشکنازی تھے جنہیں ہم نے دو دن پہلے دیکھا تھا۔ مگر کچھ بدل چکا تھا۔ یہ صرف مسلمان سیاحوں کی عدم موجودگی نہ تھی، نہ وہ تکبر جو فیلانجسٹ اب اسرائیلیوں کے سامنے ہمارے ساتھ دکھا رہے تھے—پریس کارڈ ہاتھوں سے چھینتے، مغربی بیروت واپس جانے کا حکم دیتے اور احتجاج پر رائفلیں تانتے۔ اس کا تعلق اس بے تکلف انداز سے تھا جس میں اسرائیلی انہیں کہتے کہ ہمیں اکیلا چھوڑ دیں۔ اسرائیلیوں کا یہ خودکار طور پر تسلیم کرنا خوف ناک تھا کہ فیلانج—وہ ملیشیا جس کے 1930ء کی دہائی کے یورپ میں ایسے تاریک سیاسی اسلاف تھے—اس جنگ میں حصہ لینے کا حق رکھتی ہے۔ کیا وہ نہیں سمجھتے تھے کہ لفظ ”فیلانج“ ہی آمریت اور یورپی یہود دشمنی کی گواہی دیتا

ہے؟ کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ بہت سے فیلانجسٹ ملیشیا اہل کار فلسطینیوں کو انسان سے کم اور صرف مٹا دیے جانے کے قابل سمجھتے تھے—عین وہی جذبات جو نازیوں نے یہودیوں کے لیے ظاہر کیے تھے؟

ہماری طرف آنے والا اسرائیلی لیفٹیننٹ نوجوان تھا؛ گھنگریالے بال اور چاندی کے فریم کا چشمہ اسے نرم خو، تقریباً زاہد سا روپ دیتے تھے۔ پہلی نظر میں وہ اوپر میدانِ جنگ کی پہاڑی پر موجود ٹینکوں اور نفری بردار گاڑیوں سے بالکل بے جوڑ لگا۔ ہمارے بائیں ہاتھ پہاڑی پر مارونی گرجے کے پاس سے فیلانجسٹ توپیں دھم دھم چل رہی تھیں، جب وہ دھیمے "شالوم" کے ساتھ ہمارے پاس آیا اور کسی ماہرِ تعلیم کی طرح ازخود بتایا کہ توپیں 155 ملی میٹر کی ہیں۔ نیچے پہاڑیوں کو سمندر اور ویران ہوائی اڈے سے جدا کرنے والے تنگ میدان میں سائنس کی ذیلی عمارت پر گولے پھٹ رہے تھے؛ شعلوں کے نقطے چاندی رنگ عمارت کے پہلو کے ساتھ آگے بڑھتے۔

نوجوان فوجی نے عمومی طور پر مغربی بیروت کی سمت ہاتھ لہراتے ہوئے کہا، "نیچے اور دائیں جانب کیمپ میں دہشت گرد ہیں۔" اس نے اپنی نوجوانی کا بیشتر حصہ فرانس میں گزارا تھا اور صرف چھے برس پہلے اسرائیل منتقل ہوا تھا۔ وہ بہت نمایاں فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتا۔ خزاں میں اسے یروشلم کے لا کالج میں پہلا سمسٹر شروع کرنا تھا۔ مگر اب وہ فوجی تھا؛ جنوبی لبنان سے صور کے راستے لڑتا ہوا یہاں پہنچا تھا، اور ظاہر ہے جانتا تھا کہ گزشتہ دس دن میں اس کی فوج نے جو کچھ کیا، ہر شخص اسے پسند نہیں کرتا۔ اس نے صیدا کے کھنڈر دیکھے تھے۔

اس نے کہا، "میرا خیال ہے، وہ واقعی خوب صورت نہیں تھا۔ مگر انسان کو اپنا فرض ادا کرنا پڑتا ہے۔ آپ صحافیوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بم باری کے بعد الجلیل کے دیہات کیسے دکھائی دیتے ہیں۔" ہم نے ساتھ نیچے حدث میں گولہ باری دیکھی، جب فیلانجسٹ توپچی اپنی توپوں کا رخ دائیں جانب گھما رہے تھے اور برج البراجنہ کیمپ کے کنارے سے سرمئی دھویں کے بادل

اٹھ رہے تھے۔ مگر ہم نے پوچھا، کیا اس کے خیال میں گزشتہ چند روز کے دوران لبنان میں تباہی اور قتل و غارت—اب اندازہ تھا کہ تقریباً دس ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں—شمالی اسرائیل میں ہونے والے نقصان کے مقابل کچھ غیر متناسب نہیں تھی؟

اس نے فوراً جواب دیا۔ ”بات ایک مردہ اور ایک ہزار مردہ افراد کے فرق کی نہیں،“ وہ بولا۔ ”درد اتنا ہی ہوتا ہے۔ یہاں مرے ہوئے بچے اور عورتیں دیکھنا واقعی اچھا نہیں، مگر اس قسم کی جنگ میں ہر کوئی شامل ہوتا ہے—عورتیں بھی—سو ہم ہمیشہ بالکل درست افراد کو سزا نہیں دے سکتے، کیوں کہ ورنہ ہمیں بہت سی جانیں گنوانی پڑیں گی۔ اور ہمارے لیے، میرا خیال ہے—امید ہے آپ یہ سمجھیں گے—ایک اسرائیلی فوجی کی موت کئی سو فلسطینیوں کی موت سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہم فٹ بال نہیں کھیل رہے۔ میرا مطلب ہے، بات اموات کی تعداد کی نہیں بلکہ اس مقصد کی ہے جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے لبنان میں امن ہو گا؛ اور اگر اس کی قیمت بہت سی جانیں ہیں تو بس یہی حقیقت ہے۔“

نوجوان اپنے استدلال کے تضاد سے بے خبر دکھائی دیا۔ اس نے کہا، اسرائیل آنے والے برسوں کے لیے حل تلاش کر رہا ہے”:شاید امن قائم ہو، کوئی مسیحی حکومت بنے یا مسلمانوں کے ساتھ بھی کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ کم از کم ہمارا ایک پڑوسی ہمارے ساتھ امن سے رہے۔“وہ مصر کو اسرائیل کے ساتھ حالتِ امن میں نہیں سمجھتا تھا—وجہ بتانے سے انکار کیا—مگر اسرائیل کا ذکر ایک مقصد رکھنے والے ملک کی طرح کرتا تھا۔

اس نے کہا، ”یہاں ہمارے پاس پائیدار امن کا حقیقی موقع ہے، کیوں کہ لوگوں کو ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں پُرامن پڑوسیوں کے طور پر ان کی ضرورت ہے، مگر انہیں ہماری ضرورت اس لیے ہے کہ ہم زیادہ طاقت ور، زیادہ منظم ہیں؛ ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کو پسند کریں یا نہ کریں، ہمیں ان کی ضرورت ہے کیوں کہ یہی ہمارے مفاد میں ہے۔“اس فوجی میں

کچھ حد سے بڑھا جوش تھا؛ یہاں موجود ہونے کی اس کی وجوہ میں کوئی مسیحائی کیفیت۔ ہم بے آرام اور اس کے الفاظ سے مضطرب تھے۔ میں کینیڈین ریڈیو کے لیے ہماری گفتگو ریکارڈ کر رہا تھا، مگر وہ سامنے تھامے مائیکروفون سے قطعی بے فکر دکھائی دیا۔ ہمارے اوپر فیلانجسٹ توپوں نے پھر فائر کیا اور نیچے یونی ورسٹی کی عمارت میں ایک بار پھر شعلے پھوٹے۔ مشین گنوں کی مسلسل تڑتڑاہٹ تھی—طاقت، آگ کی صورت مجسم۔

اور فلسطینیوں کا کیا؟ ہم نے پوچھا۔ اسرائیلی فوجی نے ذرا سا آہ بھری، جیسے اسے معلوم تھا کہ یہ سوال شروع ہی سے آنے والا ہے۔ ''سنیے،'' اس نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ یہ گفتگو ریکارڈ کر رہے ہیں، لیکن ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ وہ سب کے سب مر جائیں۔ آپ اسے جہاں چاہیں بھیج دیں :میں تمام فلسطینیوں کو مردہ دیکھنا چاہتا ہوں، کیوں کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں، ایک بیماری بن جاتے ہیں۔''

کیا ہم نے پوچھا، ہٹلر نے یہودیوں کے بارے میں عین یہی نہیں کہا تھا؟ ''کہا تھا، مگر ایک معمولی فرق ہے،'' اس نے جواب دیا، ''کیوں کہ فلسطینیوں کو مدد ملتی ہے اور یہاں گرد بہت سے ملک ان کی حمایت و مدد کے لیے تیار ہیں۔ مگر یہ منافقت ہے، آپ جانتے ہیں۔ عرب ملک صرف اسرائیل تباہ کرنے کی غرض سے ان کی مدد کرتے ہیں۔ انہیں فلاح و بہبود سے کوئی دل چسپی نہیں۔ میں جانتا ہوں یہ بات ذرا سخت لگتی ہے، کیوں کہ شاید میں اس بارے میں کچھ جذباتی ہوں۔ ذاتی طور پر مجھے تمام فلسطینیوں کو مرتے دیکھنے اور ایسا کرنے میں مدد دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

اس نوجوان فوجی کے اندر کوئی نہایت پریشان کن شے پھٹ رہی تھی؛ کوئی خوف، جو ہمارے اوپر توپ خانے جتنا طاقت ور تھا۔ جیسے لیفٹیننٹ نے اچانک اور ناقابلِ فہم طور پر فیصلہ کیا ہو کہ اس کی اخلاقیات ایک کہیں زیادہ منحوس جذبے کی طاقت پر قربان ہو جائیں۔ شاید میرے

مائیکروفون نے اب نوجوان لیفٹیننٹ کو جھجکنے پر مجبور کیا۔ ”میں جانتا ہوں یہ بات بہت اچھی نہیں لگتی، اور۔۔۔ “وہ کئی سیکنڈ رکا، جیسے اپنے خیالات کو گرفت میں لینے اور ان چیزوں کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو نفرت کے اظہار میں اپنی جگہ سے کھسک گئی تھیں۔ ہمارے سروں کے اوپر سے گولے سائیں سائیں گزرے اور چند سیکنڈ بعد نیچے ان کے پھٹنے کی دھمک آئی۔ ”آپ ہٹلر کی بات کر رہے تھے۔ میں یہ دلیل جانتا ہوں کہ یہودیوں نے ہٹلر کے ہاتھوں مصیبت اٹھائی، اس لیے کسی اور کو یہودیوں کے ظلم کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ مگر میں اسے نہیں سمجھتا۔ ہمارا اولین مفاد یہ ہے کہ امن سے رہیں اور اپنے ملک میں ترقی کریں۔ اگر کوئی ہمیں تنگ کرتا اور تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پہلے ہم اسے تباہ نہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں، بائبل میں بھی یہ بات کہی گئی ہے۔“

نیچے میدان میں فائرنگ زیادہ شدید ہو رہی تھی اور اس کا اثر اسرائیلی پر پڑتا دکھائی دیا؛ اس کا دایاں ہاتھ رائفل کی نال پر آ ٹکا تھا۔ ”میں یہ نہیں کہتا، ’ہر شخص کو مار دو۔‘ یہ ایک خواہش ہے، آپ سمجھ رہے ہیں۔ ذاتی طور پر مجھے نہیں لگتا کہ ہماری حکومت بہت سے فلسطینیوں کے قتلِ عام کی ذمہ داری قبول کرے گی۔ مگر بہرحال کم از کم ہم ان کی عسکری صلاحیت اور سفارتی تنظیم تو تباہ کر سکتے ہیں۔“

فوجی کا ذہن اسرائیل کی طاقت کے سوال کی طرف پلٹا۔ ”مگر ہم طاقت ور ہیں،“ اس نے کہا۔ ”اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور ہم اپنے فیصلے کرنے کے لیے کافی طاقت ور ہیں۔۔۔ اگر ہم ابھی خود مغربی بیروت میں داخل نہیں ہوتے تو وجہ یہ نہیں کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے—بلکہ یہ کہ ہم کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اب ہم دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں ہیں۔ مجھے امید ہے فلسطینی کبھی جنوب واپس نہیں جائیں گے۔ جب تک یہاں کوئی حقیقی فوج موجود نہ ہو—اور مجھے امید ہے وہ اسرائیلی

نہیں بلکہ امریکی یا اقوامِ متحدہ کی فوج ہو گی—جب تک ایسی فوج موجود نہیں ہوتی، فلسطینی چند برس میں واپس آ جائیں گے اور یہ سب کچھ بے کار ہو جائے گا۔"

آج بھی جب میں اس غیر معمولی انٹرویو کی کیسٹ ریکارڈنگ سنتا ہوں—ہمارے سروں کے اوپر سے فیلانجسٹ گولے داغے جانے پر ٹیپ جھٹکے کھاتی ہے—تو مجھے بعض باتوں پر بے یقینی سے بلند ہوتی اپنی آواز سنائی دیتی ہے۔ آج مجھے احساس ہے کہ اس کا بیان ہول ناک حد تک مستقبل بین تھا۔ تب یہ صرف آنے والی چیزوں کی ایک اور علامت، اس اخلاقی تنزل کی مثال تھا جو حملے کو اسرائیل کی پہلی فوجی شکست میں بدلنے والا تھا۔

ہم نے مناسب شائستگی سے الوداع کہا اور نوجوان لیفٹیننٹ نے دوستانہ انداز میں دایاں ہاتھ سر تک لے جا کر سلام بھی کیا۔ ہم نے پھر نیچے میدان کی طرف دیکھا، جہاں یونی ورسٹی کی عمارت کا دھواں اب شہر کے مغرب میں تاریک بادلوں کا سطح مرتفع بنا چکا تھا؛ سمندر کے اوپر میل کی ایک پٹی، جو غیر محسوس طور پر گرمی کی دھند میں مدغم ہوتی تھی۔ امن بدستور جانوں کی قیمت مانگنے والا تھا۔

حواشی

۔ دی ٹائمز اپنے بیشتر حریف اخبارات کے برعکس صرف لندن میں چھپتا تھا، پھر اسے ریل ا کے ذریعے شمالی انگلستان اور اسکاٹ لینڈ پہنچانا پڑتا تھا۔ اسی لیے ابتدائی اشاعت کا وقت بہت جلد مقرر تھا۔ میری تمام رپورٹیں دوپہر کے دوران لندن پہنچ جانا ضروری تھیں—بیروت کے وقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ شام چار بجے تک—جس کا مطلب یہ تھا کہ میں عموماً ڈھائی بجے کے قریب اے پی کی تار پر اپنی کاپی بھیجنا شروع کر دیتا۔ محاذوں اور چوکیوں سے گزرتے طویل زمینی سفر کا تقاضا کرنے والی جنگی رپورٹنگ صبح ہی کرنا پڑتی تھی۔

۲ ۔ 8 جون کی صبح 6 بج کر 45 منٹ پر دی ٹائمز کو بھیجا گیا میرا ایک کمپیوٹر لائن پیغام صحافیوں کو درپیش مشکلات کی کچھ جھلک دیتا ہے” :آپ کی اطلاع کے لیے، مواصلاتی نظام ٹوٹنا شروع ہو گیا ہے۔ فون لائنیں تقریباً ختم ہیں اور اے پی کی تار بھی اب لڑکھڑا رہی ہے۔ براہِ کرم آج دوپہر اپنے وقت کے مطابق دو بجے سے مجھے فون کرنا شروع کریں۔۔۔ اگر فون پر رابطہ نہ ہو تو کام سینٹر]ٹائمز کا مواصلاتی مرکز [سے کہیں کہ اپنے وقت کے مطابق چار بجے لبنان 20636 پر مجھے ٹیلیکس کرے۔ اب روزانہ بارہ گھنٹے سے زیادہ بجلی بند رہتی ہے اور جنریٹر بھی ہر وقت کام نہیں کرتے۔ اطلاعاً، میں اب بھی اے پی کے دفتر سے کام کر رہا ہوں اور۔۔۔ اپنے ساحلی اپارٹمنٹ میں]ٹھہرا [ہوں، تاکہ میری غیر موجودگی میں پناہ گزین وہاں منتقل نہ ہو جائیں۔ وہاں بجلی بند ہے، مگر گھر کا فون کام کر رہا ہے۔۔۔“

۳ ۔ لیروئے کے لاپتا ہونے کے بعد جنگ کی غیر حقیقی کیفیت کا ایک اور ثبوت یہ تھا کہ میں لندن میں دی ٹائمز کے ذریعے یروشلم میں واکر کو پیغام بھیج سکا۔ میں نے اپنے یروشلم کے نامہ نگار سے کہا کہ خلدا میں اسرائیلی فوج کو خبردار کرے کہ لیروئے لاپتا ہے؛ اگر وہ فلسطینی صف روند کر آگے بڑھیں تو ساحل پر اسے تلاش کرکے مدد کریں۔

۴ ۔ میں نے ایک اسرائیلی افسر سے اس واقعے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ”تبصرہ نہ کرنے کو ترجیح دے گا“۔ اگر واقعی اسرائیلی فوجیوں کو قتل کیا گیا ہوتا تو فطری طور پر توقع تھی کہ اسرائیلی اس واقعے کی تشہیر کرتے۔ مگر اس مرحلے پر اسرائیلی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ بیروت کے مسلح افراد ان کی فوج سے ایک جنگی ٹینک چھین سکتے ہیں۔

۵ ۔ اس لڑائی کی اسرائیلی جانب سے نہایت تصویری تفصیل شِف اور یاعری کی کتاب ”اسرائیلز لبنان وار“ کے صفحات ۱۶۱ تا ۱۶۲ پر موجود ہے۔ اسرائیلی اسے عین زحلتہ کی لڑائی کہتے ہیں—عین دارہ سے اگلا گاؤں، جو سڑک پر نیچے واقع ہے۔

باب 8

گورکن کی ڈائری

رابرٹ فسک

”تہ خانے میں بموں سے پناہ لیے اندر 125 افراد تھے، زیادہ تر بچے اور عورتیں۔ سب مر گئے۔ سب کے سب جل گئے تھے۔ زیادہ تر گوشت جل چکا تھا۔ ہڈیاں جمع کیں؛ سونے کی انگوٹھیوں اور زیورات کے تھیلے بھی۔ تعداد کی 125 افراد کی تصدیق صرف ان سات زندہ بچ جانے والوں کے بیان سے ہو سکی جو اس وقت عمارت کے باہر تھے۔ ہڈیاں قبرستان لے گئے۔ لاشیں وہیں دفن کرنے کا فیصلہ میرا تھا۔“

— جنوبی لبنان کی شہری دفاع سروس کے ڈائریکٹر محمود خضرہ کی جون 1982ء کی رپورٹ سے؛ صیدا میں ایک شہری اپارٹمنٹ عمارت پر اسرائیلی بم باری کے بارے میں

نوجوان ہماری مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا، اسرائیلیوں نے موڑ کے قریب پرائمری اسکول پر بم برسائے ہیں اور تہ خانے میں 120 شہریوں کی لاشیں اب بھی پڑی ہیں۔ یقین کرنا مشکل تھا، مگر ہوا میں پھیلی ایک لطیف اور ہول ناک بو بتا رہی تھی کہ شاید وہ سچ کہتا ہے۔ ہم موڑ مڑ کر آگے بڑھے تو مکھیاں آئیں، ہمارے گرد جھنڈ بنا لیا اور چہروں اور ہونٹوں پر بیٹھنے لگیں۔

ایک اور کم عمر شخص ہمیں ننھے اسکول میں لے گیا۔ اس کا اکھڑا ہوا مٹی کا کھیل کا میدان اور باسکٹ بال کورٹ ٹوٹے کنکریٹ، سیاہ تختوں اور کرسیوں سے اٹا تھا۔ ”سیڑھیوں کے آخری سرے پر احتیاط کرنا،“ اس نے کہا۔ عین وہاں جہاں جنگلے کا اختتام ہوتا تھا، آدھی کٹی لاش پڑی تھی؛ بازو یوں پیچھے پھینکے ہوئے جیسے مایوسی میں ہوں۔ ”اب بائیں جانب نیچے دیکھیں،“ اس نے کہا۔ تہ خانے کی ٹوٹی چھت سے ہم نے انہیں دیکھا۔

لاشیں شاید چھے فٹ گہرائی تک ایک دوسرے کے اوپر پڑی تھیں؛ بازو اور ٹانگیں ایک دوسرے سے لپٹے، موت میں جم کر ایک عجیب غیر فطری ڈھیر بن گئے تھے۔ صیدا پر اسرائیلی فضائی حملوں میں اتنے سیکڑوں شہری مارے گئے کہ مقامی ریڈ کراس کو اب تک سب کی تدفین کا وقت نہیں ملا تھا۔ چناں چہ جزین روڈ سے ہٹ کر اس چھوٹے پرائمری اسکول میں لاشوں پر چونے کا سفوف چھڑک دیا گیا تھا—مہربان سفید غبار، جو کسی طرح اس بدی کی جگہ کو نرم کرتا اور مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسموں کو مجسموں میں بدل دیتا تھا؛ قدیم پومپئی کے ان جلے ہوئے باشندوں کی طرح جن پر آتش فشاں ویسوویس کی راکھ برسی تھی۔

صیدا پر بھی تقریباً ویسی ہی آفت اتری دکھائی دیتی تھی۔ شہر کے گرد مزید خوف ناک تہ خانے تھے اور کئی اجتماعی قبریں، جہاں مایوس گورنر—محافظ—نے بے وارث لاشیں دفنانے کا حکم دیا تھا۔ چالیس لاشوں والی ایسی ہی ایک قبر ٹریفک کے درمیان ایک جزیرے پر تھی، آدھی کوڑے اور ملبے سے ڈھکی۔ ایک اسپتال میں ہمیں ایسا ڈاکٹر ملا جس کے پاس گزشتہ پانچ روز میں اتنے زخمی اور مردے لائے گئے تھے کہ وہ ٹوٹے بغیر اپنے دیکھے مناظر بیان نہ کر سکتا تھا۔ کئی تہ خانوں میں لاشیں ٹکڑوں میں ملیں: سر اور بازو، پاؤں کی انگلیاں اور چاک شدہ دھڑ باہم الجھے ہوئے۔ ہر جگہ—گلیوں، گھروں، حتیٰ کہ ساحل پر—موت کی بو تھی؛ تیز اور میٹھی۔ انسان کے سوا کوئی جانور یوں نہیں سڑ سکتا: پسینے، آنتوں اور فضلے کا مخصوص آمیزہ؛ ان لوگوں کا جن کے معدے جسموں سے اڑا دیے گئے تھے، اور تپتے سورج تلے گلتی لاشوں کا۔

اسرائیلی فضائی حملے—کم از کم اس وقت تک—کسی لبنانی شہر پر کیے گئے شدید ترین حملے تھے۔ جنوبی صیدا میں یوں لگتا تھا جیسے رہائشی عمارتوں اور اپارٹمنٹوں کے بیچ بگولا گزرا ہو؛ بالکونیاں اور چھتوں کے سہارے اکھاڑتا، بھاری دیواریں ڈھاتا اور پوری عمارتیں مکینوں پر اندر کی طرف گراتا ہوا۔ بہت سے مقتول انہی کھنڈرات میں دبے تھے۔ سڑکوں پر، جہاں اسرائیلی بلڈوزروں

نے فوجی سرعت سے ملبہ صاف کیا تھا، صیدا کے لوگ سراسیمگی میں چل رہے تھے۔ معمول کے سلام کا جواب نہ دیتے اور بچی ہوئی عمارتوں کو گھورتے، کیوں کہ ان کا شہر پہلے کبھی ایسا نہ دکھا تھا۔

کیا یہ حیران کن تھا کہ اسرائیلی نہیں چاہتے تھے کہ لبنان میں مقیم مغربی نامہ نگار صیدا کے حالات رپورٹ کریں؟ اسرائیل سے پہنچنے والے صحافی فوجی نگرانی میں تھے اور اپنی خبریں اسرائیلی سنسر کے سامنے پیش کرتے۔ تل ابیب اور یروشلم سے آنے والے رپورٹروں کو بھی صرف صیدا کے ساحل، صلیبی قلعے، بازار کے قریب بم باری سے محفوظ علاقے اور بعد میں مسمار عین الحلوہ کیمپ لے جایا جاتا۔ بیروت کے کسی رپورٹر کو اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔

خلدا کے جنوب میں سڑک پر واشنگٹن پوسٹ کے جوناتھن رینڈل اور مجھے روکنے والا اسرائیلی میجر اس بارے میں دوٹوک تھا۔ سفید ہوتے بھورے بالوں، بھاری جسم اور معمولی انگریزی والا شخص گاڑی کی چھت پر جھکا، کھڑکی سے ہمیں دیکھا اور زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ ”مجھے حکم ہے کہ بیروت سے آنے والے کسی نامہ نگار کو یہاں سے جنوب نہ جانے دوں، “اس نے کہا۔ واپس جاؤ۔ “رینڈل نے آہستگی اور تحمل سے سمجھایا کہ ہم رپورٹر ضرور ہیں—اپنے پریس کارڈ ” بھی پیش کیے—مگر صیدا اس لیے جا رہے ہیں کہ معلوم کریں ہمارے ایک لبنانی صحافی ساتھی کی ،بیوی اور بیٹی حملے میں زندہ بچی ہیں یا نہیں۔ شوہر کی طرف سے رقم بھی پہنچانی تھی۔ میجر نے کہا کوئی صورت نہیں۔ “رینڈل نے جواب دیا، ”معاف کیجیے، آپ بات سمجھے نہیں۔ ہم اپنے ساتھی ” “کے خاندان کو ڈھونڈنے صیدا جا رہے ہیں۔ اسی لیے آپ کو ہمیں گزرنے دینا ہو گا۔

ہمارے گرد سڑک پر افراتفری تھی۔ اگلے دستوں والے فوجی ٹرک، بکتر بند نفری بردار گاڑیاں اور ٹرکوں سے کھینچی جانے والی توپیں ہماری گاڑی اور اس گولہ گڑھے کے درمیان سے

گزرنے کی کوشش کر رہی تھیں جس نے شاہراہ کا تین فٹ حصہ اڑا دیا تھا۔ بیروت ہوائی اڈے کے پیچھے سے پی ایل او کے داغے کاتیوشا راکٹ ہمارے سروں پر چیختے گزرے اور اوپر ابھری چٹان پر پھٹے۔ میجر غصے میں تھا۔ رینڈل بھی۔ وہ گاڑی سے نکلا۔ دبلا، مضبوط اعصاب والا شخص، تفصیل کے لیے صحافیانہ جنون اور خوف ناک مزاج۔ ''دیکھیے، میرے دوست،''—رینڈل گھبراہٹ یا غصے میں ہمیشہ لوگوں کو ''میرے دوست''کہتا تھا—''میں بتا چکا ہوں، ہمیں گزرنا ہے۔ آپ کے پاس ہمیں صیدا جانے دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ ہم انسانی ہمدردی کے مشن پر ہیں۔ ''میجر نے رینڈل کے چہرے کے سامنے انگلی ہلائی۔ ''مجھے پروا نہیں،'' وہ چلایا۔

رینڈل نے چشمہ ماتھے پر چڑھایا—یہ ہمیشہ خطرے کی علامت تھی—اور ایک اور نفری بردار گاڑی کے سامنے سڑک پر جا کھڑا ہوا۔ پیچھے مرکاوا ٹینک تھا، جس کی عظیم نال شمال میں ہوائی اڈے کی طرف تھی۔ رینڈل میجر کے ساتھ ٹینک تک گیا۔ ''وہ ٹینک دیکھ رہے ہو؟ ''اس نے پوچھا۔ میجر نے دیکھا۔ ''میں اپنے منحوس ٹیکس اس لیے دیتا ہوں کہ تمھیں یہ منحوس کھلونے ،ملیں—لہٰذا ہمیں گزرنے دو۔ ''ایک کم عمر افسر آیا اور میجر سے عبرانی میں بولا۔ رینڈل نے کہا میں اپنی منحوس گاڑی اس وقت تک نہیں ہٹاؤں گا جب تک تم مجھے جانے نہیں دیتے۔ اگر ایک '' امریکی کو سڑک سے ہٹنے کا حکم دینا ہے تو میں قطعاً نہیں ہٹوں گا، جب کہ تمھاری منحوس جنگوں کی مدد کے لیے مجھے اپنے ڈالر دینے پڑتے ہیں۔ ''نوجوان افسر نے سر ہلایا۔ ''آپ جا سکتے ہیں، '' اس نے کہا۔ یوں ہم صیدا پہنچے۔

ساحلی سڑک تباہی کا منظر تھی۔ دامور ملبہ بن چکا تھا اور لاشوں کی بدبو قصبے سے دو رویہ شاہراہ تک اتر رہی تھی۔ دوسری طرف ایک فلسطینی کی لاش گاڑیوں تلے بار بار کچل کر تارکول میں دبا دی گئی تھی؛ جسم اور پیٹ سے پھیلا سرخ گودا صرف دو تین انچ موٹا رہ گیا تھا۔

شاہراہ کے ہر گھر پر سفید چادر یا تولیہ لہرا رہا تھا—ٹیلی وژن اینٹینوں، بالکونیوں، چھتوں اور گیراجوں پر بے ڈھنگے کھڑے کیے گئے ڈنڈوں سے۔ سڑک اور سمندر کے درمیان ساحلوں پر اسرائیلی فوجی کیمپ تھے، جن کے اوپر درجنوں نیلے سفید اسرائیلی پرچم گرمیوں کی ہوا میں لہراتے۔ دریائے اوالی پر حداد ملیشیا کے مسلح افراد اور اسرائیلی فوجی پولیس والا تھا، جس نے پاسپورٹ مانگے اور ان کے صفحات پر ستارۂ داؤدی والی ربڑ کی مہر لگانا چاہی۔ ہم نے انکار کیا اور کہا کہ اس کی چوکی اسرائیل کی شمالی سرحد نہیں۔

رینڈل اور میں صیدا کو خوب جانتے تھے—1976ء سے آ رہے تھے—مگر بلدیہ اور فائر بریگیڈ کے صدر دفتر والا چوک تقریباً ناقابلِ شناخت تھا۔ سڑک گڑھوں اور نوکیلے لوہے کے ٹکڑوں سے بھرا گرد آلود میدان، عمارتیں جھلسی اور ڈگمگاتی؛ شہری دفاتر ایک ایسے بم سے کھل گئے تھے جو سامنے سے عمارت میں داخل ہوا تھا، کیوں کہ مرکزی دروازے کے اوپر پتھر میں پندرہ فٹ گہرا شگاف تھا۔ لبنانی ریڈ کراس کے دفتر میں خاتون ڈاکٹر نے بتایا کہ دو ہزار تک لوگ مارے گئے ہیں۔

”احتیاط کریں،“ اس نے کہا۔ ”یہاں لوگ خوف زدہ ہیں۔ اسرائیلی سولہ سے ساٹھ برس کے ہر شخص کو ساحل پر لے گئے، پھر نقاب پوش لوگ اسرائیلی سادہ لباس پولیس کے ساتھ آئے۔ وہ جس قیدی کی طرف اشارہ کرتے، اسرائیلی اسے لے جاتے۔ ساحل پر دسیوں ہزار لوگ تھے اور سیکڑوں اٹھا لیے گئے۔ نقاب پوشوں نے ایسے لبنانیوں کی بھی نشان دہی کی جنہوں نے کبھی ہتھیار نہیں اٹھائے۔ یہ لوگ مخبر تھے۔ فلسطینیوں سے نفرت کرنے والے آدمیوں کو بھی پکڑوا دیا۔ جزین روڈ جائیں؛ مردے وہیں ملیں گے۔ اسکول، دجاد عمارت اور گرد کی عمارتیں دیکھیں—سب نشانہ بنیں۔“ہم نکلے تو خاتون دوڑ

کر آئی اور میرا بازو پکڑا۔ ”لوگوں سے ایسی بات نہ کہلوائیں جو انہیں مجرم بنا دے، “اس ”نے کہا۔ ”یاد رکھیے، ہمیں احتیاط کرنا ہے؛ اب ہم قبضے میں ہیں۔

جزین روڈ پر ایک تباہ گھر کے پاس پٹریوں والی اسرائیلی گاڑی کھڑی تھی؛ فوجی پیچھے بیٹھے سنگترے کھا رہے تھے۔ مرد و عورتیں انہیں دیکھے بغیر شہر کے مرکز کی طرف، گرد کے بادلوں میں بدحواسی سے چلتے گزرے۔ سڑک زرد دھند تھی، جس میں وہ ہول ناک بو رچی تھی۔ موت—لاشوں اور اعضا بریدگی کی حقیقت—پر ہمارا ردِعمل عموماً پیشہ ورانہ ہوتا۔ ایسا ہونا ضروری تھا۔

جنگ رپورٹ کرنے والے صحافیوں کو موت کے جسمانی پہلوؤں کے بارے میں ڈاکٹروں جیسا غیر جذباتی ہونا پڑتا ہے۔ ہمیں خود کو یہ سمجھانے کی نفسیاتی قوت چاہیے تھی کہ ہول ناک تفصیل ایک سائنسی حقیقت بھی ہے؛ انسانی جسم گلنے کی بو کو کراہت نہیں بلکہ ایک فطری، اگرچہ ناخوش گوار، کیمیائی تبدیلی سمجھنا پڑتا۔ مگر کہنا آسان، کرنا مشکل ہے۔ موت خوف ناک ہے۔ لبنان کے مردے—سڑکوں، کھائیوں اور تہ خانوں میں بوریوں کی طرح پڑی لاشیں بار بار دیکھنا—ہمیں مسلسل یاد دلاتے کہ مارا جانا کتنا آسان ہے۔ باریک لکیر کے پار ایک چھوٹا قدم، سڑک عبور کرنے یا کسی مسلح شخص کے سامنے مسکرانے یا سنجیدہ دکھائی دینے کے وقت میں معمولی غلطی، زندگی اور موت کا فرق بن سکتی تھی۔

مگر گلتی لاشیں مکروہ ہوتی ہیں۔ سو ڈگری گرمی میں انسانی باقیات کی بو متلی پیدا کرتی ہے۔ یہ ہماری گہری ترین اقدار—محبت، حسن، نرمی، صحت، صفائی، حفظانِ صحت اور زندگی—کی نفی ہے۔ جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبار سے وہ تعفن ہمارے خوف اور نفرت کا مجسم اظہار تھا۔ صیدا کے پرائمری اسکول کی سیڑھیاں پہلی بار اترتے ہوئے ہمیں قے کی وہ پرانی مانوس خواہش محسوس ہوئی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی گاڑھی، بیمار کر دینے والی بو نے ہمیں ڈھانپ لیا اور وہ سوال

ذہن و جسم سے نکال دینے کی کوشش کی جو ہمیں پوچھنے تھے :وہ یہاں کیوں مرے؟ ایسی نفرت انگیز تباہی کیسے ہوئی؟ اگر الجلیل پر کاتیوشا حملہ، جس میں ایک، پانچ یا دس لوگ مریں، ''دہشت گردی ''تھی تو یہ مردہ خانہ کیا تھا؟ جواب میں سیڑھیوں پر مکھیاں گھات لگا کر ہم پر ٹوٹیں، ہونٹوں اور آنکھوں کے گرد لالچ سے بیٹھیں اور لاشوں کی سڑاند ہمارے چہروں تک لے آئیں۔

پہلے سوال—کیوں؟—کا جواب آسان تھا۔ پڑوسیوں کے مطابق اسکول پر 7 جون، حملے کے دوسرے دن، رات دو بجے بم باری ہوئی۔ تہ خانے میں فلسطینی اور لبنانی پناہ گزین تھے، جو صور سے اس امید پر بھاگے تھے کہ صیدا میں محفوظ رہیں گے۔ انہیں رات کے لیے اسکول میں پناہ ملی تھی۔ مگر اسکول کے باہر جزین روڈ تک جاتی ٹیڑھی تنگ گلی میں ہمیں ایک طیارہ شکن توپ کے بگڑے جلے باقیات پہلے ہی ملے تھے؛ اس کی نالیاں مضحکہ خیز انداز میں مڑی، جیپ کے ملبے پر پڑی تھیں۔

ہمارا اندازہ تھا کہ رات کسی وقت پی ایل او گوریلا یہ توپ یہاں لایا اور تاریک آسمان میں گھومتے اسرائیلی طیاروں پر فائر کیا۔ ممکن ہے اسے معلوم نہ ہو کہ اسکول میں سو سے زیادہ پناہ گزین ہیں، اگرچہ یہ انتہائی بعید تھا۔ اس کی بے پروائی مجرمانہ تھی، اس اسرائیلی کی طرح جس نے اسے مارا۔ اسرائیلی ہوا باز نے غالباً توپ کی چمک دیکھی اور اس پر بم گرانے کا فیصلہ کیا۔ اسے اپنا ہدف دکھائی نہیں دے سکتا تھا، نہ معلوم ہو سکتا تھا کہ آس پاس کتنے شہری ہیں۔ اور اسے پروا بھی نہ ہو گی۔ اسرائیلی واقعی شہری ہلاکتوں سے فکرمند ہوتے تو گنجان شہر پر رات کے وقت کبھی گولہ بارود نہ گراتے۔ مگر ہوا باز ''دہشت گردوں ''سے لڑ رہا تھا۔

اسکول کی چھت میں بلدیہ کے دروازے کے اوپر والے شگاف جیسا دندانے دار سوراخ تھا، جو اسرائیلی بم نے بنایا۔ بم چھت سے ٹکراتے ہی نہیں پھٹا؛ اسے یوں بنایا گیا تھا کہ سخت سطحوں

میں مزید گھس نہ سکنے پر دھماکا کرے۔ وہ عمارت کی تین منزلیں چیرتا تاریک تہ خانے میں پہنچا، جہاں پناہ گزین خوف سے سمٹے تھے، اور ٹھوس ناقابلِ حرکت فرش سے ٹکرا کر پھٹا۔

لاشوں کا عظیم ڈھیر تھا؛ بچے اوپر اور عورتیں نیچے۔ بم نے شاید سمٹے پناہ گزینوں کے پورے انبوہ کو اٹھایا اور بھاری جسموں کو اپنے بھنور میں کھینچ لیا۔ سفید چونا بعض جگہ زیادہ، بعض پر کم تھا؛ بچے کھلے پڑے، ٹانگیں پھیلی، سر نیچے۔ رینڈل میرے پاس کھڑا نوٹ بک میں لکھتا رہا۔ پھر نوٹ بک جیب میں رکھ دی اور لاشوں کے ڈھیر کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''پیارے خدا، ''وہ بولا، ''یہ بے چارے، بے چارے لوگ۔''

اگلے روز مشرقی بیروت میں اسرائیلی فوج کے ''پریس رابطہ یونٹ ''سے وابستہ افسر نے مجھے بتایا کہ صیدا میں بے دفن لاشوں کی کہانی ''پی ایل او کا پروپیگنڈا ''ہے؛ وہاں مرنے والا ہر شخص دہشت گرد ''تھا یا بدترین صورت میں ایسا شہری جسے ''دہشت گردوں ''نے مارا۔ اسکول کے تہ '' خانے میں بچوں سمیت سو سے زیادہ افراد کی ہلاکت کا دعویٰ ''سراسر بکواس ''تھا۔ اس نے ہدایت دی کہ اس کے برعکس بہتان آمیز مضمون لکھنے سے پہلے ''حقائق کی جانچ ''کروں۔ میں نے بتایا کہ اسکول جا کر اپنی آنکھوں سے لاشیں دیکھی ہیں تو اس نے کہا مجھے صیدا جانے کی اجازت نہیں تھی؛ اسرائیلی نگران افسر کے ساتھ جانا چاہیے تھا اور دوبارہ شہر نہ جاؤں۔

اس گرم دوپہر اسکول کے باہر بکتر بند گاڑی پر اسرائیلی فوجی سنگترے ختم کر چکے تھے۔ لاشوں کی بدبو لازماً ان تک پہنچی ہو گی، مگر انہوں نے کوئی تجسس ظاہر نہ کیا۔ ان درجنوں لوگوں کو مرے گیارہ دن ہو چکے تھے، پھر بھی بے دفن پڑے تھے۔ اس دوران دوسرے تہ خانوں سے کتنے مردے نکالے گئے ہوں گے؟

ڈھائی برس بعد میری ملاقات صیدا کے پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر حبیب زیدان سے ہوئی۔ فروری 1985ء کی ایک سرد سہ پہر یہ خاموش، غور و فکر کرنے والا شخص مجھے اسکول لے

گیا۔ عمارت مرمت ہو چکی تھی؛ چھت کے سوراخ پلستر، زینہ سبز رنگ، کھڑکیاں نئی؛ مٹی کا کھیل کا میدان، جو باسکٹ بال کورٹ بھی تھا، اب نفیس کنکریٹ سے ڈھکا تھا۔ دونوں سروں پر نئے جال تھے اور دور والے کھمبے کے پاس باسکٹ بال پڑی تھی۔ تہ خانے کی دیوار دوبارہ بن چکی تھی۔

"آپ جانتے ہیں، اس دن میں نے انہیں اندر آنے دیا تھا، "زیدان نے کہا۔ وہ مسیحی تھا، ماتھے پر گھنے بکھرے بھورے بال۔ "آپ تصور نہیں کر سکتے صیدا کیسا تھا۔ چھے تاریخ کی شام 120 لوگ آئے—زیادہ تر عورتیں، بچے، کچھ بوڑھے، شاید بندوقوں والے تین نوجوان۔ وہ سارا دن صور سے پیدل چلے تھے۔ بیمار اور تھکے ہوئے؛ پناہ کی التجا کی۔ میں تہ خانے کی چابی لایا اور اسکول کھول دیا۔ انہیں اندر آنے دیا۔ میں نے خود نیچے بھیجا۔ اس شام وہ میرے پاس سے سیڑھیاں اترے۔ بچے اتنے تھکے تھے کہ ماؤں کے کندھوں پر سو رہے تھے۔"

زیدان کو بتایا گیا تھا کہ فلسطینیوں نے اسکول کے باہر سڑک سے طیارہ شکن توپ چلائی۔ "کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ ایسا کریں؟ اور کیا یقین کر سکتے ہیں کہ اسرائیلی رات کے وقت یوں شہر پر بم برسائیں؟ "لاشوں کا کیا ہوا؟ "یہاں پڑھنے والے بچے آئے، منظر دیکھا اور لاشوں سے سخت خوف زدہ ہو گئے۔ بیشتر لاشیں میدانِ شہداء میں دفن کرا دیں۔ شناختی کارڈ نہیں تھے، مگر زیادہ تر صور سے تھے۔ باقی مقتولین کے ساتھ زمین میں رکھ دیے گئے۔ تقریباً ساٹھ یہیں رہ گئے، سو انہیں کھیل کے میدان کے نیچے—وہاں—دفن کرایا۔"

اسی لیے میدان کنکریٹ سے ڈھکا تھا۔ مردے دور والے کھمبے کے نیچے، اس جگہ تھے جہاں باسکٹ بال پڑی تھی۔ "میں نے بعد میں بچوں کو بتایا کہ سب قبرستان میں دفن ہیں۔ مگر یقیناً ساٹھ کھیل کے میدان تلے ہیں۔ بچوں کو کبھی نہیں بتایا گیا۔ وہاں کوئی نشان نہیں۔"

اسکول کے سامنے دجاد عمارت تھی؛ اپارٹمنٹ بلاک جس کی جنوبی دیواریں عظیم قوت سے کاٹ دی گئی تھیں اور اندر کے کمروں کی میزیں، بستر اور کرسیاں کھلی منزلوں کے کناروں پر خطرناک انداز میں جھکی تھیں۔ رینڈل اور میں وہاں بھی گئے۔ اندھیرا تھا، ہمارے پاس ماچس۔ اس کا تہ خانہ بھی دہشت کا گھر تھا؛ اتنی گرمی اور تعفن کہ نیم روشنی میں داخل ہونے کے خیال سے حلق میں ابکائی آتی۔ انسانی باقیات کے ٹکڑے دکھائی دیتے اور فرش پر جگہ جگہ سوکھی، پگھلی ہوئی چربی تھی۔ برسوں بعد اس کی ہول ناک کہانی معلوم ہوئی۔

اس مردہ خانے میں داخل ہونا جنوبی لبنان شہری دفاع کے ڈائریکٹر محمود خضرہ کے حصے میں آیا۔ 1985ء میں اس نے جون 1982ء کی فائلیں نکال کر بم باری کے فوراً بعد لکھی رپورٹ پڑھ سنائی" :دجاد عمارت۔ اندر 125 افراد، زیادہ تر بچے، عورتیں۔ تہ خانے میں بموں سے پناہ لیے۔ سب مردہ۔ سب جل گئے۔ زیادہ تر گوشت جل چکا۔ 125 افراد کی ہڈیاں جمع کیں؛ سونے کی انگوٹھیوں اور زیورات کے تھیلے بھی۔ تعداد کی تصدیق صرف ان سات زندہ افراد کے بیان سے ہوئی جو اس وقت عمارت کے باہر تھے۔ ہڈیاں قبرستان لے گئے۔ لاشیں وہیں دفن کرنے کا فیصلہ "میرا تھا۔

فروری 1985ء میں خضرہ سے اس قتلِ عام پر گفتگو عجیب محسوس ہوتی تھی، جب اسرائیلی فوج صیدا چھوڑنے والی تھی اور مسلح لبنانی گوریلے سڑکوں پر نمودار ہو کر پسپا اسرائیلیوں پر راکٹ دستی بموں سے حملے کر رہے تھے۔ ہم ڈھائی برس پرانی رپورٹ دیکھ ہی رہے تھے کہ عین الحلوہ کے قریب اسرائیلی ٹینک پر حملے کا دھماکا پورے صیدا میں گونجا۔ لبنان کے واقعات شاید سنجیدہ تاریخی تحقیق سے زیادہ تیزی سے آگے بڑھتے تھے۔

خضرہ نے دجاد عمارت کے سات زندہ بچ جانے والوں سے تفصیلی بات کی تھی—وہ مرد جو 7 جون 1982ء کو سڑک پر تھے جب اسرائیلی بم نے تہ خانے میں ان کے خاندان مار دیے۔ "ایک

احمد شمس الدین تھا۔ اس کی بیوی، چار بچے، بہن اور اس کے پانچ بچے، بہنوئی اور ماں—سب مارے گئے۔ اسرائیلی طیارے نے بم گرا کر آدھی عمارت کچل دی۔ دھماکے سے وہ بے ہوش ہوا، مگر ہمیشہ سمجھتا رہا کہ خاندان بچ نکلا ہے۔"

خضرہ نے اداس مسکراہٹ سے بتایا" :شمس الدین پینتالیس چھیالیس برس کا تھا مگر واقعے کے بعد کچھ پاگل ہو گیا۔ روز اسپتالوں کے چکر لگاتا، بیوی بچوں کا پوچھتا اور سب کو نام بتاتا۔ اسرائیلی فوجیوں کے ٹرکوں پر چڑھ کر ان سے خاندان ڈھونڈنے کو کہتا۔ گورنر کے دفتر میں اسرائیلی کمانڈروں سے ملا۔ کچھ زخمی اسرائیل کے اسپتالوں میں گئے تو اسے وہاں جانے دیا گیا۔ تین بار گیا؛ نہاریہ کے اسپتالوں میں پیدل گھوم کر ہر شخص کو اپنے خاندان کے نام بتاتا رہا۔ یقیناً وہ کبھی نہ ملے۔"

دجاد عمارت کے 125 شہری اسی سبب موت کے گھاٹ اترے جس سے اسکول کے 120 افراد۔ خضرہ نے کہا، "اسرائیلی ہر اس عمارت کو بم مارتے جہاں جنگجو ہوں۔ انہیں پروا نہ تھی اندر کون ہے یا کس کو ماریں گے۔ دجاد کو اس لیے نشانہ بنایا کہ باہر طیارہ شکن توپوں والے جنگجو تھے۔ حملہ شروع ہوا تو میں نے صیدا کے تمام جنگجو گروہوں کے نمائندوں سے ملاقات کر کے ہدایت دی کہ آباد عمارتوں سے دور رہیں۔ مگر سب نے اطاعت نہیں کی۔"

1982ء کے اس دن صیدا کی تباہی پہلی بار دیکھتے ہوئے رینڈل اور مجھے بھی یہی بتایا گیا تھا۔ کئی باشندوں نے کہا فلسطینی اپنے ساتھ اور آس پاس کے شہریوں کے لیے موت لائے۔ آخر ہمیں لبنانی صحافی کی بیوی مل گئی—متوسط طبقے کی سنی خاتون۔ "اسرائیلی آئے تو فلسطینی جنگجو اپنی توپیں ہمارے گھروں، اپارٹمنٹوں، اسپتالوں اور اسکولوں کے پاس لے آئے۔ انہیں خیال تھا یہ انہیں بچائیں گے۔ ہم نے توپیں دور کرنے کی منت کی، مگر انکار کر دیا۔ انہوں نے اسرائیلیوں پر فائر کیا تو طیارے آئے اور ہمارے گھر بموں سے اڑا دیے۔"

ایک ڈاکٹر—اس روز صیدا میں کوئی نام نہیں بتانا چاہتا تھا—نے کہا فلسطینیوں نے عین الحلوہ کے پاس سرکاری اسپتال کی چھت پر توپیں رکھیں۔ ''گوریلے جانتے تھے کیا ہو گا۔ اسرائیلی طیارے آئے اور اسپتال بموں سے اڑا دیا۔ سب مر گئے—مریض، زخمی اور ان کے ساتھ جنگجو۔ ''وہ درست تھا۔ بعد میں خضرہ کی فائلوں سے تباہی کی تفصیل ملی۔ اسرائیلی جانتے تھے یہ :اسپتال ہے، مگر پی ایل او نے چھت سے فائر کیا تو اسے زمین بوس کر دیا۔ خضرہ کی رپورٹ بستروں میں پانچ بیمار بچے، دیگر بیمار یا زخمی بالغ۔ تمام 90 افراد ہلاک۔ بم باری سے سب لاشیں '' ''ٹکڑے ٹکڑے۔

صیدا کے دوسرے حصوں میں اسرائیلی بموں نے بے ترتیب گھروں اور مکینوں کو تباہ کیا۔ صباغ علاقے میں ایک خاندان گھر میں مرا۔ بابا عمارت کے تہ خانے میں بیس شہری زندہ جلے؛ بم نے لاشیں تہ خانے سے سڑک پر بکھیر دیں۔ اسرائیلی بعد میں دعویٰ کرتے کہ شہریوں کو بم باری سے بچنے کے لیے ساحل پر جمع ہونے کے پمفلٹ گرائے تھے؛ صور میں ایسا کیا بھی تھا۔ مگر صیدا کے لوگوں نے ہمیں بتایا—اور اسرائیلیوں نے بعد میں نجی طور پر تسلیم کیا—کہ انتباہ بروقت نہ آیا۔ پمفلٹ ضرور گرے، مگر بم باری کے بعد؛ تب تک محافظ شارع ریاض الصلح کے آخری چوک میں پہلی اجتماعی قبر بنانے کا حکم دے چکا تھا۔

جگہ ریت اور گرد سے اٹی تھی۔ صیدا میں آگ اب بھی جل رہی تھی؛ دن رات کی بم باری نے عین الحلوہ کیمپ کو اتنا پیسا کہ فضا سیکڑوں شکستہ گھروں کے ذرات سے بھری تھی۔ کئی گھنٹے بعد سمجھ آیا کہ نوجوانوں کی آنکھیں اتنی پھیلی کیوں تھیں۔ گزشتہ ہفتے کے واقعات سے ششدر ہونے کے ساتھ گرفتاری سے بھی دہشت زدہ تھے۔ افواہیں پھیل چکی تھیں کہ قیدی اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں بھوک اور مار سے مرے ہیں۔

ساحل سے اٹھائے گئے سیکڑوں مردوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر دو جگہوں میں سے کسی ایک پر لے جایا گیا: سسٹرز آف سینٹ جوزف اسکول یا صیدا کے جنوبی کنارے پر صفا پھل ڈبہ بندی کارخانہ۔ یہاں کم از کم دس افراد اسرائیلی محافظوں کی مار کے بعد پیاس سے مرنے کی اطلاع تھی۔ ہمیں ایک لبنانی ریڈ کراس کارکن ملا جو ان قیدیوں کے ساتھ رہا تھا۔

"چار دن رکھا، تقریباً ہر وقت کھلے آسمان تلے۔ پانی دیا، کھانا نہیں؛ میرے قریب دس آدمی مرے۔ ایک شخص—شاید فلسطینی—نے کھانا مانگا۔ فوجی نے رائفل سے پیٹ پر مارا، وہ خون کھانسنے لگا، خون ہی میں دم گھٹا، گرا اور مر گیا۔ معلوم نہیں اسرائیلی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے فلسطینیوں سے نفرت اور اسرائیلیوں کی آمد پر خوش تھے۔ مگر اب انہوں نے سیکڑوں پکڑ لیے، باسٹھ سالہ شخص بھی۔"

ایسی تفصیلات روز عام ہوتی گئیں۔ اسرائیلی انہیں جھٹلاتے اور گواہی دینے والوں کو "دہشت گرد مشتبہ" کہتے۔ چونکہ ظلم کے گواہ صرف گرفتار شدہ لوگ ہو سکتے تھے—اور ہر گرفتار شخص دہشت گرد مشتبہ "تھا—اس لیے بیان سنجیدگی سے لینے والا صحافی فریب خوردہ یا "پی ایل او" پروپیگنڈے "کا شکار قرار پاتا۔ مگر کہانیاں سچی تھیں۔ اسرائیلی افسر بعد میں اس مسلسل سفاکی پر لکھنے والے تھے۔[1] اٹھارہ ماہ بعد ہفتوں کی تحقیق کے بعد مجھے سات آدمیوں کی قبریں ملیں جو اسرائیلی قید میں مرے اور 11 جون کی رات اسرائیلی افسر خفیہ تدفین کے لیے مقامی قبرستان لایا تھا—رینڈل اور میرے صیدا پہنچنے سے ایک ہفتہ پہلے۔[2]

اسرائیلی قبضہ واضح طور پر سخت اور اکثر جان لیوا ہونے والا تھا۔ اسرائیلی شن بیت ایجنٹ پہلے ہی صیدا پہنچ رہے تھے—جیسے شامی فوج کے پیچھے مخابرات آتی تھی—تاکہ شناختی کاغذات کا نظام بنا کر شہریوں کو قابلِ اعتماد، غیر جانب دار یا دشمن زمروں میں بانٹیں۔ 18 جون کی اس دوپہر ستر سالہ بوڑھے سمیت کئی لبنانیوں نے پاسپورٹ دکھائے، ہر ایک پر اسرائیلی مہر۔ سب پر

مگر کچھ مستطیل، کچھ لمبوتری، کچھ گول؛ اندر ستارۂ داوٗدی۔ مالکان کو اپنا زمرہ معلوم نہ تھا۔ 0507 بوڑھے کی مہر گول تھی؛ کیا وہ قانون پسند شہری تھا یا ”دہشت گرد مشتبہ“؟

سادہ لباس اسرائیلی ایجنٹ یوزی مشین گنیں لیے ہمیں لبنانیوں سے بات کرتے شک سے دیکھنے لگے۔ ایک خاتون سے گفتگو کے بعد میں نے اسرائیلی مسلح شخص کو اسے الگ لے جا کر پوچھ گچھ کرتے دیکھا۔ ہم جنوبی ترین چوک میں اجتماعی قبر سے چند گز دور تھے؛ بے گھر فلسطینی بسوں اور اسرائیلی ٹینکوں کی گرد میں سڑک کنارے کھڑے تھے۔ سوال کرکے انہیں پھنسانے کا خطرہ نہیں لے سکتے تھے۔ ہجوم میں سے لمبے نیلے لباس میں ایک چھوٹی سنہرے بالوں والی یورپی لڑکی آئی، شاید سترہ برس سے زیادہ نہیں۔

قریب پہنچی تو عمر سے دگنی لگتی تھی۔ آنکھیں خون آلود، کمر ذرا جھکی۔ ساتھ آدمی کپڑوں والی ریڑھی دھکیل رہا تھا۔ ہم نے پوچھا کون ہے۔ ”میں جرمن ہوں مگر فلسطینی سے شادی ہوئی۔ اسرائیلی اسے لے گئے۔ معلوم نہیں کہاں ہے۔ کیمپ دیکھنے جا رہی ہوں کہ گھر بچا یا نہیں۔ “تھکی لڑکی کا سر ایک طرف جھکا تھا۔ مزید نہ کہا، ہجوم میں چل دی۔ پھر مڑی” :چھے ماہ سے یہاں ہوں۔ سب کچھ جھیلا ہے۔ “اور غائب ہو گئی۔

رینڈل اور میں خاموشی سے صیدا سے نکلے۔ دونوں کے ذہن میں ایک سوال تھا :اگر اسرائیلیوں نے صیدا کے ساتھ یہ کیا—اتنی مختصر مدت میں سیکڑوں شہری مارے—تو بیروت میں کتنے ماریں گے، جہاں شہر کے محصور مغربی حصے میں کم از کم پانچ لاکھ لوگ ٹھنسے تھے؟

دامور کے جنوب میں ایک فوجی قافلے نے ہمارے خوف کو مزید وجہ دی۔۔۔

۔۔۔اور بدترین اندیشے کی وجہ بھی۔ حقیقتاً وہ قافلہ نہیں، ایک فولادی عفریت تھا :مرکاوا اور سنچورین ٹینکوں کی پندرہ میل لمبی قطار، تین تین برابر، پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ساحلی سڑک پر بیروت کی طرف۔ جیسے پوری اسرائیلی فوج ایک عظیم بکتر بند کنکھجورے کی صورت شہر

پر بڑھ رہی ہو؛ پٹریاں شاہراہ کا تارکول اکھاڑتیں، درمیان کی لمبی گھاس کاٹتیں اور نیلے دھویں کی دھند میں منظر ڈبوتی ہوئی۔

ہم بکتر بند لشکر کے بیچ راستہ بناتے، ہارن بجاتے نفری بردار گاڑیوں، پٹرول ٹینکروں، فوجی ٹرانسپورٹروں، جیپوں اور گولہ بارود کے ٹرکوں سے آگے نکلے۔ اوپر پہاڑیوں پر ٹینکوں کے قافلے پہلے ہی کھڑے اور کفرشیما و حدث کے اوپر مورچوں میں نصب تھے۔ اسرائیلی اتنا سامان بیروت بھیج رہے تھے کہ ساحلی شاہراہ اور سمندر کے درمیان ساحل اور کیلے کے باغ بیس میل تک ٹینکوں اور بھاری توپوں سے بھرے تھے۔ کبھی ہمیں دائیں بائیں گھومتی مرکاوا نالیوں سے ٹکرانے سے بچنے کے لیے اچانک گاڑی موڑنا پڑتی۔

خلدا میں اسرائیلی پولیس ٹینکوں کو مغربی بیروت کے گرد تنگ راستے کے لیے ایک قطار میں کر رہی تھی؛ راستہ ملبے، ٹوٹے گولہ بارود کے صندوقوں اور ہزاروں خالی خولوں سے اٹا تھا۔ پوری فوجی ڈویژن بکتر اور توپ خانے سمیت حرکت میں تھی۔ اسرائیلی مارٹر اور توپیں خلدا کے مشرق میں، ہوائی اڈے اور بیروت کی جنوبی سرحد پر نصب تھیں۔ بیشتر برطانوی سنچورین، برج کے نیچے اضافی بکتر کے ساتھ۔ شاہراہ کے پلوں تلے بھاری توپیں۔ ٹرانسپورٹ کی کمی پر فوج نے اپنی تجارتی ایگڈ بسیں بھی لے لی تھیں—پیچھے یروشلم اور حیفا کے اشتہار—تاکہ سرحد سے کمک لائیں۔

منظر متاثر کن تھا؛ احترام اور خوف دونوں پیدا کرتا۔ ہیبت ناک، بھدا، طاقت کی بے پردہ ترین شکل۔ سب سے پریشان کن خیال یہ تھا کہ یہ منظر فطری دنیا سے اتنا غیر متناسب اور اتنا قوی تھا کہ تخلیقی قوت محسوس ہوتا۔ ننھی گاڑی میں ان دیوؤں سے بچتے رینڈل اور میں بھی متاثر ہوئے۔ صیدا کے مناظر کے باوجود اس حیران کن فوجی مظاہرے پر ایک سرشاری تھی۔ کیا اس لیے کہ ہم محبوب کام—بنتی تاریخ کی رپورٹنگ، اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا—کر رہے تھے؟ یا

کوئی نئی کیفیت، احساس کہ اب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو گا؟ ایک قوم کو نئے حقائق بناتے دیکھنا سنسنی خیز تھا؛ اسرائیلی حقائق تخلیق کرنا پسند کرتے تھے۔

1967ء میں سینا پر قبضے سے انہوں نے سیاسی جغرافیہ بدلا؛ مغربی کنارے، غزہ، مشرقی یروشلم اور گولان کے ساتھ بھی۔ قیمت کی پروا نہیں۔ یہ عظیم مشین یہی کہتی تھی :قیمت کی پروا نہیں۔ جذبے سے بے نیاز مظہر، جو منظر، زندگیاں اور جغرافیہ بھی لمحہ بھر رکے بغیر بدل دیتا۔ یہ وہی قوت تھی جس کا بعبدا کی پہاڑی پر اسرائیلی لیفٹیننٹ نے فخر کیا تھا۔

صرف ایک گھنٹہ پہلے صیدا میں ناک اور آنکھوں کو متاثر کرتی لاشوں کی بو سے اس کا بہت کم تعلق تھا۔ محاصرے میں بڑی توپ چلانے کی تسلی شاید دور سے نتیجہ دیکھنے میں ہے۔ ٹینک یا ایم-107 کے پیچھے عمارت پر دھویں کا دھبہ نقشے کے نقطے سے ملایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف خون اور ٹوٹی ہڈیوں کا توپ سے جسمانی رشتہ نہیں۔ مگر رینڈل اور میں نشانے کے دوسرے سرے، مغربی بیروت کی طرف جا رہے تھے، جہاں ہلاکتوں کے اعداد اس مقعر آئینے کا دوسرا رخ تھے جس کے ذریعے فوجیں جنگ کرتی ہیں۔

اسرائیلیوں نے پہلے ڈیڑھ ہفتے میں ہزاروں شہری مارے، پھر فوجی تشہیری مشین نے مقتولین کو کاغذ پر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عالمی غم و غصے نے یہ ضروری بنایا۔ بتایا گیا کہ اسرائیلی فوجی شہریوں کی جان بچانے کو اپنی سلامتی خطرے میں ڈالتے ہیں۔ تل ابیب میں فوجی ترجمان نے عالمی پریس کے لیے 66 صفحات کی کتابچہ جاری کیا؛ اتنا جانب دار، حقائق میں غلط اور جھوٹا کہ بعد میں خود اسرائیلی اشاعت پر شرمندگی ظاہر کرنے لگے۔[3]

دعویٰ تھا کہ نبطیہ کی شدید لڑائی میں صرف دس شہری، صور میں پچاس اور صیدا میں تقریباً چار سو "مارے گئے۔ صیدا کی قتل گاہ، ہزاروں شہریوں والے عین الحلوہ پر سفاک گولہ"

باری، مغربی بیروت کے اپارٹمنٹوں پر حملوں کی ہول ناک فہرستوں کے باوجود دستاویز نے کہا کہ فوج اور فضائیہ نے "شہری آبادی کو نقصان سے بچانے کے غیر معمولی اقدامات" کیے۔

فلسطینی توپیں اپارٹمنٹوں اور اسپتالوں کے قریب دکھانے کے لیے میری 18 جون کی صیدا رپورٹ استعمال کی، مگر صرف وہ پیراگراف جن میں شہریوں نے پی ایل او کی جانب سے جانیں خطرے میں ڈالنے کی شکایت کی تھی۔ کتابچے میں اس حصے کی تصویر چھپی، مگر رپورٹ کے ابتدائی 531 الفاظ مکمل حذف: فضائی حملوں کی سفاکی، اسکول تہ خانے میں سو سے زیادہ لاشیں، اور ریڈ کراس کا پندرہ سو سے دو ہزار شہری ہلاکتوں کا تخمینہ۔

فوجی اشاعت کا تعصب اس ایک پیراگراف سے واضح تھا جس کا دوسرا نصف تصویر سے کاٹ دیا گیا" :اپنے عین الحلوہ کیمپ میں فلسطینیوں نے اسپتال کی چھت پر توپیں رکھیں۔ ایک ڈاکٹر کے مطابق' :گوریلے جانتے تھے کیا ہو گا۔ اسرائیلی طیارے آئے اور اسپتال بموں سے اڑا دیا۔ اندر سب مر گئے—مریض، زخمی اور ان کے ساتھ جنگجو۔ ""آخری جملے غائب تھے، کیوں کہ تلخ حقیقت کہتے تھے :فلسطینی اسپتال پر توپ رکھیں تو اسرائیلی پھر بھی اسپتال بم سے اڑا کر تمام مریض ماریں گے۔ یہ اسی دستاویز کے دعوے سے متصادم تھا کہ فوجیوں کو "مسلسل شہری ہلاکتوں سے بچنے کی یاد دہانی "کرائی جاتی۔ اسی سبب رپورٹ کے آخری 585 الفاظ—صیدا میں قیدیوں کے ساتھ اسرائیلی ظلم—بھی حذف تھے۔[4]

دوسرے ہفتے کے اختتام تک تاریخ کی یہ خام دوبارہ تحریر ان شواہد تلے منہدم ہو گئی جو مغربی بیروت اور مقبوضہ لبنان سے جمع ہوئے :چودہ ہزار تک ہلاک—بھاری اکثریت شہری—اور بیس ہزار زخمی۔ ریڈ کراس اور لبنانی پولیس کے اعداد، کبھی ایسے اہل کاروں کے جمع کردہ جو اسرائیلی حملے کے بنائے نئے "حقائق "کے مخالف نہ تھے، بتاتے تھے کہ پہلے ہفتے کے اختتام، 14

جون تک، لبنان بھر میں 9,583 ہلاک اور 16,608 زخمی ہوئے۔ مرد، عورت، بچے الگ نہ تھے مگر پولیس کے مطابق بیشتر اسرائیلی فضائی حملوں میں مرے۔

بیروت کے باہر سب سے زیادہ صیدا میں :خود شہر میں 1,109 ہلاک، 3,681 زخمی۔ عین الحلوہ اور میہ میہ کیمپوں میں مزید 1,167 ہلاک اور 1,859 زخمی۔ صور میں 1,200 مرد، عورتیں، بچے مارے گئے؛ بیشتر رشیدیہ، برج الشمالی اور البص کیمپوں میں۔ زخمی 2,018۔

اے پی دفتر میں ارلین ٹیٹرو نے ریڈ کراس، اخبارات، بیروت اسپتالوں کی فضائی حملوں کی فہرستوں اور باہر کے نامہ نگاروں سے گھنٹوں اعداد جمع کیے۔ ہوائی اڈے کے مضافات کی لڑائی بھاری پڑی۔ خلدا، اوزاعی، الزہراء اور سینٹ سائمن کے چھوٹے شاہراہی حصے میں 518 ہلاک، 619 زخمی۔ بہت سے فلسطینی و شیعہ گوریلے۔ ایک برس بعد امریکی کثیر قومی دستے نے علاقہ سنبھالا تو میں نے میرین فوجیوں کو ساحل سے جون 1982ء کی لاش نکالتے دیکھا۔ امریکی ہر ہفتے اوسطاً ایک دھڑ پاتے اور دوبارہ دفن کرتے۔ ہوائی اڈے کے چوک کے گرد مزید 165 ہلاک، 215 زخمی۔

سب سے ہول ناک مغربی بیروت :اسرائیلی فضائی، زمینی توپ اور بحری گولہ باری سے 2,461 ہلاک۔ بیشتر صبرا و شتیلا، فاکہانی کے گرد عرب یونی ورسٹی، یونیسکو دفاتر، بئر حسن، بئر العبد، ابو شاکر، بسطہ، طریق جدیدہ اور مصیطبیہ میں۔ ان علاقوں میں 3,574 زخمی بھی۔

جنوبی لبنان کے دیہات، خصوصاً لیطانی کے ساتھ، سیکڑوں مرے۔ اسپتال اور شہری دفاع کے مطابق عدلون، صرفند، ارنون، جباع، عرب سلیم، مغدوشہ، جزین، فتوح، غامہ، عسانیہ، غازیہ، حاروف، روم اور نبطیہ میں 768 ہلاک، 2,834 زخمی۔ جزین میں شامی بکتر بند یونٹ کے فوجی بھی تھے جن پر پہاڑی جنگل میں بم گرے؛ لاشیں دو ہفتے پڑی رہیں، پھر بدبو کی شکایت پر فیلانجسٹوں نے پٹرول چھڑک کر جلا دیں۔ بعض مقامات میں فلسطینی نمایاں تھے :نبطیہ پی ایل او

گڑھ؛ بائبلی صرفت، حضرت الیاس کے معجزات کے لیے معروف، بڑا اڈا؛ ارنون قلعۂ شقیف کے پاس۔ مگر کئی دیہات کی فوجی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی۔[5]

بین الاقوامی تنقید کے مطابق اسرائیلی ان اعداد کو جھٹلانے کا طریقہ بدلتے رہے۔ جلد واضح ہوا کہ 4 تا 21 جون پورے لبنان میں صرف 460 شہری ہلاکتوں کا اسرائیلی عدد اتنا مضحکہ خیز ہے کہ الٹا نقصان دے گا۔ یہ کہنا بے معنی تھا کہ "لبنانی شہری ہلاکتیں غیر ملکی پریس کے مبالغہ آمیز اعداد کے مقابل معمولی تھیں۔" باقی تیرہ ہزار مردے کہاں گئے؟ تشہیری نظام دنیا سے ایسے اجتماعی جی اٹھنے پر یقین کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

نئی حکمتِ عملی آئی۔ اسرائیل نے اپنے نقصانات بتائے، لبنانی و فلسطینی ہلاکتیں چھوڑ دیں۔ ترجمانوں نے کہا لبنان کے اعداد پی ایل او، "دہشت گردوں" سے آئے اور عالمی پریس عرفات کی بدنام "خوب چکنی دہشت گرد پروپیگنڈا مشین" سے دھوکا کھا گیا۔ حقیقتاً کوئی سنجیدہ عدد پی ایل او سے نہیں آیا۔ عرفات نے "تیس ہزار مردہ و زخمی" کہا، اتنا بے معنی کہ میں نے دی ٹائمز میں اعتبار نہ دیا؛ سنجیدگی جاننے کے لیے زخمی اور مردے الگ ضروری تھے۔

اسی طرح پریس پر بے گھر شہریوں کے پی ایل او اعداد نگلنے کا الزام لگا؛ کہا فتحی عرفات، فلسطینی ہلال احمر کے سربراہ اور چیئرمین کے بھائی، نے چھ لاکھ بے گھر بتائے۔ اس نے کموڈور میں پریس کانفرنس ضرور کی مگر اتنی کھوکھلی کہ میں نے رپورٹ نہیں کی۔ عدد—واقعی شدید مبالغہ—13 جون کو پی ایل او نہیں بلکہ عالمی ریڈ کراس کی لبنانی کمیٹی کے سربراہ فرانچیسکو نوسیدا نے دیا۔ بعد میں جنوبی لبنان جا کر ہم نے اسے غلط ثابت اور شائع کیا، مگر نوسیدا کے دوسرے الفاظ سے اختلاف مشکل تھا: شہری حالات "ناقابلِ برداشت" اور حل نہ ہوا تو "بیروت کو درپیش ہولناکیوں" کا خوف۔

معنی جاننے میں دیر نہ لگی۔ صیدا سے واپسی پر جس بکتر بند انبوہ میں ہم پھنسے تھے، اب مغربی مسلمان حصے پر گولہ باری کے لیے لگا۔ اسرائیلی اعلان :پی ایل او ہتھیار ڈالے۔ 21 جون کی صبح انہوں نے مغربی بیروت پر طویل، خوں ریز بم باری شروع کی۔

گولے پورے شہر پر گرے :اپارٹمنٹ، سڑکیں، وہ پارک جہاں پناہ گزین ڈیرے ڈالے تھے، برج البراجنہ کی فلسطینی جھونپڑیاں، فاکہانی کے پی ایل او دفاتر اور اسپتال۔

فلسطینی اپنی کچھ توپیں کیمپوں سے رہائشی حمراء میں لے آئے۔ اگر جنگ "دہشت گردی" کے بارے میں تھی تو مغربی بیروت کے لوگوں کی زندگی کو دو گروہ دھمکا رہے تھے :فلسطینی گوریلے جو بے شرمی سے طیارہ شکن توپیں اور راکٹ لانچر اپارٹمنٹوں میں تحفظ کے لیے لاتے، اور اسرائیلی فوجی جو اتنی ہی دانستگی سے ہر منٹ ایک گولا رہائشی محلوں میں داغتے۔

طلوعِ سحر سے پہلے آغاز ہوا۔ بعبدا اور خلدا میں اسرائیلی صفوں پر جاتے فلسطینی گولے مدھم دھمک سے شہر میں گونجے۔ آتے گولے انتقامی کڑک کے ساتھ پہنچے اور چند منٹ میں ایمبولینسیں چیختی سڑکوں پر تھیں۔ روشنی پوری نہ ہوئی تھی کہ اسرائیلی بھاری گولا مغربی بیروت پر سائیں کرتا آیا اور اے پی دفتر کے پیچھے پرانے اپارٹمنٹوں اور کوڑے کے ڈھیروں والی شارع امیل ادہ کے پہلی منزل کے فلیٹ میں لگا۔ بالکونی کاٹ دی اور نیچے چلتی چھوٹی سیاہ ووکس ویگن پر آگ برسائی۔

میں دفتر سے دوڑا؛ گاڑی پھٹ چکی تھی۔ خون میں ڈوبی عورت فلیٹ سے نکلی، دایاں ہاتھ غائب، کلائی کے گوشت سے ہڈی باہر۔ ہمیشہ کی طرح مسلح لوگ جمع، سڑک خالی کرنے کو چیختے، بات منوانے کو ہوا میں فائر۔ قریبی دروازے سے لمبے گلابی چوغے—شاید شب خوابی لباس—میں لمبی عورت نکلی، ننھے لپٹے بچے کو قربانی کی طرح بلند کیے۔ لبنان کے ماتمی رسم کی تیز لرزتی آواز میں رو رہی تھی۔

تب بچے کے چہرے پر خون کی لکیر دیکھی۔ کاؤ بوائے ٹوپی والے مسلح شخص نے نرمی مگر دہشت سے بچہ لیا اور مٹی رنگ ایمبولینس کی کھڑکی میں دے دیا۔ بیروت کا دہشت انگیز گولہ باری کا دن شروع ہوا تھا۔ 1975-76ء کی خانہ جنگی کی یادوں نے جانیں بچائیں؛ لوگ بم باری میں گھروں کے اندر رہنا سیکھ چکے تھے، جیسے بارش سے پناہ۔ کورنیش مزرعہ اور کبھی حسین رملۃ البیضاء کی ساحلی پٹی سنسان تھی۔

اپارٹمنٹوں کی چھتوں اور صبرا کے قریب مسلمان بستیوں سے سرمئی سفید دھواں اٹھا۔ گولے ہر شے کاٹتے؛ چار پانچ کی بوچھاڑ، دیواریں، ٹیلی گراف کھمبے، بالکونیاں، درخت، اشتہاری تختے، چھتیں اور زینے گراتے۔ کبھی فائر اتنا شدید کہ سڑکیں بارود سے مہکتیں۔

لبنانی سرکاری ریڈیو نے مغربی بیروت کے تقریباً چھ لاکھ شہریوں کو تہ خانوں میں جانے کو کہا—صیدا کے اپنے دیکھے شواہد کے بعد یہ مکمل محفوظ نہ لگتا۔ رات تک فتح گوریلے ہوٹلوں اور اپارٹمنٹوں کے پاس ٹرکوں پر نصب بے لگام توپیں کھڑی کرکے شہری آبادی پر تباہی دعوت دے رہے تھے۔ کچھ فلسطینی افسر امدادی کام منظم اور امریکی یونی ورسٹی اسپتال کی ایمبولینسیں رہنمائی کر رہے تھے؛ دوسرے کم دلیر، شہریوں کو رائفل سے دھمکاتے اور باہر نکلنے والے مغربی نامہ نگاروں کو ہراساں کرتے۔

اگلے دن اسرائیلیوں نے عالیہ کے باہر شامیوں پر ٹینک حملے سے بیروت-دمشق شاہراہ کی بلند ترین چوٹی پھر لینے کی کوشش کی۔ پہاڑی فائر—تازہ اسرائیل شام جنگ بندی کا خاتمہ—بیروت اور بعبدا کے صدارتی محل میں صاف گونجا، جہاں سرکیس مسلمان و مسیحی سیاست دانوں سے جنگ ختم کرنے کا فارمولا بنوا رہا تھا۔ پہلی بار ریگن کے ایلچی فلپ حبیب کو شامل کیا گیا؛ امریکی اثر براہِ راست لبنان پر۔ جنبلاط، بری اور بشیر جمیل متفق تھے کہ پی ایل او مغربی بیروت چھوڑے۔ مگر کیسے؟

اسرائیلی حملے اور جنوب میں اقوامِ متحدہ کی صفیں بلا مزاحمت عبور کرنے کے اگلے دن عرفات نے اقوامِ متحدہ کے بیروت ترجمان سمیر سنبر کو فاکہانی بلایا۔ غصے اور بلند آواز میں اقوامِ متحدہ کی بے اثری اور حملہ آوروں سے ''ملی بھگت'' پر برسا؛ آئرش کمانڈر کالاگان کے لیے مزید سخت الفاظ۔ ایک ہفتے میں عرفات زیادہ معقول ہو گیا۔

سنبر کا خوش مزاج بھاری جسم تین بار عرفات کے دفتر گیا، جہاں اب اسے فلسطینی گوریلا تحریک کو جسمانی خاتمے سے بچانے والے چند افراد میں شمار کیا گیا۔ جن لبنانی وزیروں کو عرفات پہلے اہمیت نہ دیتا، اب محصور گوریلوں کا رہنما ان کی خوشامد کر رہا تھا۔ کیا لبنانی فوج مغربی شہر سنبھالے گی؟ اگر فلسطینی اسرائیل کے خلاف تشدد باضابطہ ترک کریں تو امریکا پی ایل او سے بات کرے گا؟

عرفات فی الحال عدمِ جنگ—ہتھیار رکھنا—تک تیار تھا۔ حبیب نے وزیر اعظم شفیق الوزان کو واضح کیا کہ کافی نہیں۔ امریکا پی ایل او سے اسرائیل تسلیم کرانا چاہتا تھا؛ عرفات جانتا تھا ایسا ماننا فلسطینی تحریک کے سیاسی ڈھانچے کو اسی طرح ناقابلِ واپسی توڑے گا جیسے جنوبی لبنان میں عسکری ڈھانچہ ٹوٹا۔ سوویت اثر کی امید تھی، مگر بریژنیف نے صرف مذمت کی؛ تباہ شدہ سامان کے بدل نئے سوویت ہتھیار شام پہنچ رہے تھے۔

پی ایف ایل پی ترجمان بسام ابو شریف نے کموڈور کے خالی تالاب کے پاس ایک رات حقیقت تسلیم کی'' :ہم بیروت میں محصور ہیں۔ پی ایل او مشکل میں ہے، مگر اتنی نہیں جتنی لوگ سمجھتے ہیں۔ وقت کے ساتھ دوسرے فریق—عرب ملک، سوویت یونین—شامل ہوں گے اور بہت ''تبدیلیاں آئیں گی۔

عرفات کے مشیروں کا خیال تھا حملہ مغربی کنارے و غزہ کے الحاق کا پیش خیمہ ہے، جو اس وقت تک ممکن نہیں جب مقبوضہ فلسطینیوں کی سیاسی آرزو کا مرکز بیروت میں موجود ہو۔ سچ تھا

تو اسرائیلی پی ایل او کو موجودہ شکل میں زندہ نہ رہنے دیتے۔ مزید شہری ہلاکتوں کا عالمی شور برداشت کر سکتے تھے، مگر مغربی بیروت میں زمینی لڑائی کے اسرائیلی مردوں اور زخمیوں کی بڑی قیمت نہیں چاہتے تھے۔

زمینی فوج نہ بھیجتے تو کیا فضائیہ مغربی بیروت کو جھکا سکتی تھی؟ 22 جون کی سہ پہر منحوس واقعہ ہوا :چھ اسکائی ہاک اور کفیر بم بار سمندر کے قریب رہائشی علاقوں پر نیچی پرواز میں غوطہ لگاتے، سام-7 کو بھٹکانے والے آگیں غبارے چھوڑتے، مگر بم گرائے بغیر سمندر چلے گئے۔ روشن دھوپ میں چھتوں پر لپکتے طیاروں کے کاک پٹ میں ہوا باز کبھی دکھائی دیتے۔ شاید نفسیاتی جنگ، یہ دکھانا کہ بیروت کی ایک گز فضا بھی اسرائیلی فضائیہ کے لیے بند نہیں۔ مگر صیدا کے لوگوں نے بتایا تھا کہ شہر پر بم باری اور ہزار سے زیادہ ہلاکتوں سے پہلے طیاروں نے ایسی ہی بے ضرر بازی گری کی تھی۔

اس رات میں نے بارنز کو لکھا" :اگر اسرائیلی جیٹ محض لطف نہیں لے رہے تو یہاں چند ہول ناک گھنٹے آنے والے ہیں۔ "اگلے دن پوچھا یروشلم میں واکر کیا سمجھتا ہے۔ "مغربی بیروت کے بہت سے صحافی حفاظت کے لیے مشرق چلے گئے۔ ہم جو رکیں گے۔۔۔ حملے کی ہر ممکن پیشگی اطلاع چاہتے ہیں۔ صیدا دیکھنے کے بعد جانتے ہیں یہی یہاں ہو سکتا ہے)میں تہ خانوں سے دور رہوں گا(۔ "ایک گھنٹے میں جواب :23 تاریخ کے لیے اسرائیل میں مقیم رپورٹروں کے ساحلی شاہراہ کے دورے منسوخ ہیں۔ بارنز نے لکھا، "جونیہ میں انخلا دیکھنے کا اچھا دن معلوم ہوتا "ہے۔۔۔ مگر تہ خانوں کے لیے ہرگز نہیں۔

شام کو دوسرا پیغام" :کرس سن رہا ہے کہ اگرچہ اس کے لوگ اب بھی شہر نہ لینے کا کہتے ،ہیں، مگر مخصوص اہداف پر کمانڈو اور فضائی کارروائی کو خارج نہیں کرتے۔ "میں نے جواب دیا میں یہاں رہ کر سب دیکھوں گا۔ "رات دیر کار بم مسلم جانب پی ایل او گولہ بارود کے ذخیرے"

کے پاس پھٹا؛ 45 فٹ گڑھا، پورا اپارٹمنٹ کنسرٹینا کی طرح بیٹھ گیا، پچاس سے زیادہ مکین کچلے، بیشتر جنوبی لبنان کے شیعہ پناہ گزین۔ شامیوں نے دو مزید کار بم اور ایک گاڑی میں تین لبنانی شیعہ پکڑے۔

پی ایل او کے سفاک تشدد میں انہوں نے کہا دامور کے شن بیت افسر نے بم تیار کیے؛ ایک کے بھائی کو گرفتار کرکے موت کی دھمکی دی گئی تھی۔ اگلے دن دھماکا خیز مواد پر عبرانی الفاظ ہم نے دیکھے۔ پی ایل او تینوں کو گڑھے تک لائی اور مقتولین کے رشتے داروں کے سامنے خودکار رائفلوں سے مارا۔ لاشوں پر پٹرول چھڑک کر جلایا؛ ہجوم نے ملبہ اور گرد لاتوں سے گڑھے میں ڈال کر دفن کیا۔

جون اتنا ہی برا تھا جتنا خوف۔ ناشتے میں جیٹوں کی آواز کیمپوں کی طرف آئی اور 24 دھماکوں سے شیشے لرزے۔ دوپہر سے پہلے چھوٹی اسرائیلی جنگی کشتی شرارت سے ساحل پر آئی۔ گھر کی بالکونی سے دیکھا؛ عرشے پر روشنی، پھر میزائل لہروں پر پھسلتا کورنیش کی طرف۔ پہلا ساحل سے سو گز دور سمندر میں پھٹا، سبز پانی اچھلا۔ دوسرا، سیاہ دھواں چھوڑتا، ساحل کے اوپر سے نامکمل ہوٹل میں لگا جو دروز ملیشیا کا مقامی صدر دفتر تھا۔

مغربی بیروت پر گولوں کی بارش؛ ساحلی اپارٹمنٹ میں آگ، حمراء اور رملۃ البیضاء کی سڑکوں پر دھماکے؛ لبنانی خاندانوں، سفارتی اہل کاروں اور غیر ملکی نامہ نگاروں کی دکانیں و گھر نشانہ۔ مشرق مغرب فون رابطہ منقطع۔ زیرِ زمین پانی کی نالیاں ٹوٹیں، شدید قلت؛ بجلی روز چار گھنٹے۔ اسرائیلیوں نے ایک اور "جنگ بندی" پیش کی، پی ایل او نے "مکمل ہتھیار ڈالنا" کہہ کر رد کی۔[6]

اب لبنان میں ایک لاکھ اسرائیلی فوجی، 1,300 ٹینک، اتنی ہی نفری بردار گاڑیاں اور فوجی و رسد ٹرک تھے۔ اعداد ناقورہ کے اقوامِ متحدہ ترجمان تیمور گوکسل سے، جسے ان 12,000 چوکیوں کے فوجی بتاتے جن سے اسرائیلی روز عالمی رائے کو حقارت سے روندتے گزرتے۔ سات

سو ٹینک بیروت کے گرد، ساتھ 210 عدد 155 اور 175 ملی میٹر توپیں۔ 25 جون صبح سویرے چھوٹا اسرائیلی چھاپہ آور دستہ میرے اپارٹمنٹ کے نیچے چٹانوں پر اترا، عمارتوں پر فائر—دو گولیاں میری بالکونی کی دیوار میں—محافظوں کی طاقت آزمانے کو۔ دروز و فلسطینیوں نے جواب دیا؛ اسرائیلی تاریکی میں غائب۔ کیا منصوبہ تھا؟

اسرائیلی مسلمان لبنانیوں کو بار بار کہتے اگر خاندان عزیز ہیں تو مغرب چھوڑ کر گھروں سے بھاگیں۔ پمفلٹوں اور عربی ریڈیو میں مستقل اصرار۔ مگر مسلمان گھر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ دسیوں ہزار اتنے غریب کہ کہیں جا نہ سکتے؛ مال دار گھر مسلح لٹیروں کے حوالے نہ کرنا چاہتے۔ مغربی بیروت ان کا گھر، پیدائش، تعلیم، شادی اور بچوں کی جگہ تھا۔

محاصرے کے ابتدائی دنوں میں بہت سے لبنانیوں نے دریافت کیا کہ وہ بیروت سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ اسرائیلی مطالبے کی مخالفت میں اپنے اندر وہ چیز پائی جو پہلے نہ دیکھی تھی—شہری ہونا خاندان کو امیر بنانے سے زیادہ ہے۔ وہ فلسطینیوں کو نکلتا چاہتے اور جانتے تھے پی ایل او کو نکال نہیں سکتے۔ مگر مغربی بیروت کے لبنانی اپنے مستقبل پر روزنامہ النہار اور السفیر کے کالموں میں مسلسل بحث کرتے رہے۔

اخبارات، بیروت ریڈیو اور موم بتیوں کی روشنی میں دوستوں و دور کے رشتے داروں کی طویل محفلوں میں—جن سے ملنے کی عادت کھو چکے تھے۔

اس نئی صفت کا بہترین نام استقامت تھا۔ ایک صبح طلوعِ سحر کے فضائی حملے رپورٹ کرکے ناشتے کو لوٹا تو مالک مکان دروازے پر مچھلیوں کا جال لیے تھا۔ ”مسٹر رابرٹ، دیکھیے !مچھلیاں۔ میں نے پکڑیں۔ چٹانوں پر گیا اور پکڑ لایا۔ بجلی، گیس، پانی، فون کچھ نہیں، مگر ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ دیکھیں “!اس نے اداس سرمئی مچھلیاں میرے سامنے کیں۔ اس نے سیکھا خود کو سنبھال سکتا ہے؛ صرف اسرائیلی حکم پر مغربی بیروت چھوڑنا ضروری نہیں۔ محاصرے کا اثر بڑھا چڑھا کر

بیان کرنا آسان ہے۔ ان کی اداس مہمان نوازی، بدگمانی اور تلخی بعض اعتبار سے مضبوط ہوئی، مگر نئی شناخت نے آنے والے خوف ناک برسوں میں سہارا دیا۔

فلسطینیوں نے بھی نئی خودداری پائی، مگر آگ کی آزمائش سے۔ اگلے ہفتوں میں کیمپوں کے سیکڑوں فلسطینی مریں گے، جب پی ایل او ان کی طرف سے ٹال مٹول، جنگ، مذاکرات، خوشامد اور دھمکی کرے گی۔ پی ایل او ناامید تناسب کے باوجود بڑی جرأت سے لڑی، حتیٰ کہ دنیا نے محسوس کیا شاید فلسطینی اسرائیلی جالوت کے مقابل داؤد ہیں۔

پی ایل او کے پاس راستہ نہ تھا؛ عرفات کی آخرکار پسپائی تحریک کو پھاڑ دیتی۔ مگر صبرا، شتیلا اور برج البراجنہ کے کھنڈرات میں فلسطینیوں نے سیکھا کہ ہتھیار ڈالنا لازم نہیں۔ شتیلا پر شدید حملے کے بعد انہیں پناہ گاہوں سے نکل کر اوپر گھومتے طیاروں کو گالیاں دیتے دیکھا۔ کیمرے کے لیے نہیں؛ وہاں واحد مغربی میں تھا، انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ ایک کونے میں آگ، جھونپڑیوں میں تیز دھواں؛ بچے، عورتیں، مسلح افراد ایک دوسرے کو گلے لگا کر ہنس رہے تھے—اپنے زندہ بچنے کے نشے میں۔ ہتھیار نہ ڈالنے کا نعرہ کام کرتا دکھائی دیا۔

خود غرض پہلو بھی۔ 25 جون شام عرفات نے ریڈیو پر طویل جنگ جو تقریر میں ”دلیر مزاحمت“ کی تعریف اور کہا ان کے اعمال ”آنے والی نسل کا وقار طے اور فلسطین و عرب دنیا کے بچوں کو سر بلند آزادی“ دیں گے۔ ”بیروت میں ثابت قدم رہو۔“ مگر کہیں نہ کہا کہ بیروت فلسطینیوں کا نہیں، لبنانیوں کا ہے۔

فضائی حملے بڑھے۔ مسلمان رہنماؤں کی بے چینی کبھی ہسٹیریا بنی۔ ڈراما پسند ولید جنبلاط سرکیس سے پی ایل او ہتھیار ڈالنے اور مغربی بیروت غیر فوجی بنانے کی بات کر رہا تھا؛ ناکامی یقینی، عرفات اپنی سلامتی دروز کے حوالے نہ کرتا۔ 25 تاریخ صبح وزارتِ اطلاعات میں مذاکرات

ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اوپر جیٹ انجن چیخ رہے تھے؛ جنبلاط نے میز پر ہاتھ مار کر کہا" :پی ایل او کو دہشت گرد بننے دو۔"

دھماکوں سے عمارت لرزی۔ آواز بلند کرتے کہا پی ایل او باعزت ہتھیار ڈالنے تیار تھی، "مگر اسرائیل نہیں دے گا۔ وہ صرف انہیں اور ساتھ لبنانیوں کو مارنا چاہتے ہیں۔ "شکستہ تنظیم کے کھنڈرات سے زیادہ انقلابی پی ایل او نکلے گی۔ آخر جذبات کھو کر، چہرے پر پسینہ، چیخا" :میں چاہتا ہوں پی ایل او دہشت گرد بنے—پہلے عرب رہنماؤں، پھر اسرائیل کے خلاف۔۔۔ کیوں کہ امریکی اور اسرائیلی دہشت گردی کا سامنا ہے۔ "بیروت تباہ ہونے والا تھا۔

پیچھے وزیر اعظم شفیق الوزان خاموش، معمول کی مسکراہٹ حقارت کے نقاب میں—جنبلاط کے لیے نہیں، ان اسرائیلیوں کے لیے جن کے طیارے پریس کانفرنس دبا رہے تھے۔ ایک اور گڑگڑاہٹ۔ وزان آگے آیا" :جب بھی]پی ایل او ہتھیار ڈالنے پر [سمجھوتے تک پہنچتے ہیں، نیا اضافہ آتا ہے، جیسے دباؤ کے لیے۔ صدر سرکیس کو بتایا ہے کہ اس بلیک میل اور شدت میں ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔"

اسی صبح فضائیہ نے ایک اور اپارٹمنٹ میں سب مار دیے۔ غالباً کورنیش مزرعہ کے مرابطون دفتر کو نشانہ تھا، مگر چوک گئے۔ نتیجہ شارع ابو شاکر کے نصف حصے تک آگ و ملبہ؛ زندہ بچنے والے سمجھ نہ سکے کیا ہوا۔

یورپی جنگی فلم کہنا کلیشے ہو گا؛ شہری فضائی بم باری ہمیشہ ایسا منظر بناتی ہے۔ شارع ابو شاکر کھنڈر، گرے اپارٹمنٹ سلگتے، کچھ مردے سیکڑوں ٹن کنکریٹ میں دبے۔ سڑک پر زندگی کا ملبہ : گدے، ٹوٹی تصویریں، بچے کی کندہ کاری والی کرسی، باسی کھانا، کھلونے، اور مکھیوں والے ناقابلِ تصور چھوٹے جوہڑ۔

پسینے میں ایمبولینس عملہ 32 لاشیں گن چکا؛ بیشتر فلیٹوں میں چھپے مرد و عورت، جب بم چھت پر پھٹ کر آدھی عمارت گرا گیا۔ ایک صوفہ خطرناک انداز میں لٹکا، دو دیواروں پر ٹیڑھی تصویریں، پانچویں منزل پر گرد میں بھوت نما ہالہ—فانوس روشن، کسی بھٹکی بجلی کی تار سے جو بم نہ کاٹ سکے۔

فولی اور قبرص میں اے پی کے ایلکس اقتیولوس وہاں تھے؛ نصف روسی یونانی قبرصی، نو انچ سیاہ داڑھی میں راسپوتین۔ فولی تصویریں لیتے آسمان بار بار دیکھتا۔ جیٹ واپس آ رہے تھے۔ اقتیولوس بے فکر۔ میں فطری طور پر کھنڈرات کے سائے میں گیا، جہاں بچہ آسمان دیکھ رہا تھا۔ سات ہزار فٹ پر چھپے جیٹ، ہلکے طیارہ شکن فائر سے بے نیاز۔ جنوب گئے؛ ابھی ہم مقصود نہ تھے۔

دو عورتیں کنکریٹ سے کپڑے نکال رہی تھیں۔ بوڑھا قصاب شہادی دنوی آیا، جب ہم کسی باورچی خانے کی آگ دیکھ رہے تھے۔ بیٹی اسپتال میں تھی؛ بم کے چھروں نے پیٹ پھاڑ دیا۔ بے تراش، خون آلود آنکھیں، صدمہ؛ ہلکا کانپتا مگر آہستہ مربوط" :یہ شہری علاقہ تھا۔ طیارے ہمیں دہشت زدہ کر رہے ہیں۔ فوجی یوں نہیں لڑتے۔ "پھر جیٹ سنائی دیے۔

ہم ان دروازوں میں بھاگے جن کی عمارتیں پہلے حملوں سے اتنی چٹخی تھیں کہ ارتعاش گرا سکتا تھا۔ طیارے نیچے برج البراجنہ کی طرف غوطہ لگائے؛ دھماکوں کی لرزش نے ابو شاکر میں الگ گھبراہٹ پیدا کی۔ ایک عورت خوف سے سڑک پر روتی کھڑی، دوستوں کی پکار سے بے خبر۔

چلیں دیکھیں جیٹ کہاں جا رہے ہیں؟ "اقتیولوس کی مہربان خطرناک مسکراہٹ۔ "

خطرے سے باہر نہیں، اندر جانے کی خواہش مانوس، پریشان کن، شرمندہ کرنے والی۔

کیوں نہیں؟ فولی بھی۔ حقیقت کے باوجود ہم جیٹوں کے پیچھے برج البراجنہ کی چوڑی خالی

سڑک پر گئے، جہاں نوجوان عجائب گھر کی توپوں سے مافوق الصوت جہازوں پر فائر اور دھماکے زمین ہلا رہے تھے۔

ہوائی اڈے کی سڑک کے شمالی سرے پر فولی تصویروں کے لیے اترا۔ یادیں ایسے واقعات کو پرانی خاموش فلم کی طرح تیز کرتی ہیں۔ مجھے گاڑی پسند نہ تھی؛ طیارے گاڑیاں بم سے اڑاتے، خصوصاً یہاں۔ جلے ٹرک، گڑھے، دھواں؛ فلائی اوور پار عمارت بے قابو جلتی، بگولے جیسی عظیم مشعل۔ نیچے سے گولے کمر کی بلندی پر سائیں کرتے اور پیچھے درختوں میں پھٹتے۔

میں کھائی کے پاس ہاتھ لٹکائے مضحکہ خیز کھڑا فولی کو آگ، دھواں، جلی گاڑیاں بناتے دیکھتا۔ وہ اقتیولوس سے بولا، ”یہاں تصویر کے لائق کچھ نہیں، آگے چلیں۔‘ ’آگے؟ میرے خیال میں واپس۔ زوردار دھماکا، فولی جھک گیا۔ اقتیولوس” :کیوں؟ جب واقعات ہو رہے ہیں تو جائیں کیوں؟ “وہ احمق نہیں؛ خطرہ حساب کرتا۔ اسرائیلی ہمیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لگتے تو بدقسمتی، ہماری غلطی نہیں۔

بھورا دھواں ڈھانپ گیا۔ زمین سے گندے نالے کی بو؛ میں کیچڑ کے دریا کے پاس تھا جو سڑک پار رینگ رہا تھا۔ دو فلسطینی گزرے۔ ایک نے خوشی سے رائفل اٹھائی” :ہیلو “!تھکے، اکتائے، سٹی اسپورٹیف کے کھنڈرات میں چوکیوں کو واپس۔

گاڑی میں آگے۔ میں اقتیولوس کو اشاعت کے اوقات کی طویل پیچیدہ وضاحت دینے لگا؛ ایک گھنٹے میں خبر بھیجنی تھی، واپس ضروری۔ دونوں نے نظر انداز کیا؛ جانتے تھے وقت اتنا جلد نہیں۔ کویتی سفارت خانے کے قریب شاہراہ کے آخر میں پھر کھڑے، طیاروں کو کیمپوں پر کام کرتے دیکھا؛ انجن بموں کی آواز دباتے۔

غوطے سے پہلے جیٹ مشکل سے نظر آتے؛ سمندر کے اوپر سورج میں سے آتے۔ ایک تنہا طیارہ ٹینی سن کے عقاب کی طرح آسمان میں لپکا۔ کیا ہوا باز کے لیے بھی یوں تھا جب سمندر سے

آ کر کیمپوں کی راکھ پر بم تیار کرتا؟ ”نیچے شکن آلود سمندر رینگتا ہے۔۔۔ اور بجلی کی طرح وہ گرتا ہے۔ “بھورے دھویں کی مردہ انگلیاں بستی سے اٹھیں، پھر دھماکا اتنا بلند کہ اقتیولوس نے کندھے سکیڑے۔

فولی کی موٹر ڈرائیو سنائی دی۔ مگر پاگل محاذ کی ایک تصویر نے مجھے اپنے ذلیل خوف پر شرمندہ کیا۔ گولہ باری میں گرد اور گولہ بارود کے صندوقوں والے چھوٹے پارک میں پرانا شامی ٹی-54 ٹینک، چھلاوے کو چند خشک شاخیں۔ توپ کی نال پر آستین سے شناخت :ٹی-54 میں دہانے پر، ٹی-62 میں درمیان۔ خوف کی دھند میں یہ بے معنی حقیقت نوٹ کی۔ جیٹ شاید چوک گئے یا بعد کے لیے چھوڑا۔ مگر ٹینک بم سے اڑتے ہیں؛ اسرائیلی آج اسے چن لیں گے۔ ہمیں جانا تھا۔

تب دو شامی سپاہی دیکھے، فولادی خود، رائفلیں، ٹینک سے سو گز دور مورچوں میں کندھوں تک۔ عموماً پوچھتے، مگر گولہ باری میں ہاتھ ہلایا۔ ”ہیلو دوستو “!ایک چلایا۔ ہمیں ترس آیا، کیوں کہ جانتے تھے مرے گا۔ دوسرے نے کہا، ””شلونک؟ کیا حال ہے؟ “سڑک پار۔ گرمی میں خود اتار کر مسکرایا، مورچے سے نکلا اور میرے پار آنے کا منتظر۔ میں جانتا تھا :خوف زدہ، موت کا علم، کسی انسان کی لمحاتی موجودگی سے جائز خوف کم کرنا چاہتا۔ مرحبا !ہیلو !کافی تھا۔

میں اسے چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک اور جیٹ چیخا، پھر بموں کی گرج۔ سپاہی نے بلایا۔ میں سڑک پار نہ کر سکا۔ مجھے یقین تھا دونوں مریں گے، مگر تیس سیکنڈ انسانی رابطہ نہ دیا کیوں کہ اپنی موت سے ڈرتا تھا۔

فولی بولا، ”یہاں سے فوراً نکلو۔ “اب ڈھیلی وردیوں میں کیچڑ تک کھڑے دو شامی نوجوانوں سے بات کا وقت نہ تھا۔ آخری بار دیکھا؛ دونوں نے سر ہلا کر راز بانٹا۔ دوسرا بے نیازی سے

مورچے میں اتر گیا۔ ہم انہیں محصور مغربی بیروت میں، فوج سے کٹے، اس فضائی حملے کا سپاہیانہ صبر سے انتظار کرتے چھوڑ گئے جو دونوں کو جلا دے گا۔

ہم 1975ء میں لٹے اسپنیز کے ٹوٹے سپر اسٹور تک لوٹے اور اوزاعی و ہوائی اڈے پر سیاہ دھویں کے جنازہ مینار دیکھنے رکے، یہاں تک کہ دھند میں تقریباً پوشیدہ جنگی کشتی۔۔۔

۔۔۔نے سمندر سے ہمارے گرد گولے داغے۔ ہم روشہ کی طرف بھاگے، جہاں مچھلی ریستوران پچھلی بم باری سے سلگ رہے تھے، پھر چٹانی سڑک سے کورنیش؛ جنگی کشتی نے ایک اور گولا—ہم پر، ساحل پر دوڑتی ننھی گاڑی پر—داغا۔ وہی سائیں، زبردست کڑک، بیس گز پیچھے سڑک پھٹ گئی۔ ہم دفتر، ارلین ٹیٹرو کی جھڑکیوں اور پرانی آہنی تار مشین تک جا پہنچے۔[7]

ایک دن بعد بیروت کی ایک ''جنگ بندی ''میں واپس گیا؛ گندا مختصر موقع جس میں شرمندگی سے گاڑی لے کر ہوائی اڈے کی طرف اس جگہ پہنچا جہاں دو شامیوں نے پکارا تھا۔ کھائی میں ٹینک کا برج پہلو کے بل دیکھا تو سمجھ گیا۔ مورچے میں جھانکا؛ جلے انسانی باقیات کا معمولی نشان۔

حملے تقریباً جادو سے ختم ہوئے۔ الیگزینڈر ہیگ کے امریکی وزیر خارجہ استعفے کے ٹھیک تین منٹ بعد گولہ باری رک گئی، جیسے سوئچ بند۔ حبیب نے سابق وزیر اعظم صائب سلام کو فون کرکے نئی جنگ بندی کا اعلان کیا—سلام کے مطابق ''قطعی اور مکمل''۔ یوں امریکی خارجہ پالیسی کی تبدیلی نے تاریک بیروت کو فوراً خاموش کیا۔ اتنی اچانک تبدیلی کی سیاسی طاقت حیران کن تھی۔

ہیگ نے اسرائیلی حملے کی خاموش منظوری دی تھی؛ اسرائیلیوں کے مطابق 20 مئی کو شیرون نے منصوبہ بتایا تو دوستانہ جواب ''سبز بتی ''تھا۔ اس نے اسرائیل نوازی نہیں چھپائی؛ محکمہ خارجہ والے بعد میں کہتے کہ پُرامن مغرب نواز لبنان میں امریکا کے سیاسی ''مواقع ''دیکھتا تھا۔

سعودیوں نے ظاہری سکون کے ساتھ واشنگٹن کو فوری پیغامات بھیجے، ریگن سے اسرائیل روکنے کی التجا۔ ابتدائی انتباہ ریگن تک نہ پہنچے؛ ہیگ نے روکے۔ جب فوج مغربی بیروت میں گھسنے کے قریب ہوئی تو سعودیوں نے اپنا سوئچ کھینچنے کی دھمکی دی۔ بیروت کے سعودی سفارت کاروں کے مطابق شاہ فہد نے کہا اسرائیل قابو نہ آیا تو امریکا سے تمام سرمایہ فوری نکال اور چند گھنٹوں میں مغرب پر تیل پابندیاں لگائیں گے۔ ریگن نے بحران جانا؛ ہیگ—جو سبز بتی سے انکار کرتا رہا—مستعفی۔ لبنان نے ایک اور شکار لیا۔

ہم میں کم لوگ اسے عارضی مہلت سے زیادہ سمجھتے تھے۔ اگلی صبح بارنز کو لکھا" :یہاں بہت کم امید ہے جنگ بندی دو دن سے زیادہ چلے؛ فائرنگ ختم سمجھنا غلط ہو گا۔ "اے پی مزید عملہ لایا۔ بیورو چیف نک ٹیٹرو حملے کے ہفتے بعد یمن سے دمشق کے راستے واپس آیا۔ سختی اور حساسیت کا امتزاج مقامی عملے کو پسند تھا؛ عربی بولتا اور انہیں سمجھتا۔ کمپنی کا وفادار، تار پر انتظامی فخر، غیر جانب دار رپورٹنگ سے اے پی کا نام محفوظ۔ جنگ پر کچھ سفاک نظر—شاید لبنانی نفسیات کا قدرتی مظہر۔ اختلاف پر چیختا" :چھوڑو بھی، فسکی "!جیسے میں جعلی دوا بیچتا۔ اتفاق پر" :بالکل درست، یار!"

ایک سہ پہر لمبا سابق میرین، موٹے شیشوں سے کنکری آنکھوں والا، اے پی جوہانسبرگ نامہ نگار ٹیری اینڈرسن آیا؛ بے حد مضبوط و مہربان، موٹا، فٹ بال کوچ کی طرح ہانپ کر چھوٹے جملے۔ تل ابیب مدد کو بھیجا گیا تھا، اسرائیلی نگران کے ساتھ لبنان آیا، مشرقی بیروت میں اسے چھوڑ کر پیدل مغرب آ گیا۔ "مزید جھوٹ سننا برداشت نہ ہوا، "اس نے کہا۔

بے خوف کہنا مبالغہ؛ بے احتیاط ضرور۔ عجیب عادت :بے وقت سو جاتا—فضائی حملے میں کافی داغ فرش پر اونگھتا، مگر شدید توپ باری میں اچانک گاڑی لے کر نکلتا۔ پریس تعصب کی شکایت کا "کاروباری جواب" :ایک بات سمجھیں :برے کام کرو گے تو لوگ بری بات کہیں گے۔

اتوار 27 جون ایک اور پمفلٹ حملہ۔ گلابی سبز پرچیوں پر کم زور عربی، لبنانی آبادی کے نام
:جس کی حفاظت اندھا دھند ہفتے بعد پھر اسرائیلی فکر بنی۔ متن نے واضح کیا جنگ بندی عارضی
اسرائیلی دفاعی فوج دہشت گردوں کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے اور ابھی پوری قوت ”
استعمال نہیں کی۔ بے گناہ شہریوں اور نہ لڑنے والوں کو نقصان نہیں چاہتی۔ بیروت کے رہائشیو،
جنگ بندی سے فائدہ اٹھاؤ اور جانیں بچاؤ۔۔ اپنی اور عزیزوں کی جان بچاؤ۔ کمانڈر، آئی ڈی
“ایف۔

گھر پر گرنے والا پریشان کن خط۔ بحث تھی واقعی جان بچانا اور شہری ہلاکتوں کی بدنامی کم
کرنا مقصود تھا یا پی ایل او پر دباؤ۔ عرفات نے ریڈیو سے جواب” :بیروت کے دفاع کی جنگ۔۔۔
“شہر پر یلغار کی ہر کوشش کی دشمن سے بھاری، بہت بھاری قیمت۔

جنگی الفاظ پی ایل او افسروں کی تلخ بحث چھپاتے تھے۔ نئی اسرائیلی شرائط امریکا نے صائب
سلام کے ذریعے بھیجیں :ہر گوریلا دارالحکومت چھوڑے۔ عرفات کے نائب خلیل الوزیر—1988ء
تونس میں اسرائیلیوں کے ہاتھ قتل—نے اسے ”ذلت آمیز حل “کہا؛ پی ایل او ہتھیار دے کر
ہتھیار نہیں ڈالے گی۔

قیادت مانتی تھی فوجی شکست قریب۔ باعزت ہتھیار ڈالنا، اس طرح اسلحہ رکھنا کہ سیاسی پی
ایل او بچے۔ عرفات و ساتھی محفوظ راستہ لے کر نکلتے اور گوریلے نکالے جاتے تو مزاحمتی وقار
ہمیشہ ٹوٹتا، اور مغربی کنارے و غزہ کی مزاحمت بھی۔ اسرائیلی دلیل جانتے اور درست سمجھتے تھے۔
اسی لیے فلسطینی جانے سے انکاری۔

عرفات نے رات وزیر اعظم وزان سے ملاقات کی۔ پانچ سو گز دور کار بم نے چار راہ گیر
مارے۔ بم کون لگا رہا تھا؟ پچھلے ناکارہ بم میں اسرائیلی ڈیٹونیٹر کیوں؟ اس رات حملے کے بعد
مجموعی ہلاکتیں 10,112؛ بیشتر شہری، 250 وہ جو دو دن پہلے ہم نے حملوں میں دیکھے۔

امن کی آخری امید سلام تھا۔ دوسرے ملک میں ''بزرگ سیاست دان''، مگر لبنان کے بہت رہنما اتنے قدیم کہ بے معنی۔ دو بار وزیر اعظم؛ خاندان کی سیاست والد کی عثمانی پارلیمان رکنیت تک۔ 77 کا مگر 60 دکھتا، چرچل سگار؛ والد کا ترک پارلیمانی پاس دفتر کی الماری میں فریم—مدھم سبز کارڈ، مونچھوں اور فیز والے ترش نوجوان کی تصویر۔

یہ سمجھنا غلط کہ بوجھ نے سلام کو مغلوب کیا؛ وہ لطف لیتا۔ چھوٹے دفتر میں باریک سنگِ مرمر خط کش ہلاتا، عالمی توجہ کا مرکز بن کر خوش؛ سیاسی آلودگی سے پاک ساکھ کو محنت سے پالنے والا لبنانی۔ امریکا اور پی ایل او کا مرکزی ثالث، عرفات و بشیر جمیل کا معتمد، وہ واحد شخص جو اس کے خیال میں مغربی بیروت بچا سکتا تھا۔

اس کا مؤقف :پی ایل او ہتھیار دے، باعزت اجازت ملے؛ ''شاندار جنگ ''لڑی مگر سیاسی و فوجی حقیقت مانے۔ پہلے اس ''شانداری ''کی تعریف نہ کی تھی۔ امن اس کے لیے پھسلتا جسم تھا۔

جون کے آخر میں بولا، خط کش بائیں ہاتھ پر'' :لُبھانے والا سیب، ہاتھ پہنچتے فرار۔ ایک طرف نرمی، دوسری سختی۔ ''اصطلاحوں کے مسائل نے سیب اونچی شاخ پر کر دیا :اسرائیلی ''صفوں کی درستی''، فلسطینی ''فوجی علیحدگی''۔ کندھے اچکائے، ''شاید آپ فرق بہتر بتائیں۔ ''صحافیوں سے ایسے مخاطب، سفید نفیس سوٹ میں اٹھتا، سفید بھویں سیاسی فکر سے اوپر نیچے۔

1960ء فواد شہاب اور دس برس بعد سلیمان فرنجیہ کے تحت وزیر اعظم۔ سرکیس انتخابات کا بائیکاٹ کرکے شامی آلودگی سے بچا۔ اب عرفات کو تین منزلہ گھر بلا، وہاں سے بشیر جمیل کو فون کرا سکا۔ دونوں ہتھیار ڈالنے کی نوعیت پر متفق ہوتے تو اسرائیل کے پاس حملے کی وجہ نہ رہتی۔

کام واشنگٹن کی انتظامی الجھن نے مشکل کیا۔ ”گزشتہ ہفتے سعودیوں نے پی ایل او کو بتایا ولیم کلارک نے فوجی علیحدگی کی یقین دہانی دی۔ مگر محکمہ خارجہ دوسری لائن، فوجی صفوں کی درستی۔ حبیب کو یہی پیغام ملا۔“سلام نے اسے ہیگ استعفے سے جوڑا۔

سلام عالمی شخصیات کے زوال سے بے فکر۔ جدید تاریخ میں آرام دہ جگہ، اس کے شامی نفاست والے گھر میں تیل رنگ تصویریں، فارسی قالین، بلوری فانوس؛ بلند ٹھنڈے سفید کمرے، انگریزی فرانسیسی عربی چمڑے کی کتابیں؛ شاہ فیصل کی نماز والی رنگین تصویر؛ باہر بیلوں کے پار مسجد گرمی میں۔

پی ایل او نے مانا لبنان میں فوجی قوت نہیں رہے گی اور کیمپ و افراد لبنانی کنٹرول میں۔ اسرائیل قیادت کو جلاوطن چاہتا۔ سلام”:سب کو لگتا وقت ختم ہو رہا، بہت قیمتی۔“خط کش بائیں ہاتھ پر تیزی سے بجا، خراب اسپرنگ کے پنڈولم کی طرح۔ سلام کا وقت بھی؛ سرکیس کو نیا وزیر اعظم چاہیے اور سلام اس کا—شاید جانشین بشیر کا—مطلوب ثالث بن سکتا تھا۔

جس سے سلام قطعاً بات نہ کر رہا تھا وہ شام۔ بیروت کے شامی فوجی تباہی کے قریب، پہاڑوں میں نقصان۔ مدیراج نہ کھویا، مگر نزدیک بکتر بند یونٹ اسرائیلی چھاتہ برداروں نے بحمدون سے پرے دھکیلے۔ جنگ بندی کی پابندی کرتے شامی اچانک حملے سے حیران؛ کئی ٹینک اسرائیلی پیادہ نے تباہ کیے۔

کحالہ سے شاہراہ پر ذلت آمیز پسپائی :کھیتوں میں چھوڑے ٹینک، چھتوں پر صحیح سلامت بھاری مشین گنیں، سڑک کنارے پیٹھ میں گولی کھائے بھاگتے شامی۔ ایک لاش درمیانی پٹی پر تھی؛ لبنانی مسیحی نے پٹرول ڈال کر جلائی۔ بعد میں وہ سیاہ پڑی۔۔۔

سڑک پر پڑی جلی ہوئی لاش سیاہ اور سکڑی ہوئی تھی۔ پہاڑ سے اپنے خاندان کے ساتھ اترتے ایک لبنانی نے گاڑی روکی، جیب سے کیمرا نکالا، لاش کی تصویر لی اور مسکراتا ہوا واپس آ گیا—خاندانی البم کے لیے ایک یادگار۔ کبھی کبھی لبنانی ذہن واقعی ناقابلِ فہم لگتا تھا۔

شامی ٹینک اور گاڑیاں تباہ پڑی تھیں، لاشیں جھاڑیوں اور نالیوں میں تھیں اور شاہراہ پر بو ان کی موجودگی بتا رہی تھی۔ بحمدون میں شامی ٹرک فٹ پاتھوں پر کچلے پڑے تھے؛ کچھ جل چکے، کچھ اس وقت چھوڑے گئے جب سپاہی کمبل اور رسد لاد کر منظم پسپائی کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

بیروت کے اوپر پہاڑوں میں اسرائیلی اگلی صف اب ملبے اور مٹی کی دس فٹ اونچی رکاوٹ تھی۔ پیچھے جیپیں کھڑی تھیں اور ڈرائیور دوربینوں سے راستہ دیکھ رہے تھے۔ دو میل اوپر شامی فوج صوفر سے اپنا بچا کھچا اسلحہ اور ٹرک نکال رہی تھی۔ اسرائیلی اس سے بے خبر تھے، مگر ایک دیہی راستے سے صوفر کے پرانے جوئے خانے کے قریب پہنچ کر ہمیں ایک شامی چھاتہ بردار ملا؛ آگے اس کے ساتھی آخری ٹرک میں گدے اور چولہا لاد رہے تھے۔

اسرائیل نے بحمدون کی شامی پسپائی کو بھگدڑ قرار دیا۔ فالانج نے قابلِ استعمال چھوڑے گئے ٹینک قبضے میں لے لیے۔ رے بین چشمے لگائے اسرائیلی افسر کہتے تھے کہ شامیوں کے پاس سازوسامان تو ہے، لڑنے کا حوصلہ نہیں۔ حقیقت اتنی سادہ نہ تھی: ٹی-54 ٹینک پندرہ برس سے زیادہ پرانے تھے، اور اسرائیل کے تسلیم شدہ بھاری نقصانات بتاتے تھے کہ اسد کے کچھ دستے اپنی جگہ ڈٹے مرے۔ ورنہ سینچورین ٹینکوں والے اسرائیلی صوفر سے نیچے ایک کمزور عسکری مقام پر کیوں رک جاتے؟

پہاڑوں میں اسرائیلی پیش قدمی کا اصل مقصد شام کو مغربی بیروت لوٹ کر محاصرہ توڑنے سے روکنا تھا۔ اب دارالحکومت کے اندر موجود شامی یا فلسطینی دمشق کی پہاڑی سڑک صرف اسرائیل کی اجازت سے استعمال کر سکتے تھے۔

چھ لاکھ آبادی میں سے چند سو لوگ مغربی بیروت چھوڑ رہے تھے، بعض گھریلو سامان سے لدے ٹرکوں پر۔ مشرقی بیروت میں داخلے پر تلاشی اسرائیلی نہیں، فالانج لیتے تھے۔ آنے والے ہفتوں میں اسرائیلی فوج نے انہیں زیادہ استعمال کیا اور مسیحی مسلح افراد کی دھمکیوں یا مسلمان خاندانوں سے خوراک چھیننے پر، حتیٰ کہ اپنے سامنے بھی، مداخلت نہ کی۔

اسرائیلی فالانج کو ہمیشہ ''لبنانی افواج'' کہتے۔ اصل نام لینے سے 1936ء کے سیاہ قمیص پوش نوجوان، فرانکو، فاشزم اور نازیت یاد آتے۔ اسرائیلی ریڈیو اور بہت سے غیر ملکی نامہ نگار بھی یہی اصطلاح دہراتے رہے۔ یہ نام غیر سیاسی اور سرکاری لگتا، جیسے فالانج کوئی قاتل ملیشیا نہیں بلکہ قانونی فوج ہو۔ اسرائیل بشیر جمیل کو صدر دیکھنا چاہتا تھا؛ تب شاید یہ بناوٹی اختیار حقیقت بن جاتا۔

28 جون کی صبح سبز اور زرد پمفلٹ پھر مغربی بیروت پر خزاں کے پتوں کی طرح گرے : وقت ختم ہو رہا ہے ...جلدی کرو، بہت دیر ہونے سے پہلے اپنے عزیزوں کی جان بچاؤ۔ ''بیشتر'' پمفلٹ کورنیش مزرعہ پر گرے، جہاں اسرائیلی فضائی حملوں میں پہلے ہی سیکڑوں شہری مر چکے تھے۔

اب مغربی صحافت پر بھی دباؤ آیا۔ اسرائیلی افسر کہتے تھے وہاں کے صحافی ''ہماری راہ کا کانٹا'' ہیں اور ''حفاظتی وجوہ'' سے فوراً نکل جائیں۔ ایک افسر نے مجھے مقبوضہ علاقوں میں نقل و حرکت روکنے کی دھمکی دی اور صوفر میں شامی فوج کی پوزیشنیں پوچھیں۔ میں نے انکار کیا، جیسے شامیوں کو اسرائیلی معلومات دینے سے کرتا۔ ٹائمز کے مدیر چارلس ڈگلس ہوم نے اصرار کیا کہ میں لبنان

کے ہر علاقے میں کام جاری رکھوں۔ اسرائیل ہمیں اس لیے نکالنا چاہتا تھا کہ ہم اس کے بڑھتے ہوئے اندھا دھند حملوں کے چند آزاد گواہ رہ گئے تھے۔

ایرلن ٹیٹرو ہسپتالوں اور ریڈ کراس سے ہلاکتوں کی فہرستیں جمع کرتی رہی۔ اب نک ٹیٹرو اور میں نے قبرستانوں کی پڑتال کا فیصلہ کیا۔ اسرائیل اعداد کو پی ایل او کا جھوٹ کہتا تھا، مگر کبھی جوابی ثبوت نہ دیا۔ مردے قبروں سے اٹھ کر گواہی نہیں دیتے؛ پھر بیروت کے گورکن کیا کہتے تھے؟

ہم صبرا کے کونے میں ایک چھوٹے قبرستان پہنچے۔ گولہ باری سے چیڑ کے درخت پھٹے ہوئے تھے، مگر بچے کھچے درختوں میں جھینگر کا شور تھا۔ ابو طیب نے کہا" :گزشتہ ایک ماہ میں اتنے مردے کبھی نہیں دیکھے۔ "وہ ہمیں کچے راستے پر اپنے بیلچوں اور کھرپیوں کے پاس سے لے گیا۔

درختوں کے نیچے اجتماعی قبریں تھیں، مٹی ابھی تازہ اور زمین پر مکھیوں کی چادر بچھی تھی۔ گولہ باری میں ابو طیب لاشیں گہری دفن نہ کر سکا۔ زیادہ تر شہری، کچھ گوریلے بھی تھے، جنہیں صبرا پر بمباری کے دوران گھبراہٹ میں ان گڑھوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ قبروں پر نشان نہ تھے، مگر ابو طیب کے پاس مٹی سے داغ دار بھورے سرورق والی ڈائری تھی، جس میں نام اور زندگی کی مختصر تفصیل درج تھی۔ ایک مٹی کے قطعے کی طرف اشارہ کرکے اس نے کہا" :یہاں یہ پندرہ لوگ ہیں"—پھر منبر کے واعظ کی طرح نام پڑھنے لگا" :جمال محمد ابراہیم، بوڑھا آدمی؛ محمد احمد بکرو، شامی سپاہی؛ اشرف محمد عکا، نو سالہ بچہ..."

میلے کارڈیگن میں ملبوس ادھیڑ عمر ابو طیب کبھی مسکرا دیتا، خصوصاً جب اسے سمجھ نہ آتی کہ شہری اموات کے اعداد سیاسی طور پر کیوں اہم ہیں۔ درختوں تلے کھڑے ایک فلسطینی عہدے دار نے البتہ فوراً سمجھا اور اسے اشارہ کیا کہ غابی حسین کے پاپولر فرنٹ کا رکن ہونے کا ذکر ضروری نہیں۔

مگر بیشتر نئی قبریں شہریوں کی تھیں۔ 6 جون سے وہ 250 افراد دفنا چکا تھا: 13 جون کو چودہ، اگلے روز تیس، اور 22 جون کو مزید پندرہ ایک ساتھ۔ "ان میں عورتیں اور بہت سے بچے تھے۔ "اس کے چار بچے—دو نوعمر لڑکے خود گورکن تھے—بوڑھوں جیسی سنجیدگی سے سنتے رہے۔

1970ء میں بیروت آنے کے بعد ابو طیب نے یہاں تقریباً اٹھارہ سو قبریں کھودی تھیں۔ 1975-76ء کی خانہ جنگی اور بعد کی باہمی لڑائی میں مرنے والے فلسطینی "شہدا" کی قطاریں بھی تھیں؛ تصویروں کے ساتھ فلسطین کا نقشہ، کہیں سفید لباس میں عورتوں یا بچوں کی تصاویر۔ 1981ء کے اسرائیلی حملے میں مارے گئے تین سو لبنانی اور فلسطینیوں میں سے کچھ بھی یہیں تھے۔ اگر صبرا کے اس چھوٹے گوشے میں گزشتہ ماہ کے 250 مقتول تھے تو مغربی بیروت کے آٹھ بڑے قبرستانوں میں ہزاروں ہونے چاہئیں۔ جون میں بیروت پر بمباری کے صرف دوسرے دن کے 270 مردوں، عورتوں اور بچوں کے نام ہمارے پاس تھے۔

اتھلی قبروں سے تیز بو آ رہی تھی۔ قریب اسرائیلی گولوں نے کتبے، سنگِ مرمر، پلاسٹک کے پھول اور تصویریں چکناچور کر دی تھیں۔ ابو طیب نے جنگ بندی ٹوٹنے کے اندیشے میں تین اور اجتماعی قبریں کھود رکھی تھیں؛ اس کے بعد قبرستان بھر جاتا۔

اب ثبوت بڑھ رہے تھے کہ اسرائیل مغربی بیروت میں کلسٹر بم استعمال کر رہا ہے—وہ امریکی ہتھیار جو اس شرط پر خریدے گئے تھے کہ شہریوں کے خلاف استعمال نہ ہوں گے۔ ریگن تشویش ظاہر کر چکے تھے، مگر اسرائیل نے انہیں ٹینکوں ہی نہیں، شہری علاقوں میں انسانوں کے خلاف بھی چلایا۔ ہمیں فلسطینی کیمپوں کے اندر اور آس پاس ناکارہ بم اور امریکی تاریخ و کوڈ والے پلاسٹک خول ملے۔

کلسٹر بم کی ہولناکی اس کا اندھا دھند اثر تھا: دھماکے کے ساتھ فولادی گولیاں اور دھاتی ٹکڑے ہر قریب موجود انسان کو چھلنی کرتے۔ رہائشی علاقے میں یہ قاتل ہتھیار تھا۔ ایک قسم

میں تکونی دھاتی ڈبیاں تھیں جن کے اندر سفید کیمیائی بارود کا سلنڈر تھا۔ شتیلا کی تباہ جھونپڑیوں کے بیچ مجھے درجنوں ڈبیاں ملیں؛ گھر لا کر میز پر جوڑیں تو وہ امریکی سی بی یو-58 لگیں، جو جیپ، متحرک ریڈار اور ہلکے سازوسامان کے لیے بنی تھی۔ ایسی ڈبیاں شیعہ اور سنی آبادی والے کورنیش مزرعہ میں بھی ملیں۔

دوسری قسم "راک آئی "ٹینک شکن بم جیسی تھی، جس میں تین حصوں کے بھاری چھوٹے بم تھے۔ اوزاعی کی سڑکوں پر تیر کی موٹی نوک جیسے کئی بم ناکارہ گرے۔ خول تقریباً تین میٹر لمبے اور ہلکے پلاسٹک نما مادے کے تھے۔ پی ایل او نے اپنے تشہیری مقاصد کے تحت تین ہفتوں میں کئی خول دکھائے۔

بربیر ہسپتال میں وہ بچے ملے جو گلی میں پڑے چھوٹے بم کھلونا سمجھ کر ہاتھوں میں پھٹنے سے زخمی ہوئے تھے۔ ہم ہسپتالوں، ریڈ کراس اور بم زدہ عمارتوں کے درمیان دوڑتے، گندگی اور انسانی اعضا کے بیچ کاغذوں پر نوٹ لکھتے رہے۔ ایک معنی میں ہماری ہر نوٹ بک گورکن کی ڈائری بن گئی۔

شہریوں کا ماتمی انخلا جاری تھا؛ گاڑیوں پر بستر، گدے اور چولہے بندھے تھے۔ کچھ علاقوں میں لبنانی مسلح افراد خالی گھروں پر لڑ رہے تھے، جبکہ روشے کے جنوب میں ساحل ویران تھا، صرف گوریلے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے میں ٹرانزسٹر لیے پھرتے۔ ریڈیو شہری اور جنگجو دونوں کی زندگی کی ڈور تھا۔ صلیبیوں، صلاح الدین اور 1840ء کے برطانوی-ترک بیڑے کے محاصروں میں کوئی اسرائیلی فوج کے اس بیسویں صدی کے محاصرے جتنا وسیع نہ تھا۔ بیشتر مغربی سفارت خانے جا چکے تھے؛ ناروے اور کینیڈا ڈٹے رہے، اگرچہ جلد کینیڈین سفیر کی رہائش گاہ اسرائیلی حملے میں تباہ ہوئی۔

پی ایل او نے 30 جون کو باقاعدہ شہر چھوڑنے کا اعلان کیا، مگر طریقہ، تاریخ اور نکلنے والے گوریلوں کی تعداد طے نہ تھی۔ بعض رہنما مذاکرات کھینچ کر اسرائیل سے محاصرہ جاری کروا رہے تھے۔[8]

2 جولائی کو ایریل شیرون مسلح محافظوں کے ساتھ مشرقی بیروت کے ہوٹل الیگزاندر میں آیا اور بولا" :یہاں آنے کی ہماری واحد وجہ دہشت گرد پی ایل او کو تباہ کرنا ہے۔ "نیلی قمیص میں پسینے سے شرابور شیرون نے مانوس دعویٰ کیا کہ اس کی فوج لبنان کا "ایک مربع انچ "بھی رکھنا نہیں چاہتی؛ جنگ لبنانیوں یا "فلسطینی عوام "سے نہیں، پی ایل او سے ہے۔

دو گھنٹے بعد بشیر جمیل سعودی عرب سے لوٹا۔ اسے کہا گیا تھا کہ اگر پی ایل او کو بیروت میں علامتی موجودگی ملے تو بعض عرب ممالک اس کی صدارت کی حمایت کریں گے؛ اس نے انکار کیا۔ حبیب، سرکیس اور وزان سے ملاقات کے بعد اس نے کہا پی ایل او نکلنے کا ارادہ نہیں رکھتی" :وہ جھوٹ بول رہے ہیں ...سب سے۔ "اس جھوٹ سے مغربی بیروت "مکمل مٹ "سکتا تھا۔

طیارے لوٹ آئے۔ فجر سے پہلے فضائی دھماکہ خیز بم گرے، جیسے پورا شہر ڈھ رہا ہو۔ جیٹ طیارے چھتوں پر روشن گولے چھوڑتے رہے۔ میوزیم کی محاذی لکیر پر اسرائیلی لاؤڈ اسپیکر شہریوں کو مغرب چھوڑنے کہتے، فلسطینی اعلان کرتے کہ فالانج ان کی عورتوں کی عصمت دری کریں گے۔

جنوبی لبنان کے دو سو میل کے سفر میں افق وولوس اور میں نے دیکھا کہ اسرائیل صیدا، عین الحلوہ کے ملبے اور جزین میں فالانج کو بٹھا رہا ہے۔ مشترکہ چوکیوں پر نوجوان پیئر جمیل کی تصویر لگی تھی۔ بعض شیعہ دیہات میں اسرائیل وفادار "نیشنل گارڈ "کے لیے ہتھیار واپس دیے گئے، اور انہی دیہات کے عذاب حداد کے مسلح افراد صیدا میں اسرائیلیوں کے ساتھ دریائے اوالی کے پل پر آ گئے۔

واپسی میں اسرائیلی 1944ء کے ٹی-34 ٹینک اور ٹرک بھر اے کے-47 اسرائیل لے جاتے دکھائی دیے؛ کچھ بندوقیں حداد کے آدمیوں میں بانٹی گئیں۔ مگر اخلاقی سوال کے پیچھے سیاسی تضاد تھا :اگر فلسطینی گوریلے باقاعدہ فوج اور خطرناک اسلحہ رکھتے تھے تو انہیں بیک وقت دہشت گرد "کیسے کہا جا سکتا تھا؟ برطانیہ نے کبھی فلسطین میں یہودی اور عرب مخالفین کو دہشت" گرد کہا؛ مناخم بیگن بھی کنگ ڈیوڈ ہوٹل اڑانے والا "دہشت گرد "رہنما تھا۔

اسرائیلی افسر اور صحافی لفظ "دہشت گردی "اس فراوانی سے بولتے کہ جنگ کو جھوٹا اخلاقی رنگ ملتا۔ بیروت میں دہشت گرد کون تھا؟ خانہ جنگی میں مسیحیوں کو قتل کرنے والے فلسطینی؟ فلسطینی شہریوں کے قاتل اور اب اسرائیل کے اتحادی فالانج؟ یا "عالمی دہشت گردی "کے بھوت کا پیچھا کرتے ہزاروں بے گناہ مارنے والے اسرائیلی سپاہی اور پائلٹ؟

اگر گوریلا دہشت گرد تھا تو اس کا اسلحہ رکھنے والا بھائی، وردی دھونے والی بہن یا وطن کے حق پر یقین رکھنے والے والدین کیا تھے؟ پی ایل او بھی اپنی زبان کا جائزہ نہ لیتی۔ عرفات کو احساس نہ تھا کہ بہت سے لبنانی اس کے تکبر اور تشدد سے نفرت کرتے ہیں۔ محصور فلسطینیوں کی واحد ڈھال مسلمان آبادی تھی، اور وہ اپنی قیامت میں ان شہری جانوں کو قربان کرنے پر آمادہ تھے۔

5 جولائی کی صبح اسرائیل نے مغربی بیروت کی بجلی، پانی اور خوراک بند کر دی۔ میں نے سپاہیوں کو مسلمان عورتوں کی خوراک کی ٹوکریاں چھین کر نالی میں پھینکتے دیکھا۔ میوزیم پر ایک پولیس والے کے دو سینڈوچ ضبط ہوئے۔ گیلری سمعان میں فالانج کے ایک مسلح شخص نے بوڑھی عورت سے پانی کی دو بوتلیں چھین کر چار اسرائیلی سپاہیوں کے سامنے سڑک پر توڑ دیں۔ اس نے گالی دی اور اسرائیلی ہنسے۔

وہ پینسٹھ یا ستر برس کی، سفید رومال اوڑھے، گرمی اور خوف سے پسینے میں شرابور تھی۔ فالانجی چیخا" :فاحشہ !یہ پانی دہشت گردوں کو دے رہی تھی؟ "اسرائیلی بدستور ہنستے رہے۔ گویا دہشت گرد "کا لفظ وبا تھا، ایک کمپیوٹر کوڈ جو ہمدردی ختم کرکے آئندہ عمل کی اجازت دے " دیتا۔ کیا اسرائیلی فوج مغربی بیروت کو زمین بوس کر دے گی؟

میں نے مسلح شخص سے پوچھا وہ عورت پر کیوں چیخ رہا ہے۔ وہ شیر کی طرح پلٹا، ایم-16 کا بولٹ کھینچا—کھٹ کھٹ—اور نال میرے پیٹ پر رکھ دی، پھر عورت کی طرف کر دی۔ اسرائیلی دس فٹ دور خاموش کھڑے رہے۔ میں جانتا تھا وہ گولی نہیں چلائے گا؛ دوسرے صحافی آ رہے تھے۔ مگر بوڑھی عورت دہشت زدہ تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیے، سر ایک طرف جھکایا اور بس "اتنا کہا" :خدا کے لیے، رحم کرو۔

حواشی

۔ مثال کے طور پر لیفٹیننٹ کرنل ڈوف یرمیا کی کتاب "مائی وار ڈائری :اسرائیل اِن لبنان "۱)لندن، پلوٹو پریس، 1983ء(، خصوصاً صفحات 27-28، 67 اور 109-115۔ یرمیا آنکھوں پر پٹی بندھے مردوں کو اسرائیلی فوجیوں کے ڈنڈوں سے بار بار مارنے کی کئی شہادتیں دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ نقاب پوش مخبر—جنہیں اسرائیلی "بندر "کہتے تھے—"معصوم باشندوں کو دہشت گرد بتاتے اور اپنے دوستوں کو قطار سے بے گرفتاری نکلوا دیتے"۔ اس بیان کے نتیجے میں یرمیا کو اسرائیلی فوج کی ریزرو فہرست سے نکال دیا گیا۔

۔ اصل کتاب کے صفحات 423 تا 428 دیکھیے۔۲

۔ "آپریشن پیس فار گلیلی :دی لبنیز بارڈر"، شائع شدہ 21 جون 1982ء۔۳

۔ مکمل رپورٹ کے لیے دی ٹائمز، 19 جون 1982ء دیکھیے۔۴

۵۔ دیگر اعداد میں دامور، ناعمے، حارت النعمہ، بسکنتا اور عین درافل)399 ہلاک، 212 زخمی(، اور دامور کے جنوب کے دیہات، سعدیات سمیت)269 ہلاک (شامل تھے۔ دامور کے مقتولین میں بہت سے فلسطینی گوریلے ہوں گے، مگر عین دارہ، عین زحلتہ اور باروک میں تقریباً سب شہری 487 افراد مرے؛ یہ اسرائیلی و شامی لڑائی اور بیت الدین، بعقلین و مختارہ کی گولہ باری کا علاقہ تھا۔ عالیہ اور متعدد ملحقہ آبادیوں میں مزید 257 ہلاک۔ بقاع میں شامی و اسرائیلی ٹینکوں کی لڑائی اور سام-6 بیٹریوں پر حملوں میں 368 افراد مرے؛ بیشتر حاصبیا، غزیہ، سحمر، یحمر، شتورا، بیروت-دمشق شاہراہ نزدیک المصنع اور بعلبک سے شام کی سرحد والی سڑک پر۔ آخری گروہ تقریباً سب شہری، بہت سے شام کی حفاظت کی طرف بھاگتے ڈرائیور تھے۔

۶۔ اسرائیلی شرائط :لبنان میں پی ایل او یا کوئی فلسطینی عسکری موجودگی نہ ہو؛ گوریلے ہتھیار دیں، چاہیں تو دوسرے ملک جائیں؛ کیمپوں سمیت کوئی فلسطینی ماورائے علاقائی علاقہ نہ ہو؛ تمام فلسطینی لبنانی حکومت کے تابع ہوں؛ لبنانی فوج پورے لبنان میں تعینات ہو۔

۷۔ غیر ملکی نامہ نگار کی زندگی میں بے ثمری ہوتی ہے۔ لندن میں الیکٹریشن یونین کا تنازع دی ٹائمز کی اشاعت روک گیا؛ اس رات اخبار نہ چھپا، میری حملوں کی رپورٹ شائع نہ ہوئی۔ ٹیلیکس آپریٹر'' :آج رات پھر اخبار نہیں، باب۔ ''میں'' :اے خدا، تم تصور کر سکتے ہو کیسا محسوس کرتا ہوں۔ ''جواب'' :ہاں، بہت برا، خصوصاً ہمارے لیے، بے حد ناشکرا۔ مگر الیکٹریشن۔۔۔ مزید ''نہ کہیں۔

۸۔ ٹائمز نے لبنان میں کلسٹر بموں پر میری تفصیلی رپورٹ، تکنیکی معلومات اور ہتھیاروں کے نمبر شائع کیے۔ بیشتر پر ''اینٹی ٹینک بم کلسٹر''، بعض پر ''یو ایس نیوی ''لکھا تھا۔ اوزاعی سے ملنے والے ایک بم میں امریکی کمپنی ''جن ٹائم کارپوریشن'' کا ٹائمنگ آلہ تھا۔ دیکھیے :ٹائمز، 2 جولائی 1982ء۔

باب 9

جراحی جیسی درستگی

رابرٹ فسک

”آگ بجھانے کے لیے مجھے شیر خوار بچوں کو پانی کی بالٹیوں میں ڈالنا پڑا۔ آدھے گھنٹے بعد نکالا تو وہ اب بھی جل رہے تھے۔ مردہ خانے میں بھی کئی گھنٹے سلگتے رہے۔“

ڈاکٹر امل شمعہ، بربیر ہسپتال؛ مغربی بیروت پر اسرائیلی فاسفورس گولہ باری کے بعد، 29 جولائی 1982ء

عالیہ ابو سعید ہسپتال کے وارڈ میں کروٹ لیے داغ دار رومال میں مسلسل کھانس رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا، ”اس کے پھیپھڑوں میں فاسفورس ہے۔ آج صبح قبل از وقت بچہ پیدا ہوا؛ معلوم نہیں اسے بچا سکیں گے یا نہیں، کیونکہ وہ بھی کھانس رہا ہے اور فاسفورس کے زہر کا شکار ہے۔“ دروازے پر عالیہ کی فلسطینی رشتہ دار عورتیں کھڑی بڑبڑا رہی تھیں۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس کے پانچ میں سے تین بچے مر چکے تھے۔

ٹیری اینڈرسن اور میں بربیر ہسپتال کو اچھی طرح جاننے والے تھے۔ وہاں جو دیکھا، بھلانا ممکن نہ تھا۔ وہاں جانا اس طلسم کو توڑنا تھا جو دور سے نظر آنے والی عظیم توپوں کے گرد بنتا ہے—یہ دیکھنا کہ گولیاں انسانی گوشت کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔

عالیہ کو 29 جولائی کو برج البراجنہ کی دو منزلہ جھونپڑی پر گرنے والا اسرائیلی فاسفورس گولہ پوری طرح یاد نہ تھا۔ جواب دیتے ہوئے اس کی سانس اکھڑتی اور کھانسی سے دم گھٹتا۔ وہ دائیں کروٹ اس لیے لیٹی تھی کہ بائیں بازو، ٹانگ اور چہرے کی جلد جل کر اتر چکی تھی۔ ”گولہ باری شروع ہوئی تو شوہر نے حفاظت کے لیے نیچے بٹھایا، مگر بم وہیں آ گرا۔ دھواں سفید تھا۔

عالیہ اور خاندان کے گیارہ افراد بربیر پہنچے تو ان کے جسم اب بھی جل رہے تھے۔ فاسفورس جلد میں دھنس چکا اور بالوں کو آگ لگا چکا تھا۔ ڈاکٹر امل شمعہ نے کمبل لپیٹے، جلتے بال مونڈے اور گوشت سے سفید فاسفورس نکالا۔ قریب ہی عالیہ کی بہن اپنے شوہر حسین بیتام کے ساتھ پڑی تھی۔ دونوں اس بری طرح جھلسے تھے کہ بولتے ہی کھانسی کا دورہ پڑتا۔ ترپن سالہ حسین بالوں سے محروم اور چمکتے گلابی چہرے کے ساتھ خوف ناک حد تک کم عمر لگتا تھا۔ مغربی بیروت کے بہت کم ڈاکٹر فاسفورس کے زخموں سے واقف تھے؛ وہ جلنے کی مرہم لگاتے اور مریضوں کو بار بار پانی کے ٹب میں نہلاتے۔

خاندان ہنگامی وارڈ میں آیا تو پانچ دن کے جڑواں بچے مر چکے تھے—مگر اب بھی جل رہے تھے۔ ڈاکٹر شمعہ کی آواز ٹوٹ گئی ”:میں نے انہیں پانی کی بالٹیوں میں ڈالا۔ آدھے گھنٹے بعد بھی آگ نہ بجھی۔ مردہ خانے میں گھنٹوں سلگے؛ اگلی صبح تدفین کے لیے نکالا تو پھر بھڑک اٹھے۔“

عالیہ کا ساڑھے چار سالہ بیٹا احم بچوں کے وارڈ میں کراہ رہا تھا۔ چہرہ بچ گیا تھا مگر بازو اور ٹانگیں مسخ تھیں۔ ڈاکٹر اسے تسلی دیتا رہا، لیکن تنہائی میں بولا کہ پھیپھڑوں کا انفیکشن ہوا تو بچنا مشکل ہے۔ ایک روز پہلے عالیہ کا ایک اور بچہ پھیپھڑا پھٹنے سے مر چکا تھا۔ بیتام اور ابو سعید خاندان نہیں جانتے تھے فاسفورس کیا ہے یا اسرائیل نے ان پر کیوں استعمال کیا۔ 6 جون سے 29 جولائی تک ڈاکٹر شمعہ نے فاسفورس سے جلنے کے انیس مریض دیکھے :ایک گوریلا، باقی شہری؛ آٹھ مر گئے، جن میں صباح کے تین بچے تھے۔

مغربی بیروت کے شہری المیے کا ریکارڈ صرف ہلاکتوں کی فہرست، مردہ خانے اور گورکن کی ڈائری میں نہیں، کمزور ہوتے ہسپتالوں کے وارڈوں میں بھی تھا۔ بربیر کی بالائی منزل اسرائیلی گولوں سے تباہ تھی؛ مقاصد اور امریکن یونیورسٹی ہسپتال بھی نشانہ بنے۔ شتیلا کے قریب یتیم خانہ

گولوں سے کھل گیا؛ نرسیں بھاگ گئیں اور صحافیوں نے بچوں کو ملبے میں اپنے فضلے کے درمیان روتے پایا۔

جولائی کی بدترین گولہ باری میں اسرائیلی توپیں تنگ گلی پر بیک وقت پچاس گولے برساتی تھیں، پانچ سو گز کے دائرے میں ہر شخص کو مارنے کے لیے۔ اینڈرسن اور میں اے پی کے دفتر کی چھت پر کھڑے رہے جبکہ فاسفورس کے گولے اطراف کی عمارتوں پر پھٹتے اور نرم سفید بادل باغ کی آگ کے دھوئیں جیسے تیرتے۔ ایک گولا ریڈ کراس کے بڑے نشان کے پیچھے اس کے صدر دفتر کی چھت پر پھٹا۔ ہم نے خبر دی، ریڈ کراس نے شکایت کی، اسرائیل نے انکار کر دیا۔

ویت نام میں میرین تربیت کے باعث اینڈرسن فاسفورس جانتا تھا۔ ڈاکٹر شمعہ نے کیمیائی ترکیب معلوم کرنے کو کہا تاکہ بہتر تریاق بنا سکے۔ ٹائمز کے مائیکل ہارسنل نے 30 جولائی کو بتایا کہ سفید فاسفورس پہلی عالمی جنگ سے مارٹر، توپ اور دستی بموں میں بھرا جاتا ہے؛ ہیمبرگ کی آتشیں تباہی میں بھی استعمال ہوا۔ برطانیہ، امریکا اور مغربی جرمنی اسے بناتے ہیں، ایم-109 کی 155 ملی میٹر توپ سے چلایا جاتا اور "معمول کا گولہ بارود "سمجھا جاتا ہے۔ دھواں دیر تک رہتا اور جلاتا ہے؛ زخم فوراً ڈھانپ کر بے تحاشا پانی ڈالنا چاہیے۔ ہیمبرگ میں پولیس کشتیوں سے گشت کرکے ناقابلِ علاج جلنے والوں کو گولی مار دیتی تھی۔

29 جولائی کو اینڈرسن بربیر سے دبی ہوئی غضب ناک حالت میں لوٹا۔ اس نے تین سالہ احمد یتیم کو مرتے دیکھا تھا۔ کاغذ ٹائپ رائٹر میں لگایا اور روتے ہوئے کہا" :میں نے اسے مرتے دیکھا۔ یہ کیوں ہونا تھا؟ خدا کے لیے، کیوں؟ "سات سالہ بیٹی کے باپ کی میرین سختی ٹوٹ چکی تھی۔ اس کی رپورٹ میں احمد بستر سے نرم پٹیوں میں بندھا تھا؛ ڈاکٹر شمعہ زخم دکھا رہی تھی کہ دل رک گیا۔ ڈاکٹر نے زخمی سینہ دبایا، معاون نے منہ سے سانس دی، نرس انجکشن اور برقی جھٹکے کی مشین لائی—مگر پھیپھڑوں میں فاسفورس جا چکا تھا۔

میں واپس پہنچا تو ہسپتال کے دونوں طرف گولے گر رہے تھے۔ عالیہ کی بیٹی امیرہ واحد بچی تھی جو خطرے سے باہر تھی؛ جلی ٹانگوں پر چھوٹا سا خیمہ تھا۔ برابر میں ایک ننھی بچی پھول کی طرح پڑی تھی، ٹانگ تقریباً کٹ چکی تھی۔ عالیہ کا شوہر سبز فلسطینی جنگی لباس میں آیا؛ وہ شہری نہیں، گوریلا تھا۔ تین بچوں کی موت سن کر صرف الوداع کہنے آیا تھا۔

بربیر تین ہفتوں سے فائرنگ کی زد میں تھا۔ 12 جولائی کو پہلی ملاقات میں وارڈوں اور راہداریوں میں شیشے اور کنکریٹ بکھرے تھے۔ بچوں کے وارڈ سے تیسری منزل تک دو فٹ چوڑی خون کی لکیر جاتی تھی۔ سڑک پار عمارت کی چھت پر گولا پھٹا تو ایک ملاقاتی کی ٹانگ کے گوشت کے ٹکڑے اڑ گئے۔ ڈاکٹر شمعہ نے تھکی ہوئی جراحی آواز میں کہا شاید ٹانگ کاٹنی پڑے۔ پھر بولی: "یہ جان بوجھ کر کیا گیا۔ اسرائیلی جانتے ہیں ہسپتال یہاں ہے۔"

لیکن ہسپتال سے اٹھارہ گز نیچے الرمل کے پیچھے مرابطون ملیشیا کا پرانا ٹی-34 ٹینک کھڑا تھا؛ قرب و جوار فلسطینی اور شامی جنگجوؤں کے قبضے میں تھا، مسلح افراد ہسپتال آتے جاتے اور ایک نوجوان بیرونی مریضوں کے شعبے کے ستون سے راکٹ لانچر لیے ٹیک لگائے تھا۔ مسلح کیمپ بنے بیروت میں ہسپتال بھی مریضوں کی سیاست سے پاک نہ رہ سکتے تھے۔ تیس فی صد زخمی گوریلے تھے، ان کے ساتھی بندوقیں بستروں کے پاس رکھ کر ہاتھ تھامے بیٹھتے۔ مگر باقی زیادہ تر شہری تھے۔

جون سے 10 جولائی تک بربیر میں دو سو لاشیں آئیں؛ چھ لاشوں کے مردہ خانے میں کبھی 4 بیس لاشیں پڑی رہیں۔ جانز ہاپکنز اور ڈیوک سے تربیت یافتہ ڈاکٹر شمعہ نے کہا فضائی حملوں کے باعث عملہ نکل نہ سکا، چار پانچ روز پوری عمارت موت کی بو سے بھری رہی؛ آخر لاشیں اجتماعی قبر میں دفن ہوئیں اور آج تک شناخت نہیں۔ اگر اسرائیلی توپچی ہسپتال کو نشانہ نہیں بھی بنا رہے

تھے تو اس کی موجودگی کی قطعاً پروا نہ تھی۔ مقامی نقشوں پر عمارت واضح تھی، مگر بعبدہ سے آنے والے گولوں نے فوجی مورچے چھوڑ کر باہر کی سڑک چھلنی کی۔

25 جون کو امریکی این بی سی کی ٹیم برج البراجنہ کے زخمی فلم بند کرنے آئی۔ گوریلوں کے بجائے شیر خوار اور بچے ملے، جسم چھروں سے کٹے، خون ایسا کہ بچنا ناممکن۔ ایک رکن روتے روتے ٹوٹ گیا۔ بیس سیکنڈ کی دل دہلا دینے والی فلم تل ابیب سے نیویارک بھیجی گئی، مگر اسرائیلی سنسر نے ''سلامتی'' کے نام پر بچوں کا منظر کاٹ دیا۔ امریکی عوام بربیر کی ہولناکی سے بچا لیے گئے۔

یہ پہلی یا آخری مداخلت نہ تھی۔ مغربی بیروت سے بھیجی اسرائیلی فضائی حملوں کی فلمیں تل ابیب میں بے رحمی سے کاٹی گئیں۔ امریکی پروڈیوسروں نے اتنی ہی دیر اسکرین سیاہ دکھا کر ناظرین کو سنسرشپ بتانا شروع کیا، پھر فلمیں دمشق بھیجیں۔ شامی دیکھتے ضرور، کاٹتے نہیں تھے۔ NBC کے ڈیوڈ فلپس نے تصویر بے ایک بار سیٹلائٹ کا قرض امریکی نیٹ ورکس نے ادا کیا۔ آواز دمشق اور آواز بے تصویر تل ابیب بھیجی، دونوں نیویارک میں جوڑی گئیں۔[1]

اسرائیل کے قیام کے بعد پہلی بار مغربی صحافی ایک بڑی مشرقِ وسطیٰ جنگ میں اسرائیلی محاذ کے دوسری طرف آزادانہ سفر اور رپورٹنگ کر رہے تھے۔ خندقوں میں دبک کر، گولہ باری میں گاڑی چلا کر، خصوصاً امریکی پریس اس عسکری مہم کے نتائج وہ تفصیل دکھا رہا تھا جو اسرائیل دنیا سے چھپانا چاہتا تھا۔ اسرائیلی مؤقف تھا کہ شہری اموات کے ذمہ دار ''دہشت گرد''ہیں جنہوں نے آبادی میں اڈے بنائے۔ مگر مغربی بیروت کے لوگ یرغمال نہ تھے۔ چند گھنٹوں کی عارضی فلسطینی پابندی کے سوا انہیں اپنا گھر چھوڑنے سے انہی کی ہچکچاہٹ روکتی تھی۔ ایک لاکھ نکلے، پانچ لاکھ رہے۔

سب سے زیادہ غریب اور جنوبی لبنان سے آئے پناہ گزین متاثر ہوئے۔ دفاتر، سینما، عمارتوں کی لابیاں، بازار اور سڑکوں کے خیمے ان کے گھر بنے۔ بجلی کے بغیر پمپ بند، پانی اور بیت الخلا ختم ہونے والے تھے۔ 5 جولائی کو امریکا نے سلامتی کونسل کی پانی و بجلی بحالی قرارداد کی حمایت کی۔ اسرائیل نے فوراً انکار کیا، مگر اگلے روز فلسطینیوں کے مخالف لبنانی وزیر محمود عمار نے بتایا کہ اسرائیل نے اشرفیہ کے تقسیم مرکز کا مرکزی نل بند کیا ہے۔ مغربی نامہ نگاروں نے خود سوئچنگ اسٹیشن میں اسرائیلی سپاہی، اسلحہ اور بستر دیکھے۔ انہوں نے والوز بند کر کے کنٹرول پہیہ اتار لیا تھا: ''وہی چابی ہے اور اسرائیلیوں کے پاس ہے۔''

جون کے تیسرے ہفتے میں اسرائیلی برقی ماہرین نے حازمیہ اسٹیشن کی تاریں کاٹیں، پھر جولائی میں نقشے لے کر آئے اور کرنتینا اسٹیشن سے مغربی بیروت کی پوری بجلی بند کرا دی۔ اب اسرائیل نے اپنے انکار سے انکار کیا۔ کرنل پال کدار نے مانا شہری تکلیف میں ہیں مگر کہا'' :ابھی بھوکے یا پیاسے تو نہیں ...جو ہو رہا ہے، پی ایل او کو نکالنے کے مقصد کے لیے ہے۔ ''عمار نے جواب دیا کہ گوریلوں کے اپنے پانی، جنریٹر اور کئی ہفتوں کی خوراک ہے۔ فاکھانی میں ان کے جنریٹر رات بھر گرجتے، ایئر کنڈیشن بنکر میں صحافیوں کو ٹھنڈا انناس کا رس اور گرم کافی ملتی۔ ناکہ بندی شہریوں کو مارتی تھی، پی ایل او کو نہیں۔

فاکھانی کے مختصر دورے میں بھی پی ایل او کا تکبر نمایاں تھا۔ ایک معمولی اہلکار نے دو روز پرانا پریس پاس دیکھ کر مجھے ڈانٹا'' :دوبارہ ایسا نہ کرنا، مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ ''میں نے کہا یہ لبنان ہے، فلسطینی مغربی بیروت کے مالک نہیں۔ سات برس سے مسئلہ یہی تھا کہ بہت سے فلسطینی خود کو مالک سمجھتے تھے۔ عرفات ریڈیو پر ''لبنانی عوام ''کی مزاحمت سراہتا، مگر چھ لاکھ شہریوں میں بہت کم دل سے اس کے حامی تھے۔ بیشتر چاہتے تھے پی ایل او جائے، بشرطیکہ اس کی جگہ فالانج نہ آئے۔

پی ایل او ماننے پر تیار نہ تھی کہ لبنان میں اس کی موجودگی نے ملک کی اذیت بڑھائی۔ فالانج کا اسرائیل سے تعاون حقیقت تھا، مگر فلسطینی تحقیر بہت پرانی تھی۔ بنت جبیل میں ایک افسر نے کہا تھا لبنانی آزاد ہیں، لیکن شمالی مارونیوں کے بارے میں بولا" :ہم یہاں غیر ملکی نہیں چاہتے۔ "امل سے اتحاد بھی حملے سے پہلے ٹوٹ چکا تھا؛ صور کے مشرق میں امل نے فلسطینیوں کو نکالا، صیدا میں سنی ملیشیا سے نو گھنٹے جنگ ہوئی، دو شہری مرے، سترہ زخمی اور پرانا بازار سولہ ملین ڈالر کے نقصان سے جلا۔ پھر صیدا کے سنی تباہی مچانے والے اسرائیل کے بجائے شکست خوردہ فلسطینیوں سے کیوں نہ بد ظن ہوتے؟

اب مغربی بیروت کا المیہ پھر کھیلا جا رہا تھا۔ فلسطینی ناکے اور حمرا میں بند دکانوں کے سامنے مسلح فلسطینی تھے۔ انہار کے نیوز روم میں ایک فلسطینی دو ہفتے بیٹھ کر پی ایل او کے خلاف سمجھی جانے والی خبریں سنسر کرتا رہا۔ لبنانی ملیشیا نے بعض علاقوں سے فلسطینیوں کو دور رہنے کو کہا۔ جولائی کے وسط میں ایک بہادر، پرانا شناسا فلسطینی بولا" :ہم کبھی نہیں نکلیں گے۔ اسرائیلی آئے تو ان کے ساتھ سب کچھ تباہ کر دیں گے—ضرورت پڑی تو پورا لبنان۔ "بارہ ہزار سے کم گوریلوں میں یہ طاقت نہ تھی، مگر جذبہ حقیقی تھا :ہمیشہ کی طرح موجودہ لبنان کی ریاست، غیر موجود فلسطینی ریاست سے کم قیمتی تھی۔

عرفات کیمروں کے لیے اداکاری کرنے لگا—اسرائیلی صحافی یوری ایونری، پانچ معصوم امریکی اراکینِ کانگریس، محاذ پر ریت کی بوریاں، افریقہ کور طرز کی ٹوپی۔ مگر نجی طور پر اسے اپنی قیادت کے خلاف اسرائیل سے زیادہ خطرناک چیلنج درپیش تھا۔ محاذی گوریلے انخلا کا حکم ماننے سے انکار اور کیمپوں میں رہ جانے والے خاندانوں کی فکر کر رہے تھے۔ امریکی اعتراف کو انخلا کی شرط بنانے سے انہیں صاف دکھا کہ عسکری جنگ ختم اور عرفات سیاسی جدوجہد تک محدود ہو رہا ہے۔

جارج حبش کا پاپولر فرنٹ جانے میں سب سے زیادہ ہچکچاتا تھا: پہلے اسرائیل سے لڑنے اس کی سرحد میں جانا پڑتا، اب ٹینک گھر کے باہر تھے۔ نایف حواتمہ کا ڈیموکریٹک فرنٹ باعزت سمجھوتا ڈھونڈ رہا تھا۔ تھکا، پیلا حواتمہ اب مزاحمت نہیں، ہتھیار ڈالنے اور بیروت چھوڑنے کی بات کرتا۔ اس نے سوویت سفارت خانے میں بریژنیف سے فوجی مدد اور فضائی راستے سے طیارہ شکن میزائل مانگے؛ پانچ منٹ بعد باہر نکلا تو غصے سے بولا" :کامریڈ بریژنیف نے فلسطینی عوام کی دلیرانہ جدوجہد کے لیے برادرانہ سلام بھیجا ہے۔ "کوئی ہتھیار نہ آیا۔

سوویت یونین نے فلسطینیوں کے بجائے اہم تر شامی اتحادی کو بچایا۔ 20 سے 25 جون تک درجنوں سام-8 بیٹریاں، پھر لاذقیہ میں مگ-21 اور مگ-23 طیارے پہنچے۔ اسرائیل نے تین بیٹریاں تباہ کیں، شام نے ایک اسرائیلی جیٹ گرایا۔ ممکن تھا سوویت ماہرین میزائل درست کر رہے ہوں؛ بسام ابو شریف کا کہنا صحیح تھا، ماسکو شامل ہو رہا تھا۔

مغربی بیروت میں اس بڑی سیاست کا مفہوم نہ تھا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد شہر اضطراب، گندگی اور دھوئیں کی جگہ تھا۔ حمرا میں فضلے کی بو؛ پانی بند ہونے پر لوگ قرونِ وسطیٰ کی طرح نالیوں میں غلاظت پھینکتے۔ بچوں کو خارش، عورتوں کو کھانسی، عمارتوں کے پرانے کنویں بندوق کے زور پر کھلوائے گئے۔ سمندری پانی سے نہانے پر جسم نمک اور چکنائی میں لپٹ جاتا۔ صحافی پھر بھی مراعات یافتہ تھے :پیسہ، مہنگی خوراک اور نکل جانے کی آزادی۔ محاذ پار کرکے جونیہ، کشتی سے قبرص، چھتیس گھنٹے میں یورپ۔ رہنے کا انتخاب کیا تو شکایت کا حق کم تھا۔

پریس کم ہوتا گیا۔ کچھ اچانک چھٹیوں پر چلے گئے، کچھ مشرقی بیروت منتقل ہوئے۔ ہمیں جانے والوں پر غصہ آتا، خصوصاً مغربی سفارت کاروں پر جو بارود کی پہلی بو کے ساتھ بھاگے۔ برطانوی سفارت خانہ برسوں ہماری "غیر ذمہ دار رپورٹنگ "پر لیکچر دیتا رہا؛ شہر تباہی کے کنارے آیا تو وہی غیر ذمہ دار صحافی شہریوں کی تقدیر درج کرنے رک گئے۔

رہنے والوں کو معدے، مسلسل اسہال اور جلدی خارش نے پکڑا۔ رات کو مضحکہ خیز خواب آتے۔ ایک صبح میں کانپتا جاگا :خواب میں ایک ننھا ایف-16 بائیں کھڑکی سے آیا، بستر سے ایک فٹ اوپر گزرا اور فرانسیسی کھڑکی سے چیختا نکل گیا—ایک انچ کا پائلٹ میرے کمرے میں کیوں اڑ رہا تھا؟

مغربی بیروت وقت سے باہر تھا؛ گھڑی 6 جون پر رک گئی۔ حمرا کی کتابوں کی دکان میں تازہ غیر ملکی اخبار اسی تاریخ کے تھے۔ ہوائی اڈے پر ان پروازوں کے بورڈنگ کارڈ پڑے تھے جو نہ اڑیں؛ پیرس جانے والا MEA طیارہ وہیں تھا، کھانا سڑ چکا، پھر اسرائیلی گولے نے اسے تباہ کیا۔ سڑک پر بس اسی اسٹاپ پر کھڑی تھی جہاں ڈرائیور نے 6 جون کو سروس روک دی تھی۔

امریکن یونیورسٹی میں طلبہ عثمانی اخبار کھنگالتے یا ٹینس کھیلتے، رومی ستون بیلوں تلے دھوپ کھاتے—بس سبزہ زار کے نیچے طیارہ شکن توپ کھڑی تھی۔ ڈبلن کے پروفیسر جان رائن گرین ہاؤس میں مختلف کھاد والی فصلوں کی پیداوار ناپ رہے تھے؛ چھت کے گولہ زدہ سوراخ اور جڑوں میں شیشے کے ٹکڑے باہر کی حقیقی دنیا کا ثبوت تھے۔

حقیقی دنیا فاکھانی میں تھی :بے در و کھڑکی عمارتیں، شیشے بھرے فٹ پاتھ، کنکریٹ، پردوں، دھات، انسانی باقیات اور تاروں کی تہیں۔ ریت کی بوریوں کے پیچھے پی ایل او ترجمان محمود لابدی کا گھٹا ہوا دفتر تھا۔ خوش گفتار سوشلسٹ اب عمل کا آدمی بننا چاہتا تھا، مگر پھیلی پتلون اور چھوٹا ریوالور اسے جھٹلاتے۔ وہ مذاکرات اور اصولی عدم سمجھوتے کی بات کرتا، لفظ ''انخلا ''زبان پر نہ لاتا۔ دیواروں پر بندوق بردار فلسطینی لڑکیاں، پوست کے کھیتوں میں فدائین اور یروشلم پر شہیدوں کے چہرے تھے؛ کوئی اشارہ نہیں کہ یروشلم پہلے سے دور اور پوست کے کھیت اسرائیل کے پاس تھے۔ باہر ناکارہ اسرائیلی بم رنگ اور جسامت سے سجے تھے۔

کیا یہ محاصرہ تھا جب شہری گولوں کے وقفے میں آ جا سکتے تھے؟ میوزیم کراسنگ پر چھ فوجیں ایسے دشمن سے مورچے بچاتی تھیں جو سڑک کے دوسرے سرے پر کبھی نہ آیا: خمینی کا لاکٹ پہنے امل جنگجو، برمی فلسطینی گوریلا، ناصر کی تصویر والے سنی ناصری، لبنانی سپاہی، اسرائیلی سپاہی اور فالانج افسر۔ سب ایک دوسرے کی موجودگی سے انکار کرتے۔ وہیں میری گاڑی ٹرک سے ٹکراتے بچی تو زنگ آلود بس شیلٹر سے ٹریفک پولیس والا نکلا اور دنیا کی مشہور محاذی لکیر پر ٹریفک خلاف ورزی کی تنبیہ کر دی۔

اے پی دفتر میں نک ٹیٹرو کی ٹیلکس پر گالیاں، نصار کے چرچل سگار اور گولوں کے درمیان چارلس عاصی کی کافی معمول کا سہارا تھے۔ دو بلیاں اور ایک کتا پناہ لینے آئے؛ ایرلن ٹیٹرو ذہین کی PTT جانوروں سے محبت اور بے وقوف رپورٹرز سے نفرت کرتی تھی۔ بجلی بند ہونے سے بیٹریاں ختم ہوئیں تو انجینئر فرانسوا غطاس نے اے پی جنریٹر سے محاذ پر واقع مواصلاتی مرکز کو بجلی دی اور کمپیوٹر پھر چل پڑا۔ فؤاد السعید نے پرانا ہیم ریڈیو انگلستان سے جوڑا تاکہ باقی سب رابطے ٹوٹ جائیں تب بھی خبر بھیجی جا سکے۔

لبنان میں انجام کبھی پوری طرح نہ آتا۔ تیسرے ماہ مغربی بیروت میں تازہ پھل ملے، بعض عبرانی ڈبوں میں؛ لبنانی انہیں اسرائیلیوں سے ہزاروں ڈالر میں خرید رہے تھے۔ ایندھن بھی رشوت سے ملتا، کبھی اسرائیلی فوج سے۔ ایک ایجنسی نے مبینہ طور پر روسی نژاد یہودی عملے کی رضامندی سے مرکاوا ٹینک کا ذخیرہ خالی کیا۔ بندرگاہ پر اسرائیلی سپاہی لبنانی ٹیکسی والے کو راشن بیچ کر ہاتھ ملا رہا تھا۔ لبنان اسرائیلیوں کو بھی اسی طرح بدعنوان کر رہا تھا جیسے پہلے شامیوں کو۔

بیروت کی لڑائی دو غیر ملکی فوجوں کا سادہ مقابلہ نہ تھی۔ دونوں اپنے سیاسی و عسکری مقاصد کے غیر اخلاقی نتائج سے آلودہ تھے۔ عرفات جانتا تھا پی ایل او جائے گی، مگر سیاسی فائدہ اور ضمانتیں لینے کو تاخیر کرتا۔ اسرائیل جانتا تھا وہ جائے گی، مگر تاخیر اپنی فتح کے فوائد کھو دینے سے

ڈرتا۔ اسرائیل جنگ بندی توڑ کر زمینی فائدہ لیتا، پی ایل او انخلا کا وعدہ کرکے مذاکرات بڑھاتی۔ ہر فضائی حملہ عرفات کے حق میں دلیل بنتا کہ دشمن مقصد کے لیے کس خونی حد تک جائے گا۔

عرفات امریکی حفاظت میں نکلنا نہیں چاہتا تھا—یوں لگتا پی ایل او اسرائیل سے بچنے امریکا کے پیچھے چھپ رہی ہے۔ مگر اسے یہ خوف بھی تھا کہ امریکی تحفظ نہ ہوا تو اسرائیل راستے میں گوریلے یا بعد میں کیمپوں کے شہری مار دے گا۔ اس لیے امریکی، فرانسیسی اور اطالوی دستوں کی کثیر قومی فوج قبول تھی؛ خرابی کی ذمہ داری سب پر آتی۔

29 جولائی کو عرفات صائب سلام سے پھر ملا۔ اسرائیل کی چوبیس گھنٹے کی مہلت ماننا شکست تسلیم کرنا تھا۔ وہ دبلا اور تھکا تھا مگر صاف وردی، جرمن ٹوپی اور چمکتے بوٹوں میں جدید گوریلا جنرل بنا نکلا۔ بولا حبیب سے کوئی ''سرکاری تجویز'' نہیں ملی۔ میں نے بارہ گھنٹے میں واضح جواب کی بات پوچھی تو چیخا'' :کیا آپ مسٹر حبیب کے سرکاری ترجمان ہیں؟ ''اصل لفظ ''سرکاری ''تھا۔ وہ امریکی اعتراف کے بدلے انخلا چاہتا، امید تھی ریگن کی اسرائیلی محاصرے سے شرمندگی واشنگٹن کی پرانی شرطوں پر غالب آئے گی۔[2]

بعبدہ میں سرکیس اور حبیب گولوں کے شور میں تجاویز پر بحث کرتے۔ بحمدون کی بے نتیجہ لڑائی میں اسرائیل کے ستائیس فوجی مارے گئے۔ 10 جولائی کو ایک اسرائیلی افسر نے اپنی طاقت دکھانے کے لیے اخباری فوٹوگرافروں کو صدارتی محل کے قریب بڑا اسلحہ ڈپو دکھا دیا۔ پی ایل او نے اگلی شام اخبار دیکھ کر کاتیوشا برسائے؛ پانچ میل دور کانتاری میں بھی دھماکا محسوس ہوا، آگ اور سیاہ دھواں ایک میل بلند تھا۔ 4 اگست کو ہوائی اڈے کے قریب گولہ باری میں تیرہ اسرائیلی مرے، انیس زخمی اور چھ صدمے سے ناکارہ ہوئے۔ افسران نے شیرون کی ''گھیرا کسنے ''کی پالیسی کو ذمہ دار ٹھہرایا۔[3]

یہ نقصان لبنانی و فلسطینی شہری تباہی کے مقابل کچھ نہ تھا۔ اسرائیل کی آخری پانچ سو سے زیادہ فوجی اموات بھی مجموعی مقامی ہلاکتوں کا تقریباً ساڑھے تین فی صد تھیں، مگر انہی سے اسرائیل کی جنگ مخالف تحریک بڑھی، جو صبرا و شتیلا کے بعد عروج پر پہنچی۔

لبنانی مسلمان ملیشیائیں چاہتی تھیں آخری اسرائیلی حملہ محدود رہے۔ دروز نے عین المریسہ میں مٹی کے بند بنا کر پی ایل او کو گھروں میں مورچے بنانے سے روکا۔ رملۃ البیضاء کے باشندوں نے تہ خانوں میں فلسطینی گولہ بارود دیکھ کر کموڈور یا برسٹل ہوٹل میں سونا بہتر سمجھا۔

افواہ تھی محاصرے میں باسک ETA کے تربیت یافتہ ارکان، سوویت ''مشیر''اور شاید فرانس میں مطلوب ''رامیریز''—کارلوس دی جیکال—بھی پھنسے ہیں۔ اسرائیل پی ایل او پر یورپی دہشت گردوں کو تربیت دینے کا الزام لگاتا؛ جاپانی ریڈ آرمی کے لوگ آتے کا بھی دعویٰ تھا۔ میں IRA نے بنگلہ دیشی، ایرانی، برمی اور پاکستانی رضاکار دیکھے، آئرش نہیں۔ پھر ایک شام بم دھماکے کے بعد پناہ گاہ میں نیلی آنکھوں اور سرخی مائل بالوں والا یورپی جنگی لباس اور اے کے-47 لیے ملا۔ خود کو کینیڈین کہتا تھا، مگر میں نے اسے 1972ء میں بوگ سائیڈ میں بندوق اٹھائے دیکھا تھا؛ وہ IRA کا آدمی تھا۔ بولا'' :گولوں سے بچنا، باب۔ ''پھر کبھی نہ ملا۔

بیروت سے نکلنا مشکل نہ تھا؛ رشوت لے کر فالانج فلسطینی خاندان نکالتے تھے۔ اسی محاصرے میں اغوا کار امریکن یونیورسٹی کے قائم مقام صدر ڈیوڈ ڈاج کو مغربی بیروت سے ایران لے گئے۔ 19 جولائی کا اغوا اس وقت معمولی خبر لگا۔ ہم اسلامی جہاد کا نام نہیں جانتے تھے، نہ سمجھتے تھے ایرانی انقلاب شیعہ امنگوں میں کتنا گہرا اتر چکا ہے۔ ایک طالب علم کے مطابق رینالٹ میں دو مسلح افراد آئے؛ ڈاج نے بیٹھنے سے انکار کیا تو پستول کے بٹ سے سر پر مارا۔ بظاہر یہ ایک معمول کا اغوا تھا—جلد وضاحت ہو جانے والی۔

ہم نے سمجھا ڈاج جلد رہا ہو جائے گا۔ دو روز پہلے وہ برسٹل ہوٹل میں ہمارے ساتھ کھانا کھاتے امریکی سفارت کاروں کا مذاق اڑا رہا تھا جو اسے مغربی بیروت چھوڑنے کہتے؛ اس کا اصرار تھا یونیورسٹی کھلی رہے۔ مگر رہائی ایک سال بعد شامی مدد سے ہوئی اور اس نے خاموشی کا حلف لیا۔ تین برس میں اغوا اسرائیلی حملے سے بھی زیادہ دیرپا مغربی خوف بن گیا۔ اسلامی جہاد ٹیری اینڈرسن کو خاندان، دوستوں اور ساتھیوں سے چھین لے گا۔ ہم نے موسیٰ صدر کی گمشدگی کی طرح اس واقعے کا مفہوم بھی نہ سمجھا۔ اگلی جنگ کے بیچ اسی جنگ میں سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ نظر انداز ہوئے۔

اس جنگ میں موت کے ساتھ خیالستان بھی تھا۔ صبح فلسطینی محافظوں سے بات، سہ پہر انہیں تباہ کرنے والی فوج کے ساتھ چائے۔ جولائی میں کپتان ماہر اور لیفٹیننٹ شیرون بیروت ہوائی اڈے کی ایک رن وے، بارودی سڑکوں اور چوتھائی میل رکاوٹوں کے آر پار تھے۔ کبھی ملے نہیں، مگر دونوں کی فائرنگ کی حدود ایک ہی کھنڈر اور کوڑے کے ڈھیر ڈھانپتی تھیں۔

دو بچوں کا باپ ماہر سوچ سمجھ کر سگریٹ ہولڈر سے پیتا، جیسے ہر جملے میں سیاسی گھات ہو۔ تئیس سالہ شیرون تل ابیب کے متوسط گھر کا بھورے بالوں والا بے تکلف نوجوان تھا۔ ماہر ڈیموکریٹک فرنٹ اور شیرون اسرائیلی فوج میں کمپنی کمانڈر؛ دونوں جنگ سے بچ گئے، اگرچہ ایک دوسرے کی موت پر راضی ہوتے۔

ماہر تک پہنچنے کے لیے صبرا و شتیلا کے کھنڈر، مٹی کے مورچے، گندے پانی والی گلی اور طیارہ شکن توپ پار کی۔ گولیاں جنگ بندی کی کیفیت بتاتی تھیں۔ دبلا، مونچھ اور چھوٹی داڑھی والا ماہر مکھیوں کو گرم کافی سے ہٹاتا بیٹھا؛ وردی پر فلسطین اور سرخ ستارے کا نشان، جیبوں میں میگزین اور کمر پر دستی بم۔

وہ فوج سے زیادہ سیاست بولا۔ خط و کتابت سے انگریزی پڑھی اور سوویت اکیڈمی نے زبان میں نعرہ بھر دیا" :اسرائیلی ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میرا جذبہ حملہ آور کا سامنا کرنے والے فلسطینی کا ہے۔ جو مجھے ختم کرنا چاہتا ہے، میں اسے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ "وہ "مارنا "اور "لڑنا" نہیں کہہ سکتا تھا؛ "خاتمہ "اور "مقابلہ "کہتا۔ اپنی بیان بازی میں بھی اسرائیلی محاصرے جتنا پھنسا تھا۔ مغربی صحافی ایسی زبان میں اصل انسانی خیال ڈھونڈنے سے عاجز رہتے۔

میں نے پوچھا، کیا حقیقت میں فلسطینی پھنسے اور انقلاب مغربی بیروت کے کوڑے میں ختم نہیں ہو رہا؟ وہ بولا" :عسکری طور پر محاصرہ ہے، مگر آگے بڑھے تو اسرائیلی خود پھندے میں ہوں گے۔ چند میٹر لے سکتے ہیں، نکل نہ سکیں گے۔ "سننے والے پانچ گوریلے سر ہلاتے تھے، مگر اس کے برابر یقین سے نہیں۔ پھر ماہر "عرب رجعتی حکومتوں"، کیمپ ڈیوڈ اور امریکی سازش کی زبان میں بھٹکا۔

اس نے مانا پی ایل او نے محدود پسپائی پر بات کی ہے، پھر پوچھا اسرائیلی ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے بتایا :دہشت گرد، اور شہری علاقوں میں بندوقیں چھپانے والے۔ کیا یہ سچ تھا؟ اس نے ہلکی مسکراہٹ سے کہا" :ہاں، سچ ہے۔ "سوویت ہتھیار بھی توقع سے کم قابلِ اعتماد تھے۔ مگر وہ دہشت گرد نہیں تھا" :میں انسان ہوں، سامنے اسرائیلی سپاہی بھی۔ ریگن اور بیگن بھی، میری روز گولہ باری سہتی بیٹی بھی۔ مگر حملے اور جبر کا شکار انسان، حملہ کرکے شہری مارنے "والے سے بہتر ہے۔ سامنے والا میرا دشمن ہے۔

کیا کبھی اسرائیلی سے ملا؟ "نہیں، بندوق کے ذریعے بات کی۔ "چھ برس سے سپاہی تھا؛ پہلے سیاسی شعبے میں، پھر لگا فوجی ہونا ضروری ہے۔ اس کی اصل کشمکش اپنے اندر، نظریے اور حقیقت کے درمیان تھی۔

دوسری طرف لیفٹیننٹ شیرون تباہ عمارت میں یہودی سبت پر افسروں کے ساتھ ٹیبل ٹینس کھیل رہا تھا—وردی کی قمیص، شارٹس اور دوڑنے کے جوتے؛ آدھا سپاہی آدھا سیاح۔ حولون میں محبوبہ تھی، فوج کے بعد منصوبہ نہیں۔ بولا" :ابتدا اصلی جنگ تھی—گولی، دوڑ، سپاہی کا کام۔ پھر لبنان کی سیر بن گئی۔ شہریوں سے بات، تقریباً معمول کی زندگی۔ دوبارہ نہیں چاہتا، مگر کل کرنا پڑا تو کل کی طرح اچھا کروں گا۔"

وہ اور ماہر شاید عالیہ میں ایک دوسرے کے سامنے لڑے تھے۔ ماہر کا نام نہ جانتا تھا" :وہ یقیناً انسان ہے، فلسطینی بھی میرے جیسے۔ اسرائیل یا کہیں اس کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ مگر لڑنا پڑا تو لڑیں گے۔ "جنگ کی وجہ اس کے ذہن میں صاف تھی :شمالی اسرائیل کا دفاع، دشمن کی ہتھیار اور ہراساں کرنے کی صلاحیت ختم کرنا؛ چالیس یا ساٹھ کلومیٹر کی بات الجھن تھی۔

سرکاری ترجمانوں سے مختلف، وہ بار بار "دہشت گرد "نہ کہتا۔ پوچھنے پر بولا اب گوریلے اسرائیلی فوجی مارتے ہیں، اس لیے دہشت گرد ہیں؛ کل بندوق رکھ کر بات کریں تو بیروت سے جا سکتے ہیں۔ اسے یقین تھا گزشتہ دس برس کی کارروائیوں کے ذمہ دار وہ ہیں۔ چند سو غیر ملکی رضاکاروں کو اس نے بڑی تعداد میں کرائے کے سپاہی سمجھا، مگر سیاسی محرک بھی مانا۔

ایک واقعہ اسے بے چین کرتا تھا :فلسطینی مورچے سے باہر آئے، عرفات کی تصویریں لہرا کر ناچے اور اسرائیلیوں پر چلائے۔ اسرائیلی حیران رہے، گولی نہ چلائی۔ "فلسطینی مسئلہ بہت پرانا ہے۔ حل نہ ہوا تو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ کوئی انہیں رکھنا نہیں چاہتا، یہی مسئلے کی بڑائی ہے۔ "کیا ایک روز فلسطینی ریاست قبول کرے گا؟ خاموش ہوا :افسر سیاسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

یوں شیرون سیاست پر نہ ٹھہرنے والا سپاہی اور ماہر ہر فوجی فعل کو سیاست سے نہ جدا کر سکنے والا گوریلا ہوائی اڈے کے آر پار تھے۔ شیرون کی دوربین سے میں ماہر کی عمارت دیکھ سکتا

تھا، اسرائیلی نہیں جانتے تھے۔ شیرون نے کہا" :یقینی بات صرف یہ ہے کہ ہم جائیں گے تو "بیروت میں کوئی فلسطینی فوج باقی نہ ہوگی۔

جولائی کے آخر میں تقریباً روز، گھنٹوں طیارے آتے—روشن آسمان میں چاندی کی مچھلیاں، پھر کیمپوں، کورنیش اور اپارٹمنٹس کی طرف جھپٹتیں۔ 22 جولائی کو جنوب میں فلسطینی گھات میں پانچ اسرائیلی فوجی مارے گئے تو کفیر اور ایف-16 کے جھنڈ مغربی بیروت پر بدلہ لینے آئے؛ ہمیشہ کی طرح ردعمل اصل حملے سے کہیں بڑا۔ ایرلن، اینڈرسن اور میں چھت پر طیاروں کو کیمپوں پر جھپٹتے حیرت سے دیکھتے۔ عمارتوں سے بھورے مردہ دھوئیں کی سرنگیں پھوٹتیں، زمین منٹ بھر کانپتی؛ آسمان جہاز، طیارہ شکن دھماکے اور میزائل کی لکیروں سے بھرا تھا۔

ہم تہ خانے نہ جاتے۔ صیدا کے بعد وہاں ٹھہرنے کے لیے ہم خود کو بہادر نہ سمجھتے؛ چھت پر چھروں کے بیچ لفٹ کے کمرے یا تین فٹ دیوار کے پیچھے دبکتے۔ اسرائیل نے ساتویں "جنگ بندی "کہی، اگلے روز پھر آیا اور دعویٰ کیا دوسروں نے توڑی۔ کورنیش پر طیارے سمندر سے سیاہ پرندوں جیسے آئے؛ میزائل سفید دھواں چھوڑتا اپارٹمنٹس کے بیچ گرجا، خطا ہوا اور سمندر میں گر گیا۔

ان حملوں کے لیے "ہیبت ناک "کے سوا لفظ نہ تھا :اچانک، مکمل، ناقابلِ فرار فنا کا بنیادی خوف۔ اکثر جہاز صرف بڑھتی گرج میں سنائی دیتے، بم دکھائی نہ دیتا۔ یہ پائلٹ کون تھے؟ وہ اسرائیلی نہیں جن سے ہم روز ملتے۔ کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ ہزاروں شہری، پورے خاندان دیوار، فرش اور فرنیچر کے بیچ ایسے کچلتے کہ لاشیں ایک دو انچ موٹے سائے اور سر ٹوٹے انڈوں جیسے نکلتے؟ بیروت انہیں حیفا یا تل ابیب جیسا نہ لگتا؟ کیا "دہشت گرد "کا لفظ انہیں بھی بے حس کر گیا تھا؟

اسرائیل نے پائلٹوں کے انٹرویو سے انکار کیا۔ اس کا دعویٰ تھا دنیا کی نفیس ترین فضائیہ دشمن کو نقطے کی درستگی سے چنتی ہے۔ ”جراحی جیسی درستگی“ کا گھسا پٹا فقرہ اسرائیل میں بیٹھے نامہ نگاروں کی خبروں میں آ گیا۔ مگر سوال تھا: کیا وہ غلطی سے شہری مار رہے تھے، یا درست نشانہ لگا کر جان بوجھ کر؟ لبنانی و فلسطینی مساوات صاف تھی—یا نااہل، یا قاتل۔ دونوں دعوے ایک ساتھ درست نہ ہو سکتے تھے۔

27 جولائی کو میں نے بم دیکھا: نصف سیکنڈ کے لیے شہاب کی طرح روشے کے دو اپارٹمنٹس کے بیچ گرا، دھماکا سر کے پچھلے حصے سے نکلتا محسوس ہوا۔ بھورا دھواں اور گرد مجھے لپیٹ گئے، پھر جاتے جیٹ کی آواز آئی۔ ہمارے حساب سے واپسی میں دس منٹ ہوتے—بچ جانے والوں کو ختم کرنے یا امدادی کارکن کھلے میں پکڑنے؟ معلوم نہیں۔

نک ٹیٹرو اور میں اسکندر اسٹریٹ پہنچے۔ آٹھ منزلہ عمارت نصف اڑ کر دس فٹ بلند دبے کنکریٹ کا ڈھیر تھی۔ نو منٹ۔ کینیڈین سفیر کی رہائش جل رہی تھی۔ دو آدمی غلیظ چادر اٹھائے آئے، مائع ٹپکتا، کپڑے اور ایک سیاہ پاؤں باہر۔ آٹھ منٹ۔ تین فٹ موٹے ملبے نے سڑک بھری؛ کم عمر بندوق بردار ایمبولینسوں کو راستہ دے رہے تھے؛ بھورے بالوں والی نوجوان ریڈ کراس لڑکی سفید کوٹ میں خوف و جوش سے مٹی کے بند پر چڑھی۔ سات منٹ۔

پردے، ٹیلی فون تار اور کولنز کی نیلی مصور انسائیکلوپیڈیا کے پھٹے جلد—حملے کا عام، الم ناک ملبہ۔ چھ منٹ۔ ایک پسینے سے بھیگا شخص بولا” :یہاں شہریوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ فلسطینی توپ اگلی عمارت میں تھی، اسے نہیں مارا۔ “قریب شامی ٹی-54 بھی پارک میں سلامت۔ پانچ منٹ—ہم اسے نصف وقت کہتے۔

انہوں نے یہ کیوں کیا؟ “ٹیٹرو نے پوچھا۔ عمارت میں ولید جنبلاط کے ایک وکیل” کے رہنے کی افواہ تھی۔ شوہر، بیوی اور دو بیٹیاں مرے—کینیڈین سفیر کے دوست۔ چار

منٹ۔ قریب فلسطینی محافظ اور کئی سو پناہ گزین تھے، سڑک میں بارودی سرنگیں؛ مگر اسکندر اسٹریٹ کے مکین شہری تھے، کئی سفیر۔ تین منٹ۔ بیروت کی تین باقی فائر گاڑیوں میں ایک آئی، ناقص لباس عملہ پتلی دھار سے آگ بجھاتا، آسمان دیکھتا—لندن بلٹز کی پاگل تصویر۔ دو منٹ۔ ٹیٹرو بولا'' :چلو فسکی۔ ''ہم دوڑنے کے بجائے چلنے کی ''!کوشش کرتے، طیارے سنائی دیے، ریڈ کراس لڑکی بھاگی'' :اب چلو

ناتانیا، اسرائیل—14 اپریل 1987ء۔ فٹ پاتھ آزالیہ کے پھولوں سے بھرے تھے، جھاڑیوں کے پیچھے صاف یک منزلہ گھر۔ بریگیڈیئر جنرل اسپیکٹر شارٹس اور سینڈل میں باغ کی گھاس اکھیڑ رہا تھا—لمبا، سانولا، نرم چہرہ۔ ''آپ پہنچ گئے !اندر آیئے، باہر چائے پئیں؟ کیا خوب دوپہر ہے۔ ''بیوی علیزہ مسکرائی، گھر میں نوعمر بیٹا اور باخ کی ماس اِن بی مائنر کی آواز۔

اسپیکٹر مہذب، ذہین، ہتھیار کی اخلاقی پاکیزگی پر بات کرنے والا زندہ دل آدمی تھا—اور انہی پائلٹوں میں سے ایک۔ بڑی سوچتی آنکھیں، خوش گوار بیوی اور باخ؛ پانچ برس پہلے اسی نے عقاب آسمان سے اتارا تھا، انہی جہازوں میں جنہیں ہم خوف اور ہیبت سے دیکھتے تھے۔

اس نے گلیلی کے فضائی اڈے کی کمان کی اور اپنے اسکواڈرن کے ساتھ بیروت پر پروازیں کیں۔ بولا'' :احساس یہ نہ تھا کہ مکمل شہری علاقہ مار رہے ہیں۔ شہر میں متعین نقطے تھے، زمینی لڑائی کی مدد؛ دوسری عالمی جنگ جیسی وسیع بمباری نہیں۔ کچھ وقت لگا سمجھنے میں کہ اس جنگ میں چیزیں مختلف ہیں۔ ''بعد میں مقبوضہ شہر میں نقصان دیکھنے نہیں گیا'' :مشن، واپسی، دس پندرہ منٹ ''بریفنگ، پھر حملہ؛ روز دو تین۔

کچھ پائلٹ ابتدا سے کہتے تھے ہم شہری علاقوں پر بم برسا رہے ہیں۔ اسپیکٹر کے مطابق فضائی سربراہ ڈیوڈ عِوری سب سے حساس تھا اور ہر بریفنگ میں بحث ہوتی۔ قاعدے تھے :مقرر

ہدف نہ ملے تو غیر ہدف پر بم پھینکنا بالکل منع؛ اتفاقی ہدف صرف وہ جو فائر کرے، وہ بھی آبادی سے تین میل باہر۔ آبادی میں گولی چلانے والے ''دہشت گرد''پر بھی حملہ منع۔

کیا سب نے مانا؟ اسپیکٹر خود بریفنگ دیتا اور پرواز کرتا تھا، مگر اہداف انٹیلی جنس افسر بتاتے، اہمیت اور وقت سمجھاتے۔ ہدف نہ ملے تو بم سمندر میں پھینکتے؛ پائلٹ کے اپنے ذرائع یا تصدیق کا طریقہ نہ تھا۔ انٹیلی جنس کون تھی، معلومات کہاں سے؟ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا'' :جواب نہیں دے سکتا۔''

ملک میں سوال اٹھنے لگے :شاید بمباری بہت اور بے نتیجہ تھی۔ یہودیوں کے ذہن میں محاصرے اور یہودی بستیوں کی تاریخی بازگشت تھی، مگر سامنے وہ ''دہشت گرد''بھی تھے جنہوں نے کیریات شمونہ اور معلوت میں اسرائیلی مارے تھے۔ اسپیکٹر کہتا زیادہ تر پائلٹ اہداف کی درستی پر یقین رکھتے تھے—مگر گنجان آبادی پر حملہ...

اسپیکٹر نے کہا گنجان بیروت میں ہدف بدلنے اور نقل و حرکت کا موقع بھی ملتا تھا۔ ''یا میں ... غلط ہوں؟''

میں نے نوٹ بک پر مغربی بیروت کا جزیرہ نما، کورنیش، کبوتر چٹانیں، روشے اور اسکندر اسٹریٹ بنائی۔ نیچے ایک مربع کھینچا :27 جولائی کو معصوم لوگوں سے بھری یہی عمارت بم سے اڑی، تقریباً سو شہری مارے گئے۔ کیا وہ اس دن پرواز پر تھا؟ اسے یاد نہ تھا—سچ کہتا تھا—مگر سوال ناگوار گزرا۔ بولا ممکن ہے انٹیلی جنس نے بدنیتی سے غلط ہدف دیا، یا پائلٹ سے غلطی ہوئی؛ اصل سوال اعداد کا ہے :پائلٹ یا انٹیلی جنس کتنی غلطیاں کرتے ہیں؟ وقت غلط تھا، شاید ''دہشت گرد''نکل گئے تھے۔

کیا پائلٹ اخبارات میں نتائج نہ پڑھتے؟ ''پڑھتے تھے۔ مگر بیگن کا مؤقف تھا ہٹلر معصوموں والے گھر میں ہو تو وہ گھر بم سے اڑا دے گا۔ ''اسپیکٹر خود اس اخلاقی مفروضے سے بے چین

دکھا۔ آخری ہفتوں میں سوال بڑھے۔ ابتدا میں شاید خیال تھا چند عمارتیں ماریں گے تو لوگ نکل جائیں گے؛ پھر عمارتیں بڑھتی گئیں اور اسکول کی اخلاقی تربیت جاگی۔ کمانڈر پائلٹوں کو "انتہائی مسئلہ خیز اہداف "کی تنبیہ کرتے۔ جنرل عِوری کہتا" :آخر لبنان سے امن کرنا ہے؛ ہم اسے برباد "کرنے نہیں آئے۔

درخت تلے علیزہ چائے اور کیک لے آئی—لڑاکا پائلٹ کے ساتھ چائے، باخ خاموش ہو چکا۔ اسپیکٹر بولا" :جنگ میں لوگ مارے جاتے ہیں؛ یہی جنگ ہے۔ ہم انٹیلی جنس پر بہت بھروسا کرتے تھے، عقیدہ نہیں مگر ملک امن میں بھی اسی پر چلتا ہے۔ یومِ کپور کی ایک ناکامی کی قیمت "دی۔

مگر یہاں انٹیلی جنس غلط تھی؛ ہزاروں شہری، پورے اپارٹمنٹ تباہ۔ آخر اس نے بریفنگ کا طریقہ بتایا :نقشہ، افسر کہتا فلاں گھر "دہشت گردوں کا مرکز"، اتنے افراد، فلاں وقت موجود ہونے کا امکان۔ یعنی کوئی ان کی عادتیں جانتا تھا۔ مگر 1982ء کے مغربی بیروت کو جاننے والا سمجھتا یہ بکواس تھی۔ اسپیکٹر نے کہا شاید کوئی نقشے پر ایک ایک گھر پر نشان نہ لگا رہا ہو، مگر انٹیلی جنس کچھ لوگوں کو مارنے کی کوشش کرتی تھی اور طریقہ بے اثر نکلا۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ جنگجو عمارت لیتے تو بیشتر شہری نکال دیتے، باقی کو ڈھال بناتے؛ ہدف "فوجی بنا دیا گیا "سمجھا جاتا۔

انہیں کب معلوم ہوا سب غلط تھا؟ "صبرا و شتیلا قتلِ عام سنگِ میل تھا۔ تب سمجھا محض غلطی نہیں، کام ہی غلط ہے۔ پائلٹ بار بار پوچھتے :اہداف واقعی درست ہیں؟ "اب اس کی جھجک ختم ہو گئی۔ یومِ کپور میں جنگ ریاست کی بقا کی تھی، مگر کچھ پائلٹ دورانِ جنگ امن پسند بن گئے؛ افسر کہتے نظریہ پرواز کی تربیت سے پہلے طے کرو۔ لبنان میں انہیں یقین دلایا جاتا کہ وسیع اندھا دھند حملہ نہیں، معلومات درست اور جنگ "دہشت گردوں "کے خلاف ہے؛ تم تل ابیب

کی حفاظت میں رہتے ہو، کیریات شمونہ میں نہیں۔ مگر جنگ کی غیر یقینی سامنے آتے ہی فضا تیزی سے بدل گئی۔

اسپیکر لفظ ''دہشت گرد ''زیادہ کہنے لگا؛ توجہ دلائی تو رک گیا۔ میں نے پوچھا بیروت پر بم گراتے کیسا لگتا، شہر اوپر سے کیسا تھا؟ ''کچھ حیفا جیسا۔ ''دونوں جزیرہ نما، بلند عمارتیں، پیچھے پہاڑ، باہر زمین اور سمندر۔ اچانک سمجھ آیا پائلٹ شاید حیفا کے اوپر مشق کرتے؛ وہ اسرائیلی بندرگاہ بیروت کی اصل یلغار کا نمونہ تھی۔

وہ باغ کی کرسی میں کاک پٹ کی طرح سیدھا بیٹھا'' :حملے کے چند سیکنڈ میں عمومی سوال نہیں سوچتے۔ واپس آکر پھر انسان بنتے اور اپنی تربیت کے مطابق برتاؤ کرتے۔ تکنیکی کام میں مکمل توجہ ہوتی ہے۔ ''پھر کمپیوٹر کے ہوتے غلطیاں کیوں؟ اس نے کہا کمپیوٹر ہدف نہیں ڈھونڈتا، صرف بم چھوڑنے کا لمحہ حساب کرتا ہے۔ ہدف پائلٹ آنکھ سے ڈھونڈتا۔ ہاتھ میں عمارت کی تصویر ہوتی، زمین سے ملاتا۔ بائیں ہاتھ میں فرضی تصویر اور دائیں میں خیالی کنٹرول پکڑ کر اس نے دکھایا—ہم تصویر ہاتھ میں تھام کر نیچے عمارت تلاش کرتے تھے۔

مغربی بیروت—5 اگست 1982ء۔ طیارے گزرنے کے بعد مدھم دھماکے سنائی دیے، زمین کے اندر دروازے بند ہونے جیسی پرانی آواز۔ شارع اوسی پہنچے تو زلزلہ لگتا تھا۔ دو پانچ منزلہ اپارٹمنٹ برابر؛ تیس فٹ دبے کنکریٹ کے نیچے سامنے کے تباہ گھر سے چیختی عورت کے مطابق سو سے زیادہ لوگ۔

سڑک پر ایک دو لاشیں، خاکی لباس آدمی ہاتھوں سے فولاد اور شہتیر ہٹانے کی بے کار کوشش کر رہے تھے۔ ایک شخص ٹوٹے شٹر کے ڈھیر میں ہاتھوں میں چہرہ چھپا روتا، پھر خدا اور راہ گیروں سے فریاد کے لیے ہتھیلیاں اٹھاتا؛ بیوی اندر تھی۔ نو منٹ۔

ملبے کے پاس تین نوجوانوں کی بے دھچکا توپ والی جیپ سلامت تھی؛ حملے کے وقت وہاں نہ ہوگی۔ گلی عرفات کی اسکواڈ 17 کے قبضے میں اور کہیں پی ایل او دفتر تھا۔ آٹھ منٹ۔ کسی نے کہا عرفات نے انہی عمارتوں میں اجلاس کیا اور طیاروں سے چند منٹ پہلے نکلا۔ یہاں واقعی کوئی گھروں پر نشان لگا رہا تھا۔ مگر شہری ہمیشہ جنگجوؤں سے زیادہ تھے اور اسرائیل نے پھر شہری کاٹے۔ تہ خانے میں گاڑی ورکشاپ تھی؛ طیارے سن کر لوگ وہیں بھاگے اور پوری عمارت ان پر گری۔ ایک شخص چیخا" :تصویر لو، تمہارے بموں نے یہ کیا ہے۔ "سات منٹ۔

ہلالِ احمر کے پاس ٹنوں ملبہ اٹھانے کا سامان نہ تھا؛ ہم بے بسی سے قبر دیکھتے۔ مکین صبرا، شتیلا اور جنوب کے بے گھر لوگ تھے۔ کسی نے چلایا "طیارہ "!ہم سنایہ پارک کی طرف بھاگے۔ چھ منٹ۔ پسینے سے بھیگا اینڈرسن کوریائی نژاد اے پی کارکن سام کو کے ساتھ آیا۔ میں نے کہا پانچ منٹ ہو گئے؛ وہ بولا "بمباری نہیں، جاسوسی ہے۔ "آسمان میں چاندی کی شکلیں مچھلیوں کی طرح آہستہ چکر لگا رہی تھیں۔ ایک حاملہ عورت چیخ رہی تھی، شوہر ملبے میں تھا۔

چار منٹ۔ مجھے طیارے اچھے نہ لگے، میں نکلنا چاہتا تھا۔ ہلالِ احمر ملبہ نوچتا، توپ والی جیپ جا چکی، ایک کار ملبے اور پارک کے بیچ کھڑی تھی۔ تین منٹ۔ میں گاڑی لے گیا۔ امدادی کارکن گیارہ لاشیں نکال چکے، سامنے سے زخمی نکل رہے تھے—تب دھماکے نے سب کاٹ دیے۔ دس منٹ پورے۔ طیارہ نہیں، وہ کار پھٹی تھی۔ سام کو عورت کی بات لکھ رہا تھا؛ خون کے فوارے میں اس کا سر اڑا، کو زمین پر جا گرا، اینڈرسن کھنڈر میں۔ اوپر طیارے دیکھتے رہے۔ جاسوسی، ہاں—مگر کار بم ہم بھول گئے تھے۔

میں نے ٹائمز کو ٹیلکس کیا :اسرائیلی ٹینک ہر عمارت مار رہے ہیں؛ کموڈور کے کمروں میں تین ملی میٹر گولے، امریکن یونیورسٹی ہسپتال کے پاس گھر پر چار؛ ایک مرد اور شیر خوار مردہ، 75 سب شہری۔ واکر سے فوجی اہداف اور نقطۂ درستگی پر جواب لو۔ اے پی چل رہی اور میں یہیں

ہوں۔ بارنس کا جواب ٹوٹی لائن پر آیا" :جلد کچھ خبر بھیجو، رابطہ ٹوٹ سکتا ہے—خدا کے لیے خود کو گولی نہ لگوانا، خبر کے لیے بھی نہیں۔"

سڑک پر یہ نصیحت بے معنی تھی۔ این بی سی ٹیم کے ساتھ کورنیش تک رینگتے دیکھا گولے کھیل کے میدان، گفینور ٹاور کے شیشے، وزیر اعظم دفتر، برسٹل، کموڈور، پکاڈیلی سینما اور یونیورسٹی ہسپتال کے سامنے گھر پر گر رہے تھے۔ اینڈرسن اور میں نے چھ گولوں کا سنہرا شعلہ دیکھا، پھر ایک ہسپتال کی چھت پر۔ ہر دس سیکنڈ میں ایک گولا۔ فاسفورس حمرا، لوریان لوژور اور امریکی دفتر چیرتا گیا۔ UPI

اسے اندھا دھند کہنا کم بیانی، بلکہ جھوٹ ہوتا۔ 4 اگست کی اسرائیلی گولہ باری انتخابی تھی : مغربی بیروت کا ہر شہری علاقہ اور ادارہ—ہسپتال، اسکول، اپارٹمنٹ، دکان، اخبار، ہوٹل، وزیر اعظم دفتر، پارک۔ وادی ابو جمیل کی عبادت گاہ کی چھت بھی اڑ گئی، جہاں بیروت کی بچی کھچی یہودی برادری رہتی تھی۔

میں خوف زدہ بلی کی طرح دروازے اے پی سے یونیورسٹی ہسپتال تک بھاگا۔ ہر طرف خون۔ ہنگامی وارڈ میں کم از کم سو مرد، عورتیں، بچے فرش پر اپنے خون میں یا اسٹریچروں پر کراہتے۔ دیوار پر قے اور خون؛ نیم برہنہ بوڑھی عورت، چھاتیاں اسٹریچر سے لٹکتی، دوسروں کے خون میں رو رہی تھی۔

مردہ خانے کی دیوار سے درجنوں بازو اور ٹانگیں لگائی گئی تھیں۔ مردہ بچے شفاف تھیلیوں میں، ننھے سروں کے اوپر اسٹیپل—جیسے مرمت کے لیے کارخانے واپس بھیجے جائیں۔ باہر آنتیں، کسی نے جسم جوڑنے کی کوشش کی :ایک ٹانگ، دھڑ، مگر دھڑ کے ساتھ تین بازو۔ فرش پھسلتا، معدوں کی بو۔ میں خود سے کہتا رہا :تین بازوؤں والا آدمی—آج صبح کسی نے تین بازوؤں والا آدمی بنا دیا۔

سنایہ پارک کے پناہ گزینوں کے پاس کنکریٹ نہیں، صرف خیمے تھے۔ عورتیں درختوں میں جانوروں کی طرح چیختیں، سر تا پا خون یا بارود کے دھوئیں میں خواب زدہ پھرتیں۔ بوڑھے زیادہ ہول ناک اور پھٹے دکھتے، نوجوان خون میں ڈوبے؛ مردہ بچے سوتے لگتے، صرف بال برابر خون کی لکیر موت بتاتی۔

ڈچلی، انگلستان—26 ستمبر 1987ء۔ فلپ حبیب بھاری بھرکم، بڑے چشمے اور بڑی بھوک کے ساتھ عشائیے کی میز کے سرے پر پاپڑ کھا رہا تھا۔ وہ بیروت میں ہم سے نہ بولا، اب بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں برابر بیٹھ کر 4 اگست پوچھتا رہا: وہ ریگن کا خصوصی ایلچی، اسرائیل سے بات کر سکتا تھا؛ خون کیوں نہ رکوایا؟

حبیب نے کہا" :میں بعبدہ میں تھا، سب دیکھ رہا تھا۔ اسرائیلیوں سے کہا شہر تباہ اور مسلسل گولہ باری کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ شیرون کو فون کیا، اس لعنتی نے کہا جو میں دیکھ رہا ہوں وہ ہو ہی نہیں رہا۔ میں نے فون کھڑکی سے باہر کر دیا تاکہ دھماکے سنے۔ اس نے کہا :یہ کیسی گفتگو ہے جس میں فون کھڑکی سے باہر پکڑا ہے؟"

مغربی بیروت—4 اگست 1982ء۔ شام کو اسرائیلی جنگی جہاز طیارہ شکن آگ کے بیچ کیمپوں پر بم برسا کر گلیلی لوٹے۔ تل ابیب نے کہا محاصرہ صرف "سخت" کیا، شہر فتح کرنے کی مکمل کوشش نہیں۔ مگر تھی۔ مرکاوا ٹینک میوزیم سے محاذ پار کرکے بربیر کے قریب آ گئے؛ شامی گھات نے پانچواں تباہ اور آگے پھنسے چار ٹینکوں کے عملے پر حملہ کیا۔ بیروت کی جنگ بے رحم ہو گئی۔

بچے کھچے سفارت کار کھل کر مذمت کرنے لگے۔ کینیڈین سفیر تھیوڈور آرکینڈ، اسکندر اسٹریٹ کے مقتول خاندانوں کا شناسا، بولا" :اسی افراد مرے—نقطۂ درستگی کا خوب ثبوت۔ میں

اسرائیلی موسیقاروں اور سائنس دانوں کا مداح تھا؛ سوچتا ہوں میرا جانا ہوا اسرائیل کہاں گیا، یقیناً ''بہت اسرائیلی بھی پوچھتے ہوں گے۔

اسرائیل شور سے بے پروا تھا، پوچھتا صحافی اسے دوسری عالمی جنگ یا ڈریسڈن کیسے کہتے ہیں۔ میں نے کسی نامہ نگار کو ایسا کہتے نہ سنا؛ تشبیہ واقعی مبالغہ ہوتی۔ مغربی بیروت بس ایک رسوائی تھا—ملبہ، ویرانی، اتنی تیزی سے پھٹے گھر کہ امدادی کارکن ابھی تہوں میں کھودنا بھی شروع نہ کر سکے۔

اصل سوال یہ تھا :ایک یا پانچ سال بعد اس قوم کا کیا ہوگا جسے باہر سے آئے لوگ امریکا، فرانس، برطانیہ اور مشرقی یورپ کے گولہ بارود سے اس بے مثال یلغار میں روندیں؟ اینڈرسن اور میں سوچتے لبنان کہیں ان طاقتوں، حملہ آوروں، زائرین اور غیر ملکیوں کے لیے خوف ناک انتقام تو نہیں پال رہا۔

ایک اور یک طرفہ جنگ بندی کے بعد نک ٹیٹرو اور میں اوزاعی کی ساحلی سڑک پر گئے۔ ایک گھر، ایک دکان بھی سالم نہ تھی۔ چار مربع میل کے شاید اسی فی صد اپارٹمنٹ، سفارت خانے، بازار اور دفتر چھیدے، جلے یا مکمل تباہ؛ رہائش، کلینک، گلی، قبرستان حتیٰ کہ فائر اسٹیشن بھی۔ سڑک پر گڑھے، زندہ گولہ بارود، بم خول اور ملبہ؛ دس میل فی گھنٹہ چلنا پڑا۔ صرف سفید قمیص میں نوجوان جنگجو اور سفید سرپوش والے پانچ بوڑھے کرد، گدے اور برتن اٹھائے سیدھا دیکھتے، جیسے سر موڑنے سے ناقابلِ برداشت یاد جاگ جائے گی۔

عرب سفارت خانوں کی قطار کھنڈر تھی، سمرلینڈ ہوٹل جزوی جلا۔ بیر حسن سے ہوائی اڈے تک گھروں کو سمندر سے گولوں نے چیر دیا؛ بعض گولے بیٹھک سے داخل، راہداری پار اور پچھلی باورچی خانے سے نکلے۔ اوزاعی کی ریت رکاوٹ سے دو سو گز آگے اسرائیلی ٹینک تھے۔ فلسطینی

مورچے اتنے کم کہ اسرائیل شہر میں آ سکتا تھا، مگر راستے میں اپنی فوج کی ویرانی کے سوا کچھ نہ دیکھتا۔

ہوائی اڈے کا اسٹیڈیم—چند حقیقی فوجی اہداف میں سے—کھل گیا، نشستیں ٹوٹیں۔ پیچھے صبرا کی دس منزلہ عمارتیں بیٹھی یا نصف کنارے سے مڑی کتاب کی طرح لٹکیں؛ آدھے کمروں میں صوفے، کرسی، پیتل کے چراغ اپنی جگہ، قالین خلا میں باہر۔ فاکھانی میں آگیں جل رہی تھیں کیونکہ عرب یونیورسٹی کے پاس فائر اسٹیشن کے دونوں انجن تباہ، پچاس میں بارہ اہلکار زخمی اور پانی کا دباؤ نہ تھا۔ پچیس آگیں صبح تک سلگ رہی تھیں۔

بربیر دو مزید گولوں سے دو ہفتوں میں تیسری بار لگا۔ ٹینک فائر نے صبرا قبرستان کے درخت جلائے، قبروں پر نیلا دھواں۔ برج البراجنہ میں جھونپڑی بھی سلامت نہ تھی؛ ملیشیا ہسپتال کی چھت پر بنے سرخ صلیب کے عین پاس بم پھٹا۔ نیچے چہرے پر گودنے والی بوڑھی فلسطینی ملی، جو دو ماہ پہلے جنوب کی فضائی بمباری سے یہاں آئی؛ شوہر اور بیٹا مغربی بیروت میں مر چکے تھے۔

شامی اور فلسطینی لڑے بھی۔ برج البراجنہ کے پاس جلے شامی ٹینک، اسرائیلی جنگی کشتی سے تباہ توپ خانہ۔ کورنیش مزرعہ کے سرے پر تین گوریلے آٹھ گھنٹے جیٹوں پر بے نتیجہ گولیاں چلاتے رہے، عمارتیں بموں سے خالی ہوتی رہیں؛ دلیری اور بے معنویت کے ساتھ چھروں میں فائر، یہاں تک کہ گولے نے درخت ان پر گرا کر توپ کے دہانے توڑ دیے۔

ہر شام مغربی بیروت کا دھواں اور گرد بحیرۂ روم پر دور تک جاتا؛ افق سے بیس میل پار امریکی جنگی جہازوں کے عملے اسے سونگھتے۔ شہر میں شام وقت سے پہلے اترتی، سورج سمندر میں نہیں سرخ پردے کے پیچھے ڈوبتا۔ سو میل دور حیفا میں بھی اسی اجنبی تاریکی نے افق ڈھانپا۔ طرابلس اور قدیم دیودار کے پہاڑوں سے فلسطین کی سرزمین تک آسمان گرم، خون کی طرح سرخ چمکتا تھا۔

حواشی

۱۔ شام کے سیٹلائٹ واجبات امریکی نیٹ ورکس نے ادا کیے۔ بعد میں واضح ہوا کہ شامی تبصروں اور اسرائیلی تصویروں سے زیادہ خائف تھے؛ اسی لیے آواز اور تصویر الگ راستوں سے بھیجنے کی تدبیر اختیار کی گئی۔

۲۔ 29 جولائی کی ملاقات میں بنیادی منصوبہ طے تھا: تمام پی ایل او جنگجو شام، اردن، عراق، الجزائر، جنوبی یمن، کویت اور امارات جائیں؛ کثیر قومی فوج انخلا کی حفاظت کرے؛ پی ایل او باہمی بنیاد پر اسرائیل کو تسلیم اور امریکا سے براہِ راست بات کرے؛ پھر شام اور اسرائیل کے ”مکمل انخلا“ کا نظام الاوقات بنے—ایک غیر معمولی خوش فہمی۔

۳۔ 1984ء میں پانچ ریزرو افسروں، جن میں تین کرنل تھے، نے ان اموات پر تحقیقاتی کمیشن مانگا۔ یروشلم پوسٹ، 13 اپریل، 9 اور 10 مئی 1984ء۔

باب 10

نصف شب میں طلوعِ سحر

رابرٹ فسک

"اب ہم اس منزل کے دہانے پر ہیں جس کے لیے نکلے تھے :بیروت میں خون ریزی کا خاتمہ..."

صدر رونالڈ ریگن، ستمبر 1982ء؛ صبرا و شتیلا کے قتلِ عام سے پندرہ روز پہلے —

السفیر ان اخباروں میں تھا جو خبر آنے سے بہت پہلے تیاری کرتے ہیں۔ اسرائیلی حملے سے ہفتوں پہلے مدیر باسم صباغ نے محاصرے میں اشاعت کے لیے کاغذ اور جنریٹر کا ایندھن جمع کیا۔ اگست کے شروع میں کارٹونسٹ ناجی العلی سے وہ خاکہ بنوایا جو فلسطینی انخلا کے پہلے دن پچھلے صفحے پر چھپتا۔

چار دن بعد میز پر آٹھ انچ مربع خاکہ تھا :کفیہ پوش فلسطینی گوریلا کندھے پر بندوق لیے لبنانی بائیں بازو کے ملیشیا والے کی طرف ہاتھ بڑھاتا، "اچھا، پھر خدا حافظ۔ "لبنانی جواب دیتا: "محتاط ابہام—روانگی کی تصدیق بھی، ان مغربی بیروتی مسلمانوں سے دوستی بھی" واقعی یقین ہے؟ جنھوں نے پی ایل او کی موجودگی کی بھاری قیمت دی۔ سچ نہیں، مگر بیروتی صحافت کی طرح حقیقت کا ایک نسخہ۔

السفیر بہادر چھوٹا اخبار تھا؛ امن میں پینتالیس ہزار، اب سات ہزار نسخے۔ صباغ اپنی بائیں بازو کی سیاست نہیں چھپاتا۔ روزانہ فروخت صرف دو ہزار ڈالر، اشتہار کم؛ 1975-76ء میں چار رپورٹر مارے، اسرائیلی حملے میں تین فوٹوگرافر شدید زخمی۔ شام اور لیبیا اجتماعی خریداری کرتے، یعنی دوسری شکل کی اعانت؛ اسی لیے اخبار ان پر کم تنقید کرتا۔ پھر بھی 1980ء میں غالباً شامی

حکم پر ناشر سلیم اللوزی کے قتل کو آٹھ کالمی سرخی دی۔ اسرائیلی گولوں میں زندہ رہنا خود سیاسی عمل تھا۔ بدترین دن چار صفحات، تباہی کی اکیس تصاویر اور کھنڈر میں تھکی عورت کو پھول دیتا بچہ: "صبح بخیر، لبنان۔"

السفیر رکا تو بیروت مر گیا، ہم اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ "عملہ ٹیلکس کے پاس گدوں اور پرنٹر تہ خانے میں گوس آف سیٹ مشینوں کے ساتھ سوتا۔ یہ فرانسیسی تخلیق کردہ عظیم لبنان کے مخالف پرانے پان عرب جذبے کا اخبار تھا؛ صباغ خود کو قومی تحریک کی آواز سمجھتا اور "اسرائیلی آنے تک "چھاپتا رہتا۔[1]

اسرائیلی آنے تک؟ انہوں نے وعدہ کیا تھا پی ایل او نکلے تو مغربی بیروت نہ آئیں گے۔ صباغ کو یقین نہ تھا؛ وعدے اور عزائم ٹکراتے ہیں۔ اس کے نزدیک سیاست و صحافت جدا نہیں: "جنگ میں ہمیں سیاست کرنا ہے تاکہ لوگ رہیں، مگر بیروت بچانے کے لیے فلسطینیوں کا جانا ضروری ہے۔ افسوس ہے، مگر سچ یہی ہے۔"

ہر رات ساحل سے امریکی چھٹے بیڑے کے دو جہازوں کی روشنیاں دکھتیں۔ میرین، فرانسیسی اور اطالوی فوج پی ایل او کو سمندر سے یمن، تیونس، سوڈان و مصر اور خشکی سے شام، اردن و عراق روانہ کراتی۔ اندھیرے میں جگنوؤں جیسی روشنیاں پیغام دیتیں: مغرب، امریکا آ رہا ہے؛ لبنان کا مستقبل محفوظ ہے۔

مگر مفروضہ پتھر بنتا تو اسرائیل توڑ دیتا۔ 10 اگست کو ٹائمز کے یروشلم نامہ نگار کرسٹوفر واکر نے اطلاع دی: بھاری سازوسامان تمہاری طرف آ رہا ہے۔ ہم نے معمول کی فوجی تبدیلی سمجھا، مگر محاصرے کے ٹینک پہلے موجود تھے—مزید کیوں؟

حواتمہ کے ڈیموکریٹک فرنٹ کا جمیل کموڈور ہوٹل آیا۔ کہا پی ایل او انخلا کرے گی، کیمپ غیر مسلح ہوں گے؛ عورتیں، بچے، بوڑھے رہ جائیں گے۔ امریکی اور حبیب کی تحریری ضمانت

انہیں محفوظ رکھے گی۔ ناروے کی سفارت کار آنے کارین آرویسن کو بڑی طاقت کی یقین دہانی پر اعتبار تھا۔ میری تھکن نے سادہ اصول بنایا تھا :اس جنگ کا ہر فریق اپنا ہر وعدہ توڑے گا۔

اسرائیل چالیس کلومیٹر کہہ کر بیروت پہنچا؛ شہری اموات، بجلی پانی، کلسٹر اور فاسفورس بموں پر جھوٹ بولا۔ پی ایل او فوراً نکلنے اور کبھی نہ نکلنے، دونوں پر جھوٹی تھی۔ اب اسرائیل کہتا شہر میں نہ آئے گا۔ سیاسی جبلت کہتی وعدہ رکھے گا، صحافتی جبلت کہتی نہیں۔ میں نے جمیل سے پوچھا اسرائیل وعدہ توڑ کر صبرا، شتیلا اور برج البراجنہ میں آیا تو شہریوں کو کیسے بچاؤ گے؟ بولا" :کچھ نہیں۔ "برسوں بعد وہ پوچھتا رہا ہم نے اس مختصر مکالمے کا مفہوم تب کیوں نہ سمجھا۔

12 اگست کی صبح بلا اشتعال درجنوں اسرائیلی جہاز چھتوں سے چند سو فٹ اوپر آئے؛ ہم ستارۂ داؤدی اور کاک پٹ میں ہدف ڈھونڈتا پائلٹ دیکھ سکتے تھے۔ ہدف کیمپ تھے۔ نو گھنٹے صبرا و شتیلا پر سیکڑوں ٹن بارود؛ تین چار جہاز بیک وقت بم چھوڑتے، جیسے چادریں پھٹتی ہوں۔ کوئی طیارہ شکن مزاحمت نہ تھی؛ گرد و راکھ کے عظیم قیف آسمان میں اٹھے۔

سرکیس اور وزان نے ریگن و شاہ فہد سے مداخلت مانگی۔ امریکا بے بس یا بے رغبت تھا۔ وزان صدارتی محل پر جہازوں کی طرف بازو لہرا کر چیخا" :ہمیں سب کو مارنا ہے تو مار دیں۔ انخلا کی ہر شرط مان لی، راستے تک طے ہیں—پھر ہزاروں تباہ کن بم کیوں؟ "کورنیش مزرعہ پر پراجیکٹائل پچاس فٹ کے وقفے سے آٹھ نو بار پھٹتے زمین تک آئے :شہری اپارٹمنٹس پر ٹینک شکن کلسٹر بم۔

نئے ٹینک اور توپیں شہر گھیر گئے، حدت اور شویفات کی پہاڑیوں پر درجنوں سرچ لائٹس لگیں تاکہ رات کو پورا شہر روشن ہو۔ کرنل یحییل بن زوی نے کہا بیروت کے گرد "بڑے آپریشن "کے لیے بھرپور تیاری مکمل ہے، اگر حملہ کرنا پڑا۔ بات بے جوڑ لگی :جنگ تو ختم، پی

ایل او نکلے گی، اسرائیل نہ آئے گا۔ بیروت میں سرکاری 3,983 اور پورے لبنان میں 11,492 اموات تھیں، اصل کہیں زیادہ؛ 12 اگست کو اتنے اعضا آئے کہ ڈاکٹر صرف "کئی سو" کہہ سکے۔

لبنانی تجدید، فلسطینی "فتح"—یعنی شکست—بولتے۔ کچی آبادی میں لوگ مزید غریب ہوئے؛ ہماری حکمت عملی، امریکی دباؤ اور اخلاقی دعووں کی طویل تحریروں کا ان کی زندگی سے تعلق نہ تھا۔ 10 اگست کو سلمیٰ شریف صبح چار بجے وادی ابو جمیل کی بیکری پہنچی، چھ گھنٹے بعد دس روٹیاں ملیں۔ بیگن، حتیٰ کہ مقامی اہل حکمران بھی اس کا نام نہ جانتے۔ خاموش نصف ملین شہریوں میں وہ اہم نہ تھی۔ ڈیڑھ ڈالر کی روٹی چھ بچوں اور سات بھانجوں کے دو دن کے لیے؛ بچت ساٹھ ڈالر، پھر فاقہ۔ پانی پہلے ہی نمکین تھا۔

انتیس سالہ سلمیٰ سیاہ آنکھوں اور مدونا جیسی مسکراہٹ والی حسین عورت تھی، مگر ساتویں حمل اور سفید ہوتے بالوں نے بوڑھا کر دیا۔ نیلا رومال، بھدا تیندوے دار لمبا لباس۔ خاندان اسرائیلی ٹینکوں سے چھ سو گز دور ویران، توڑ پھوڑ شدہ ہسپتال میں رہتا؛ غسل خانے میں چاول، وارڈ کے فرش پر نیند، ہر طرف مکھیاں اور پیشاب کی بو۔

شوہر حسین قیمتی سستے مارلبرو پیتا اور ہمیں پیش کرتا تو ہم سخاوت قبول نہ کرتے۔ سبزی فروش تھا مگر اسرائیل تازہ پھل سبزی روک چکا۔ ترک نژاد سلمیٰ نے جون میں سونے کے زیور آٹھ سو ڈالر میں بیچے، تقریباً سب خوراک پر خرچ۔ بچے دبلے، پانچ سالہ محمد کو شدید اسہال۔

سلمیٰ کی کہانی لبنانی تھی :بدقسمتی، حوصلہ، خوف اور بداعتمادی۔ تل الزعتر سے سات برس پہلے نکالے گئے؛ تب شوہر روز سترہ ڈالر تک کما لیتا۔ اب یونیسف دو روز پہلے تازہ پانی دے گیا، باقی نمکین۔ بیکری جاتے ڈرتی کہ بم گرا تو بچوں کو نہ دیکھے گی۔ پچھلے ہفتے شیل کے تین ٹکڑے باورچی خانے میں اس اور تیرہ سالہ نادیہ کے بیچ اچھلے؛ ٹوٹا شیشہ پرانی سنگر مشین جیسے خاندانی ورثے کی طرح دکھایا۔

جنوب کی نسبتاً سلامتی کیوں نہیں؟ ”یہ سب سے خوب صورت جگہ، ہماری جڑیں اور جذبات؛ ہم سمجھے سب سے آزاد جگہ ہے۔ “حسین بڑبڑایا” :آزادی بہت زیادہ تھی۔ “ٹیکسی کرایہ باقی بچت سے دگنا تھا؛ نکلنا ممکن نہیں۔ پھر سلمیٰ نے کہا” :میں بیگن کو ذمہ دار سمجھتی ہوں۔ یہ بیروت کا یہودی علاقہ تھا، اب صرف بوڑھے یہودی مرنے تک رہیں گے۔ اسرائیل یہ کیوں کرتا ہے؟ ہم “سب کے ساتھ امن چاہتے ہیں، جنگ کی وجہ نہیں جانتے۔

تین برس میں کم از کم چار بوڑھے یہودی اغوا اور قتل ہوئے؛ بعض نے اسے اسرائیلی حملے کی بربریت سے شیعہ ردعمل کا بالواسطہ نتیجہ کہا۔ خود یہودی برادری بھی بیگن کی مہم سے زخمی تھی۔ سلمیٰ سے تین سو گز دور اسرائیلی گولے نے عبادت گاہ کی چھت توڑی، پچاس بوڑھوں میں بیشتر مشرقی بیروت و جونیہ بھاگے، صرف پندرہ رہے۔

زرد و سفید پتھر کی خوب صورت عبادت گاہ کے شیشے کار بم سے پہلے ہی ٹوٹے تھے؛ پھر سمندر سے دو اسرائیلی گولے چھت میں، مزید صحن اور خواتین کے غسل خانے میں۔ 1926ء میں کلکتہ کے موسیٰ ابراہیم ساسون نے اپنے والد کی یاد میں بنائی تھی۔ بیشتر یہودی دوسری عالمی جنگ، پھر 1967ء کے بعد گئے، حالاں کہ شہر میں یہود دشمنی کا ثبوت نہ تھا۔ 1975-76ء میں پی ایل او نے عمارت پر پہرا دیا؛ اب اسرائیلی گولوں کے بعد آخری دس خاندان نے تالا لگا دیا۔

مسلمان و مسیحی پناہ گزین پیچھے رہتے، صحن میں کھانا پکاتے۔ اندر دھاتی چھت گری، ملبہ کرسیوں اور منبر پر؛ تورات کا صندوق سلامت، فانوس سے شیشہ لٹکتا۔ دس احکام کی دو تختیوں میں نصف احکام سنگ مرمر کے ٹکڑوں میں صحن میں، داؤدی ستارہ چھروں سے دو ٹکڑے۔ جیکب اسکناری نے مذمت نہ کی، خاموشی سے میری نوٹ بک میں لکھا” :میرا ایک بیٹا تل ابیب میں “ہے۔

برج البراجنہ میں سالم چیز ڈھونڈنا مشکل تھا۔ دیواروں اور لٹکی چھتوں کے بیچ چلتے جہت کا احساس بدلتا؛ کچلی چھتیں سڑک تھیں۔ رہنما ہر ڈھیر کے نیچے مرنے والوں کی تعداد گنواتا۔ پی ایل او زائرین کو یہ تباہی دکھاتی، پھر بھی نیلے بے جوڑ سوٹ کا موٹا اہلکار جمہوریت اور فلسطینی تاریخ کا بے معنی لیکچر دیتا؛ اردگرد کی ویرانی اس کے الفاظ کو فضول بناتی۔

ایک نوعمر گوریلا سادہ انداز میں لے گیا۔ ہمارے قدم شیشے اور کنکریٹ پر، نہ پرندہ نہ انسان۔ "یہ چودہ لوگوں کا گھر تھا۔ "تین دیواروں کے نیچے پہیلی جیسی ٹوٹی چھت، ایک دیوار پر شط العرب کی کشتی، دوسری پر فلسطینی پرچم تلے مسکراتا وردی پوش نوجوان۔ چودہ سب یہیں مرے۔ آگے نصف گھر کی بالائی منزل پر رنگین کپڑوں کے پاس سیاہ سنہری سلائی مشین آسمان کے خلاف یادگار جیسی" :ماں اور تین بچے یہاں مرے۔ "ہر توقف کھنڈر نہیں مزار، اور عمارتوں سے اٹھتی بو گواہ۔

ہر طرف استرے جیسے بھاری دھاتی ٹکڑے جو بیس انسان چیر کر بھی مار سکیں، دھوپ میں پیتل کی ریزہ کاری۔ بے چھت گھر کے پاس دو چڑیا جیسی بوڑھی عورتیں، عمر یا بموں سے بہری، بنایا—ان کھنڈروں میں ناقابلِ فہم، دردناک V تین بلی کے بچوں سے کھیلتی۔ گوریلا دیکھا تو فتح کا اشارہ۔ پوچھا کہاں سے؟ دونوں کھل اٹھیں" :ناصرہ "!قریب دو سالہ ننگے پاؤں بچی گندے نالے میں، بلایا تو بھاگی۔

زیر زمین کار پارک کی ہنگامی کلینک میں بیلجیئن سرجن تھا" :فضائی حملہ پہلے سنسنی خیز لگتا، جہاز کے غوطے اور دھماکے اچھے بھی؛ نتیجہ دیکھو۔ "تیس افراد کی پناہ گاہ سیدھے بم سے بیٹھی؛ تین چار جنگجو، باقی شہری، سب کو شدید دماغی چوٹ۔ دو مرد آنکھوں تک سر کے بغیر بھی سانس لیتے آئے؛ انہیں سکون سے مرنے بستر دیا۔

ایک مریض سر تا پا تین انچ پٹیوں میں، مشیلین آدمی جیسا؛ درمیان سے سرخ مائع، جلا منہ سیاہ دائرہ، کمبل سے مسلسل گرم—جلے لوگ رات کو جم جاتے۔ فاسفورس؟ ''نہیں، گھر جل کر اس پر گرا، شعلوں میں بھن گیا۔ یہ معمولی جلنا ہے۔''

تھکن کیمپ، شہر اور اسرائیلی خطوط تک تھی۔ 16 اگست اوزاعی میں ابو روسیان اسرائیلی مورچے سے چالیس گز دور سیاح کی طرح لوبیا، چاول، پنیر اور زیتون کھاتا تھا: ''ہمیں نہیں بتایا کب یا کہاں جائیں—فرانسیسی آئیں یا اطالوی۔ مگر خاموشی ہے، زیتون لو؟'' تباہ عمارت کے سائے میں چائے، مکھیاں اور سڑک پار مرغ کی بانگ۔ جنگ تقریباً ختم تھی۔ حمرا میں گوریلا کاؤ بوائے ٹوپی اور بندوق کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا؛ تین شامی سمندر میں مچھلیوں پر پستول چلاتے؛ فلسطینی نہانے والوں میں صرف کلاشنکوف سے ممتاز۔ امن نہیں تو جنگ بھی نہیں۔

19 اگست کو لبنان نے امریکی، فرانسیسی اور اطالوی سفیروں کو کثیر قومی فوج کی رسمی دعوت دی—محدود مدت کے لیے، صرف ایک قسم کے غیر ملکی کو دوسرے غیر ملکی فلسطینیوں کو نکالنے کے لیے۔ اسے حملہ نہیں، لبنان کی دعوت کہا گیا؛ بھلا دیا کہ اسرائیلی حملے نے ضرورت پیدا کی۔ بہت لبنانی پی ایل او کو جاتے دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا اسرائیل نے احسان نہیں کیا؟ اب مضبوط رہنما چاہیے جو سب غیر ملکی نکالے۔

23 اگست صدارتی انتخاب تھا۔ سب جانتے تھے بشیر جمیل جیتے گا؛ جیسے شام نے سرکیس کو، اسرائیل نے اسے یقینی بنانا تھا۔ معاہدے میں تمام غیر ملکی افواج کا انخلا بھی تھا—ہر لبنانی کی پسند۔ حمرا میں فلسطینی سوٹ کیس اور بھورے پلاسٹک بیگ خریدتے، کپڑے، کاغذ اور صبرا، شتیلا، برج البراجنہ میں چھوڑے خاندانوں کی تصاویر رکھتے۔ لبنانی سمجھے پی ایل او گئی تو مسئلے ختم۔ کتنی بار کہا گیا تھا کہ 1970ء میں اردن سے آئے گوریلوں نے—1948ء کے مہذب پناہ گزینوں نے نہیں—ملک تباہ کیا؟

حکومت نے میوزیم کے سامنے عارضی پارلیمان ولا منصور کی مرمت کرائی۔ لبنانی جمہوریت جیسی عمارت :دروازے ٹوٹے، شیشے فرش پر، اسپیکر کی کرسی کے پیچھے تین گولیوں کے سوراخ، بڑے آئینے ناقابلِ مرمت؛ صرف برفانی ندی سے بھاری لباس والی دوشیزہ اٹھائے ریجنسی نوجوان کی جعلی باروک تصویر سلامت۔

پھر بھی جمہوریت کے بھوت نے تبدیلیاں کیں۔ کثیر قومی فوج کی آمد سے اسرائیل نے ہوائی اڈے کا ٹرمینل اور میوزیم چھوڑا، پھل سبزی کے ٹرک خوراک ناکہ بندی کے خاتمے کی خبر لائے۔ پی ایل او نے پہلے دن پکڑا اسرائیلی پائلٹ احیاز اہارون چھوڑنے کا اعلان کیا۔ لبنانی فوج لوٹی، ٹرمینل اور قومی میوزیم میں بستر لگائے۔

فونیقی عظمت کی راہداریوں میں باریک مونچھوں اور میلے وردی والے نوجوان اجنبیوں کی طرح کنکریٹ میں بند تابوت دیکھتے، چھ انچ کے قیمتی مرتبانوں کے ٹکڑوں پر بوٹ چرچراتے۔ شامی تحریروں کے نیچے رومی موزائیک، دیوار پر مراکش سے فارس تک فونیقی تجارت کا بیس فٹ سنگ مرمر نقشہ۔ ورثہ سامنے تھا، وہ خالی نگاہ مارلبرو پیتے؛ میوزیم پھر بیرک۔

فلسطینی اپنی تقدیر سوچتے۔ کتنی بار سنا پی ایل او گئی تو فلسطینی جدوجہد ختم؟ فضائی حملے میں ایک نوجوان نے کافی کا کپ پٹخا" :ابو عمار نے نکلنے کو کہا تو سب مان کر اوپر والوں کو جیتنے دیں گے؟ یہیں مرنا بہتر ہے۔ "اسے صیدا کمانڈر کے بھاگنے، نوجوان تحریک کے پیسے چوری ہونے اور افسروں کے خاندان دمشق بھیج کر نہ لوٹنے کی خبریں تھیں۔ پھر بھی عرفات کی قیادت اتنی باقی تھی کہ وہی شخص انخلا کی تیاری کر رہا تھا۔

ایک ہفتے سے انہیں بتایا جا رہا تھا کہ انہوں نے عرب تاریخ کی عظیم فتح حاصل کی، دو ماہ اسرائیلی فوج اور فضائیہ روکی—1948ء کے بعد کسی عرب قوم نے نہیں۔ مگر میں نے 20 اگست کو لکھا کہ انخلا کے بعد گوریلے انہی عرب حکومتوں کے رحم پر ہوں گے جنہوں نے انہیں

محاصرے میں مرنے دیا۔ ایک ہفتہ استقبال، پھر جابر سلامتی اداروں کے حوالے۔ اسی لیے عرفات تیونس چنتا، جہاں کچھ آزادی تھی؛ مگر یروشلم سے تیونس کے قہوہ خانے سے دور جگہ مشکل تھی۔ بکھرے جنگجوؤں پر کیا اختیار رہتا؟

اسی شکست کے لمحے مغربی کنارے کی بغاوت کی بات تھی۔ پی ایل او مقبوضہ کنارے اور غزہ میں مزاحمت بھڑکانے کا عہد کرتی :اگر اسرائیل نے لبنان میں پی ایل او کو مغربی کنارے کے الحاق کا راستہ صاف کرنے مارا تو جواب مقبوضہ علاقوں کو انقلابی بنانا تھا۔ فلسطینی دو "فتوحات "پر امید رکھتے :اسرائیل لبنان کی دلدل میں پھنسا، جہاں قبضہ اس کی فوج و معیشت کھائے گا؛ اور دنیا نے اسرائیلیوں کو شہریوں پر گولے، فلسطینیوں کو "دہشت گرد "کے بجائے سپاہی کی صورت دیکھا۔

عرفات کا الوداع تاریخ کے لیے تھا، حال سے بے تعلق :محاصرہ بہادر، تاریخی، خونی، درخشاں؛ لبنانی و فلسطینی لاکھوں بموں کے جہنم میں متحد؛ بیروت معجزہ اور علامت۔ مگر ان لاکھوں لبنانی مسلمانوں کا ذکر نہ تھا جو شہر کو میدانِ جنگ نہیں چاہتے، نہ ان ملیشیاؤں کا جو پی ایل او کے ساتھ نہیں، اس کے خلاف اپنے محلے بچانے کو تیار تھیں۔

29 اگست کا خطاب خاص "لبنانی عوام "کے لیے تھا :لبنانی فلسطینی خون کا چشمہ، ملبہ، شہدا، استقامت، مقابلہ، قربانی۔ صرف ایک بار "جن لبنانی بھائیوں سے ماضی میں اختلاف "کہا—شیعہ یا فالانج؟ فالانج کبھی نہ مانتا کہ فلسطینی "لبنان کے دفاع "میں شہید ہوئے۔ اسرائیل، امریکا، فرانس اور شام بھی اپنے جوانوں کو لبنان میں نہیں، لبنان کے لیے مرا کہتے؛ شاذ پوچھا کیوں۔

عرفات کے لیے زمین سراسر عرب، استقامت نئی انقلابی بیداری، درد کی گولگوتھا سے آزاد فلسطین اور عظیم یروشلم تک روشنی۔[2] مگر وہ یروشلم نہیں، یونانی کروز جہاز سے تیونس کی جلاوطنی جا رہا تھا۔ عدن کی گرمی اور تیونس کے جنوبی صحرائی کیمپوں میں فلسطینی لبنان کی غلطیوں اور اپنے

بعض رہنماؤں و عرب دنیا کی غداری سوچتے؛ عسکری طاقت مایوسی بنتی، قراردادیں شام اور جنوبی یمن میں ضائع عمروں کے لیے بے معنی۔

روانگی سے پہلے موت کی علامت :سرمئی ریڈ کراس ٹرک میں اچھلتے نو تابوت، ماضی اور حال کے اسرائیلی مردے۔ چار پرانے، جولائی کے بم زدہ مکان کے ملبے سے نکالے؛ پانچ نئے، روشن مہاگنی اور پیتل کے دستے۔ پیچھے نیلی پژو میں زندہ پائلٹ اہارون اور آخری ہفتے پکڑا اسرائیلی سپاہی، سفید خود پر اناڑی فلسطینی پرچم بنائے پی ایل او فوجی پولیس ساتھ۔

فاکھانی میں رہائی کے وقت اہارون سفید، تھکا، گھبرایا؛ کیمرے دیکھ کر راحت کی مسکراہٹ۔ دوسرا قیدی دو ہفتے پہلے بم زدہ اپارٹمنٹوں کو گھورتا۔ اہارون بولا” :ڈھائی ماہ بہت اچھا سلوک، جنگ ہمیشہ بڑا المیہ، امید دوبارہ نہ ہو۔ ریڈیو پر اسرائیل اور بی بی سی سنتا تھا۔ “شامی روابط والا کرنل ابو زعیم کندھے پر بازو رکھ کر بولا ہم نے جان بچانے جگہ جگہ منتقل کیا، محافظ دوست بنے۔ دوست؟ ایک اور جھوٹ۔ قیدی سودے کے مہرے تھے؛ اسرائیل بھی فلسطینی و لبنانی قیدی اسی طرح استعمال کرتا۔ مردے اور زندہ، بیروت سے محفوظ خروج کے بدلے۔

بیگن نے ذاتی ہتھیار ساتھ لے جانے کو اپنی جوانمردی کہا؛ حقیقت یہ کہ اسرائیل ہاتھا پائی نہیں چاہتا، بندوق چھین نہیں سکتا تھا، اس لیے فلسطینی سپاہیوں کی طرح نکلے۔ پندرہ روز میں دس ہزار سے زیادہ فلسطینی و شامی امریکی میرین، فرانسیسی لیجن اور اطالوی برسالیری کی نگرانی میں گئے۔ صبرا، شتیلا اور برج البراجنہ میں پیچھے رہ جانے والے دسیوں ہزار شہریوں کی حفاظت کی ذاتی ضمانت فلپ حبیب نے دی۔ وعدہ ٹوٹا تو امریکا اور یورپ کا لفظ بے قیمت۔

بیروت بندرگاہ میں ڈوبے جہازوں کے ڈھانچوں کے بیچ پہلا جہاز 350 فرانسیسی چھاتہ بردار لایا۔ واشنگٹن، پیرس، روم کی ساکھ اس آپریشن پر تھی۔ 21 اگست کو پہلے چار سو فلسطینی بندرگاہ

چلے تو لبنان کی سرحدوں میں بارہ سال کی نیم خود مختار، اکثر بد استعمال ریاست ختم ہوئی۔ جاتے ہوئے بندوق، راکٹ اور مارٹر فضا میں—بھونڈی، ذہن سن کر دینے والی طاقت۔

محاصرہ ختم لگتا تھا؛ اسرائیل لبنان کی حکومت اور خود مختاری پھر قائم کرنے نکلا، مگر یہ 1976ء کی طرح جمہوریت نہیں، اسرائیلی امن کا منصوبہ اور بشیر جمیل کی تنصیب تھی۔ کیا ہمیں انجام کا اندازہ تھا؟ بعد میں نوٹس، ٹیپ، ویڈیو اور لندن پیغامات دیکھے :کیا نہ سمجھا کہ آخری پردہ باقی ہے؟

22 اگست کی خبر کے چوتھے جملے میں میں نے لکھا :مسلمان بیروت کے دسیوں ہزار لبنانی و فلسطینی ڈرتے ہیں کہ 1975-76ء کے پرانے دشمن مسیحی فالانج چند ہفتوں میں غیر مسلح گھروں پر پلٹیں اور پورا دارالحکومت لیں۔ چار ہفتے بعد یہ پیش گوئی بھی ہولناکی سے چھوٹی نکلی۔ یہ جملہ اس صبح رخصت ہوتے شوہروں، باپوں، بیٹوں اور محبوبوں کو دیکھتی عورتوں اور بچوں کے غم سے آیا۔

وہ کچھ جانتے تھے جسے میں قبول نہ کر سکا۔ میں خوف ان سے منسوب کر کے لکھ سکا، اپنی تحلیل کے طور پر نہیں۔ لاشعوری طور پر جانتا تھا، مگر پی ایل او کی طرح امریکی ضمانت کو نبھایا جانے والا وعدہ سمجھا۔ آئرلینڈ چھٹی کی تیاری کی؛ اپنے لفظوں کا مفہوم نہ پکڑا۔

اگست کی گرم دوپہروں میں ہزاروں پی ایل او والے لبنانی فوجی ٹرکوں پر بندرگاہ جاتے۔ فتح کے نئے خاکی لباس، کفیہ سے چہرے، پشت پر راکٹ لانچر۔ فلسطینی شکست ماننے سے انکار کرتے؛ لبنانی ملیشیا آسمان میں دسیوں ہزار گولیاں، شہر پر گرج۔ پی ایل او اسی صورت میں واپس نہ آ سکتی، گوریلے عرب دنیا میں بکھرتے۔ عورتیں لپٹ کر چیختیں، روتیں۔ کیا مستقبل کی آہٹ تھی؟ کئی گوریلے بچوں کو کشتی پر کیوں لے گئے؟

وہ واپسی اور زندہ انقلاب کی بات کرتے، مگر بندرگاہ کے قریب مسکراہٹ کم۔ آخری چوکی پر "فلسطین" اور فتح کا نشان؛ موڑ پر فرانسیسی لیجن سبز ٹوپیوں میں بے تاثر۔ ویران بندرگاہ کے گودام سے یونانی قبرصی فیری پر جلدی چڑھا دیا، آخری مزاحمتی اشارے کا وقت نہیں۔ عرشے سے اس عظیم شہر کو دیکھا جسے تباہ کرنے میں ان کا بھی حصہ تھا۔

آدھا میل دور اسرائیلی دوربینوں سے دیکھتے: انخلا نہیں "دہشت گردوں کی بے دخلی"۔ شیرون آیا، شکست کا اعلان؛ فرانسیسی اختیار کے باوجود اسرائیلی بکتر بند گاڑیاں بندرگاہ میں۔ اسرائیل نے لبنانی فوج کو فرانسیسی آپریشن میں شامل نہ ہونے دیا۔ میری خبر کا آخر: کثیر قومی فوج گئی تو شہریوں کے پاس صرف لبنانی فوج—ایسی فوج جس پر مسلمان بیروت کم بھروسا کرے گا۔ پھر بھی ہم نے لازم نتیجہ نہ سوچا: غیر مسلح فلسطینی سب سے زیادہ کمزور، جان سے قیمت دے سکتے ہیں۔ سیاست نے صحافتی جبلت کو پھر دبا دیا۔

اے پی کے دوستوں کو بھی واضح بے چینی یاد نہیں۔ نک و ایرلن اسکاٹ لینڈ، میں آخری کشتی کے بعد آئرلینڈ جانے والا تھا۔ واشنگٹن سے آیا گیری لیبل صرف اس وقت چونکا جب کثیر قومی فوج مقررہ وقت سے پہلے نکلی۔ وہ چالیس سالہ، خاکستری مونچھ، معصوم جوش، دمے کے باوجود سگریٹ اور جن ٹانک؛ ایچ ایل مینکن کا قول دہراتا کہ زندگی میں صرف دو چیزیں ناممکن: صرف ایک جام، اور ایماندار سیاست دان۔ ہمیں دوسرے پر زیادہ توجہ چاہیے تھی۔

روز وہی پریشان کن سفر۔ شناسا لوگ قطار میں جذباتی، ٹوٹنے کے خوف سے خاموش، اپنے نہیں سنے ہوئے الفاظ بولتے۔ مصطفیٰ، جس نے چھ برس پہلے دامور میں ننھے گوریلوں کا اسکول دکھایا تھا، اب دبلا، کم مغرور، سات اور آٹھ سالہ بیٹوں کو ٹرک تک لاتا۔ خاکی لباس، کندھوں پر بھاری خودکار بندوقیں—یہ دن بھولنے نہ دینا تھا۔ مستقبل نہیں جانتا، پی ایل او یقیناً بچے گی؛ مزید سوال نہ ہونے پر خوش۔

ماہر پانچ ہفتے پہلے انقلاب، ”مقابلہ “اور ”خاتمہ “سمجھاتا تھا؛ اب پسینے میں فولادی خود پہنے، جو گولہ باری میں کبھی نہ پہنا، نیا کفیہ، سانحے کے اداکار جیسا۔ فلسطین ہو گا، جدوجہد چلے گی—مگر ہچکچاہٹ اور تھکن نے شک ظاہر کیا، آنسو قریب۔ عورتیں ہی نہیں، عرب مقصد سے فلسطین سے محبت کرنے والے لبنانی بھی روئے۔

سات فلسطینی یتیم پالنے والا پرانا ویٹر جلتے کوڑے کی طرف بے مقصد دیکھ رہا تھا۔ پیچھے گوریلا بچے کو چومتا، ماں سر ہاتھوں میں، بوڑھی عورت ہاتھ اور آنکھیں اٹھائے ایل گریکو کی فریاد۔ دوست بے قابو رویا—کسی ایک کی نہیں، بڑے نقصان کی خاطر۔ تقریریں فلسطین، یروشلم اور تباہ کیمپوں، مگر اصل میں عرب ہونے کی بات تھیں؛ اسی لیے ان عرب ممالک پر تلخی نہ تھی جنہوں نے مدد نہ کی اور اب انہیں قبول کر رہے تھے۔

نئی وردی، خود، تازہ بندوق پٹوں کے باوجود وہ سپاہی نہیں گوریلے بن کر گئے، آسمان میں فائر ان کی مانوس آواز۔ فاکھانی، کورنیش مزرعہ، کانتاری میں خواب زدہ قافلے اور نوجوانوں کی فائرنگ، جیسے آخری آسمانی حملے کو چیلنج۔ رزمیہ روانگی بنی تھی، فیلپینی یا کوپولا کا ملبہ، بہرا کرتی گولی، کوڑا اور مکھی بنی۔ ایک گولی اپنے ہی ٹرک میں گوریلے کی ٹھوڑی چیر کر دماغ سڑک پر لائی۔

کانتاری میں سیاہ لیموزین سے ولید جنبلاط نکلا، بندوق سر پر لہرا کر فائر، آسمان پر نگاہ اور لامتناہی مسکراہٹ۔ موڑ پر جارج حبش ہاتھ ملاتا اور اولوں جیسی چاول کی بارش سے بچتا۔ فلسطینی آواز آخری وقت بھی گولی—اداس اور مکروہ۔ بچے دیواروں پر بڑے پستول، ملیشیا طیارہ شکن گولے؛ کتنے اپنی مرضی سے مر جاتے، کتنے سمجھتے، کتنے گزشتہ سات برس میں ہولناک کام کر چکے؟

بندرگاہ پر رنگ برنگے لباس والے لبنانی گوریلے کوڑے کے ڈھیر سے راکٹ اور دستی بم سمندر میں پھینکتے۔ کاؤ بوائے ٹوپی والی نازک لڑکی بندوق سمیت گرے شخص پر قہقہہ لگاتی۔ کیا جون سے اتنی خوف ناک موت اسی کے لیے تھی؟

بندرگاہ کے دوسری طرف مارونیوں نے 23 اگست کو اسرائیلی اتحاد کا پھل، بشیر جمیل کی صدارت منائی۔ نتیجہ پہلے طے، وہ اسرائیل کا آدمی تھا۔ فیاضیہ فوجی اکیڈمی میں سفید سوٹ والے ارکان سیاہ کیڈلک اور راکٹ بردار محافظوں کے ساتھ آئے۔ کمیل شمعون نے ہلکی مخالفت کی، مگر اجلاس میں کمزور پیئر جمیل کے پاس بیٹھا—فالانج بانی آخر اپنی زندگی کی تکمیل دیکھ رہا تھا؛ ایسے وقت زعیم قومی اتحاد سمجھتا ہے۔

ارکان کا کورم نہ ہوا تو ان تیس ارکان کو فون جنہیں انتخاب ''بھول''گیا تھا۔ دوپہر چار 62 بوڑھے ارکان کو بھاری مسلح آدمیوں نے سہارا دے کر عمارت میں داخل کیا؛ حکام صحافیوں پر چلائے تصویریں نہ لو، باہر غلط مطلب لیا جائے گا۔ یوں جمہوری فرض یاد دلایا گیا اور دوسری ووٹنگ میں بندوق بردار، ملیشیا قائد، لبنان کی سب سے بڑی نجی فوج کا مالک بشیر صدر منتخب ہوا۔[3]

1980ء میں بشیر نے کہا تھا ایک روز ''جنگِ آزادی''ہو گی۔ اب ضرورت نہ تھی؛ اسرائیل نے فالانج کے لیے جنگ جیت دی۔ تقسیم نہیں، متحد لبنان، بعبدہ میں وہی ''تاش کی میز''۔ طاقت نے شرافت دی؛ صائب سلام بھی اس کے تحت وزارتِ عظمیٰ سوچتا، حمرا میں دکاندار نئے عوامی رہنما کی مسکراتی تصویر لگاتے۔

کامل اسعد نے نتیجہ کہا تو باہر فالانج جیپ پر بھاری مشین گن چلا کر ارکان کی آواز ڈبو رہے تھے۔ سات مرکاوا ٹینک بعبدہ کی طرف آئے، ہر برج پر سوٹ ٹائی میں خوش رو منتخب صدر کی نئی تصویر—اسرائیلی فوج کے کرم سے بندوق بردار اب سفارت کار۔

مگر بشیر کا اسرائیل سے رشتہ احتیاط اور گہرے شک کا تھا۔ وہ ہر مربع کلومیٹر غیر ملکی تسلط سے آزاد چاہتا، اسرائیل سمیت۔ خفیہ دورۂ اسرائیل میں بیگن اور شیرون نے سال ختم ہونے سے پہلے امن معاہدہ مانگا—تو اسی لیے لبنان پر حملہ ہوا تھا۔ بشیر نے اسے دھونس سمجھا۔ بیگن قرض وصول کرنا چاہتا، یہ بھول کر کہ لبنان میں ادائیگی لبنانی طے کرتے ہیں۔ بشیر لوٹا تو کہا" :بیگن نے جاگیردار کے ماتحت کی طرح، 'لڑکے' کہہ کر بات کی؛ میں لبنان کا صدر ہوں۔"[4]

وہ شام کے خلاف اسرائیلی جنگ میں بھی نہ دھکیلا جاتا۔ انتخاب کے دو روز بعد دمشق نے کہا آخری اسرائیلی نکلے تو شامی جائیں گے؛ بشیر نے اسرائیل سے امن کیا تو شام اس سے حالتِ جنگ سمجھے گا۔ امریکا نے اسے برکت دی؛ اسرائیل کا امیدوار امریکا کا بھی۔ وہ برسوں مغربی طاقتوں سے خود مختاری بحال کرنے کی "بین الاقوامی "مدد چاہتا تھا؛ اب ملتی دکھائی دی۔

25 اگست کو 1958ء کے بعد پہلی بار امریکی میرین اترے اور سات گھنٹے میں پی ایل او کو طرطوس جانے والے جہازوں پر چڑھانے لگے۔ چھٹے بیڑے کے سات جہاز، فرانسیسی لیجن میوزیم تک، اطالوی فوج گیلری سمعان پر—عرفات کی کثیر قومی "فاصلہ پیدا کرنے والی "فوج۔

صبح پانچ بجے 32ویں میرین ایمفیبیئس یونٹ کے آٹھ سو میں پہلے سپاہی آئے۔ ویت نام کا سابق بمبار پائلٹ کرنل جیمز میڈ فلسطینی لائن سے تین سو گز دور کھڑا۔ اسکاٹش نژاد کیپٹن رابرٹ جانسٹن مغربی طرف گیا، فلسطینی لبریشن آرمی کے لیفٹیننٹ کرنل بساغ زراب casually کو سلیوٹ اور مصافحہ کیا۔

جانسٹن نے بین الاقوامی کردار اور امن کے لیے ملاقات کی بھلائی کہی۔ سرخ ٹوپی اور پی ایل او نشان والا زراب بولا امریکا شاید اسرائیل کا کام کرے، مگر کبھی نہ سوچا امریکی میرین افسر سے ہاتھ ملاؤں گا۔ 1982ء میں امریکا پی ایل او کو تسلیم کرنے کے سب سے قریب یہی آیا۔ جانسٹن مشہور، زراب فراموش۔

اگلی صبح لیبل کے ساتھ پرانی محاذی تاریکی میں زراب سے ملا۔ امریکی چند گھنٹے بعد آتے، وہ رسمی طور پر مورچے تھامے تھا۔ پوچھا ”آپ کے پاس بندوق کیوں نہیں؟ “قلم نکالا :یہ میری بندوق۔ اس نے چھوٹا پستول میرے سر پر رکھا” :کون زیادہ طاقت ور؟ “بندوق—مذاق۔ پھر میرے ساتھ آؤ“؛ لبنان میں بندوق بردار کے پیچھے گندگی و ملبے میں اترنا مقدر۔”

قطّال عمارت، شارع طرابلس، 1976ء کا لڑکا، بدبودار ڈاک خانہ، گولی زدہ ”اوپرا سینما“۔ اندر گدوں پر فلسطینی؛ پردۂ سینما کے پیچھے زنگ آلود تیل ڈرم اور ریت کی بوریوں کا عظیم مشین گن مورچہ، لکڑی کی درزوں سے شہدا اسکوائر کی جھاڑیاں۔ زراب بولا” :یہ اندر کسی نے نہیں “دیکھا۔ ہم یہاں لڑے، جنگ ختم۔ اسے گرانے میں مدد کرو گے؟

ہم تینوں نے سیمنٹ بھرے ڈرم دھکیلے؛ پہلی بار جھول کر واپس، دوسری بار پورا چار سالہ خوف و نفرت کا مورچہ دھاڑ سے میدان میں گرا۔ گرد میں کھانستے سامنے چاند جیسا خالی میدان اور پار فالانج کا مثلثی دیودار پرچم۔ کوئی گولی نہ آئی۔ واقعی جنگ ختم۔ نیچے ایک فلسطینی نے ریت کی بوریوں میں بڑا لبنانی پرچم گاڑ کر خود مختاری واپس کرنے کی نجی رسم کی۔

1976ء میں یہی فلسطینی شامی ”امن فوج “کو گلے لگا کر روئے تھے؛ تب میں فالانج طرف تھا، اب فلسطینیوں کے ساتھ لکیر توڑی۔ رات کی خبر میں لکھا” :جنگ واقعی ختم تھی۔ “چند گھنٹے بعد میرین، زراب دمشق۔ اس نے نمبر لکھا” :شام آؤ تو ڈھونڈنا، میں واپس نہیں آؤں گا۔ “تقریباً چار ہزار گوریلے جا چکے تھے۔

ریڈ کراس جہاز فلورا سیکڑوں بازو ٹانگ سے محروم زخمیوں کو ایتھنز لے گیا۔ ایمبولینسوں کو پی ایل او نے ریڈ کراس کی خاموشی اپیل کے باوجود فائر سے رخصت کیا؛ پانچ دن کی آوارہ گولیوں میں نو ہلاک، ستائیس زخمی۔ کورنیش پر مارٹر سمندر میں، سامنے فرانسیسی قافلہ رکا۔ ٹرکوں پر

عرفات، لینن، مارکس؛ فرانسیسی افسر نے فتح کا نشان دیا، جواب میں کفیہ ملا، اس نے سگار کا ڈبہ پھینکا۔

اطالوی سب سے دیانت دار امن فوج ثابت ہوئے، اگرچہ پہلے جہاز کا دروازہ بند اور سپاہی اندر سے پیٹتے رہے؛ نکلے تو سیاہ پروں والے سفید خود اور سفید بکتر بند گاڑیاں، ساتھ دو ٹرک پاستا تاکہ "مکمل خود کفیل" رہیں۔ امریکی و فرانسیسی چھلاوے والی گاڑیوں میں گولہ بارود لائے؛ اطالوی سفیدی واقعی نیت کی علامت تھی۔[5]

گیلری سمعان کے بے چھت سینٹ میشل چرچ پر اطالوی چوکی لگی تو پی ایل او اور امل نے ہٹنے سے انکار کیا۔ پانچ گھنٹے بات؛ فلسطینی افسر کیپٹن کوریڈو کانتاتورے کے چھ انچ قریب چیخا: مشکل آنے والی ہے۔ بشیر صدر ہے؛ اطالوی گئے تو اس کے آدمی حملہ کریں گے۔ لبنانی ملیشیا" زمین کیوں چھوڑے؟ "میں نے پورا جملہ نمایاں خبر میں بھیجا، مگر ساتھ چھٹی کا منصوبہ؛ لندن سے "جواب آیا کام کا شکریہ، "اب لبنان کی جنگ تقریباً ختم ہے۔

27 اگست حازمیہ پر شامی قافلے کا انتظار تھا۔ برطانوی صیہونی تنظیم کی انگریز عورت نے ٹیپ ریکارڈر پر پوچھا مغربی پریس نے اموات کیوں گھڑیں، یہود دشمن کیوں؟ میں نے اصل سے کم اعداد نہ کر سکنے کی وضاحت کی۔ پھر وہ سوال چھوڑ بولی :اسرائیلی فوج کا نظم بگڑ رہا، اس کے سپاہی کزن نے ساتھیوں کو گھر لوٹتے دیکھا۔ فالانج اسرائیل کے اتحادی، مگر قابلِ اعتماد نہیں؛ پی ایل او کے بعد مغربی بیروت میں آئے تو خون ہو گا۔ ہم متفق تھے۔

بحمدون کے اوپر صبح چھ بجے چار سو دروز چیڑ کے نیچے شامی و فلسطینی قافلہ دیکھنے جمع: خاندان، قالین پر سیاہ لباس اور سفید اون بنتی دادیاں، چولہے پر عربی کافی، بچوں کے کھیل، ہر طرف ٹرانزسٹر۔ تین میل دور دو سفید اطالوی جیپوں کے پیچھے لامتناہی ٹرک دکھے تو چاول کی بوریاں

پکڑیں۔ دروز فلسطینیوں سے محبت نہ کرتے، مگر شہر میں ان کی جگہ فالانج سے ڈرتے؛ اسرائیلی درختوں کے پیچھے دوربین سے دیکھتے۔

پہلا ٹرک مکمل وردی، خود اور بلند بندوقوں والے شامیوں کا آیا۔ نئے قابض کے سامنے لحاتی احتیاط، پھر نعرہ" :فلسطین—اسد "!شکست میں گزرتے شامی "فلسطین "!جواب دیتے، جیسے فتح کا جلوس۔ پہلے ٹرکوں پر حافظ اسد، پھر عرفات؛ فلسطینی لبریشن آرمی کے لوگ "فتحِ فلسطین "چیختے، گویا وطن جا رہے، دوسری جلاوطنی نہیں۔ دروز نے چاول برسائے—ان مدعو مہمانوں پر بھی جنھوں نے سات برس لبنان سے ظالمانہ سلوک کیا۔

ڈیڑھ ہزار آدمی، رسد، گولہ بارود، راکٹ، موٹر سائیکل، بستر؛ خستہ ٹرک چھوٹی گاڑیوں سے کھینچے۔ اسرائیلی گشتی گاڑیاں قافلے بیچ، فلسطینی پرچم نہ دیکھتیں۔ بحمدون میں کچھ نے داؤدی ستارے کے سامنے تھوکا؛ وہ نفرت اور دس ہفتے کے دکھ ساتھ لے جا رہے تھے۔

اوپر ایک اسرائیلی افسر بولا خوش ہوں جا رہے ہیں۔ خود کو فاتح سمجھنے پر "ہم کیا کر سکتے ہیں؟ "موڑ پر شامی استقبال کی فائرنگ" :ان کی فینٹیسیا شروع۔ "مگر مقبوضہ حصے کی خوشی شام کی لائن پار خاموشی بنی؛ مڑے راستے سے بقاع اترتے تھکے چہرے شامی مستقبل سمجھتے۔

شتورہ میں ہزاروں گوریلے فائر سے استقبال کرتے۔ شامی نائب کمانڈر جنرل محمد زہران ریخ روور میں مسکرا رہا تھا کہ سرکاری گاڑی سے بھوری قمیص والا پانچ سالہ بیٹا نکلا۔ جنرل نے بازوؤں میں اٹھایا اور سپاہیوں کے سامنے پھوٹ کر رویا، آنسو بچے کے چہرے و قمیص پر۔ 85ویں بریگیڈ کے بچے کھچے آدمی دمشق لے گیا، جہاں "فاتح سپاہیوں "کا روایتی استقبال تھا؛ چند روز بعد اسد نے بریگیڈ رسوا کرکے تحلیل کر دی۔

29 اگست دوسرے زمینی انخلا میں اسرائیلی قریب آئے۔ کچھ فلسطینی فحش اشارے، کچھ مسکراہٹ؛ اسرائیلی بھی ہاتھ ہلاتے۔ پھر چیف آف اسٹاف رافیل ایتان نے مرابطون کو بھی مغربی

بیروت سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔ کیوں؟ وہ لبنانی سنی تھے، حبیب منصوبے میں نہ تھے۔ لبنانیوں کو لبنان سے کیسے نکالتے، جب فالانج کے انخلا کا کوئی منصوبہ نہ تھا؟ بعد میں کہا غلط نقل ہوا، صرف مغربی ملیشیا محاذ سے ہٹے۔ پھر بھی کیوں؟

30 اگست عرفات اپنے مخصوص انتشار، جذبات، نیم وقار اور فائرنگ میں نکلا۔ گوریلے، کیمرے، فرانسیسی، سفارت کار، میرین—ہسٹیریا کی لہر بندرگاہ۔ میں زراب کے خالی کنکریٹ مورچے پر تھا۔ ایک ماہ تیاری کے باوجود یہ اخلاقی و نفسیاتی ذلت تھی، اسے جشن بنانا تھا۔ لفظوں سے شکست میں فتح کی عمارت بنائی اور خود اس پر ایمان؛ ضدی آدمی۔

اس کا چہرہ وجد و جنون کے بیچ، مٹی کے آخری گز، تین قطار محافظ، پیش بندوقیں، جھکتے پرچم؛ ہجوم میں کفیہ اچھلتا، بے ڈھنگے انداز سے سیاہ لیموزین میں ٹھونسا اور امریکی میرین نگرانی میں جلاوطنی۔ شفیق وزان کی بلٹ پروف گاڑی میں آتے مسیطبہ پر جنبلاط سے ملا" :جدوجہد جاری اور فتح کے لیے جا رہا ہوں۔ بیروت کے اس حصے کے دفاع کا اعزاز ...شہر چھوڑتا ہوں، دل "یہاں۔ "کہاں؟ "فلسطین۔

محمود لابدی پستول اور امریکی بیوی کی رات بھر سلی لیفٹیننٹ پٹی کے ساتھ" :چست لگنا ہے۔ اداس؟ یقیناً، ابو عمار بھی۔ "پی ایل او اب بھی ایسا عرب دارالحکومت ڈھونڈ رہی تھی جو "بیروت جیسا دے"—ہر امیدوار شہر کے لیے لرزا دینے والا بیان۔ عرفات کے فاتح چہرے اور کھنڈروں کا تضاد؛ پی ایل او نے تباہی میں حصہ لیا، مگر بندرگاہ جاتے اس نے کھنڈر نہ دیکھے۔

سمندر پر لبنانی بم پھینک رہا، میرین زرہ پوش، فرانسیسی گودام پر مشین گن، چند سفیر سلام کو، چھ سو گز دور اسرائیلی خاموش نظر۔ کیمروں کے دھکے میں عرفات پریڈ نہ دیکھ سکا، لبنانی پرچم بردار نظر انداز۔ یہی اس کا موزوں ڈراما تھا۔ فیری اٹلانٹس نے روشنی مینار پار کرکے دو منٹ

بھونپو بجایا؛ پیش عرشے سے عرفات فتح نشان، پھر دھند اور دو امریکی جنگی جہازوں کی حفاظت میں افق پار، صرف دھوئیں کی لکیر۔

:شام کو عرشے پر گوریلوں کے بیچ اس نے قرآن نہیں، بائبل سے حبقوق 2:17 پڑھا لبنان پر کیا تشدد تمہیں ڈھانپ لے گا ...زمین، شہر اور باشندوں کے خون اور ظلم کے سبب۔ """ اس کے نزدیک اب یہی اسرائیل کی تقدیر تھی۔

عرفات کے بعد دو روز ماتمی انخلا جاری۔ 30 اگست شامی 85ویں بریگیڈ کے آخری خستہ ٹرک، خراشیدہ بکتر اور دس پرانے ٹی-54، دو ناکارہ، اسرائیلی پرچموں کے پاس خاموش گزرے۔ میجر حداد حازمیہ پر کھڑا" :میں شامی شکست میں فتح کا مارچ دیکھتا ہوں؛ سیر کو نہیں جا رہے۔ " ایک شامی نے اسے عام تماشائی سمجھ کر ہاتھ ہلایا؛ حداد نے انگلی زمین کی طرف—گالی—اور لبنانی سپاہیوں کو بھی فحش اشارے کرائے۔ فرنیچر لدے ٹرک پر طنزیہ تالیاں" :اب بھی لوٹ رہے ہیں۔"

پی ایل او کی بھاری توپیں لبنانی فوج کو دینی تھیں، مگر امل اور مرابطون کے ہاتھ آئیں؛ دونوں اسرائیل و فالانج سے مغربی بیروت کے دفاع کی تیاری—ایک اور اشارہ۔ آخری جہاز یکم ستمبر نکلا، امریکی وزیر دفاع کیسپر وائنبرگر میرین کی "آپریشنل فتح "لینے آیا۔ آٹھ سو میں تقریباً نصف سپاہی فوٹو کے لیے؛ بولا کثیر قومی مشن "عملی طور پر خاصا مکمل"۔ چار اسرائیلی بکتر بند گاڑیاں چار سو گز دور، معاہدے کے خلاف، دوربین سے دیکھتی؛ اسے نظر نہ آئیں، حکام وضاحت نہ دے سکے۔[6]

وائنبرگر امریکی "ایک، دو، تین "سیاست لایا :فوجی عمل، سیاسی ہدف، پھر حل—ہمیشہ نہیں۔ ریگن نے مغربی کنارے و غزہ کی اردن سے وابستہ خود settlement کبھی solution، حکمرانی اور یروشلم کی قابلِ مذاکرات حیثیت دی؛ بیگن نے غصے میں رد کرکے اسے چلی میں

الینڈے حکومت گرانے جیسی امریکی سازش کہا۔ وزیر دفاع کو خبر نہ تھی، سفارت خانے نے صحافیوں سے ایجنسی رپورٹیں مانگیں۔

اس کے تین مرحلے: آج پہلا، پھر تمام غیر ملکی فوجیں، پھر "فلسطینی مسئلے" کا حل۔ ریگن کا میرین کو پیغام": بیروت کی خون ریزی ختم اور لبنانی حکومت کی خود مختاری بحال ہونے کے دہانے پر۔ "بندرگاہ میں اسرائیل وعدہ توڑتا، چالیس لبنانی فوجی میرین سے کم؛ خود مختاری نازک۔ تنازع کو فلسطینی-اسرائیلی نہیں، "فلسطینی مسئلہ" کہا۔ امن کا یقین دو خطرناک دعووں پر: شام اور اسرائیل دونوں گھر جانا چاہتے، لبنان کا ایک انچ نہیں۔ شام نے کن لوگوں سے کہا؟ اسرائیل جانا چاہتا تو بندرگاہ میں کیوں؟ ایک انچ نہ چاہنے کا شامی دعویٰ بھی یہی تھا۔ لبنان نے امریکا پر بھی جادو شروع کیا۔

ہم پر بھی۔ لیبل نے وعدہ کیا ضرورت ہوئی تو آئرلینڈ فون کرے گا۔ اگلے روز قبرص کی کشتی لی؛ اسرائیلی گن بوٹ نے دو گھنٹے انجن بند کرائے، عرشے پر پسینہ، مارونی و فالانج مسافر چیختے تصویر نہ لو—وہ اسرائیلیوں سے ڈرتے تھے۔

ڈبلن کی نرم بھاری بارش نے پسینہ دھویا۔ 11 ستمبر آئرش ٹائمز": امن فوج واپسی شروع"؛ مقررہ ایک ماہ کے بجائے صرف سترہ روز۔ میں ڈونیگال چلا۔ بلفاسٹ کے ڈیلی ٹیلی گراف میں شیرون کا بیروت کے جنوبی مورچوں کا اچانک دورہ، دعویٰ شہر میں دو ہزار "دہشت گرد" رہ گئے۔ لبنان پیچھا نہ چھوڑتا۔

کوئنز یونیورسٹی کتاب گھر کی نوجوان ملازم نے ابو شاکر اسٹریٹ کے بم زدہ اپارٹمنٹ سے لٹکتے صوفے کی میری خبر یاد دلائی": میں لبنانی ہوں۔ وہ ہمارا گھر، ہمارا صوفہ تھا۔ خاندان سب مر گیا، میں اکیلی بچی۔ "ڈونیگال ہوٹل میں بقاع کی نرم سرخ کسارہ شراب۔ یہ دو ہزار پراسرار دہشت گرد پہلے کیوں نہ بتائے؟

لیبل کا پیغام :میرین جلد گئے، شیرون کی بات ''معمول کی بکواس''، مگر اسرائیلی مورچے کے پاس تصویر لیتا فرانسیسی اقوام متحدہ افسر سینے میں گولی سے مرا۔ سرکاری طور پر آوارہ گولی؛ اقوام متحدہ نے کہا اسرائیلی سو گز شہر کی طرف بڑھے تو اس نے تصویر لی۔ پرانا ''سلامی کاٹنے ''کا کھیل—چھوٹے ٹکڑوں میں مغربی بیروت۔ کوئی لڑائی ریکارڈ نہ ہوئی؛ اسرائیل نے پیش قدمی مانی مگر کہا بارودی سرنگیں صاف کرنے۔ لیبل نے اکا دکا واقعہ کہا، چھٹی جاری رکھو۔

آئرلینڈ کے مغربی ساحل پر ویسٹ پورٹ کی شکستہ بار، قالین داغ دار، وہسکی اور بڑا خاموش ٹی وی۔ چھ بجے خبر میں لڑاکا طیارہ، خوف زدہ ہاتھ کا کیمرا؛ فاسفورس کے گلابی غبارے، بھورے دھوئیں کی انگلیاں، زخمی شامی، پس منظر کا شناسا بقاع پہاڑ۔ اسرائیل شام کو بم مار رہا تھا۔ ٹائمز کو فون؛ بارنس ہنسا :ایک شامی میزائل بیٹری پر حملہ، لیبل کا پیغام نہیں۔

14 ستمبر، گالوے کی سڑک، کسان کھیت کے تنکے جلاتے اور سیاہ ستون۔ شام بی بی سی : مشرقی بیروت فالانج صدر دفتر میں بم، بشیر جمیل اندر مگر محفوظ۔ دوبارہ فون۔ نیند خراب۔ ناشتے سے پہلے تصحیح :بشیر قتل، اسرائیل مغربی بیروت میں داخل۔

جون میں اسرائیل آیا تو ٹیٹرو اور کوڈی عدن؛ اب آخری پردے پر میں آئرلینڈ۔ سوال پہلے کیمپوں کا بھی نہ آیا؛ بشیر کے بھائی کا نام، اے پی کا براہِ راست نمبر، بارنس کے دفتر پہنچنے کا وقت یاد کرنے لگا۔ بغیر ناشتے مشرق کو تیز گاڑی۔ مدیر چارلس ڈگلس ہوم نے کہا چھٹی توڑنا لازم نہیں، اسرائیل ''امن و امان ''کے لیے، فالانج آئے بھی تو قابو میں۔ میں مان نہ سکا۔ روز ''دہشت گرد'' کے جنون، طیارے و گولے دیکھے: اسرائیلی داخلہ تباہی کے بغیر ناممکن۔ صحافتی جبلت—اور میں آئرلینڈ۔

بارنس نے بتایا بیروت فون بند؛ لیبل کا ٹیلکس :فوراً واپس آؤ، بائیں بازو ملیشیا اسرائیل سے لڑ رہی، پورا مغربی بیروت ابھی نہیں لیا۔ پھر ٹیلکس بھی بند۔ تین بجے تک لبنان کا تجزیہ اور بشیر کا

:تعارف مانگا؛ ہاتھ سے لکھا۔ آغاز ایک اسرائیلی کرنل کے پہلے کبھی نہ چھاپے انتباہ سے فلسطینیوں کو نکالنا بڑا مسئلہ نہیں؛ فالانج کو مغربی بیروت میں پرانے حساب چکانے سے روکنا" "ہو گا۔

میں نے اس کے الفاظ بھی دوسرے اشاروں کی طرح ذہنی طور پر بند کیے تھے۔ دوپہر تک فالانج ابھی مشرق میں تھے؛ مجھے ان کے آنے کا علم نہ تھا۔ ڈبلن ایئرپورٹ سے دونوں مضامین بھیجے، ٹائمز نے چھاپے مگر کرنل والا پہلا پیرا جگہ کم ہونے سے کاٹ دیا۔ سازش یا سیاست نہیں، سب ایڈیٹر نے مستقبل کے لیے جگہ رکھی، ماضی کے قول کو نہیں؛ اسے بھی اہمیت نہ دکھائی، وہی ذہنی رکاوٹ۔

ایئر لنگس چیک اِن کی عورت ماں کی طرح" :بیروت بند؟ جنیوا سے دمشق پہنچائیں گے۔ سوئس ایئر کو شام ویزا نہ بتانا، وہاں لڑ کر داخل ہونا۔ نیک تمنائیں۔ "جنیوا میں تاخیر؛ شام دمشق۔ امیگریشن افسر دوستانہ، چائے دی، مگر وزارت اطلاعات کی اجازت صبح، خارجہ دفتر رات بند۔ عادل زعبوب، افسر، مخابرات—سب مہذب، سب صبح۔ 16 ستمبر کی شام؛ بین الاقوامی پریس شام کے لیے ضروری تھا، مگر اہلکار سو رہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا فالانج اسرائیل کے ساتھ مغربی بیروت داخل ہو چکے۔

رات بھر آمد گاہ میں چہل قدمی، جامنی گرم سورج۔ صبح فون :ویزا، مزید چائے؟ ٹیکسی سے :دمشق شیراٹن، ڈرائیور لبنان کو۔ مصنع سرحد پر رک گیا؛ دوسری ٹیکسی شتورہ تک، انجن بند "بیروت بوم بوم۔ "تیسرے نوجوان کی ونڈ اسکرین پر ننھا قرآن" :آؤ۔"

بحمدون سے مشرق وہ رکا، سامان اٹھا کر کھیت میں کپاس کی لکیر کے ساتھ وادی میں۔ پیچھے اسرائیلی ٹینک، سامنے بارودی سرنگیں" :میرے پیچھے، کپاس کے ساتھ۔ "ڈبلن سے چھتیس گھنٹے، اڑتالیس بے خوابی، اب اسرائیلی بارودی میدان۔ کپاس کو مینوتور کی بھول بھلیاں سے نکلنے والے

دھاگے سے زیادہ دیکھا۔ پھولوں کی منڈیر پار گاڑیاں؛ اس کا بڑا بھائی" :بیروت لے جائے گا، وہاں مجھے بھی ادا کرنا۔ "رونے کو دل۔

نیچے گرمی کی دھند میں بیروت، سمندر میں بڑھتا جزیرہ، اونچی عمارتیں، تباہ کیمپ، دور چمکتی رن وے۔ میوزیم پر شناسا فالانج افسر میکسم نے روکا" :کوئی خبر نہیں، اسرائیل امن و امان بحال "کرنے آیا۔ "یقین؟ "کیوں نہیں؟ "گولی چلی، راستہ غیر محفوظ، وہ دوستانہ مسکرایا" :ہرگز نہیں۔

مشرقی بیروت الیگزاندر ہوٹل میں دانی شمعون کے ترجمان نے مارونی ڈرائیور دیا، پانچ سو ڈالر پر مغرب جانے کو۔ بندرگاہ پر بڑا مرکاوا مغرب کو، نال خوف سے دائیں بائیں" :اس کے پیچھے۔ " ڈرائیور بہت قریب، چالیس میٹر کہا۔ اسرائیلی فوجی پولیس نے اشارہ؛ میں نے ہاتھ اور ٹینک کی طرف دکھایا، اس نے اسرائیلی صحافی سمجھا۔ راستہ مل گیا۔

ٹینک ریل کی پٹڑی پر چیختا بندرگاہ پار، گفینور کھنڈر، زراب کا مورچہ اور وہ سینما۔ برج سے سپاہی ریڈیو پر، رفتار چالیس میل۔ دور دھماکا، ڈرائیور سست۔ "ٹینک کے پیچھے۔ "پاؤں گیس اور بریک میں؛ خوف رس رہا۔ آخر میں چیخا" :اس لعنتی ٹینک کے پیچھے چلو "!چند سیکنڈ اس کا مجھ سے خوف ٹینک سے بڑا ہوا، ہم پار۔ سڑک کنارے اسرائیلی پیادہ، فون لائنیں، کورنیش پر جیپیں۔ "مرکاوا کے پیچھے اپنے دروازے تک۔ مالک باغ سے" :مسٹر رابرٹ، واپس آ گئے—خوش آمدید۔

شام ہو چکی۔ اے پی میں لیبل ٹوٹتی ٹیلکس لائن پر ناقابلِ نقل گالیاں، سگریٹ اور دمے کی سیٹی، سرخ بے مسکراہٹ آنکھیں" :تو پہنچ گئے۔ بڑی جلدی کی۔ "میں چلتے جھولتا، نیند چاہتا؛ کیمپوں میں فائر۔ کموڈور میں واشنگٹن پوسٹ کا لورین جینکنز—بڑی سیاہ داڑھی، سخت مزاج کولوراڈو آدمی، ہر سیاست دان جھوٹا۔

فون رکھ کر سلام کے بغیر بولا" :فسکی، کیمپوں میں کچھ ہے۔ اسرائیلی لعنتی فالانج ساتھ لائے۔ صائب سلام کے ہاں عورت آئی، کہتی شتیلا میں کسی نے اس کے شوہر کا گلا کاٹا۔ صبح ساتھ چلو؟ "

ناروے ریڈیو کے کارسٹن ٹویٹ نے دھاڑا'' :کہاں تھے؟ ''وہ بھی آئے گا۔ دو سخت زندہ بچ جانے والے اچھا تحفظ۔ گھر گیا مگر نیند نہ آئی؛ کورنیش پر ٹینک عملے کے سگریٹ اندھیرے میں۔ بہت دور، بہت تیز، بہت دیر سفر کرکے لیٹ نہ سکا۔

بالکونی پر کم پرواز جیٹ۔ ایک روشن گولا، پھر دوسرا؛ سیاہی سنہری پھول میں صاف، کیمپوں پر چاندی زرد دن۔ بالکونی میں کتاب پڑھی جا سکتی تھی۔ زیادہ تر صبرا و شتیلا پر؛ بجھا گولا ننھے پیراشوٹ کے ساتھ گلی کی باڑ سے ٹکرا کر لڑھکا۔

کورنیش کے اسرائیلی ٹینک عملے بھی نہ جانتے کیوں، بچوں کی طرح اردگرد دیکھتے جنہوں نے نصف شب میں سحر دریافت کی ہو۔ روشن گولے آہستہ بہتے، عظیم سنہری نور پورے مغربی بیروت کو نہلاتا۔ نصف شب میں طلوعِ سحر—گویا وقت اور روشنی پر حکمرانی کرنے والا طبیعیات کا بنیادی قانون ٹوٹ رہا تھا۔

حواشی

۱۔ عملے میں لبنانی و فلسطینی ہی نہیں، مصری، تیونسی اور شامی بھی تھے۔ سابق لکھنے والوں میں سلیم الحص، محمد حسنین ہیکل، کمال جنبلاط، لارڈ کیرنگٹن اور پی ایل او و شامی بعث کے رہنما شامل تھے۔

۲۔ عرفات کا مکمل خطاب فلسطینی خبر رساں ادارے وفا، رپورٹ 174/82، شق 5، مورخہ 29 اگست 1982ء میں ہے۔

۳۔ بہت سے سنی ارکان نے بائیکاٹ کیا۔ پہلی ووٹنگ میں تین پرچیاں خالی اور ایک پر پیرس میں خود ساختہ جلا وطن غیر امیدوار ریمنڈ اَدّہ کا نام تھا۔ بعد میں مغربی بیروت میں جمیل کو ووٹ دینے والے گیارہ ارکان کے گھر جلائے گئے؛ ایک پندرہ سالہ لڑکا نائب کا بیٹا سمجھ کر مارا گیا۔

۴ یعاری کی اور شِف بیان اسرائیلی یہی قریب قریب کا ملاقات اسی ۔ Israel's Lebanon
War، صفحات 234–236 میں ہے؛ بشیر نے والد پییرؔ سے کہا بیگن نے مجھے بچے کی طرح برتا۔

۵ ۔ اطالوی گورنوولو رجمنٹ کی پہلی لینڈنگ میں دروازے بند رہ گئے۔ سفید وردی و گاڑیوں اور پاستا کے ذخیرے کے باوجود بعد میں وہ کثیر قومی فوج کا سب سے ذمہ دار دستہ ثابت ہوئے۔

۶ ۔ انتشار کے باعث صحیح تعداد کبھی طے نہ ہوئی۔ مختلف معاصر و بعد کے تخمینے 8,185 سے 14,398 تک ہیں؛ میری روزانہ رپورٹوں کا مجموعہ تقریباً 12,254 تھا۔ کم از کم دس ہزار فلسطینی مشرقی و شمالی لبنان، خصوصاً طرابلس کے گرد شامی کنٹرول والے علاقوں میں رہے۔

باب 11

دہشت گرد

رابرٹ فسک

"حاملہ عورتیں دہشت گرد جنیں گی؛ بچے بڑے ہوکر دہشت گرد ہوں گے۔"

صبرا و شتیلا قتلِ عام میں شریک فالانج جنگجو، اسرائیلی ٹینک عملے کے سوال پر؛ — مغربی بیروت، 17 ستمبر 1982ء

"ہم جانتے ہیں، ہمیں پسند نہیں—مداخلت نہ کرو۔" >

فلسطینیوں کے قتل کی خبر پر اسرائیلی بٹالین کمانڈر کا اپنے سپاہیوں کو پیغام، ستمبر — 1982ء

ہمیں مکھیوں نے بتایا۔ لاکھوں، ان کی بھنبھناہٹ بو جتنی واضح۔ بڑی سبز مکھیاں زندہ اور مردہ کا فرق نہ جانتیں؛ نوٹ لکھنے کو رکتے تو لشکر کی طرح کاغذ، ہاتھ، بازو، چہرے، خصوصاً آنکھ اور منہ پر بیٹھتیں—بہت سے مردوں سے چند زندوں، لاش سے رپورٹر تک، نئے گوشت پر ضیافت کے جوش میں۔

جلدی نہ ہلتے تو کاٹتیں، سر کے گرد خاکستری بادل میں اس فراخ سکون کا انتظار جو مردوں کو حاصل تھا۔ وہ ہمارا مقتولوں سے واحد جسمانی رشتہ تھیں، یاد دہانی کہ موت میں بھی زندگی ہے، کسی کو فائدہ ہوتا ہے۔ بے طرف مکھی کو اجتماعی قتل سے فرق نہیں؛ ہر قوم کی بے دفن لاش پر یہی کرتی، عظیم طاعون کی گرم دوپہروں کی طرح۔

شروع میں ”قتلِ عام “نہ کہا۔ منہ کھولتے ہی مکھی، اس لیے رومال منہ اور ناک پر؛ صیدا کی بو متلی تھی، شتیلا کی سڑاند نے قے کرائی۔ موٹے کپڑے سے بھی، چند منٹ بعد ہم خود مردوں جیسے بو دینے لگے۔

لاشیں سڑک، گلی، صحن، ٹوٹے کمروں، ملبے اور کوڑے پر۔ قاتل—وہ مسیحی ملیشیا جسے اسرائیل نے ”دہشت گرد صاف کرنے “کیمپ میں آنے دیا—ابھی نکلے تھے؛ بعض خون گیلا۔ سو کے بعد گنتی چھوڑ دی۔ عورت، نوجوان، شیر خوار، دادا دادی، چاقو یا مشین گن سے ایک ساتھ۔ فلسطینی ہسپتال کے مریض ڈاکٹر نکالے جانے کے بعد غائب؛ ہر طرف جلدی کھودی اجتماعی قبریں۔ شاید ہزار، غالباً ڈیڑھ ہزار ذبح۔

مغربی بلند عمارت سے اسرائیلی دوربینوں میں لاشوں بھری گلیاں دیکھتے، دھوپ میں عدسے چمکتے۔ لورین جینکنز مسلسل گالیاں—شاید متلی قابو کرنے کو۔ ہم موت سانس میں لیتے، پھولی لاشوں کی سڑاند۔ وہ فوراً بولا” :شیرون !وہ لعنتی شیرون—دیر یاسین پھر!“

18 ستمبر صبح دس بجے شتیلا کی چیزیں طبی رپورٹ کی سرد زبان میں آسان ہوتیں۔ لبنان میں قتلِ عام ہوئے، مگر اس پیمانے پر اور منظم باقاعدہ فوج کی نگاہ میں نہیں۔ جنگ کے جنون میں ہزاروں مرے، یہ سیکڑوں غیر مسلح گولی سے۔ ”واقعہ “کہنا آسان، مگر یہ ظلم، اسرائیلی زبان میں دہشت گردی سے آگے—جنگی جرم۔

جینکنز، ٹویٹ، اے پی کا بل فولی اور میں صدمہ سمجھ بھی نہ سکے۔ فولی بس ”یا مسیح “! دہراتا۔ چند یا جنگ میں درجن لاشیں قابلِ تصور، مگر کمر تک چڑھے لباس اور کھلی ٹانگوں والی عورتیں، کٹے گلے کے بچے، دیوار کے سامنے قطار بنا پشت سے مارے نوجوان، اور چوبیس گھنٹے پرانے سیاہ پڑتے شیر خوار امریکی راشن ڈبوں، اسرائیلی طبی سامان اور وہسکی بوتلوں کے ساتھ کوڑے میں۔

قاتل، اسرائیلی لفظ میں ''دہشت گرد ''کہاں؟ اسرائیل نے ہمیں نہ روکا۔ پہلے برج البراجنہ کی افواہ پر گئے، صرف لبنانی سپاہی چور کے پیچھے۔ شتیلا دروازے پر جینکنز رکا'' :سب کہاں ہیں؟ ''یہ لعنتی بو کیا ہے؟

جنوبی دروازے کے یک منزلہ گھر ڈائنامائٹ سے زمین؛ کارتوس، ننھے پیراشوٹ سمیت اسرائیلی روشنی گولوں کے خول، ملبے پر فتح سونگھتی مکھیاں۔ پچاس گز اندر درجن سے زیادہ نوجوان، موت کی اذیت میں بازو ٹانگیں گتھی، رخسار سے کان اور دماغ تک قریب سے گولی۔ بعض گلے کے بائیں طرف سرخ یا سیاہ نشان، ایک خصی کیا، پھٹی آنتوں پر مکھیاں۔

سب کی آنکھیں کھلی، سب سے کم بارہ تیرہ سال۔ جینز اور رنگین قمیصیں پھولتے جسم پر تنگ، لوٹے نہیں گئے؛ سیاہ کلائی پر سوئس گھڑی درست وقت، سیکنڈ کی سوئی مرد مالک کی آخری توانائی خرچ کرتی۔

دوسری طرف پانچ ادھیڑ عورتیں اور بچے۔ ایک پشت پر، لباس پھٹا، پیچھے سے چھوٹی گھنگریالی بال لڑکی کا سر، آنکھیں ہمیں گھورتیں، ماتھے پر شکن—مردہ۔ سڑک پر سفید لباس کی تین سالہ بچی پھینکی گڑیا، سر کا پچھلا حصہ گولی سے غائب۔ ایک عورت کے سینے سے چپکا بچہ اسی گولی سے مرا؛ پیٹ پہلو اور اوپر تک چاک، شاید رحم میں بچہ مارنے کو۔ آنکھوں میں منجمد دہشت۔

ٹویٹ نارویجین ٹیپ پر بے جذبہ بولا'' :ایک عورت اور بچہ، مردہ؛ تین عورتیں، مردہ ''... وقفہ دباتا اور سڑک پر قے۔ پھر پٹری والی گاڑی کی آواز۔ جینکنز'' :وہ اب بھی یہاں ہیں۔ ''فولی فلم بچانے بھاگا۔ ہمیں خوف تھا قاتل ثبوت سے زیادہ گواہ مٹائیں گے۔

بھورا دروازہ دھکیل کر صحن میں، بند کیا؛ پٹریاں کنکریٹ پر قریب۔ ہم اکیلے نہ تھے۔ پاس خوب صورت نوجوان عورت پشت کے بل، جیسے دھوپ سینک رہی؛ پیٹھ کا خون اب گیلا۔ پاؤں ساتھ، بازو پھیلے، آنکھیں بند، پرسکون؛ سر کے گرد عجیب ہالہ۔ اوپر کپڑے کی رسی، بچوں کی

پتلون اور موزے؛ زمین پر کپڑے۔ وہ کپڑے لٹکا رہی تھی، ہاتھ سے گرے لکڑی کے کلپس سر کے گرد دائرہ۔

سینے کا معمولی سوراخ اور پھیلتا خون موت بتاتے، مکھی بھی نہ پہنچی۔ شاید صبح خاموشی پر گھر سے نکلی، سمجھی خطرہ ختم، روزمرہ کام کیا؛ دروازہ کھلا اور قاتل نے بس مار دیا۔ وہ نکلے، ہم ایک دو منٹ بعد۔ جینکنز دعا نہیں، گالیوں کے بیچ ''خدایا'' کہتا۔ مجھے اس معصوم پر خاص دکھ؛ لاش ابھی سڑی نہ تھی، لگتا آنکھ کھولے گی۔

کچھ منٹ خوف میں، پھر نکلے۔ دروازہ آہستہ بند کیا کہ کپڑوں کے کلپ والے ہالے میں سوئی عورت نہ جاگے۔ گاڑی باہر اسرائیلیوں کی طرف، جو اب بھی دیکھتے۔ لاشوں کے ڈھیروں کے پیچھے ہم ایک دوسرے کو کھو دیتے؛ کبھی جینکنز سے بات، پلٹا تو ستون پر پیچھے جھکا مرد، بازو سر کے پیچھے۔

نیا بارہ فٹ مٹی بند عبور کیا۔ اوپر جاتے سرخ پتھر پکڑا—گرم چپچپا انسانی کہنی۔ خوف سے چھوڑ، پتلون پر گوشت پونچھا۔ قدموں پر نصف منہ والا چہرہ، باقی منہ مکھیاں۔ مٹی ہر قدم پر چشمے کی طرح ہلتی؛ ریت کے نیچے بازو، چہرے، معدہ، مرد کا سر، عورت کی ننگی چھاتی، بچے کے پاؤں۔ درجنوں لاشوں پر چل رہا تھا؛ گھبراہٹ میں بلڈوزر نے گلی کنارے دفن کیا، خالی مشین آگے مجرم کی طرح۔

چہرے نہ روندنے کی بے کار کوشش؛ خود سے کہا یہ دشمن نہیں، چاہتے ہیں ہم دیکھیں۔ دوسری طرف چھلانگ، بھاگا، شاید سسک رہا تھا؛ منہ کھولا تو مکھیاں، تھوکیں۔ ٹوٹیٹ دیوار کے سامنے بوریوں جیسے نوجوانوں اور لڑکوں پر قے کر رہا تھا—پشت سے اعدام۔ مقبوضہ یورپ کی پرانی تصاویر؛ بارہ یا بیس، ایک دوسرے کے نیچے؛ گلے کے بائیں وہی نشان۔ شاید چاقو سے نشان کا مطلب فوراً مارا جانے والا ''دہشت گرد''۔

کھنڈر پار عربی چیخ" :واپس آ رہے ہیں "!ہم سڑک کو بھاگے، مگر غصے نے دروازے پر روک لیا—قاتلوں کے چہرے دیکھنے۔ اسرائیلی اجازت، اسرائیلی اسلحہ، اسرائیلی نگاہ میں کام۔ مغرب میں بکتر بند گاڑی، فالانج یا اسرائیلی، کوئی نہ آیا۔

ہر گھر میں خاندان بیڈروم کو بھاگا اور بستر، کرسی، دیگ پر مردہ۔ بہت عورتیں عصمت دری کے بعد ننگی شوہر یا بھائی پر، سب سیاہ۔ دوسری گلی میں بلڈوزر کے نشان سو مربع گز تازہ جوتی زمین تک؛ مکھیاں قالین، میٹھی خوف ناک بو، جوتے نرم مائع مٹی میں ڈوبے۔ اجتماعی قبر۔ ناروے کے سفارت کار نے چند گھنٹے پہلے بلڈوزر کے چمچے میں درجن لاشیں، لٹکتے بازو ٹانگیں دیکھے۔ کس نے چلایا؟ یقین صرف اسرائیل جانتا، دیکھتا، اس کے فالانج یا حداد اتحادی نے جدید مشرق وسطیٰ کی سب سے بڑی بالمشافہ فردی دہشت گردی کی۔

زندہ بچے بھی۔ چھت سے تین بچوں نے کہا چھپے رہے؛ روتی عورتیں مردوں کے قتل کی بات۔ سب نے حداد اور فالانج کے مختلف دیوادار نشان درست بیان کیے۔ مرکزی سڑک پر عورت" :وہ پڑوسی مسٹر نوری، نوے سال۔ "کوڑے میں سفید داڑھی اور اونی ٹوپی۔ دوسرا بوڑھا پاجامے میں دروازے پر۔ تین سفید گھوڑے مشین گن سے، ایک کھُر دیوار پر، جان بچانے کو چھلانگ میں مرا۔

صبرا مسجد کے پاس کارتوس اور سوویت فلسطینی سامان—کچھ مسلح مردوں نے خاندان بچانے لڑائی کی۔ کب جانا قتل عام ہے، چند بندوقوں سے کیسے؟ مسجد باہر کامل تراشی کھلونا لکڑی کلاشنکوف، نال دو ٹکڑے۔ بار بار وہی لاشیں پہچانیں :بچی والی عورت، مسٹر نوری؛ ایک لمحے کو توقع پوزیشن بدلے گی۔ مردے ہمارے لیے حقیقی ہوتے گئے۔

صبرا میں عورتیں گم بیٹوں، شوہروں، باپوں کے لیے مدد مانگتیں۔ کچھ اعدام دیوار، باقی غائب۔ رائٹرز نے اسرائیلی نگرانی میں اسٹیڈیم میں قیدی دیکھے۔ ریڈ کراس کے سوئس نمائندوں کو قبریں بتائیں؛ مزید صحافی و سفارت کار آئے۔

اسٹیڈیم میں سیکڑوں، زیادہ لبنانی، ملیشیا "تفتیش "کو لے جاتی۔ مغربی حصہ اسرائیلی وردی اور سادہ لباس شِن بیت—بھاری جسم، رے بین، اوزی—کے قبضے۔ تین ملیشیا ایک خوف زدہ شخص لے گئے، اسرائیل نے اجازت دی۔ وضاحت" :دہشت گردوں "کی تلاش۔ یہ لفظ اب فحش اور قاتل تھا، اسی نے ظلم ممکن کیا۔

زیر زمین کمرے قید خانے۔ "ہماری مدد کرو۔ "سپاہی" :نکلو، یہ دہشت گرد ہیں۔ "مگر رائٹرز کا لبنانی ٹیلکس آپریٹر انہی میں؛ کرنل سے منت کرکے چھوڑایا۔ قیدی بولا حداد والے ایک ایک تفتیش، اکثر لوٹاتے، کبھی نہیں۔ اسرائیلی کرنل :بول سکتے ہیں مگر "کہنے کو کچھ نہیں"۔

پانچ سو گز پر لاشیں اور بو، پھر بھی دہشت گرد۔ افسر نے کہا اسے معلومات نہیں۔ میں نے کہا منظر ٹریبلنکا جیسا۔ پیمانہ یقیناً نہیں، مگر وہ extermination camp تھا؛ میں اسے عظمت سمجھانا چاہتا تھا۔ وہ بحث بھی نہ کر سکا، لاعلم بنتا تھا۔

جینکنز نے ایک افسر پکڑا" :کیا مسیحی ملیشیا کل داخل کی؟ "بولا آج آیا۔ جینکنز" :جھوٹ، کل تم نے میری گاڑی روکی۔ "افسر نے پہچانا، ہاتھ اٹھایا" :سوال اور سمجھا، یاد نہیں، معلوم نہیں۔ " مرکاوا قطار، عملہ سگریٹ، قیدی ایک دو کرکے شِن بیت یا خاکی لبنانیوں کے حوالے۔

فلسطینی عورت تلخ مسکراہٹ سے" :اچھی تصویریں؟ اچھی تحریر؟ آپ کے لیے سب ٹھیک؟ خوب دن ہے—خوش رہیے۔ "جینکنز ٹیلکس، ٹویٹ فون؛ میں رومال لگائے مسٹر نوری، اعدام دیوار، لاش بند، بلڈوزر، گھوڑے اور بچی والی عورت سے گزرا۔ دروازے تک میں اس حصے کا واحد زندہ انسان۔

باہر ٹینک اور لاؤڈ اسپیکر" :سڑکوں سے دور، صرف دہشت گرد ڈھونڈ رہے؛ نکلے تو گولی۔" مردوں کو سڑک سے دور رہنے کا حکم—مضحک، سفاک، دیوانہ۔ اسرائیلی پیادہ دروازہ جھک کر دوڑتا، بھوت "دہشت گردوں" سے ایک دوسرے کو کور۔ افسر نے نکلنے کہا؛ انکار، بہت دیکھ چکا، مردوں کی بو مجھ سے۔ "سب مردہ، صرف مردے۔" وہ مجھے پاگل سمجھتے۔

سپاہی نے بازو پکڑا" :دہشت گرد ہیں، مارے جاؤ گے۔" کہا عورت، بچے، شیر خوار قتل، بو نہیں؟ افسر ہاتھ ہلا کر چلا۔ مجھے راز فلم کا کردار لگا جو قتل بتائے اور خود جھوٹا ٹھہرے۔ دوستانہ لمبا سپاہی بولا بات منع؛ بتایا سب قتل۔ "کیوں؟ مسیحی وہاں تھے؛ میرا تعلق نہیں۔" دروازے پر وہ بھی بھوتوں کے خلاف جھکا۔ میں بیچ سڑک سیدھا، وہ میرے قدموں پاس تیس فٹ دوڑتے؛ ہم ایک دوسرے کو پاگل سمجھتے۔ انہیں مطلق یقین تھا شتیلا میں "دہشت گرد" ہیں۔ کیسے بتاتا دہشت ...گرد جا چکے، اسرائیلی وردیاں پہنے، اسرائیلی افسروں نے بھیجے، اور ان کے شکار

اسرائیلی نہیں، فلسطینی و لبنانی تھے؟ میں نے کوشش کی۔ سپاہیوں کے ساتھ چل کر نام ... پوچھے؛ موشے، رافیل، بنی، سب بھاری بندوقیں لیے، ہر جملے میں "دہشت گرد" رموزِ اوقاف۔

اشکلون کا شادی شدہ بنی گھر جانا چاہتا؛ لبنان صرف دہشت گرد ختم کرنے آیا۔ پی ایل او جا چکی؟ "نہیں، بہت سے یہیں، اسی لیے ہم۔" "شتیلا میں سب مردہ؟ "معلوم نہیں، مگر دہشت گرد ہر طرف، فائرنگ نہیں سنی؟ " بتایا لبنانی اسرائیلی قبضے کے خلاف اور فلسطینی قتل سے دفاع میں فائر کر رہے۔ بے فائدہ۔

پیادہ گیلری سمعان کے اپنے پرانے محاذ تک گیا، وہاں کسی نے قبضہ فوج پر رائفل چلائی۔ اسرائیلی سمجھے بارودی عمارت؛ سڑک کنارے گندگی میں گرے، میں میجر کے ساتھ نالی۔ بکتر بند گاڑی کی وَلکن توپ نے دھات کی مسلسل دھار سے عمارت کنفیٹی کی طرح اڑائی۔ پندرہ منٹ میجر نے معصومیت سے شتیلا پوچھا؛ بتایا۔

بولا" :حداد والے ہمارے ساتھ داخل ہونے تھے۔ کل دو کو گولی ماری—ایک ہلاک، ایک زخمی، دو پکڑے۔ برا کام کر رہے تھے، بس۔ "شتیلا؟ وہ خود؟ خاموش۔ بعد میں معلوم ہوا آدھا سچ۔ ریڈیو آپریٹر رینگ کر آیا، سینے پر ہاتھ" :ہم اسرائیلی ایسا نہیں کرتے، مسیحیوں نے کیا۔ "تو وہ جانتے تھے۔

ہم پھر بھی پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ اے پی پہنچا تو سب رابطے بند۔ قاہرہ سے اسٹیو ہنڈی، ٹیٹرو کی جگہ، لیبل اور فولی سے بحث" :یقین قتلِ عام؟ کتنے مرے؟ لبنان میں پہلے بھی۔ "فولی "!تصاویر لہراتا" :عدد سے کیا؟ قتلِ عام

میں بدبو دار، تھکا گوشے میں سنتا۔ قتل کب ظلم، ظلم کب قتلِ عام؟ تیس، سو، تین سو؟ اعداد کم ہوں تو نہیں، یا قاتل اسرائیلی دوست ہوں تو؟ شامی اسرائیل میں کبوتز گھیر کر فلسطینی اتحادیوں سے یہودی مروا دیتے تو کوئی مغربی ایجنسی اصطلاح پر بحث نہ کرتی۔

یہاں مقتول فلسطینی، قاتل مسیحی ملیشیا، مگر اسرائیل بھی مجرم :بھیجا، تربیت، وردی، امریکی راشن و اسرائیلی طبی سامان؛ دیکھتا رہا، روشن گولوں سے مدد، رابطہ قائم۔ ہفتہ دوپہر تک سب معلوم، پھر بھی ہنڈی لفظ پر۔ فولی شیر خوار کا اڑا دماغ، عورت کا سینہ، جڑی لاشیں دکھاتا جیسے "!گندی تصاویر بیچ رہا" :خدا کے لیے اسٹیو، قتلِ عام

گھر ایک گھنٹہ نہایا، بو نہ گئی۔ چار گھنٹے بعد پسینے اور متلی میں جاگا، لگا شتیلا لاشیں چادر پر، میں بیچ، مسٹر نوری بھی۔ صبح صفائی والی عائشہ نے کپڑے دھونے سے انکار" :جلا دیں مسٹر "رابرٹ، اچھے نہیں۔

اگلے روز شتیلا بدنام، رپورٹر، کیمرے، سفارت کار؛ زندہ مردوں سے زیادہ۔ دھوپ میں لاشیں ناقابلِ تصور پھولیں، پٹیاں و گھڑیاں گوشت کاٹیں، بلبلے، پکنے کی آواز، اعدام دیوار سے سیاہ تیل۔ تصویر یا پوری حقیقت چھپنا ناممکن۔ اتوار دوپہر کمپیوٹر چلا؛ ٹائمز کو طویل خبر، اسرائیلی اتحادی

ملیشیا، کیمپ کنارے سے اسرائیلی رسوا پسپائی، ”امن و امان “کی شکست۔ اب اسرائیل امریکا کو الزام دیتا۔

ایک لمحے فلسطینی و اسرائیلی مشترک :امریکا ذمہ دار۔ فلسطینی حق سے؛ حبیب نے کہا پی ایل او جائے تو اسرائیل نہ آئے، میرین سترہ روز میں جلد نکلے، ضمانت ٹوٹی۔ دمشق میں عرفات نے ویڈیو دیکھ کر کہا حبیب نے ذاتی تحریری تحفظ دیا؛ درست۔

1987ء آکسفورڈ کے پاس حبیب نے مانا” :عرفات بالکل سچ۔ میں نے کاغذ دستخط کیا، بشیر اور اسرائیلیوں، شیرون سے مخصوص ضمانتیں۔ سان فرانسسکو خلیج کے ٹیرس پر خبر ملی، صدر کو فون؛ یاد نہیں کیا کہا۔ یہ کبھی سکون کا ذریعہ نہیں۔ عرفات سے بعد میں بات نہیں، فلسطینی جانتے “تھے میں کیا سوچتا۔

فلسطینی بنیادی طور پر اسرائیل کو الزام دیتے، معقول :اسی نے قاتل بھیجے۔ اسرائیلی چیف رافیل ایتان نے اسٹیڈیم کے پاس امریکی نائب وزیر مورس ڈریپر پر الزام لگایا کہ اسرائیلی و لبنانی فوج کا رابطہ نہ کرایا؛ اس لیے بشیر کی موت کے بعد لبنانی فوج نہ بلا سکے اور مسیحی ملیشیا لانی پڑی۔ مضحک :اسرائیل ہفتوں لبنانی بیرکوں پر قابض، فوجی حکام سے روز رابطہ، لبنانی چوکیوں پر اسے سلام۔

اتوار شتیلا میں افواہ فالانج و حداد واپس؛ سیکڑوں بھاگے، ریڈ کراس نئی قبروں پر۔ بعض فلسطینی اسرائیلی تحفظ مانگتے۔ ایتان کہتا مسیحی ملیشیا ”لبنانی، یہ لبنان، ملک میں آزاد“ـــ مسلمان ملیشیا کو مشرقی بیروت کبھی نہ آنے دیتا؛ آزادی کہنا قتل سے آنکھ بند۔

شہری دفاع کو آکسیجن ماسک، خاندان رومال سے تلاش۔ 20 ستمبر ریڈ کراس نے دو نئی قبروں سے 120 لاشیں۔ زندہ حداد والوں کو اصل قاتل کہتے؛ اس کی اسرائیلی دی بکتر بند

گاڑیاں حمرا آئیں تو پھر خوف۔ روز گنتی اور گواہ؛ قاتل ایک دوسرے کو شیعہ نام سے پکارتے۔ فالانج تقریباً مکمل مارونی، حداد میں بہت شیعہ؛ گواہوں نے تلوار و دیودار نشان درست بیان کیے۔

ٹویٹ اور میں جانتے تھے ہوائی اڈے کے لبنانی فوجی نقل و حرکت دیکھتے۔ 20 ستمبر چار افسر و ایک ژاندارم نے بتایا قتل سے چوبیس گھنٹے پہلے اسرائیلی ہرکولیس طیارہ مسلح لبنانی ملیشیا بیروت رن وے ایک پر؛ جیپ اور C-130 لایا۔ وہ فالانج انتقام سے خوف زدہ۔ عملے نے کہا 16 ستمبر دو مسلح آدمی، ایک فوراً جنوب، دوسرا گھنٹوں۔ اسرائیلی افسر کو یاد نہیں؛ مگر ہوائی اڈے سے کفریشیما، شتیلا پچھلی سڑک تک پانچ دھاتی نشان :عربی میں "فالانج ایم پی"۔

اقوام متحدہ افسر نے فالانج اور حداد وردی والے نکلتے دیکھے۔ کیمپ کے مطابق جمعرات صبح تیس ٹرک، عورت بچوں کے گلے اور چاقو، پھر باہر نکلنے والے پر نشانہ؛ اصل اجتماعی قتل جمعہ دوپہر۔ میں نے لکھا اسرائیل لاعلم نہیں، حداد کے سیکڑوں آدمی جنوب سے لایا، دروازہ کنٹرول دیا۔ اگلے روز اسرائیل نے "بدنیتی "کہا؛ بعد میں دو ہرکولیس مانے، مگر صرف اسرائیلی فوجی۔[1]

عجیب :اسرائیل فالانج ذمہ داری کھلے عام مانتا، تل ابیب بریفنگ میں کمانڈر ایلی حبیقہ کا نام؛ دونوں ملیشیائیں اسرائیلی تربیت، وردی، ہتھیار اور مقبوضہ علاقوں میں ایک کردار۔ مگر حداد کا ذکر اسرائیل کو غضب کیوں؟ شاید فالانج بشیر کے بعد سیاسی طور پر بے مصرف، قربانی آسان؛ حداد اب بھی گلیلی کی حفاظت کے لیے ضروری، اور اس پر واپسی خود حملے کی ناکامی کا اعتراف۔

میں حداد سے اسرائیلی نگراں کے بغیر بات چاہتا۔ 21 ستمبر دور جنوب مرجعیون۔ بیروت میں لاشیں کھد رہیں، مگر جزین پہاڑوں پر خزاں کے بادل، وادی نیلی دھند، اسرائیلی کبوتر روشنیاں اور عرقوب و بقاع میں اسرائیلی قافلے۔

تنگ سڑک پر حداد گھر، ایک سگریٹ نوش محافظ: شاید کل، وہ تھکا۔ مختصر مظلوم نوٹ :اتنی دور آیا، دشمن قتل کا الزام، وضاحت ضروری، مدیر ناراض ہوگا۔ گھاس کنارے سردی میں گھٹنوں

کو گلے لگا انتظار۔ سامنے وہ آدمی جو پانی بند ہو تو پورا گاؤں گولے، جس نے حملے سے پہلے ایسٹر اتوار صیدا کے قہوہ خانے کے سب گاہک مارے۔

دروازہ کھلا، میلے سبز لباس، دبلا تھکا آدمی؛ دس گز پر پہچانا حداد۔ "کیا چاہتے؟ بہت تھکا۔" سیڑھی پر بیٹھ کر لالچ سے سگریٹ، سانس پھولا مگر بولنے کو بے تاب۔ گھنگریالی بال بیٹی مٹی میں کھیلتی، کوئی اسرائیلی ہدایت کار نہیں۔

"ہم معصوم، پرامن، کسی کو نہیں دکھ دیا۔ میں صاف گو؛ کچھ کروں تو بے خوف مانتا۔ شرکت کا الزام مجھے مارتا؛ الزام جرم سے بدتر۔ "زندہ بچنے والوں کو ناگوار، مگر میں حرکات پوچھتا۔ 17 ستمبر ہوائی اڈے پر؟ "ہاں، اسرائیلی ہیلی کاپٹر سے، بکفیا بشیر کی تعزیت۔ صبح نو سے جمعہ دوپہر؛ درمیان بکفیا، الانوار میں تصویر۔ "واقعی 18 ستمبر صفحہ تین پر۔

گواہ اس کے وردی والے عورت بچوں کو مارتے؟ غصہ": سب جھوٹ، پی ایل او سے پیسے۔" پھر قابو": شاید ہمارے نشان دیکھے، کچھ لوگ دوسری قوتوں کے ساتھ خدمت۔ سرکاری طور پر کوئی نہیں۔ نشان یادگار جمع کرکے قاتلوں نے پہنا ہو۔ کہتے ہمارے ٹینک و بلڈوزر؛ میرے پاس "ایک کیٹر پلر، مرمت کو اسرائیل۔

اسرائیلی میجر نے ایک حداد آدمی مارا؟ آنکھیں ملیں": تین جمعہ کو رشتہ دار بچانے بیروت؛ پناہ۔ "انہیں جمعہ قتل معلوم تو حداد کو؟ "نہیں۔ IDF سوشلسٹ پارٹی سے جھگڑا، ایک زخمی، دو سات برس میں ہماری ایک اجتماعی ہلاکت دکھاؤ۔ جنگ دہشت گرد و شامی سے، وہ نکل گئے؛ غیر مسلح لبنانی یا فلسطینی سے وجہ نہیں۔ اوالی جنوب ایک لاکھ فلسطینی، پوچھو ہم نے کسی کو مارا؟"

اوالی شمال سخت منع۔ اس ،IDF بار بار کہا اسرائیلی فوجی ہم آہنگی کے بغیر کچھ نہیں :ہر قدم سے اقوام متحدہ کا پرانا دعویٰ ثابت، مگر جھوٹ بھی؛ راستے میں حداد آدمی اوالی سے دس میل شمال اسرائیلیوں کے ساتھ دیکھے۔

اپنی تاریخی اہمیت" :لبنان میں دو طاقت ور—بشیر اور حداد۔ بشیر مارا، اب حداد جلانا چاہتے؛ وطن پرست پسند نہیں۔ "فالانج الزام؟ بشیر خود مارا؟ "میں نے فالانج لفظ نہیں کہا۔ "پھر پوچھا کتنے آدمی واقعی بیروت؟ اچانک" :شاید دس دوسروں کے ساتھ ...شاید بیس ...مگر میرا تعلق نہیں، "شتیلا کا پتا بھی نہیں۔

یہ بیس کون، بشیر قتل میں فالانج اشارہ کیوں؟ مگر اصل سوال 16-18 ستمبر کیسے ہوا۔ قاتل شناخت، اسرائیلی ذمہ داری، مگر سب سے بڑھ کر "اسلحے کی پاکیزگی"، اپنے اخلاق اور ہولوکاسٹ کے بچوں کی فوج نے یہ کیوں ہونے دیا؟

ہم نے ہر ٹی وی ٹیم، سفارت کار، رپورٹر ڈھونڈا۔ نیوزویک کے جیمز پرنگل جمعہ چار بجے شتیلا دروازے پر حداد نشان والے موٹے مونچھ آدمی سے پوچھا اندر کیا؟ انگریزی: "ہم ذبح کر رہے ہیں۔ "برا مذاق سمجھا۔ چالیس گز دور 53 سالہ تل ابیب "کرنل ایلی "کہتا اسرائیل علاقہ "پاک "کرنے نہیں جا رہا؛ مسیحی قابو سے نکلے؟ "امید ہے نہیں۔"

کنٹرول، "دہشت گرد "کیمپ گھیرے اور IDF ستمبر 11:20 اسرائیلی بیان :اہم نقاط 16 بند؛ معاہدے کے خلاف بہت دہشت گرد مارٹر، ذاتی و ٹینک شکن اسلحہ سمیت باقی۔ وہ دراصل لبنانی ملیشیا، جنہیں نکلنا نہ تھا۔ اہم الفاظ "گھیرے اور بند"—اسرائیل نے کیمپ کنٹرول مانا، اندر کی ذمہ داری۔ پھر بھی کیسے اجازت؟

ٹویٹ نے غیر نشر، کٹی ویڈیو گھنٹوں جمع کی—کیمپ چھوڑنے سے روکی عورتوں کا ٹرک، سفید داڑھی و اونی ٹوپی بوڑھا واپس بھیجا؛ تب بے معنی، پھینکی جاتی۔ امریکی نیٹ ورک اور بہادر ڈینش

ٹیم سے ایک گھنٹہ جوڑا۔ تاریخ کے خام کٹ :عورتوں کا ٹرک، دور ملیشیا واپس حکم، چیخ بے آواز؛ لبنانی فوجی جیپ، فالانج سپاہیوں کو ہاتھ اٹھا کر کیمپ داخل کرتا؛ کیمرے پر بندوق و گالی، لینس زمین پھر جرأت سے اوپر۔ ٹویٹ بار بار رجسٹریشن روک کر پڑھتا :502493۔ پھر اونی ٹوپی اور "داڑھی۔ ہم دونوں" :مسٹر نوری۔

ہاں، مسٹر نوری—اٹھارہ کو دھوپ میں کوڑے پر پڑا نوے سالہ فلسطینی۔ ٹیپ پیچھے :وہ پھر کیمپ میں چلتا، فالانجی سے التجا، وہ اندر اشارہ؛ نکلنے نہ دیا، مقدر طے۔ چہرہ دور، کیا جانتا تھا؟ ہم بار بار اسے زندہ کرکے فالانجی تک اور واپس موت میں بھیجتے۔

ٹیپ جھٹکی :16 جمعرات شام، اسٹیڈیم کے پاس اسرائیلی۔ پھول دار لباس، زرد رومال بوڑھی :عورت کرسی پر نوجوان اسرائیلی لیفٹیننٹ سے عربی

"افسر کون؟"—"مجھ سے بات۔"

شوہر، دو بیٹے لے گئے، ایک کے دانت توڑے، پانی خوراک کے بغیر زمین، شیر "
"خوار بھی۔ کیا بچانے نہیں آئے؟

"کس نے؟ کتائب؟"—"ہاں، صبرا شتیلا، گھر نہیں جا سکتے۔"

"شتیلا کہاں؟"—"وہاں۔ مدد کو ہو تو موجودگی قبول۔"

کتائب دیکھتا تو بات کرتا، کسی کو نہیں دیکھا ...اس گھر میں بھی دس مسلح دہشت "
"گرد۔

کیا چار خاندان، نو ماہ کا بچہ مارنا رحم ہے؟ آؤ لاشیں دکھائیں، میرے بچے واپس "
"لاؤ۔ بوڑھا مرد عورت میری آنکھوں کے سامنے۔

"نہیں جانتا کیا کروں۔ گھر جاؤ، شاید کتائب نکل گئے۔"

امریکی وِزنیوز کیمرا مین عربی نہ جانتا؛ ٹیپ پھینکی جاتی۔ سپاہی بے چین نہیں، رخ پھیرتا۔ پھر بیرونی دیوار : تین اسرائیلی فٹ پاتھ پر پکا راشن؛ سوراخ سے دو خودکار بندوق والے ملیشیا—تقریباً تیس، موٹے، بدصورت بڑی مسکراہٹ۔ اسرائیلیوں کو پکارتے، کیمرا دیکھا تو مسکراہٹ غائب؛ ایک اسرائیلی اٹھ کر کیمرا دکھاتا، ٹیپ ختم۔ یہی شتیلا قاتل۔

اسرائیل جانتا تھا۔ مہذب اسرائیلی سپاہی خفیہ ماننے لگے کہ سنا، بعض نے دیکھا، کچھ نہ کیا۔ جمعہ صبح 7:30 ہآرتز عسکری رپورٹر زیؤ شف کو جنرل اسٹاف ذریعہ نے کیمپ میں ''ذبح ''بتایا۔ اس نے وزیر مواصلات دوست مردخائی زپوری، اس نے وزیر خارجہ اسحاق شامیر کو؛ شامیر نے نہ عمل نہ تصدیق۔ شف نے بیروت صحافیوں کو کیوں نہ بتایا؟ جمعہ خبر پہنچتی تو شاید قتل رکتا۔ اس نے لمحے اسرائیلی پریس بھی ناکام۔ critical وزیر چنا؛

لیفٹیننٹ آوی گرابوسکی، ٹینک کمپنی نائب کمانڈر، نے کاہان کمیشن کو بتایا جمعہ آٹھ نو کے بیچ دو فالانج دو نوجوانوں کو پیٹ کر کیمپ لے گئے، گولیاں، اکیلے واپس؛ بعد میں پانچ عورت بچے قتل دیکھے۔ رپورٹ کرنا چاہا تو عملہ بولا بٹالین کمانڈر پہلے سن چکا، جواب'' :ہم جانتے ہیں، پسند نہیں، مداخلت نہ کرو۔ ''اس نے ایک اور شہری قتل دیکھا۔ دوپہر ٹینک عملے نے فالانجی سے پوچھا شہری کیوں'' :حاملہ عورت دہشت گرد جنے گی، بچے بڑے ہوکر دہشت گرد۔''[2]

:اخلاقی پاکیزگی کے اسرائیلی دفاع میں خطرناک جنون کھل گیا۔ 16 جون پہاڑی پر لیفٹیننٹ سب فلسطینی مرے دیکھنا چاہتا، جہاں جائیں بیماری ...حکومت اجتماعی قتل کی ذمہ داری نہیں لے '' گی۔ ''درست—صحافی کہتے قابض اسرائیل ذمہ دار تو بیگن حکومت ''یہودیوں پر خون کی تہمت '' کہتی :کوئی ہمیں انسانی جان اور اخلاق نہ سکھائے۔

مگر اخلاق ہی مسئلہ۔ اتحادیوں کو معصوم مارتے دیکھا، نہ روکا؛ اسرائیلی شہری ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ اسرائیلی جان مقدس، فلسطینی قابلِ صرف؛ دوربین سے قتل دیکھا، کچھ نہ کیا—ان کے لیے وہ "دہشت گرد"۔

کاہان رپورٹ بھی جنون کی شکار، اسرائیل نے عرب آمریتوں پر جمہوری چراغ کہا :عرب ملک ایسی خود مذمت کب؟ پی ایل او جنوب کی دھونس، اسد حما کی رپورٹ کہاں؟ مگر دستاویز معیوب۔ عنوان "پناہ گزین کیمپوں کے واقعات"—"فلسطینی "اور "قتلِ عام "دونوں غائب۔

بار بار غیر ثابت دو ہزار "فلسطینی دہشت گرد"؛ اصل دہشت گرد مسیحی ملیشیا، مگر "فالانج "یا احترام سے "سپاہی"۔ فلسطینی ہمدرد تین غیر ملکی ڈاکٹر، ایک یہودی، اسرائیل سے خصوصی ہمدردی نہ رکھنے والے؛ اسرائیلی گواہ، فلسطین سے ہمدردی نہ رکھنے کے باوجود، بلا سوال۔ حداد کی قاتل ملیشیا کی گواہی احترام؛ ممکن "ایک "حداد آدمی گھسا، مگر کمانڈروں پر کوئی ذمہ داری نہیں—یہ نہ کہا اصل کمانڈر اسرائیلی۔

بیگن، شیرون، ایتان، دروری پر مختلف الزام؛ کمیشن نے بیگن کا "کسی نے تصور نہ کیا "رد، قتل خطرے سے مطلق لاعلمی ناممکن۔ وہی بیگن 1978ء آئرش سفیر کو لبنانی خون دشمنی سمجھاتا تھا۔ شیرون ذاتی ذمہ دار، برطرفی تجویز؛ انٹیلی جنس سربراہ یحوشع سگوئی نکالنے، دروری پر سخت الزام مگر سفارش نہیں۔

رپورٹ نے دو بنیادی چیزیں نہ دیکھیں :دہشت گردی کا جنون، اور بیگن و اسرائیلی عمل پر دوسری عالمی جنگ کا غیر معمولی اثر۔ قتل کے بعد بھی اسرائیل نہ سیکھا؛ ہر شام سات بجے زرد روشنی، عبرانی ریڈیو، خوف زدہ سپاہی پھر "دہشت گرد "ڈھونڈتے۔

ہدف بے شکل، بے آخر :فلسطینی گوریلا، پھر لبنانی ملیشیا، پھر شتیلا شہری، مردے بھی دہشت گرد۔ حمرا پر افسر بکتر بند سے" :علاقہ دہشت گردوں سے پاک کرنے آئے۔ "لبنانی بے

فہم اور خوف زدہ۔ جلد شیعہ ملیشیا میں مزاحمت، گھات اور قتل کوششیں۔ 24 ستمبر راکٹ حملہ تلاش ختم ہی ہوا کہ حمرا موون پک میں کافی پیتے تین اسرائیلی افسروں پر بندوق بردار نے ''تم :لبنانی مار رہے ہو ''کہہ کر پورا میگزین چلایا۔ اسرائیلی سادہ لباس نے ہر نوجوان پکڑا؛ لاؤڈ اسپیکر دہشت گرد ڈھونڈنے مدد، عدالت لے جائیں گے۔ ''کوئی جواب، لبنان میں عدالت بھی نہیں۔''

دہشت گرد ''عدالت نہیں، غائب ہوتے۔ خاندان تصویر لے آتے۔ فلسطینی'' نوجوان عورت دامور قریب فالانج نے ٹیکسی سے، اسرائیلیوں نے دیکھا؛ والدین سمجھے گواہ ہونے سے محفوظ، مگر مسکراتا فالانجی لے گیا، دوبارہ نہیں۔ شیعہ صفائی کارکن کا شوہر اسرائیلی وردی والوں نے گھر سے ٹرک میں، غائب۔

مشرقی بیروت فالانج افسر کہتے کم از کم دو ہزار ''دہشت گرد ''عورت مرد شتیلا میں قتل۔ ایک نے لاش بھرے ڈمپر اسرائیلیوں کے پاس گزرے دیکھے۔ ٹویٹ سے فالانجی :باقی تب ملیں گے اگر حکومت بیروت کے نیچے سب وے بنائے۔ افواہ ہزار لاشیں ''جہاں کھیلتے''؛ اسٹیڈیم نہیں، کیمپ و ہوائی اڈے کے بیچ گالف کورس۔ تازہ کھدائی اور بلڈوزر نشان دیکھے، مگر لبنانی فوج نے ریڈ کراس تحقیق روکی؛ قبریں آج تک بند۔

قتل بعد بھی ''دہشت گرد ''ختم کیے جا رہے تھے۔ فالانج یا شِن بیت؟ حداد جنوب میں برسوں، اگلے دو سال اسرائیلی قبضے میں؛ شام بھی پہلے۔ کاہان نے موساد و فالانج death squads پیچیدہ رابطہ دکھایا، موساد اہلکار بیروت فالانج دفاتر میں انہی مردوں کے ساتھ جو قتل کرتے۔ لبنانی نتیجہ :فالانج کے ساتھ اسرائیلی بھی مشتبہ قتل۔

اسرائیل تاریک بے مقصد دنیا میں گیا۔ جون میں مشن مستحکم، اوالی تک پچیس میل حفاظتی پٹی؛ فتح میں بیروت، دوست مارونی ریاست و بشیر، فالانج سے مغرب قابو۔ یہیں غلط :دو متضاد ہدف—ہر کم سوچ کے ساتھ وسیع ''دہشت گردی ''تباہ، اور مسیحی غالب لبنان سے امن معاہدہ۔

صیدا کے مشرق عین الحلوہ محاصرے کی پوری حقیقت نہیں۔ دوسرے ہفتے شاید پچاس اسرائیلی مرے، کچھ پی ایل او نے قتل۔ نوجوان فلسطینی نے بتایا بمباری میں سیکڑوں شہری؛ زمینی حملے میں 43 اسرائیلی پکڑے۔ کمانڈر کرنل عزمی نے عمارت سے باندھ کر ٹانگوں پر بارود، فلسطینی خروج نہ ہوا تو اڑانے کی دھمکی۔ اسرائیل نے راستہ دیا، کچھ قیدی ساتھ؛ پہاڑ پہنچ کر "مشکل" قیدی اڑانے کا حکم، سب قتل۔

تصدیق نہ تھی، مگر اسرائیلی سپاہی کہتے صیدا میں خوف ناک کچھ ہوا، پھر بیروت کیمپ پر پیادہ حملے کا مزاج نہ تھا۔ اس لیے فالانج بھیجے۔ اصل دہشت گرد مسیحی اتحادی—اسرائیل نے اسلحہ، پیسہ، وردی، خوراک دی، اس کی مخلوق۔ کاہان خود کہتا یہودی مؤقف میں ظلم کا ذمہ دار قاتل ہی نہیں، وہ امن و سلامتی کا اہلکار بھی جو روک سکتا اور نہ روکے۔ شتیلا اسرائیلی یہ بھولے: لبنان میں دہشت گرد گروہ سے دوستی کرو تو خود دہشت گرد بنتے ہو۔

پھر بھی بشیر ملیشیا کی نوعیت سب جانتے۔ جون میں پروفیسر یوسف ابیش نے اس کی حکومت فرانکو جیسی کہی" :سب سے کینہ، کسی پر رحم نہیں"؛ اسرائیلی ناموں کی فہرست سے بڑے گرفتاری و قتل، عظیم تل الزعتر۔ شتیلا فالانج قائد ایلی حبیقہ دامور میں رہا؛ خاندان فلسطینیوں نے قتل، منگیتر بھی وہاں ذبح۔

اسرائیل "دہشت گرد "صرف دشمن کے لیے۔ آزاد خیال یوری ایونری—عرفات انٹرویو پر غداری مقدمہ مانگا گیا—نے کہا یہ میڈیا جرم، قتل کا بہانہ، ذہن بدلنے کا نازی طریقہ، جنگ سے پہلے انسانیت سلب۔[3]

دنیا میں دہشت گردی اغوا، ریستوران، اسکول، ہوائی اڈہ، طیارہ، بس، ٹرین کے شہری قتل؛ اسرائیل میں قول و فعل سے مخالفت کرنے والے سب فلسطینی، اکثر سب عرب۔ جینکنز اسے careless depreciation کہتا، مگر یہ دانستہ۔ شام، سوویت، امریکا، برطانیہ کی طرح اچھا معنی کی

دہشت گرد ''ملیشیا، جنگجو، سپاہی'': برا اسرائیل مخالف، خون آلود، بے عقل، معاشرے سے صاف ''کرنے کے قابل۔''

فلسطینی کو دہشت گرد کہہ کر دشمن نہیں شر بنایا۔ بے ذہن وحشی کی سیاسی دعویٰ سنجیدہ نہیں؛ ہمدرد لازماً یہود دشمن، پھر نازی نواز۔ اسرائیل غلط کہنے والا بھی ہٹلر و آشوٹز کے کٹہرے میں۔ پی ایل او ''دشمن ''ہوتا تو دو فریق؛ ''شر ''ہوا تو تنازع نہیں، حق و باطل، داؤد و جالوت، اسرائیل و دہشت گرد۔ المیہ یہ کہ اسرائیلی خود افسانے پر ایمان لائے۔

ساتھ ہولوکاسٹ۔ فلسطینی محاصرے کو ہٹلر سے تشبیہ دیتے، زندہ بچنے والوں کے نزدیک توہین؛ پاک اسلحے والی شہری محافظ فوج نازی قاتل کیسے؟ شتیلا نے بحث ختم نہیں، گدلی کی: اسرائیل نے دیکھا، قابض سپاہی یہ کہہ کر بری نہیں کہ اتحادی نے جرم کیا۔

فاسفورس سے مشعل بنے بچوں کے بعد بھی ہم اسرائیلیوں کو نازی نہ کہتے؛ کسی حکومت نے پوری نسل منظم ختم کرنے کی کوشش نہ کی۔ ساڑھے تین لاکھ اسرائیلی—آبادی دس فی صد— تل ابیب میں شتیلا کے خلاف نکلے۔ مگر تاریخی مماثلت دور نہ ہوئی :1942ء جرمن فوج نے کروشین مسیحی ملیشیا کو سرب دیہات قتل کرنے دیا، یوگوسلاویہ نے جرمن افسر پھانسی دیے۔

پیمانہ مختلف :لبنان تیرہ برس تقریباً ایک لاکھ، ہیروشیما شہری 138,690 سے کم، ہیمبرگ آتشیں حملہ سے صرف دوگنا، اسپین خانہ جنگی پانچ گنا، سوویت شہری ستر لاکھ، کمبوڈیا تیس لاکھ، الجزائر دس لاکھ۔ مگر انفرادی ظلم میں صبرا و شتیلا دوسری عالمی جنگ کے برابر۔ لاش و گم شدہ اور فالانج گواہی ہزار سے زیادہ، ممکن دو ہزار۔ اسرائیلی کم ترین 460 بھی 1942ء چیک لدیچے SS کے نازی مقتول 469 سے نو کم؛ انٹیلی جنس سربراہ کا 700، 1944ء اورادور-سر-گلان کے مقتول 642 سے 58 زیادہ۔

یہ تقابل اسرائیلی و یہودی حساسیت زخمی کرتا؛ شام حما نازی مقبوضہ یورپ سے زیادہ مشابہ، اور تل ابیب مظاہرہ عرب دنیا نے بے شرمی سے نظر انداز کیا—اسرائیلی ملک کو نازی جرمنی جیسا نہ بننے دینے نکلے، بیگن استعفا مشترک نعرہ۔

لاشعوری طور پر انہوں نے اسی شخص کو نشانہ بنایا جس نے لبنان حملے کو دوسری عالمی جنگ سے سب سے جوڑا :ہولوکاسٹ زندہ بچا بیگن، خاندان پولینڈ میں نازیوں کے ہاتھ، پورا محاصرہ بار بار ـ ریگن کو خط میں خود ”برلن “کی طرف ”ہٹلر “ختم کرنے جاتا؛ عرفات اپنے کو 1939-45 اسٹالن گراڈ محافظ کہتا، مگر بیگن مسلسل اسی جنگ میں لوٹتا۔

ہولوکاسٹ کے ایک ممتاز یہودی مؤرخ نے بیگن کو ذاتی خط لکھ کر آشوٹز مقتولوں سے لبنان جنگ کا جواز نہ بنانے کی التجا کی، بے اثر۔ ہارورڈ کے پروفیسر ناداو سفران کے مطابق ”ہولوکاسٹ کمپلیکس “نے بیگن کو پکڑا؛ وہ اسے جیتا، اس کے اسباب و معنی کی اجارہ داری سمجھتا۔

بیروت فضائی حملوں کے دفاع میں بیگن نے فروری 1945ء ڈریسڈن کی اتحادی آتشیں حملے میں Gestapo بمباری اور 35 ہزار جرمن شہری یاد دلائے۔ یورپی تنقید پر کوپن ہیگن بہت نیچا اڑ کر Mosquito کے اسکول بم کا حوالہ۔ مگر وہاں 21 مارچ 1945ء ایک RAF دفتر سمجھ Gestapo اسکول جلا؛ بعد کے پانچ جہاز نے آگ کو convent ،ریلوے ٹاور سے ٹکرایا بم مارا، 83 بچے، 20 راہبائیں، تین فائر مین۔ بیروت پر کوئی اسرائیلی جہاز نہ گرا؛ ہزاروں شہری ہفتوں اونچائی سے بار بار گھروں پر بم سے مرے، ہدف شناخت کو نیچا اڑنے کی کوشش نہیں۔

سب سے اہم بیگن تقریر 8 اگست نیشنل ڈیفنس کالج :لبنان ”لا متبادل جنگ “نہیں، مگر صرف بے متبادل حالت میں جنگ کا خدائی حکم نہیں۔ دوسری عالمی جنگ کلاسیکی بے متبادل :میونخ، سوویت-جرمن معاہدہ، پولینڈ، فرانس، روس؛ 30-40 ملین، چھ ملین یہودی۔ مگر اس کی ”تحقیق “ میں 7 مارچ 1936ء فرانس دو ڈویژن سے رائن لینڈ کے دو جرمن بٹالین پکڑتا تو ہٹلر گرتا، جنگ،

ہیروشیما، کروڑوں زخم نہ ہوتے، چھ ملین یہودی اب بارہ ملین، ”پورا ارضِ اسرائیل ہمارے ہاتھ“۔[4]

نتیجہ دور رس :ہٹلر قتل نے ارضِ اسرائیل خواب روکا؛ یورپی یہودی آتے تو مقامی عربوں سے زیادہ۔ اب عرفات بھی خواب روکتا؛ ہٹلر و عرفات مشترک۔ اس لیے ریگن خط میں بیروت برلن، عرفات ہٹلر۔ یاد واشم بھی بصری تائید :نازی، مینڈیٹ برطانیہ اور فلسطینی عرب پر الزام؛ مفتی حاج امین الحسینی نازی اتحادی جنگی مجرم تو عرفات بھی، جو بنکر میں گھرا۔

بیگن نے 20 ہزار دہشت گردوں کی عسکری قوت، شام کے بہترین ٹینک و جہاز، 24 میزائل بیٹری تباہ کہا۔ بیروت برلن تو جنوب رائن لینڈ؛ اس بار اختیاری جنگ نے لا متبادل جنگ روکی۔ پھر عرب ممالک سے برسوں امن معاہدے—سب غلط؛ لبنان سے بھی نہیں۔ پھر بھی وعدہ اسرائیل کسی عرب ملک پر حملہ شروع نہیں کرے گا—سوائے جنگ روکنے کے۔

ایونری نے کہا بیگن 1942ء پولش جنرل اینڈرز کے ساتھ آیا، اپنے لوگوں کو چھوڑنے کا جرم گہرے جذبات، کہتے وقت خود یقین؛ عرفات demagogue، ہولوکاسٹ رویہ بڑھا؛ بے مثال genocide سے بچاتا سمجھتا۔ دوسرا ہٹلر اور وہ لبنانی مسیحیوں کو

پھر بھی سوال :نازی متاثرین نے قتل کیوں ہونے دیا؟ 1986ء بریگیڈیئر اسپیکٹر بولا ہولوکاسٹ بعد پہلی نسل اخلاق تنزلی سے بہت باخبر؛ فضائی تربیت میں غیر قانونی حکم نہ ماننا، ہدف سپاہی کی روح میں۔ لبنان کارروائی ضروری سمجھی، مگر شیرون و ایتان کے پاس ”final solution“— خوف ناک لفظ—تمام جنگیں ختم کرنے کی جنگ؛ بہت دور، بہت زیادہ۔ اصل سوال دہشت گردی لڑتے حق سے زیادہ غلط تو نہیں؟

ایونری تلخ :دکھ انسان پاک نہیں، بدتر اور خود غرض کرتا۔ برگن بیلسن پر صدر ہرزوگ نے صرف یہودی کہے، دوسرے متاثرین نہیں۔ عظیم ظلم کے بعد لگتا کوئی موازنہ نہیں، اخلاق

سب IDF ۔ سب مانتے moral immunity ،کچھ بھی کرنے کی اجازت ،power of attorney سے انسانی، ''اسلحے کی پاکیزگی ''ہاگانہ نعرہ، کبھی سچ نہیں۔ سیاست دان ہولوکاسٹ سے اخلاقی blackmail عجیب: مگر حقیقت موجود schizophrenia: دوبارہ وارسا گھیٹو یا آشوٹز نہیں، پھر اڑتالیس گھنٹے میں پورا مشرق وسطیٰ فتح—کوئی تضاد محسوس نہیں۔

اسی لیے معقول دکھ اٹھائے لوگ بھی واضح اسرائیلی ظلم پر تنقید نہیں کر پاتے؟ آشوٹز زندہ ایلی ویزل نے شتیلا پر صرف ''اسرائیل کے ساتھ، خلاف نہیں ''اداسی اور ''اسرائیلی سپاہی نے نہیں مارا''؛ چومسکی :اسرائیل ہفتوں وہیں بم سے مارتا رہا، تب اداسی نہیں۔ سوویت قیدی نتن شرانسکی مغربی کنارے ظلم نہ کہہ سکا۔ کونور کروز اوبرائن نے اسے لبنانی فرقوں کا معمول اور لکھا اکثر لبنانی اسرائیلی حملے پر خوش۔ جین فونڈا، ہنوئی میں امریکیوں کو ناراض کرنے والی، مشرقی بیروت اسرائیلی فوج کی تفریح، مغرب پر گولے دیکھ کر ''فلسطینی دہشت ''کے خلاف اسرائیل کی غیر مشروط حمایت، تنقید کو یہود دشمنی۔ باربرا ٹکمن نے بس کہا عرب پیچیدگیاں اسرائیل قابو نہیں کر سکتا؛ فکر اسرائیل و diaspora [5] کی۔

نہ جانتی تو بوخن والڈ و ٹریبلنکا باہر IDF برعکس ناول نگار اے بی یہوشع :اگر سو میٹر دور جرمن لاعلمی جیسی؛ ''ہم بھی جاننا نہیں چاہتے تھے۔ ''عبرانی یونیورسٹی کے یشایاہو لیبووٹز :قتل ہم نے کیا؛ فالانج ہمارے کرائے کے قاتل جیسے یوکرینی، کروشین، سلوواک ہٹلر کے؛ لبنان میں فلسطینی مارنے کو ہم نے منظم کیے۔ جواب وزیر یوسف برگ'' :مسیحی نے مسلمان مارے، یہودی ''کیسے مجرم؟ ''بیگن کابینہ'' :غیر یہودی غیر یہودی کو مار رہے، یہودی کو پھانسی چاہتے۔

26 ستمبر اسرائیل بے اعلان تیزی سے مغربی بیروت چھوڑا، جیسے غلطی جانتا ہو۔ فجر سے پہلے ٹینک کورنیش سے بندرگاہ؛ یومِ کپور کی شام—کبھی عسکری کامیابی کا نام—تقریباً سب گئے۔ جگہ

لبنانی چھوٹی بکتر اور فرانسیسی ٹرک؛ ضمیر کی خلش والی کثیر قومی فوج واپس۔ امریکا، فرانس، اٹلی نے اپنی ذمہ داری سمجھی؛ فرانسیسی شتیلا میں بارودی سرنگیں، چہروں پر جراحی ماسک۔

بروقت گئے :ہر پانچ گھنٹے اسرائیلیوں پر قتل کوشش؛ نامعلوم بندوق برداروں کی گوریلا جنگ، نئی شیعہ مزاحمت ہمیں معلوم نہ تھی۔ ایک شام حمرا، فاکھانی، کورنیش مزرعہ پر راکٹ حملے۔

ہم نے حبیقہ ڈھونڈا؛ نوجوان بیوی کا پتا، وہ غائب۔ فالانج افسر کہتے بشیر ذاتی محافظ، سفارت کاروں کو مارونی سیاست کا روشن چراغ کہا۔ دو روز بعد لبنانی انٹیلی جنس افسر نے ویڈیو جیپ کو بیر حسن بیرک کی بتایا، مزید نہیں کیونکہ اسرائیل ''مکمل شریک''۔ مشاہدہ چوکی نے 502493 اسرائیلی، فالانج، حداد اکٹھے کیمپ جاتے دیکھے۔ پوچھا حداد آدمی ہوائی اڈے لانے والی خبر ''تمہاری؟ ''درست، ہماری رپورٹ؛ اسرائیل انکار؟ یقیناً۔

بشیر کس نے مارا؟ لاشوں کے بیچ غیر اہم۔ دشمن بہت۔ فالانج نے شامی انٹیلی جنس کا آرمینیائی اعترافی پکڑا؛ ممکن۔ فلسطینی بدلہ، سلیمان فرنجیہ بیٹے ٹونی، بہو اور پوتے کا 1978ء بدلہ، یا خود اسرائیل کیونکہ بشیر نے امن معاہدہ نہ مانا—کوئی لبنانی رد نہ کرتا۔

قتل سے پہلے بھائی امین'' :صدارت جیت کر جمہوریہ ہارنا کسی کے کام نہیں۔ ''یہی قسمت۔ بڑی آنکھ، درمیان مانگ، دلفریب؛ بشیر جیسی فوجی بے رحمی و نفرت نہیں، اگرچہ دونوں وکیل اور خانہ جنگی ساتھی۔ انتخاب پر گولہ بارود ڈپو دھماکے کی چھریاں؛ 21 توپ سلام نے تین میل دور فوجی ڈپو کی گرج دبائی۔ 80 میں 77 ووٹ، سفید سوٹ، مقتول بھائی تصویر تلے امن اور لبنان میں ''دوسروں کی جنگیں ''ختم، اسرائیل فلسطین شام نام نہیں۔ پھر حبیب کے ساتھ کھانا، طاقت کی حقیقت سننے۔

حقیقت اختیار نہیں، قابض افواج کی پابندی؛ انہیں ناراض نہیں، منت، معاہدہ، سازش کرکے مقصد :مضبوط آزاد خود مختار ریاست، آزادیاں، پورے وطن سے سب غیر ملکی فوج۔

شتیلا لاشیں دروازے دائیں زمین میں، کفن، گڑھا، بلڈوزر؛ غم اور متلی بو۔ اسرائیلی خارجہ افسر بروس کاشدان نے ڈائری رکھی، گنجا، بل فولی جیسا۔ 17 ستمبر بعبدہ میں مورس ڈریپر فون: فالانج مغرب میں خوف ناک نتیجہ۔ اسے نہیں بتایا کیمپ داخل۔ ہفتہ دس بجے دوسرا فون" : قتل روکو، فحش ہے؛ میرا افسر لاشیں گن رہا، شرم کرو۔ بچے مار رہے۔ علاقہ مکمل تمہارے قابو، ذمہ دار تم۔"

شمالی ساحل، خواب میں مستقبل سفارت خانہ۔ میں liaison office بعد میں اسرائیلی کاشدان کو پسند کرتا۔ پوچھا ہولوکاسٹ مردے، این فرینک شتیلا دیکھتی تو کیا؟ بارہ سال میں اس ۔ اس نے دیر typhus کی ڈائری پڑھی؛ انسان کی بنیادی بھلائی، غداری، 1945ء برگن بیلسن یہودیوں کو "کاکروچ Utrecht سوچا" :شاید نہ سمجھتی، لبنان بہت پیچیدہ۔ "کمزور جواب۔ این نے بعد مغربی کنارے عربوں retirement کی طرح صاف "کرنے پر نفرت لکھی؛ یہی لفظ ایتان نے کے لیے "بوتل میں نشہ زدہ کاکروچ "کہا۔ این سمجھتی؛ ہم دونوں جانتے۔[6]

ہم تحقیق جاری۔ افواہ ایک مقتول آشوٹز زندہ یہودی عورت :1946ء فلسطین، عرب سے شادی، 1948ء جلاوطنی، شتیلا؛ کلائی نمبر، فالانج نے 17 کو قتل و قبر۔ فوٹوگرافر پھر نہ ملا، تصدیق نہیں۔ سالگرہ پر گواہ کہتے اسرائیلی اندر؛ بوڑھے عبرانی جانتے، بات کی۔ کیا اسرائیلی تھے؟ بعد کے سال شتیلا پر مزید گولے، 1982ء قبر پر بھی۔

اے پی ایرانی شہزاد فرامرزی عورتوں سے بار بار تفصیل۔ ستمبر 1984ء، چودہ سالہ سوسن : فالانجی آئے تو چاقو سے بدلہ؛ تین بھائی، دادا، دو چچا قتل۔ حیفا قریب خَصایر کی چالیس سالہ آمنہ شہادہ :بیٹے کی لاش اور قاتل جانتی تو ویسا جرم کرتی؛ یہودی بھی تھے، کتائب سے زیادہ رحم، ایک اسرائیلی نے عورت بچوں کو راستہ دکھایا، ورنہ سب مرتے؛ ماسک والا فالانجی۔

عورتیں ذاتی تباہی پر نوحے سے چیخ۔ 36 سالہ ام حسین :شوہر حمید مصطفیٰ خلیفہ 39، دو بیٹے :قتل، آٹھ بچے باقی۔ خوب صورت مسکرا کر اپنی کہانی سے ہمیں بچاتی

"کچھ رحم کرکے مدد، مگر نئی خالی زندگی مشکل۔ پہلے خاتون کی طرح، دروازہ کھلتا؛ اب پر ٹوٹے۔ شوہر اور بیٹے ستون، گھر بیٹھ گیا۔ خوش لوگوں کو دیکھ کر اداس۔ محمد باپ کو پکارتا، دروازے کھڑکی پر ہاتھ پھیلاتا۔ میں ختم، ہاتھ کانپتے، صفائی نہیں، تنہا۔ قتل کی جگہ سے بچنے گھر بدلا؛ حسین کا سر جسم ادھر ادھر یاد۔ ہر پیر جمعرات قبرستان، قرآن ٹیپ، روتی، پھول داخل ہوتے پھینکتی۔ معلوم نہیں شوہر بیٹے کہاں؛ کاش قبر، تصویر، سنگ مرمر بنا دھوتی۔ جانتی وہیں، پھول پھینک کر امید صحیح جگہ گریں۔"

حواشی

۱۔ فالانج نشان تکونی دیودار اور "کتائب لبنانیہ"؛ حداد کا حقیقی درخت پر سنہری تلوار اورا "آرمی آف فری لبنان"۔ لبنانی اخباروں نے قیاس کیا حداد والوں کو فالانج وردی پہنا کر کمزور امین جمیل کو آلودہ اور کمیل شمعون کو فائدہ دینا تھا—سازش زندہ تھی۔

۲۔ کاہان کمیشن، The Commission of Inquiry into the Events at the Refugee Camps in Beirut، 1982ء1983ء؛ نیز یروشلم پوسٹ، یکم نومبر "IDF soldier saw women, children killed"۔

۳۔ ایونری کے مطابق شیرون نے جنگ سے آٹھ ماہ پہلے پی ایل او تباہ، فالانج کا مسیحی protectorate، شام کو باہر، فلسطینیوں کو شام سے اردن دھکیل کر وہاں انقلاب و فلسطینی ریاست کا نپولینی منصوبہ بتایا۔ اسرائیلی فوج پی ایل او کو عسکری خطرہ نہیں، شام کو سمجھتی تھی۔

۴ 460 ۔ بیگن تقریر کا متن یروشلم پوسٹ، 20 اگست 1982ء۔ کاہان کمیشن نے کم ترین 460 اموات، انٹیلی جنس سربراہ نے 700–800 کہیں؛ لدیچے انتقام میں 173 مرد گولی، 198 عورتیں اور 98 بچے Ravensbrück بھیجے گئے۔

۵ چومسکی نوم کے لیے ردعمل کے مآخذ و بحث ان ۔Fateful Triangle، خصوصاً صفحات 268–269۔ الہامشمار، 5 دسمبر 1982ء؛ یدیعوت احرونوت، 4 جولائی 1982ء؛ 386–387 اور

۶ ۔ ایتان نے 1983ء کنیسٹ کمیٹی میں کہا بستیاں بڑھنے پر عرب "بوتل میں نشہ زدہ کاکروچوں کی طرح "دوڑ سکیں گے؛ ٹائمز، 15 اپریل 1983ء۔

باب 12

پنڈورا کی پٹاری

رابرٹ فسک

"ہم ایک دوسرے کی موجودہ تصویریں بناتے، ان کے عکس کے بھی عکس ڈالتے، آئینوں کے ایوان میں نفرت کے ساتھ ہمیشہ چل سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اسرائیلی، فلسطینی اور عرب اپنی بنائی بے مخرج آئینہ گاہ میں لامتناہی خونی اذیت میں قید رہیں گے۔ یا زبان کے استعمال میں دیانت اور فیاضی اختیار کریں۔ یہ بہت مشکل نہیں—امن کی خاطر لازم مشکل کاموں میں سب سے آسان ہے۔"

— اسرائیلی صحافی مائیکل ایلکنز، یروشلم پوسٹ، 13 نومبر 1983ء

صبرا و شتیلا قتلِ عام کے اگلے ہفتے نیوزویک نے سات روز کی اہم ترین خبر موناکو کی شہزادی گریس کی سڑک حادثے میں موت سمجھی۔ دو ہفتے بعد سرورق" :اسرائیل اذیت میں"؛ چونچ میں زیتون شاخ لیے مردہ فاختہ، خون داؤدی ستارے پر۔ ساتھ "امریکی یہودیوں کی کرب "اور اندر اسرائیل کی بے چین روح"۔"

مغربی بیروت کا شخص سمجھتا اذیت فلسطینیوں، کرب زندہ بچنے والوں کا تھا؛ امریکا کے ٹوٹے تحفظ وعدے کے بعد اسرائیل کی روح بے چین تو دھوکا کھائے لوگوں کی کیا حالت؟ خبر سرخی سے بہتر تھی :زمانی ترتیب، امریکی حمایت میں کمی کا سروے، بیگن و شیرون پر سخت تنقید۔ لکھا اسرائیل مظلوم سے مشرق وسطیٰ کا حاکم بنا، مگر صیہونی خواب کی کیا قیمت؛ شاید ناقابلِ واپسی دائیں، تنہائی میں بندوق، اور دنیا کے "عام طور پر تیز ترین "اخلاقی حس میں سنگ دلی۔

تعصب پھر" :سڑتا عرب سوال"، عربوں کی "خون کی نفرت "نے اسرائیل کو گھیر کر سخت کیا۔ سوال گندا، ناپاک؛ نفرت بے عقل، شر؛ اسرائیلی گناہ بھی عرب ذمہ داری۔ اسرائیلی اخلاق دنیا میں تیز ترین—بلا ماخذ۔ بیروت کو حیرت نہ تھی۔ مقتول یہودی ہوتے تو کیا شہزادی گریس پھر بڑی خبر؟

پہلی برسی وال اسٹریٹ جرنل نے لکھا حملہ صدمے کا مستحق، مگر "قابلِ ذکر "460 میں صرف پندرہ عورتیں، بیس بچے، باقی مرد—لبنانی، ایرانی، شامی بھی۔ جھوٹ :جیننگز اور میں درجنوں عورت بچے دیکھے؛ لہجہ خود رسوائی۔ کیا پینتیس ہمدردی کے قابل نہیں؟ صبرا میں غریب لبنانی شیعہ، کئی فلسطینی شام پیدائش کی دستاویز؛ ایرانی نہ ملا، ملتا تو اس کا قتل کم؟ شامی، لبنانی، فلسطینی میں اخلاقی درجہ؟

صورت الٹیں :460 اسرائیلی مارے، اخبار کہتا "صرف "پینتیس یہودی عورت بچے، باقی یمن، مراکش یا نیویارک کے تارکین؛ فوراً درست طور پر یہود دشمن اور نسل پرست کہا جاتا۔

عربوں کو سمجھانا مشکل مغربی ادارتی و اکثر خبری صحافت اتنی اسرائیل نواز کیوں۔ بیروت نامہ نگاروں کے لیے یہ سخت عوامی تنازع تھا، مگر دفاتر اسے داؤد و جالوت، خیر و شر؛ اسرائیل خیر، عرب جھوٹے، ناقابلِ اعتماد، حیوانی۔ مغربی کارٹون عرب کو کبھی کج ناک، ہوس بھری مسکراہٹ، بے مونڈھا؛ یہی اسرائیلی پر درست طور پر یہود دشمنی۔

عربوں نے تعصب بنانے میں مدد کی۔ آزادی بعد آمریت، جبر، بدعنوانی کا سرطان؛ سب سے لبرل حکومت بھی اسرائیلی انتخابی جمہوریت نہیں، مغربی جمہوریت ناموزوں ہو تو ذاتی و سیاسی آزادی اور ہر جگہ تشدد کا عذر نہیں۔ اسرائیل بھی عرب مخالفین پر تشدد کرتا—یروشلم Russian Compound یا جنوبی لبنان خیام جیل دیکھیں—اور مغربی کنارے و غزہ کو جمہوریت نہیں؛ منتخب فلسطینی میئر مخالفت پر برطرف۔

مشرقی یورپی سوشلزم، قبائلی وفاداری، پان عرب فتح پسندی اور خالی نعرے نے مغرب میں بداعتمادی و نفرت بنائی۔ عرب اتحاد کے مطالبے اور اسرائیل کے بجائے باہمی جنگ نے نقصان کیا۔ صرف مسیحی آبادی، غیر تحریری جمہوری میثاق اور مغربی لالچ والا لبنان آمریتوں میں دلکش۔

ایڈورڈ سعید کی Orientalism مغربی بنیادی تحقیق، مگر ہولوکاسٹ نے اسرائیل کے لیے ہمدردی و جرم پیدا کیا۔ "یہودیوں نے صحرا کھلایا"—حالاں کہ عرب و یہودی نسلوں سے—تباہ شہروں اور بے مثال قتل کے بعد انسانی تجدید کی علامت؛ سب سے بڑے جرم کے متاثرین نے نئی ریاست بنائی۔

برطانیہ فلسطینی یہودیوں کی اپنی خون ریز "دہشت گرد" "گوریلا جنگ بھول نہ سکتا، مگر مغربی تخیل نے آشوٹز کی راکھ سے اٹھتی چھوٹی کمزور اخلاقی ریاست پکڑی۔ دیر یاسین نے "اسلحے کی پاکیزگی" "پیغام نہ توڑا۔ امریکی یہودی حمایت اور کمیونزم روکنے کی امریکی پالیسی ملیں؛ امریکا نواز اسرائیل مفید، دشمن ممکنہ کمیونسٹ عرب سمندر میں جمہوری نخلستان۔ چیلنج کرنے والے کو ہولوکاسٹ و مہذب دنیا کا جرم یاد۔

ریل، بیرک: تصویر فضائی برکناؤ-آشوٹز کی طیارے امریکی میں واشم یاد، selection ramp سے گیس چیمبر جاتے یہودی۔ اتحادیوں نے ریل یا چیمبر کیوں نہ بم کیے؟ پیوس بارہویں نے اپیل کیوں نہ کی، مسیحیت کیوں نہ بچا سکی؟ تصویر مغرب کو جرم میں کھینچتی، جیسے مفتی حاج امین الحسینی SS کی تصویر فلسطینیوں کو۔ ان سوالوں میں پانچ لاکھ عربوں کی بے دخلی غیر اہم؛ یورپ میں کروڑوں نقل مکانی، ہولوکاسٹ لوگوں کے لیے فلسطینی قربانی سے مغربی ضمیر کم زخمی۔ یوں مغرب نے یہ سوال ٹالا کہ ہٹلر کو کیوں اجازت؟

بعد میں اسرائیلی عمل کی تنقید پر براہِ راست یا پوشیدہ یہود دشمنی کا الزام۔ چند سفارت کار و نیت بے عیب، دشمن نازی جیسے وحشی۔ ہر ملک :moral immunity لکھاری چھوڑ، اسرائیل کو کی یہودی برادری میں دفاع، امریکا سب سے طاقت ور۔

۔ یہودی تاریخ واقعی رزمیہ، مگر بے Exodus غیر تنقیدی ادب و فلم، مشہور لیون یورس داغ اسرائیلی کہانی نے ناقص فہم بنایا؛ فوج ناقابلِ شکست، خفیہ ادارے بے خطا۔ بہتر طور پر اپنے بلند معیار یاد، بدتر طور پر عربوں کے خلاف نسل پرست اور چونکہ عرب بھی سامی، یہود دشمن مواد۔ عرب جاہل، جھوٹا، گندا، ظالم، ہوس ناک۔

میں فلسطینی جلاوطنی کا بوڑھا عرب Promise and Fulfilment ء آرتھر کوئسلر نے1949 گدھے پر، گدا، پیتل قہوہ دان، اور ”سب سے چھوٹی پوتی کی عصمت دری کا کھویا موقع “سوچتا لکھا۔ 1956ء ایڈمنڈ ولسن نے عربوں کو امریکی جنوب مغرب کے ناواہو جیسے، خوب صورت مگر پسماندہ؛ عکا کی گندی گلی، گندے بیمار چیختے بھیک مانگتے بچے اسرائیلی میں ”اخلاقی نفرت “پیدا کرتے کہا۔ یہی نازی زبان تھی جو مشرقی یورپ یہودی گھیٹو کے لیے؛ یہاں عرب ”مسئلہ “۔[1]

رپورٹر عموماً ایسی زبان نہیں، مگر کوریج اسرائیلی نظر سے۔ اسرائیل نے پریس خوش آمدید، موافق خبر پائی۔ بہت مغربی نامہ نگار یہودی نژاد، فوری نسبت؛ تاریخ و لوگ شناسا، رابطہ موثر؛ سرکاری تضاد نظر انداز آسان۔ ایک طرف ہولوکاسٹ زندہ بچنے والوں کی ننھی کمزور ریاست تین ظالم عرب حکومتوں سے گھری، دوسری ناقابلِ شکست بے مثال فوج—خوف ناک کمزوری اور عظیم طاقت کا تضاد کم کھنگالا۔

اسرائیل ختم کرنے کی دھمکی یا 1967ء بعد گھروں کے خواہش مند :aggressor عرب فلسطینی ”دہشت گرد“۔ اخبار کے دو نامہ نگار—یروشلم اسرائیل، بیروت باقی عرب دنیا—پھر بھی توازن نہیں۔ اسرائیل معلومات و مدد برسائے؛ عرب حکومتیں صحافی کو جاسوس، معمولی سوال و

جونیئر وزیر بھی نہیں۔ جنگ میں اسرائیل سیاسی مفید محاذ دکھاتا؛ عرب دارالحکومت میں قید، ناقابلِ نقل تقریر اور خیالی فتح۔ اس لیے جنگی خبر اسرائیل سے—جب تک شام، اردن، مصر میں۔ لبنان مختلف :کمزور حکومت و منقسم سلامتی مغربی پریس سنسر نہ کر سکتی۔

۔ اسرائیلی فوج ساتھ رپورٹر محدود و turning point ء اور 1982ء لبنان آپریشن1978 کے مطابق legend سنسر، بیروت والے آزاد۔ پہلی بار عرب جانب کھلا؛ ناقابلِ شکست اخلاقی فوج نہیں :ظلم، قیدی بدسلوکی، ہزاروں شہری قتل، جھوٹ، پھر اتحادی سے کیمپ قتل۔ تین دہائیوں سے تحقیر کردہ "غیر مہذب "عرب فوج جیسا۔

preventive اسرائیل حقیقت کی اجارہ داری کھویا۔ شہری دکھ دیکھنے والے سرکاری بیان رد؛ اب معنی دیکھنے والے strike، surgical precision، pinpoint accuracy، mopping up قبول نہ کرتے۔ انسانی شبیہ ٹوٹا قومی تاریخ کا تباہ لمحہ؛ مغرب نے طاقت ور فوج کو شہری علاقے صدمے diaspora گولے مارتے دیکھا، پرانے اخلاقی نگہبان تصور پر نظر ثانی۔ اسرائیلی حامی و میں۔

کی دور کی رشتہ دار—ہر جنگ گفتگو میں : Plot راحت کے لیے وضاحت :سازش—عرب صحافی جھوٹے۔ ایرلن ٹیٹرو نے اگست میں موٹی فائل چھینکی" :دیکھو فسک، تاریخ ابھی دوبارہ لکھ رہے۔ "معاریف" :میڈیا نے ضمیر پی ایل او کو بیچا"۔ بے نام لمبا ادھیڑ صحافی کہتا رشوت، اہمیت کے مطابق، خاموشی یا ہمدرد مضمون؛ دوسرے بلا رشوت خوف سے۔ مزید بے نام :میڈیا "لبنان مخالف سازش"، اخبار ریڈیو ٹی وی دہشت گردوں کو مکمل فروخت۔ کوئی ثبوت نہیں۔

ٹی وی کے ABC :"liquidation سات روز بعد معاریف نے بیروت صحافیوں کی "جسمانی عمان میں نجی جیٹ ،stringer ریڈیو ABC :لیری بکمن اور شان ٹولن قتل۔ قبر سے بکمن ہنستا

پھنسا کر rudder سے heel کے cowboy boots حادثہ؛ عرافات انٹرویو ٹیپ ایڈٹ کو، پائلٹ طیارہ الٹا۔ دہشت گردی نہیں۔

ریڈیو؛ شادی شدہ عورتوں، برطانوی سفارتی اہلکار کی بیوی، ABC و Observer آئرش ٹولن پھر فلسطینی عورت سے تعلق۔ حسد شوہر نے دو قاتل ساٹھ ڈالر پر؛ کموڈور بار سے 1981ء رات کی قیمت affair چہرہ، گردن پشت گولی۔ قاتل فلسطینی یا لبنانی نامعلوم، مگر ice-pick واپسی پر مخالف فلم کے باعث دہشت گردی بنا دیا۔ PLO کسی عرب شہر میں۔ اسرائیل نے

سے؛ معاریف نے sniper لوریان لوژور مدیر و لوموند نامہ نگار ایڈورڈ صعب 1976ء محاذ پر امریکی Newsweek ،"میں "دہشت گرد نے سر میں گولیاں roadblock کہا فلسطینی تنقید پر ؛ sniper کے گرد گاڑی موڑتے سیکڑوں گز سے نامعلوم shell-hole دوست محفوظ۔ حقیقت ساتھ نیویارک ٹائمز ہنری ٹیز، نیوزویک نہیں۔

یقینی فلسطینی قتل صرف جرمن رابرٹ فیفر، 1977ء اسلحہ اسمگلنگ کتاب؛ گمنام فون ۔ صحافی سچ کی تلاشPFLP نظر انداز، گھر دروازے پر تین خودکار بندوق بردار، غالباً warnings حقیقت نہ بدلتا۔ پی ایل او انکار، مگر intimidation میں مرا؛ داخلی سلامتی کا عذر -gun تحقیق پر ڈگلس ہوم سے بات؛ سچ لکھیں یا Hoffman-PLO ممنوع اشارہ۔ میری running لبنان چھوڑیں۔ اتفاق، نتائج نمایاں بلاکٹ، پی ایل او نے "جھوٹ "کہا۔

عمومی لاقانونیت بھی۔ بہار 1981ء پانچ امریکی صحافی، فولی سمیت، لمبے شراب کھانے بعد دیکھنے، کوٹ ٹائی، شناخت نہیں، ایک کیمرے میں فلم نہیں، landing آدھی رات دامور اسرائیلی ،سمجھ بیس گھنٹے صبرا زیر زمین saboteur نے اسرائیلی PFLP ۔bulletproof vest گاڑی میں تفتیش، ایک سے آخری خط۔ فولی نے نک ٹیٹرو کو اے پی کو مضحک بنانے کی ،strip-search معافی لکھی؛ ثابت بے وقوف صحافی، جاسوس نہیں؛ کافی بعد شرمندہ رہائی۔

ABC Under کہا، شاید امریکی intimidation اسرائیل نے اگلے سال اسے دہشت گرد کی مغربی کنارے تنقید کے جواب؛ ہمیں خیال نہ تھا جلد مکمل حملہ کور the Israeli Thumb کرنے والے امریکیوں کی ساکھ توڑنے میں استعمال ہوگا۔ پانچ ماہ میں بکمن و ٹولن شہید، امریکی و برطانوی یہودی اخباروں میں۔ یروشلم پوسٹ نے "خاموشی کی سازش"، پی ایل او نے صحافی ڈرائے و قتل، خبر خدمت اتنی موثر نامہ نگار ہوٹل بار نہ چھوڑتے۔ محمود لابدی اپنی بے ڈھنگی ناکارہ تنظیم کی تعریف پر خوش، پھر بتایا سراسر...

جھوٹ بتایا تو خوشی ختم۔ قصے جاری۔ بعبدہ اسرائیلی پریس افسر: پی ایل او کی "حقیقت"، ... صحافی قتل، جنوبی دیہات دھونس، شہری عمارت کنارے توپ، اور شتیلا بعد اچانک—حما شامی قتل کیوں نہیں؟

روز بتایا ہم نے پی ایل او تکبر و دھونس، صحافی قتل، شہری ڈھال، حما سب رپورٹ کیا۔ ایک کو تفصیل، دوسرے وزارت یا یونٹ سے وہی فہرست۔ "حما جانے کی ہمت کیوں نہیں؟ "میں گیا تھا۔ "پی ایل او نے خاموش کیوں؟ "نہیں کیا۔ بے اثر۔

ایک، factual errors، raw deal میں میجر یہودا وائنراب :اسرائیل کو IDF Journal معلومات روکنا، جذباتی الفاظ۔ اسرائیلی خود تنقید صرف ابتدائی سخت، value judgments، ذریعہ لبنان کی PR انتظام :صحافی پہلے لاتے، ترجمان تفصیل دیتا۔ کبھی اصل نہیں :کوئی PR سنسر یا حقیقت نہیں بدلتا—"دہشت گردی "جنگ ہزاروں شہریوں کا خون اور اسرائیلی بالواسطہ ذمہ دار قتلِ عام بنی۔

زیادہ اسرائیلی اپنے پروپیگنڈے پر یقین؛ پریس جھوٹا، جنگ واقعی دہشت گردی۔ ورنہ پہلے عزت پاتا اسرائیل لبنان میں بدنام کیوں؟ آہستہ صحافی یہود دشمن—ہٹلر و عرفات جیسے۔

کام و خطرے میں حملے دیکھنے وقت کم۔ کثیر قومی فوج، مقبوضہ لبنان میں نظم کا زوال؛ دروز اب اسرائیل کے جون میں نصب مسیحی ملیشیا سے جنگ۔ یہی اعمال کا جائزہ وقت تھا۔ شام طویل سیاسی مقصد پر سنجیدہ تجزیہ سے hopeless ہدف کی بے معنویت نہ سمجھ کر پسپا؛ اسرائیل بھی لبنان نہ ملا؛ پی ایل او بیروت سے، مگر 16 ہزار گوریلے طرابلس و بقاع۔ pacified ،انکار۔ متحد

کاہان کے سوا مہنگا یروشلم پوسٹ پچاسویں سال symposium "War and the Press" ۔ مدیر مارٹن پیریٹز، کونور کروز اوبرائن، کرنل پال کدار نے New Republic اسرائیل نواز صحافیوں پر حملہ۔ پیریٹز: پی ایل او نے شہری علاقوں کے اسلحہ ذخائر تصاویر سنسر، صرف اسرائیلی حملے ،obscure مدیر نے 1981ء لبنان و پی ایل او تحریر Observer: گولے ٹی وی۔ اوبرائن ۔ کدار—پانی بجلی جھوٹ ماننے والا، شہری "ابھی بھوکے نہیں"—نامہ نگار کیfashionable بعد غرور۔ یروشلم پوسٹ ڈیوڈ لینڈاؤ: world conscience keeper اور abysmal ignorance (Bogside غلطی سے اسکول مارتا تو یہی ردعمل۔ IRA، بم کرکے Bogside Belfast برطانیہ persecution ،۔ (اوبرائن: مظلوم یہودی سے "بہتر برتاؤ "کیوں توقعLondonderry دراصل معاف کرائے۔ poor behaviour

اصل لبنان سے گریز۔ مسئلہ پریس نہیں حملہ، اپنے خوابوں میں پھندا: دہشت گردی، Jewish یہودی اخبار بھی؛ لندن diaspora مسیحیت نجات، تابع ریاست، ہولوکاسٹ بدلہ۔ نے تحقیق کے بجائے اسرائیلی نسخہ اور چند مخالف خطوط۔ Chronicle

مئی 1983ء اسرائیل سابق استقبال کرنے والے شیعہ علاقے میں گوریلا جنگ؛ لندن اسرائیل ،"Institute of Jewish Affairs symposium "Media and Lebanon War ۔ vilify/distort نہیں۔ آغاز "متفقہ"، اعتراض پر "تقریباً متفق "کہ عالمی میڈیا نے اسرائیل کو نہیں copy ،مدیر میلون لاسکی: مغربی بیروت صحافی شامی سنسر Encounter میں پچھلی صف۔

shallow, cheap۔ بتاتی—جھوٹ؛ یہودی آدھی بائبل، قوم و تہذیب؛ مغربی خبر کیسے جانیں، رپورٹر کموڈور چودھویں منزل پر، بم کہاں لگے نہیں indiscriminate bombing جانتا۔ مجمع خوش۔

comeback coverage سے تشبیہ۔ میرا لاسکی نے 1930ء سوویت، 1940ء آخر نازی نام، کراہ۔ ”دلکش باصلاحیت؛ سترہ کی بیٹی ایسا لکھے تو فخر، بائیس پر “...قہقہہ؛ رپورٹنگ ایوارڈ مائیکل پنٹو-دوشنسکی نے academic ہمارے عہد کا غیر ذمہ دار صحافتی عمل“۔ آکسفورڈ یہودی” genocide" ،نہیں total war: امریکی و برطانوی صحافی دفاع کیا، شور سے دبایا۔ لاسکی چیخا نہیں۔ “رات ڈگلس ہوم کو لکھا :مجھے یہ الفاظ منسوب، میں نے کبھی نہیں؛ لوگ بعد میں عجیب باتیں، ”سب اسرائیلی قاتل “لکھنے کا الزام۔

Observer اور Channel 4 مدیر ڈونلڈ ٹریلفورڈ جیریمی آئزکس نے دفاع؛ لاسکی سب کو intimidated حما بعد؛ foreign ،warning ۔ میں نے لکھا بیروت میں خوف تھا، مگر پریس کھڑا؛ editor Brian Horton نے holiday لاسکی نہیں کہا، انکار، شام سے سخت بات، کام جاری۔ ;populist tone جانتا یا پروا؛ پریس ڈرا :مجمع کی خواہش ،fame greedy ،sensationalist ،lazy۔ ممکن یہود دشمن

Jewish Chronicle پنٹو نے casualty figures قبول؛ تنقید دیکھی : کہا فسک نے فلسطینی bias ،اصل میں ”عرب اور اسرائیلی دونوں اعداد پر شک“۔ اصل مغربی پریس دیکھو دعویٰ غلط۔ state-within-state :پھر شور۔ لاسکی پہلے کیوں نہیں، فسک نے کیوں نہیں؟

Dachau غصہ مشکل، ناانصافی اتنی واضح۔ دکھ مجمع پر۔ پاس ادھیڑ عورت کی دو انگلیاں frostbite سے کٹی، خاندان میں صرف وہ شوہر؛ اسرائیل سے مکمل وابستہ، ہر تنقید تاریک

سازش۔ جاتے نام پوچھا؛ بتایا تو "ہماری رائے کبھی نہیں ملے گی۔ "اس کی نظر میں میری رائے اقتباس۔ Jewish Chronicle کیا؟ نہیں جانتی؛ شاید

میڈیا پر: ایک یہودی عورت خط بعد paranoia، distrust غیر عقلی، unbalanced, hysterical پچاس کم از کم تین چوتھائی اوسط عمر، ؛ plus—Begin/Holocaust generation یہودی خود ؛ propaganda force-fed اسرائیل کو مشرق وسطیٰ ؛ superpower ماننے سے گریز۔

PLO و شہری اموات گنو تو siege :جواب کے مواقع تھے، مگر ساتھیوں کا تجربہ "controversial" لگتی۔ پھر reputation اور فلسطینی دفاع کا الزام؛ سمجھانے میں statistics ناقابلِ اعتماد۔ اس پھندے سے participant، گواہ facts dispute، تنازع یعنی—"journalist" بچا۔

زیادہ یہودی، ذاتی hostile، مگر قاری خطوں کا جواب۔ 1982ء سو سے زیادہ، 80 فی صد پر قائم۔ 1981-85 فائل :خطوط اسرائیلی مشکل کے report :توہین؛ ہر ایک تفصیل سے۔ دفاع تناسب۔ جون حملے پر ایک نہیں؛ تین ماہ بعد بیروت گولہ باری و شتیلا پر ہفتہ 15-20، سب میں مسلسل، خصوصاً اسرائیلی شہری قتل، گھر painful retreat ۔ 1983-85intimidation خبر بعد۔ torture توڑ، اتحادی

لکھا، کوئی خط نہیں—شام butcher تنقید اسرائیل سے پریس کو منتقل۔ 1987ء شامی قیدی ۔ جنوب میں اسرائیلی نوجوان خود ساتھی عمل civilized purity ؛ اسرائیل brutal presumed حقیقت سے دور۔ supporters یورپی، horror پر

۔ "pathetic immature" اپریل 1984ء جبشیت تحقیق کے بعد خط" :فسک !عربوں جتنا اسرائیل نے "دہشت گرد "تلاش کو ملیشیا بھیجی، عورت سمیت کئی قتل—چھوٹا شتیلا۔ زراریہ میں

تیس سے زیادہ، کچھ ٹینک تلے، کنویں پر سرخ "اسرائیلی فوج کا بدلہ"؛ خطوط sarcasm: free press بہانہ، Foreign Office propagandaاسرائیلی عمل ؛ My Lai، Nagasaki, Hiroshima، قابلِ قبول نہ تھا، اسی لیے My Lai :نازیوں کو یہودی دینے سے بدتر؟ جواب indiscipline ؛ برطانوی شمالی آئرلینڈ و اسرائیلی لبنان میں واضح فرق، اسرائیلی سپاہی خودtrial بتاتے۔

سامنے گھر تباہ UN ، قتل sheikhs و villagers ،حامی جنوبی مزاحمت کو سب دہشت گرد :کا سیلاب، ہر جھوٹ غلط ثابت کرنا ورنہ سوال سے بھاگنا۔ مارچ 1986ء facts قابلِ قبول۔ کچھ ؛ پی ایل او نے نباطیہ 4,000 قتل selective reporting ،سے پہلے سو صحافی قتل invasion بلا فہرست۔ narcotics empire Chouf، 23 distortions کیوں نہ لکھے، شام

مکمل، شامی و فالانج ممکن قاتل نام؛ نباطیہ handful murder جواب :سو قتل جھوٹ؛ narcotics upper ہوا ہی نہیں، زیادہ شہری حداد گولہ باری، کبھی 4,000 نہیں؛ massacre لکھ چکا، اسرائیل دلچسپی سے airport hashish نہیں، میں 1976-77 دمشق Bekaa، Chouf پہلے۔

پھر وہی جھوٹ، نئے شامل۔ خیالی 4,000 کیوں؟ لاشیں کافی؛ تفصیلی اعداد میں 4 جون تا anti-semitic press؛ ،ستمبر آخر 17,825 اسرائیلی عمل سے۔ ذمہ داری مثانی :پی ایل او، ملیشیا صحافی جھوٹے۔ 1985ء قاری فاسفورس بچے کا انکار" :فسک نے بچہ شاید نہیں دیکھا، دوسرا نہیں، عجیب؟ "کیا جواب؟ casualty

اپنی لاش گنتی۔ بعض 1985ء اسرائیلی کل سے بھی کم؛ نہ cross-check، اعداد پر بار بار ۔ statistics ؛ دو صفحاتslander قانونی ،"inveterate liar and bigot" ماننے پر قاری نے دکھانا، اسی لیے سوال۔ " doubtful جون 1985ء بارنس کو" :ہم ہمیشہ اعداد، جتنا سوال اتنا

سالوں بعد ہفتہ آٹھ گھنٹے notes، اصل الزام پہلے جواب نظر انداز کرکے: PLO lists، press anti-semitic۔ شاید duped/bribed/intimidated،

یا اسرائیلی ignore، ۔ آسان claims کے بجائے مفصل غلط news، prohibitive وقت لکھنا۔ نک ٹیڑو" :معلومات نہیں چاہتے، تمہیں معلومات رپورٹ کرنے سے روکنا version چاہتے۔ "کیا واقعی؟[2]

لندن سفارت خانے مدیر کا کان۔ اسرائیل نے جھوٹ الزام، سفیر نے ڈگلس ہوم سے مجھے خبر پر۔ شام gang rape واپس مانگا۔ عراق نے بھی، صدام مخالف مردوں کے سامنے بیویوں کی پر۔ اکتوبر 1984ء شام و اردن جنگی دکھاوے کے "contempt نے حما اور "عربوں سے عمومی :ominous بیچ اسد کو شاہ حسین کے دوستانہ فون—معلومات خود شاہ نے—شام ناراض۔ زیادہ شامی سفیر نے ٹائمز کے ایڈورڈ مورٹیمر سے کہا لبنان میں دس برس قتل معمول، ایک یہودی پر اتنی جگہ کیوں؟ murder

تک، گو حکومت ٹائمز کوریج کنٹرول کرے؛ سفیر نے British Foreign Office اسرائیل ؛ جون 1985ء صدر حائم ہرزوگ دورۂ syndication کہا۔ آئرش ٹائمز reports fabricated :minutes و اسرائیل تنازع۔ خفیہ UN سے Taoiseach Garret FitzGerald آئرلینڈ میں "virulent hater" صحافی رہے تو قتل؛ فسک پر reporting unreliable، objective بیروت بدلنے image دکھاتا اسرائیل ،libel ۔ غیر ملکی وزیر اعظم سے "of Israel, totally biased والی خبر دبانے کہاں تک۔

امریکا میں سات برس تک منظم مہم چلی۔ اسرائیلی حلقوں نے اڑتالیس روزناموں کی فہرست بنائی، جن میں اکتیس کو "منفی "قرار دیا گیا؛ نہ مرتب کرنے والا معلوم تھا نہ معیار۔ "منفی "پہلے اسرائیل مخالف اور پھر یہود مخالف کے مترادف بن گیا۔ واشنگٹن میں اسرائیلی سفیر اور بعدازاں

وزیرِ دفاع موشے آرنس نے واشنگٹن پوسٹ کو سب سے زیادہ منفی اخبار کہا۔ نیویارک ٹائمز کے بیروت نامہ نگار تھامس فریڈمن کو اسرائیلی فوجی ریڈیو پر ”خود سے نفرت کرنے والا یہودی “کہا گیا، جبکہ مارٹن پیریٹز نے رسائل اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو بھی اسی مہم کا منبر بنایا۔

امریکی صحافی آرنلڈ فوسٹر نے پینٹ ہاؤس کے قارئین سے پوچھا کہ امریکی صحافی ”اسرائیل کے خلاف ہجومی مہم “میں کیوں شامل ہوگئے۔ اس نے فلانج کی اطلاعاتی شاخ کے سربراہ کے نہایت نفرت انگیز الفاظ نقل کیے، شہری ہلاکتوں کو چند سو قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ اسرائیلی فوج غیر فوجیوں کو بچانے کے لیے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتی ہے۔ اس کا بیان زمینی حقیقت سے خاصا منفرد —بلکہ ناقابلِ یقین— تھا۔

ایریل شیرون نے ٹائم میگزین پر اس الزام کے خلاف مقدمہ کیا کہ اس نے صبرا و شتیلا کے قتلِ عام کو بھڑکایا تھا۔ عدالت پچیس منٹ بند کمرے میں بیٹھی اور شیرون جیت گیا۔ پھر پرانے دعوے زندہ ہوگئے۔ اسرائیلی سرکاری پریس دفتر کے سابق سربراہ زیئیف شیفٹس نے لکھا کہ بیروت میں مغربی صحافی مسلح جتھوں سے دہشت زدہ تھے اور شون ٹولن کو فلسطینیوں نے قتل کیا تھا۔ اس کا مرکزی دعویٰ یہی تھا کہ امریکی پریس دانستہ یا نادانستہ اسرائیل کو بدنام کرنے کی سازش میں شریک ہے۔

1988ء میں واشنگٹن کے ایک میڈیا مرکز نے نیویارک ٹائمز اور امریکی ٹیلی وژن کی خبروں میں ”منفی رخ “تلاش کیا، جس کا بیشتر حصہ اس کے نزدیک اسرائیل مخالف تھا۔ گھر سے بے دخل فلسطینی کا دکھ، مغربی کنارے میں قیدیوں کو مارنے پر کینیڈین وزیر کی مذمت، حتیٰ کہ ہاآرتص کی تنقید بھی ”منفی “شمار ہوئی۔ اسی مضحکہ خیز حساب نے جین کرک پیٹرک کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ اسرائیل کے ساتھ غیر منصفانہ رپورٹنگ کے ثبوت مل گئے ہیں۔

برطانیہ میں دباؤ کم نمایاں تھا، مگر موجود ضرور تھا۔ 1982ء کے خزاں میں ٹائمز کے مدیر چارلس ڈگلس ہوم اور مالک روپرٹ مرڈوک کو اسرائیل بلایا گیا۔ ڈیوڈ کمحی انہیں فوجی ہیلی کاپٹر میں لبنان لے گیا۔ صیدا کے اوپر اس نے کہا" :یہ وہ شہر ہے جسے تمہارے رابرٹ فسک نے زمین بوس قرار دیا تھا۔ "ڈگلس ہوم نے درست جواب دیا کہ میں نے کبھی ایسا نہیں لکھا۔

اس سفر کے بعد اس کے اداریے میں اسرائیلی حملے کے نتائج کی خوش گوار تصویر ابھری : شمالی لبنان سے مغربی مصر تک امن کی قوس۔ بعد میں، لبنان کے انہدام اور اسرائیلی فوج کے خلاف بڑھتی مزاحمت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اخبار نے فلسطینی قیادت کو یکسر بے وقعت قرار دیا۔ اس کے باوجود ڈگلس ہوم میرے کام کے دفاع میں ہمیشہ مضبوطی سے کھڑا رہا۔ مگر 1983ء کے موسمِ بہار میں ایک بار اس کی ہچکچاہٹ سامنے آئی—صیدا میں اسرائیلی حراست کے دوران لبنانی اور فلسطینی قیدیوں کی ہلاکت کی میری تحقیق پر۔

میں نے ان اموات کی خبر جون 1982ء میں سنی تھی۔ محاصرۂ بیروت ختم ہونے اور پی ایل او کے انخلا کے بعد ہم نے طے کیا کہ کم از کم سات نوجوانوں کی موت کی مکمل چھان بین کی جائے۔ 1982-83ء کے بارانی موسمِ سرما میں میں نے صیدا کے ستائیس سفر کیے۔ سات لاشیں، جن کے ہاتھ نائلون کی رسی سے بندھے تھے، اسرائیلی حراستی مرکز سے فوجی پہرے میں قبرستان لائی گئیں اور گورکن کو بے نام و نشان دفنانے کا حکم دیا گیا۔

ابتدائی حملے کے دنوں میں دونوں طرف سے ظلم اور قتل کے الزامات تھے۔ ہزاروں شہریوں کو ساحل پر قطاروں میں کھڑا کیا گیا، جہاں نقاب پوش مخبروں نے سینکڑوں افراد کو اسرائیلی تفتیش کے لیے چنا۔ پچاس سالہ موچی احمد بطرونی نے بتایا کہ اسے 9 جون کو کانونٹ اسکول میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر رکھا گیا۔ قیدی دوپہر کی گرمی میں پانی مانگتے اور پیاس سے گرتے رہے، مگر انہیں پانی نہ ملا۔ اگلے دن ایک شخص مار کھا کر اس کے قریب گرا؛ مکھیوں سے

ڈھکے چہرے کو دیکھ کر اسرائیلی ڈاکٹر نے اسے مردہ قرار دیا۔ پھر سرخ صلیب والی ایمبولینس آئی اور بطرونی سے دو لاشیں اس میں رکھوائی گئیں۔ اس کی کلائی پر بندھی رسی کا نشان اب بھی تھا۔

جبیہ بجلی گھر کے ایک مسیحی انجینئر—جو فلسطینیوں کا حامی نہ تھا—نے بتایا کہ 11 جون کو قبرستان کے پاس اسے لبنانی پولیس اہلکار اور اسرائیلی فوجی نے روکا۔ اس سے اوزاروں کے ذریعے دروازہ کھلوایا اور دو گاڑیوں، ایک اسرائیلی کار اور ایک سابق فلسطینی ہلالِ احمر ایمبولینس، سے پانچ لاشیں اتروائیں۔ اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کا نام دیا؛ میں نے ڈرائیور، پولیس اہلکار اور گورکن شہادی سب کو تلاش کیا۔ سب نے واقعے کی تصدیق کی۔

تحقیق بڑھنے لگی تو اسرائیلی نگرانی بھی شروع ہوگئی۔ رے بین چشمے پہنے مسلح افراد کی کار میرے پیچھے رہتی، میرے ملنے والوں کے گھروں پر نظر رکھتی؛ مرسڈیز پر اسرائیلی نمبر پلیٹ تھی۔ انجینئر سے بھی تین مسلح اسرائیلی ملے اور اس کے بعد وہ بات کرنے سے گھبرانے لگا۔

شہادی نے دو دن لاشیں قبرستان کے دروازے پر رکھیں تاکہ رشتہ دار شناخت کر سکیں۔ سب شہری لباس میں تھے، ہاتھ نائلون کی رسی سے بندھے اور دو کی گردنوں پر زخم تھے۔ گرمی میں لاشیں سڑنے لگیں تو اس نے انہیں خاندانی مقبرے کے نیچے دفن کیا۔ چھ نام معلوم ہوئے : محمد عکرا، عبود ابروسلی، یحییٰ مصری، سمیر صباغ اور محمد منصور—سب لبنانی—اور فلسطینی محمد ابو سکینی۔ ساتواں مصری تھا، مگر نام معلوم نہ ہوسکا۔

اسرائیلی حکام نے پہلے مکمل لاعلمی ظاہر کی۔ بعبدہ کے رابطہ دفتر کو نام دیے گئے تو سرکاری ترجمان نے قطعی کہا کہ صیدا میں اسرائیلی حراست کے دوران کوئی قیدی نہیں مرا۔ مارچ 1983ء تک میں بیس سے زائد گواہوں سے مل چکا تھا۔ صیدا کے پولیس سربراہ کرنل علی عاشور نے بھی کم از کم چھ اموات کی تصدیق کی، مگر اسرائیلی افسروں کی ملاقات کے بعد اسے مجھ سے بات کرنے سے روک دیا گیا۔ یروشلم سے بھی جواب آیا کہ پہلے بیان میں اضافہ نہیں۔

میں نے تیسری بار بعبدہ دفتر کو تحریری درخواست دی۔ چوبیس گھنٹے میں ترجمان نے مان لیا کہ صیدا کے عارضی حراستی مرکز میں سات لاشیں ”ملی“تھیں، جب قیدیوں کو صفا پھل پیکنگ فیکٹری منتقل کیا جارہا تھا۔ مگر اس نے کہا کہ کوئی فوجی تحقیق نہیں ہوئی اور معاملہ ختم ہے۔ اب خود اسرائیل اموات تسلیم کرچکا تھا۔ میں نے دس صفحات کی مفصل رپورٹ لندن بھیجی—لیکن اگلی صبح وہ شائع نہ ہوئی۔

ڈگلس ہوم نے کہا” :تم نے بہت کام کیا ہے، باب، مگر اسے کوئی تازہ خبر درکار ہے۔ اتنے عرصے بعد اسرائیلی کہیں گے ہم پرانی بات کھود رہے ہیں۔“یہ ایک صحافتی چکر تھا :نام اور گواہ کے بغیر خبر ناقابلِ اعتبار ہوتی؛ مکمل تحقیق میں لگا وقت ہی اب اشاعت کی رکاوٹ بن گیا تھا۔ ریڈ کراس نجی طور پر اسے قتل کہتا تھا، گواہ دبائے گئے تھے، شن بیت میرا تعاقب کررہی تھی، مگر مدیر کا حوصلہ ڈول گیا۔

برسوں اپنے رپورٹر کا ساتھ دینے والا مدیر صحافی کے دل میں وفاداری کا بڑا ذخیرہ پیدا کرتا ہے۔ چارلی میرے ہیروز میں تھا۔ مگر میدان میں رپورٹر گولی کا خطرہ اٹھائے تو مدیر کو بھی اس کی خاطر سفارتی محفلوں کی چند تلخیاں اور سفیروں کے احتجاج برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا” :کیا چیز آپ کی رائے بدل سکتی ہے؟ “اس نے کہا” :کیا اسرائیلی فوجی تحقیقات کررہے ہیں؟“

میں نے بعبدہ میں ایک برطانوی نژاد اسرائیلی ریزرو افسر کو فون کیا اور بتایا کہ رپورٹ اشاعت کے لیے جاچکی ہے۔ نصف گھنٹے بعد اس نے جواب دیا :ہاں، مکمل فوجی تحقیق اسی وقت جاری ہے اور نتائج شائع ہوں گے۔ یہی تازہ خبر درکار تھی۔ نئی ابتدا کے ساتھ مکمل رپورٹ 19 مارچ 1983ء کو شائع ہوئی۔ نائب مدیر اسے دو تہائی مختصر کرنا چاہتا تھا؛ میں نے کہا کہ ایسا ہوا تو

اسے میرے کام پر عدم اعتماد سمجھوں گا اور استعفے پر غور کروں گا۔ سرطان میں مبتلا ڈگلس ہوم نے اسے پوری طوالت سے چھاپنے کا حکم دیا۔

تحقیق کے نتائج نہ آئے۔ بار بار یاد دہانی کے باوجود 4 مارچ 1984ء، یعنی اکیس ماہ بعد، اسرائیلی بیان جاری ہوا: مکمل فوجی پولیس چھان بین میں کسی اسرائیلی فوجی کا تعلق ثابت نہ ہوا، قاتل معلوم نہ ہوسکے، اس لیے فائل بند کردی گئی۔ واقعی، فائل بند تھی۔

میں کبھی نہ جان سکا کہ ڈگلس ہوم کیوں ہچکچایا—اسرائیل کے سفر کا اثر تھا یا جان لیوا بیماری کی فکر؟ پھر یہ کمزوری دوبارہ نظر نہ آئی۔ رپورٹ نے جنگ کا رخ نہیں بدلا، مگر یہ اموات اہم تھیں۔ پانچ مقتول لبنانی تھے، وہی لوگ جنہیں اسرائیل فلسطینی ''دہشت گردوں'' سے آزاد کرانے آیا تھا۔ صیدا کی نوخیز مزاحمت کو ان قتلوں نے نئی تحریک دی۔ یہ آنے والے انتقام کی علامت اور ایک اور سبب تھا کہ لبنان اپنے قابضوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔

تاہم رپورٹنگ کی مشکلات کا سارا الزام جھوٹی حکومتوں، سفاک فوجوں، تاریخی تعصب، مدیرانہ بزدلی اور جسمانی خطرے پر ڈالنا بھی درست نہیں۔ صحافیوں نے خود بھی اپنی مشکلات میں حصہ ڈالا۔ ہم اکثر اس زبان پر غصہ محسوس کرتے جس میں حقیقی شہر، اس کی ثقافت، حسن، گندگی اور بو تک کو چند بے جان، گھسے پٹے فقروں میں تحلیل کردیا جاتا تھا۔

ہمارے لیے بیروت حقیقی تھا: سردیوں میں بحیرۂ روم سے اٹھتے طوفان، کھڑکیوں پر نمکین پھوار، دیواروں پر بجلی کی چمک؛ ساحلی سڑکوں کے بارانی ناکوں پر خوف زدہ سپاہی؛ گرمیوں میں پہاڑوں کی طرف بھاگتی گاڑیاں؛ اور خطرے کی گھڑیوں میں خون، پسینے اور تعفن کی جگہیں۔ ہم اس شہر سے محبت اور اس کے لوگوں کی ذلت سہہ کر بھی گھروں سے چمٹے رہنے کی قوت کا احترام کرتے تھے۔ پھر کوئی رپورٹر اسے ''چمکتا، چھلکتا، مصالحے دار بیروت'' اور ''قیامت'' جیسے سستے لفظوں میں سمیٹ دیتا۔ کیا یہ زبان توہین آمیز نہ تھی؟

1985-86ء میں بیشتر مغربی صحافی اغوا کے خوف سے قبرص منتقل ہوئے تو میرا مغربی بیروت خبر رساں زبان میں "زیادہ تر مسلم، اغوا زدہ مغربی بیروت" بن گیا۔ ہوائی اڈا، جہاں دو برس سے کوئی جہاز اغوا نہ ہوا تھا، "اغوا زدہ" تھا؛ ریگن کی پابندی کے بعد "بائیکاٹ زدہ" بھی۔ یوں لبنان کو کلیشوں نے اس طرح جکڑا کہ شہر اور باشندے ملیشیا یا قابض فوج سے بھی زیادہ بے جان دکھائی دینے لگے۔

ٹیلی وژن کی تصویر پر انحصار، امریکی ریڈیو کی پینتیس سیکنڈ حد اور خبر رساں اداروں کی یکساں زبان نے پیچیدہ المیے کو چند سیاسی طور پر خطرناک کوڈ لفظوں میں بدل دیا۔ دروز ہمیشہ "جنگجو نسل"، رہنما "سردار"، راکٹ لانچر "کثیر نالی" اور کلاشنکوف لازماً "سوویت ساختہ" تھا۔ ٹینک سرحد پار نہیں کرتے، "گھستے چلے آتے"؛ شامی ہوں تو "سوویت ساختہ" بھی، کیونکہ شام "سوویت حمایت یافتہ" تھا۔

ادبی اعتبار سے یہ مضحکہ خیز، صحافتی اعتبار سے قاتل زبان تھی۔ الفاظ سوچ کو آزاد کرنے کے بجائے قید کررہے تھے۔ اور یہ کلیشے سیاسی تعصب کے شریک تھے :شامی ٹینک "سوویت ساختہ"، مگر اسرائیلی ٹینک شاذ ہی "امریکی ساختہ"؛ شام "سوویت حمایت یافتہ"، مگر کہیں زیادہ مالی و فوجی انحصار کے باوجود اسرائیل شاذ ہی "امریکی حمایت یافتہ"۔ یوں کمزور داؤد اور سوویت حمایت یافتہ جالوت کی تصویر محفوظ رہتی۔

فلسطینی کی کلاشنکوف سوویت ساختہ تھی، مگر فلانج کی امریکی ایم-16 کا ذکر نہ ہوتا۔ جنوبی لبنان میں اقوامِ متحدہ کے سپاہیوں کو امریکی ساختہ شرمن ٹینکوں سے مارا گیا، پھر بھی یہ حقیقت کم لکھی گئی۔ فلسطینی حملہ "چھپ کر کیا گیا وار" تھا، مگر 1981ء میں بغداد کے اوسیراک ایٹمی مرکز پر اسرائیلی حملہ—جس میں فرانسیسی ماہر بھی مارا گیا—اڑتالیس گھنٹے میں اے پی کے لیے "دلیرانہ چھاپا" بن گیا۔

فلسطینی حملوں کے ساتھ ''بزدلانہ ''کا لفظ بھی لگتا۔ جنوری 1988ء میں ٹائمز نے ایک اسرائیلی فوجی اڈے پر رات کے حملے کو بزدلانہ کہا، حالاں کہ حملہ آور ہینگ گلائیڈر سے جنوبی لبنان کے پہاڑ پار کرکے اسرائیل پہنچا، شہریوں کے بجائے فوجی ہدف چنا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔ گویا اخلاقی مذمت سے بچنے کے لیے اسے دن کی روشنی میں آنا چاہیے تھا۔

کلیشے مزید تاریک معنی بھی پیدا کرتے تھے۔ 1986ء میں ایک برطانوی رپورٹر نے جنگ کو لبنان کی بظاہر لامتناہی دیوانگی ''کہا۔ مگر پانچ لاکھ جانیں لینے والی ہسپانوی خانہ جنگی، یورپ کی تیس'' سالہ جنگ یا انگلستان کی جنگِ گلاب کو مغرب نے قابلِ فہم تاریخی واقعات بنایا۔ پھر لبنان کیوں ناقابلِ توضیح پاگل پن تھا؟ ''دیوانگی'' لبنانیوں کو غیر انسانی بناتی تھی اور بیرونی حملہ آوروں کے جرائم کو آسان۔ جارج شلٹز نے 1987ء میں لبنان کو ''قرونِ وسطیٰ کی وبا زدہ جگہ ''کہا۔ وبا کو مٹایا جاتا ہے؛ نازی زبان میں ملکوں کو ایسی آفت سے ''پاک ''کیا جاتا تھا۔

یہ کوئی منظم صحافتی سازش نہ تھی؛ اکثر تھکن، سستی اور بے فکری کا نتیجہ تھی۔ مگر قبرص کی آسائش نے فاصلے کو بڑھایا۔ اے پی نے نکوسیا کو ''مشرقِ وسطیٰ کی سننے والی چوکی ''کہا، جیسے عرب دنیا بند چین ہو، حالاں کہ ایران کے سوا خطہ ناقابلِ رسائی نہ تھا۔ بیروت واقعی خطرناک تھا— 1986ء میں وہاں مقیم چار مغربی نامہ نگاروں سے زیادہ صحافی یرغمال تھے—اور خاندانوں کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہ تھا۔ لیکن عرب دنیا کی سابقہ آرام دہ تقرری لبنان کے بعد بدل گئی تھی۔

قبرص منتقل ہونے والے بعض صحافی اپنی جگہ چھپاتے؛ بی بی سی انہیں صرف ''مشرقِ وسطیٰ میں ''کہتا۔ مغربی بیروت سے دوری کے ساتھ ان کی واپسی زیادہ خطرناک اور فہم کمزور ہوتا گیا۔ کیتھ گریوز ایک روشن استثنا تھا، جو بار بار بیروت آکر رپورٹنگ کرتا۔ باقیوں کے لیے سو میل کا سمندر لبنانی دکھ کو غیر حقیقی بناتا گیا۔

فروری 1987ء میں دروز اور فلسطینی مسلح افراد نے کموڈور ہوٹل لوٹا۔ مالک یوسف نزال نے تقریباً تمام ملازمین نکال دیے۔ میں نے صفائی والوں، دھوبنوں، بار کے کارکنوں، استقبالیہ کلرکوں اور ویٹروں کو روتے دیکھا؛ ان کے بڑے خاندان تھے اور روزگار ختم ہوچکا تھا۔ قبرص کے رپورٹر انہیں برسوں سے جانتے تھے، مگر ایک برطانوی صحافی نے ہوٹل کے گم شدہ طوطے کی واپسی پر پانچ سو ڈالر انعام رکھ دیا۔ ملازمین حیران تھے :پرانے دوست انسانوں سے زیادہ طوطے کی فکر کیسے کرسکتے ہیں؟ ان کے لیے چندہ نہ ہوا، خبر بھی نہ بنی؛ دنیا بھر میں طوطے کی کہانی چلی۔

یہ واقعہ صحافیوں کی تنہائی کی علامت تھا۔ لبنان اب خون اور انسانوں کا ملک نہیں، اسکور کارڈ تھا۔ خبر میں جان ڈالنے کے لیے کموڈور کا طوطا ”کوکو“، جو گولوں کی نقل کرتا تھا، اور پھر ”جنگ زدہ“، ”اغوا زدہ“، ”جنونی مسلم انتہا پسند “جیسے لفظ کافی تھے۔ یہی مرض 1970ء کی دہائی کے بیلفاسٹ میں بھی تھا۔ سیمس ہینی نے سیاست دانوں اور اخباری لوگوں کے ”کشیدگی، ردعمل، کریک ڈاؤن، دیرینہ نفرت “جیسے لفظوں پر لکھا تھا” :اور میں یہاں رہتا ہوں، میں بھی یہاں رہتا “ہوں۔

مغربی یرغمال واقعی مظلوم تھے :بے گناہ، خاندانوں سے جدا، بغیر سزا قید۔ میرا دوست ٹیری اینڈرسن، 1985ء میں اغوا ہونے کے بعد، سب سے طویل عرصہ قید رہا۔ مگر ایک سوال پھر بھی تھا :مغربی قیدی ”یرغمال “اور اسرائیلی نگرانی کی خیام جیل میں بلا الزام بند لبنانی شیعہ صرف قیدی “کیوں؟ انہیں بھی دیہات کے اچھے رویے کی ضمانت کے طور پر رکھا گیا تھا؛ ریڈ کراس ” اور ایمنسٹی نے مرد و زن پر بجلی سمیت تشدد کی مذمت کی۔ رہائی پانے والوں نے اعضائے تناسل پر برقی جھٹکوں کی گواہی دی۔ پھر بھی ایک ہی نوع کی غیر قانونی قید کے لیے دو الگ نام تھے۔

نام میں کیا رکھا ہے؟ اغوا سے کچھ پہلے ٹیری اینڈرسن نے عملے سے کہا تھا" :دہشت گرد کا لفظ مت استعمال کرو؛ یہاں یہ تحقیر آمیز ہے۔ "وہ درست تھا۔ گزشتہ دہائی میں مشرقِ وسطیٰ میں کسی لفظ نے اتنی سیاسی و فوجی کارروائی کو جواز نہیں دیا۔ ابتدا میں میں نے بھی اسے برتا، پھر اس کے خطرے کو سمجھ کر ٹائمز کو لکھا کہ فلسطینیوں کے شہری حملے دہشت پھیلاتے ہیں تو لبنانی دیہات پر اسرائیلی انتقامی بمباری بھی مقامی آبادی کو پی ایل او نکالنے پر مجبور کرنے کے لیے دہشت ہی ہے۔

یہی پنڈورا کا صندوق تھا :ایک طرف کو دہشت گرد کہیں تو دوسری طرف پوچھتی ہے کہ مخالف کے لیے یہی لفظ کیوں نہیں۔ سعد حداد نے تنخواہوں کے مطالبے پر صیدا پر گولہ باری کا حکم دیا اور بیس شہری مارے گئے؛ اسے ہم نے دہشت گردی نہیں کہا۔ میری ذاتی رائے میں اسرائیلی عورتوں اور بچوں کو مارنے والے پی ایل او افراد بھی دہشت گرد تھے اور اقوامِ متحدہ کے علاقے میں گھروں کو عورتوں بچوں سمیت اڑانے والے دائیں بازو کے مسلح افراد بھی۔ مگر خبر میں یا تو اصول سب پر یکساں لگنا تھا یا تحقیر آمیز لفظ سے گریز کرنا تھا۔

1983ء میں لبنان کے خودکش حملہ آور اسرائیلی قبضے کی فوجی چوکیوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ اقوامِ متحدہ کے سپاہی بھی اسے قابض فوج کے خلاف قومی مزاحمت سمجھتے تھے، مگر یروشلم اور تل ابیب سے خبر رساں کاپی انہیں "دہشت گرد "کہتی۔ میں نے لکھا کہ کابل میں سوویت بیرک پر جان قربان کرنے والا افغان کبھی دہشت گرد نہ کہلاتا؛ پھر اسرائیلی قبضے کے خلاف خودکش حملہ آور کے لیے یہی لفظ کیوں؟ اسی طرح اسرائیلی بمباری میں شہری مریں تو اسے کبھی "وحشیانہ واردات "نہیں کہا جاتا۔

اے پی کے ایک امریکی صحافی نے 1986ء میں محمد عباس کے لیے "فلسطینی دہشت گرد "کی مستقل ترکیب کو نسلی طور پر توہین آمیز کہا۔ عباس کے گروہ نے اچیلے لاؤرو پر ایک معمر یہودی

مسافر قتل کیا تھا، مگر امریکی حمایت یافتہ کونٹرا اور انگولا میں ساویمبی کے لوگ خودکار طور پر دہشت گرد نہ تھے؛ دھماکا خیز مواد کی سازش میں گرفتار ربی کہانے بھی نہیں۔ جواب آیا :ذاتی طور پر اتفاق ہے، مگر واشنگٹن اور نیویارک کے عملے پر سرکاری پروپیگنڈے اور عرب مخالف ماحول کا اثر ہے—یہ ہارتی ہوئی لڑائی ہے۔

دوہرا معیار واضح تھا۔ اگر جنوبی لبنان میں اسرائیلی فوج پر حملہ دہشت گردی تھا تو شامی فوج پر فلانج کی بمباری کیوں نہیں؟ اسرائیلی خبر میں قابضوں کو قومی شناخت ''اسرائیلی ''ملتی، مرنے والوں کو صرف نسلی لفظ ''عرب''۔ کیا لبنانی یا فلسطینی کی جان اسرائیلی سے کم تھی؟

بین الاقوامی پانیوں میں اسرائیل جہاز روک کر حیفا لے جاتا، مسافر گرفتار ہوتے، مگر زبان کو بے ضرر بنایا جاتا۔ جولائی 1984ء میں لارناکا-بیروت فیری کو ''موڑا ''گیا اور مسافروں کو حراست ''میں لیا گیا۔ عام مسافروں میں ایک عورت مقامی اسرائیلی قانون کے تحت ایک سال '' ،سے زیادہ قید رہی۔ میں نے اسے ''ہائی جیکنگ ''کہا تو اسرائیل نے احتجاج کیا :یہ بحری قزاقی نہیں اپنا دفاع ''تھا۔''

مقبوضہ جنوبی لبنان ''سکیورٹی زون ''بن گیا، اور خبر رساں اداروں، کبھی بی بی سی نے بھی، یہ نام اپنا لیا۔ بعد میں ''خود ساختہ ''یا ''نام نہاد'' کا اضافہ ہوا۔ ایسی زبان فوجی قبضے کو وہ قانونی وقار دیتی تھی جو شام یا لبنان کے شمالی اسرائیل پر قبضے کو کبھی نہ ملتا۔

اسرائیل نے اپنے شہری موردخائی وانونو کو روم سے اغوا کرکے جوہری راز افشا کرنے کے مقدمے کے لیے تل ابیب پہنچایا۔ یہ اطالوی قانون کی کھلی خلاف ورزی تھی، مگر نامہ نگاروں نے کہا اسے اٹلی سے ''چپکے سے لے جایا گیا''۔ لبنانی گوریلے اسرائیلی سپاہی پکڑتے تو وہ ''اغوا ''ہوتے؛ اسرائیلی فوج مزاحمت کار پکڑتی تو ''گرفتاری''۔ فروری 1986ء میں شامی سرکاری طیارہ تل ابیب

اتارا گیا تو یہ ”فضائی روک“اور ”اچانک جھپٹ“تھا، سرخی تھی” :دہشت کے مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ“—حالاں کہ سب شامی سرکاری اہلکار تھے۔

مغربی کنارے میں فلسطینیوں پر بم حملے کرنے والے اسرائیلی مسلح افراد کو دہشت گرد کہنا اسرائیل کی دہشت گردی مخالف اخلاقی حیثیت توڑ دیتا، سو وہ ”یہودی انتہا پسند‘ ’یا ”یہودی زیرِ زمین تنظیم “بنے۔ ”زیرِ زمین “میں فرانسیسی مزاحمت، وارسا کی بغاوت اور نازیوں کے خلاف یہودی جدوجہد کی بہادری گونجتی تھی؛ فلسطینی میئروں کی ٹانگیں اڑانے والوں کو بھی وقار ملتا۔ کئی ماہ بعد صحافی بمشکل انہیں دہشت گرد کہنے لگے۔

گرفتاری کے بعد اسرائیلی سادہ لباس اہلکاروں نے دو فلسطینی بس اغوا کار پیٹ پیٹ کر مار ڈالے۔ وزیر اعظم اسحاق شمیر نے اسے ”حادثہ “کہا، اور رپورٹوں میں ان کے ”مرنے “کا ذکر یوں ہوا جیسے حرکتِ قلب بند ہوئی ہو۔ تفصیل میں مارپیٹ لکھی گئی، مگر موزوں لفظ—قتل—کسی خبر میں نہ آیا۔

1980ء کی دہائی میں ”دہشت گردی “کی طاقت مشرقِ وسطیٰ سے باہر بھی قومی سیاست ظاہر کرتی تھی۔ اے پی عربوں کے لیے لفظ برتتا، مگر آئرش امریکی قارئین کے باعث آئی آر اے اکثر ”گوریلے “تھے۔ بی بی سی عرب اور آئی آر اے افراد کو دہشت گرد، مگر جنوبی افریقہ کے اے این سی بمباروں کو شاذ ہی ایسا کہتا—گویا ادارہ طے کرتا ہو کس کا مقصد زیادہ جائز ہے۔ تاس اور پراودا افغان باغیوں کو دہشت گرد کہتے؛ مغربی پریس انہیں ”حریت پسند “یا ”مزاحمت کار“ کہتا، اگرچہ وہ کمیونسٹ عہدیداروں کے خاندان قتل، اسکول نذرِ آتش اور کابل پر راکٹ داغتے تھے۔

ستمبر 1985ء میں سنڈے ٹائمز نے لکھا کہ ”باغیوں نے “افغان مسافر طیارہ گرادیا؛ سینتالیس مسافر اور پانچ عملہ مارے گئے۔ اسکاٹ لینڈ کے اوپر پین ایم جہاز تباہ کرنے والا دہشت گرد تھا،

مگر کابل کی سوویت حمایت یافتہ حکومت کا طیارہ مارنے والے باغی۔ کیا امریکی اسٹنگر سے مرنا سوویت سام-7 سے مرنے سے کم دردناک تھا؟ ایک آدمی کا دہشت گرد دوسرے کا حریت پسند—یہ خود کلیشے ہے۔ دہشت گرد یا دہشت گرد ہے، یا نہیں۔

1982ء کے حملے میں یروشلم پوسٹ اے پی کی ہر "گوریلا" کو "دہشت گرد" میں بدلتا رہا، یہاں تک کہ اے پی نے روک دیا۔ ایک مضمون میں انیس پیراگراف کے اندر دہشت کے مشتقات اکتیس بار آئے۔ کم ہی کسی اسرائیلی صحافی نے اختلاف کیا۔ مائیکل ایلکنز نے 1983ء میں صور کی اسرائیلی بیرک پر خودکش حملے کے بارے میں لکھا: ہدف اور مرنے والے فوجی تھے، اس لیے اسرائیل کے اپنے تاریخی معیار کے مطابق اسے دہشت گردی نہیں بلکہ گوریلا کارروائی کہنا قابلِ بحث ہے۔

ایلکنز نے تسلیم کیا کہ فلسطینی اور عرب حکومتوں کی ضد نے اسرائیلی حقِ وجود کو رد کرکے تنازع بڑھایا۔ مگر اسرائیل بھی مخالف کے ہر دعوائے جواز سے انکار کرکے آئینوں کے ایسے ہال میں داخل ہورہا تھا جہاں سب ایک دوسرے کی نفرت انگیز تصویر کو لامتناہی دہراتے ہیں۔ نکلنے کی ابتدا زبان میں دیانت اور فیاضی سے ہوسکتی ہے—امن کے لیے درکار مشکل کاموں میں یہ سب سے آسان ہے۔

اصل مسئلہ دہشت گردی کی تعریف سے زیادہ الفاظ کی دیانت ہے۔ جارج شلٹز نے کہا حریت پسند بسوں میں شہری نہیں اڑاتے، بے گناہ تاجروں کو قتل یا عورتوں بچوں کو اغوا نہیں کرتے۔ مگر اسے معلوم تھا کہ امریکی حمایت یافتہ افغان مجاہدین اور کونٹرا بھی غیر فوجیوں کو قتل کرتے ہیں۔ 1976ء کی امریکی وزارتِ خارجہ کی تعریف—سیاسی مقصد سے سرحد پار قتل، اغوا یا آدم ربائی—بہت سے فلسطینی جرائم پر صادق آتی تھی، مگر اسرائیلی جرائم پر بھی۔ اپریل 1988ء

میں تیونس میں اسرائیلی مسلح افراد کے ہاتھوں ابو جہاد کا قتل اسی تعریف پر پورا اترتا تھا، پھر بھی واشنگٹن نے اسے اسرائیلی دہشت گردی نہ کہا۔

اگر ابو جہاد کو جنگجو مان کر کارروائی جائز بھی سمجھی جائے، لبنان میں اسرائیل کی نیابتی فلانج اور جنوبی لبنانی فوج کے افعال اسی تعریف میں آتے تھے۔ صبرا و شتیلا تک کو واشنگٹن نے دہشت گرد جرم نہیں کہا۔ اس کے برعکس اچیلے لاؤرو کے معذور یہودی مسافر، 1985ء کی ٹی ڈبلیو اے پر امریکی غوطہ خور، 1986ء میں یونان کے اوپر امریکی طیارے کے تین مسافر، روم و ویانا کے ہوائی اڈوں اور 1988ء کے پین ایم 747 کے مقتولین—سب کے قتل کو بلا تردد دہشت گردی کہا گیا، اور درست کہا گیا۔

مگر ”دہشت گردی“ اب تعریف نہیں رہی؛ سیاسی ترکیب بن گئی ہے۔ دہشت گرد وہ ہے جو یہ لفظ بولنے والے فریق کے خلاف تشدد کرے۔ اسرائیل صرف اسرائیل مخالف، امریکا صرف اپنے یا اتحادیوں کے مخالف، اور فلسطینی صرف فلسطینی مخالف تشدد کو دہشت گردی مانتے ہیں۔

صحافی اس لفظ کو اپنائے تو وہ حق و باطل کے درمیان نہیں، ایک جنگجو فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں اس لفظ کا استعمال بندوق اٹھانے کے مترادف ہے۔ جب تک اسے ہر دہشت گرد فعل پر یکساں نہ لگایا جائے—اور ایسا نہیں ہوتا—رپورٹر جنگ کا شریک بن جاتا ہے۔ لبنان میں ”اچھے“ اور ”برے“ لشکر الگ نہیں کیے جاسکتے: وہاں سب برے تھے۔

امریکا نے یہی غلطی ستمبر 1982ء میں میرینز دوبارہ بیروت بھیج کر کی۔ لبنان کی تاریخ سے ناواقف، اپنے استحکام بخش مشن اور ایسی اخلاقی قطعیت پر یقین رکھتے ہوئے جو وہاں موجود نہ تھی، اور ہمارے کلیشوں میں تربیت یافتہ، وہ قتل گاہ کے وارث بننے واپس آئے۔

حواشی

۱۔ آرتھر کوئسلر، Promise and Fulfilment (1949)، ایڈمنڈ؛ 199-200 صفحات
ولسن، Black, Red, Blond and Olive (1956)، میں تجارتی سنیما 462-463۔ صفحات
نے عربوں کو تقریباً سب بچوں کے بدکار، عصمت دری، قاتل، جھوٹے، چور دکھایا؛ Ashanti
کے فلم سازوں نے موساد تنقید کے باوجود لی کارے کی اسرائیلی The Little Drummer Girl
حمایت کا اعلان ضروری سمجھا۔

۲۔ مئی 1981ء ایک قاری نے دامور فضائی حملے پر دو ہزار الفاظ کا جواب لازم کیا؛
factually wrong، اور چار اخباری اقتباس سب Libyan troops، SAM-9 deployment
اور دوسرے رپورٹر موقع پر نہیں تھے جبکہ میں تھا۔

۳۔ پینٹ ہاؤس، فروری 1983ء؛ فوسٹر نے اسرائیلی جنگی طریقے کی غیر معمولی مدح کی۔

۴۔ ٹائمز میں صیدا کے سات قیدیوں کی مکمل تحقیق 19 مارچ 1983ء کو شائع ہوئی۔

۵۔ سیمس ہینی، نظم "Whatever You Say, Say Nothing"، مجموعہ North (1975ء)۔

۶۔ امریکی وزارتِ خارجہ کی 1976ء کی تعریف اور دہشت گردی کی تعریف پر متعدد معاصر
مضامین مصنف نے اصل متن میں درج کیے ہیں۔

باب 13

روٹ "— بیروت"

رابرٹ فسک

"ہم اپنے لبنانی دوستوں کی مدد کے لیے یہاں آئے ہیں۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ فلسطینیوں کا کیا ہوگا؟ ...ہمیں ان کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ "— کرنل جیمز میڈ، کمانڈر امریکی 32ویں میرین ایمفی بیئس یونٹ، بیروت، نومبر 1982ء۔ "ہم لبنان کے لوگوں کی رہنمائی اور انہیں باخبر کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا واحد مقصد یہاں اسلامائزیشن ہے اور، جیسا کہ امام خمینی کہتے ہیں، اسلامی انقلاب کو دنیا بھر میں برآمد کرنا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہم بھی محروم فلسطینیوں اور لبنانیوں کو بچانے آئے ہیں۔"

— ایرانی پاسدارِ انقلاب، بعلبک، نومبر 1982ء

1982ء کی سردیوں کی بارشیں اکتوبر ہی میں آگئیں۔ بحیرۂ روم سے اٹھتے ژالہ بار طوفان نے بیروت کی گلیوں کو پانی اور گندے نالوں میں بدل دیا۔ امریکی، فرانسیسی اور اطالوی فوجی دروازوں اور مورچوں میں برساتیوں تلے سمٹ گئے؛ ہوائی اڈے کے جنوب میں اسرائیلی ٹینک عملہ بھیگتا رہا؛ اور شتیلا میں دو ہفتے پہلے قتل کیے گئے فلسطینیوں کی دھنسی ہوئی اجتماعی قبر پانی سے بھر گئی۔

بارش قتلِ عام کے زندہ بچ جانے والوں کی جھونپڑیوں سے گزری۔ صیدا کے عین الحلوہ کی بم زدہ عمارتیں اسرائیلی بلڈوزر پہلے ہی ہموار کرچکے تھے، اس لیے پناہ گزینوں کو خیمے ملے—اور پھر بارش آگئی۔ میوزیم کے قریب جلے ہوئے صنوبر کے جنگل میں فرانسیسی پیراٹروپروں نے دیکھا

کہ پانی اتلی قبروں سے مٹی بہا کر شیعہ جنگجوؤں اور فلسطینیوں کی لاشیں ظاہر کررہا ہے۔ چپاح کی حفاظتی مٹی کی دیواروں میں بھی مردے دفن نکلے۔

شتیلا میں بارش نے ایک خنجر زدہ نوجوان عورت اور اس کے رحم سے نکالے گئے نامکمل بچے کی لاش آشکار کردی۔ خل دہ کے ساحل پر امریکی میرینز نے دیکھا کہ پانی ریت کو گوشت اور گوشت کو ہڈی سے جدا کررہا ہے۔ کھوپڑیاں، ران کی ہڈیاں اور بموں سے بکھرے انسانی اعضا تہہ سے نکل آئے۔ یوں لگتا تھا جیسے لبنان اپنے مردوں اور اپنے ہول ناک رازوں کو کثیر القومی فوج کے معصوم نوجوانوں کے سامنے پیش کررہا ہو۔

یہ فوجی نیک نیت اور قومی فخر سے سرشار تھے، مگر نہیں جانتے تھے کہ لبنان اپنے مہمانوں کو کبھی انعام نہیں دیتا۔ امریکی میرینز اور فرانسیسی پیراٹروپروں پر گلاب کا عرق اور چاول برسائے گئے—اسی طرح جیسے پہلے مشرقی بیروت میں اسرائیلیوں اور ان سے پہلے شامیوں کا استقبال ہوا تھا۔ اس روایت کے منحوس اشارے کسی نے نہ سمجھے۔

امریکا، فرانس اور اٹلی کو صبرا و شتیلا کے بعد احساسِ جرم واپس لایا۔ ریگن اور جارج شلٹز نے 18 اور 19 ستمبر کو فوج کی دوبارہ تعیناتی کا فیصلہ کیا۔ ایک امریکی مشیر کے مطابق یہ اس احساس سے پیدا ہونے والا جذباتی ردعمل تھا کہ امریکا فلسطینیوں کی حفاظت کا ذمہ دار بنا تھا اور اس کے اسرائیلی دوستوں نے بدترین واقعہ ہونے دیا۔

امریکا نے مغربی بیروت کے فلسطینی شہریوں کی سلامتی کی ضمانت دی، مگر اسی وقت وہ ضمانت بے قیمت نکلی جب ریگن مغربی کنارے اور غزہ میں اردن کے ساتھ فلسطینی خود اختیاری کی تجویز دے رہا تھا۔ بیگن اسے تحقیر سے رد کرچکا تھا۔ اب عرب امریکا کے اثرورسوخ پر کیوں یقین کرتے؟

امریکی حکمتِ عملی پھر بھی وہی سادہ "ایک، دو، تین "تھی :پہلے فوجی کارروائی، پھر سیاسی مقصد، پھر "حل"۔ وائنبر گر نے پی ایل او کا انخلا پہلا مرحلہ، تمام غیر ملکی فوجوں کا اخراج دوسرا، اور حیرت انگیز طور پر "مسئلہ فلسطین کا حل "تیسرا مرحلہ قرار دیا۔

مگر غیر ملکی فوجیں کیسے نکلتیں؟ شام کیوں نکلتا جب جنگ کا ایک فریق اسرائیل امریکا کا کھلا دوست تھا؟ مغربی بیروت کے مسلمانوں اور فلسطینیوں کی حفاظت، فلانج کے زیراثر لبنانی حکومت کی حاکمیت سے کیسے ہم آہنگ ہوتی؟ ان بنیادی سوالوں کو انسانی ہمدردی کی فوری ضرورت نے ڈھانپ دیا۔

ابتدا میں کثیرالقومی فورس—ایم این ایف—کی طاقت ناقابلِ مزاحمت دکھائی دی۔ میرینز ہوائی اڈے کی سڑک، اطالوی سپاہی صبرا و شتیلا اور فرانسیسی پیراٹروپر محاذی خط سنبھالتے تھے۔ امریکی ہیلی کاپٹر دن رات اسلحہ اور سامان لاتے۔ گرین بیچ پر ایم-60 ٹینک، تار سے رہنمائی پانے والے میزائل، مارٹر اور بکتر بند گاڑیاں اترتی دیکھ کر میں نے لکھا کہ یہ مشن طویل اور خطرناک ہوسکتا ہے—مگر خود مجھے بھی اس پیش گوئی پر یقین مشکل تھا۔

بیروت کی خلیج میں امریکی و فرانسیسی طیارہ بردار جہاز، ایٹمی تباہ کن جہاز، فریگیٹ اور لینڈنگ کرافٹ ایک روشن تیرتا شہر تھے۔ "سرنگ کے آخر میں روشنی "حقیقت لگتی تھی۔ امن، جنگ کا اختتام اور بیروت کی آخری تعمیرِ نو—یہ امید وادئ بقاع کی کسی منشیات سے زیادہ نشہ آور تھی۔

امین جمیل نے اقوامِ متحدہ میں کہا" :ہمیں امن دیجیے، ہم دنیا کو پھر حیران کردیں گے۔ " اس نے 3,800 ایم این ایف اہلکار بڑھا کر تیس ہزار کرنے، برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، بلجیم، آسٹریا اور جنوبی کوریا سے فوج بلانے اور بارہ ارب ڈالر امداد مانگنے کی بات کی۔ امریکا نے 1982ء کے آخر تک 105 ملین ڈالر دینے کا وعدہ کیا۔

یہ خوش فہمی اے پی دفتر تک پہنچ گئی۔ ٹیری اینڈرسن بیوی بیٹی سمیت مستقل تعیناتی پر آیا؛ ویت نام کا سابق میرین ہونے کے باعث امریکی دستے کی رپورٹنگ اسے ملی۔ نک ٹیٹرو کو یقین تھا نئی لبنانی فوج ملک بچالے گی۔ صرف فاروق ناصر نے کہا" :فسکی، یہ خون کی ہولی پر ختم ہوسکتا ہے—امین جمیل فلانجی ہے، ایم این ایف آخرکار فلانج کی پشت پناہی کرے گی۔"

اس وقت ایم این ایف نجات دہندہ تھا۔ اطالوی حمرا میں خریداری کرتے، فرانسیسی ریستورانوں میں کھاتے اور امریکی افسر کموڈور کے بار میں بیٹھتے۔ بیروت مغربی شہر لگنے لگا—مگر تھا نہیں۔ کیفے بھر گئے، مغربی ایئرلائنیں سات برس بعد واپس آئیں، پان ایم کے ہر اڑتے جہاز کو میرینز سلام کرتے، بندرگاہ تجارتی جہازوں سے بھر گئی اور فرانسیسی بارودی سرنگیں صاف کرنے لگے۔ ہم تقریبات اور ساحلی پکنک کرتے رہے، جب کہ تقریباً پورا باقی لبنان اسرائیل یا شام کے قبضے میں تھا۔

بیروت ایک آئینہ اور ملک سے کٹا شہری ریاست بن گیا۔ نقشے پر فرانسیسی شمال، اطالوی وسط اور امریکی جنوب میں تھے، لیکن حقیقت سادہ نہ تھی۔ ایم این ایف نہ دو فریقوں کے بیچ حائل تھا، نہ اقوامِ متحدہ کا مینڈیٹ رکھتا تھا۔ اسرائیلی محاذ خل دہ سے گیلری سمعان تک وہی تھا جو محاصرے میں تھا؛ مشرقی بیروت اسرائیلی اور فلانجی قبضے میں؛ پہاڑوں پر شام؛ شوف میں دروز و مارونی نیم جنگ؛ جنوب میں اسرائیلی فوج کے خلاف بڑھتی لبنانی مزاحمت؛ بقاع اور طرابلس میں دس ہزار تک فلسطینی گوریلے؛ بعلبک میں شامی رضامندی سے ایرانی پاسداران۔

ایک سفر میں مجھے ایرانی، پی ایف ایل پی فلسطینی، شامی فوج، مخابرات، شامی خصوصی دستے، اسرائیلی، فلانجی، لبنانی، فرانسیسی اور امریکی چوکیوں سے گزرنا پڑا۔ ایم این ایف کے پہنچنے پر لبنان میں کم از کم تینتیس غیر ملکی افواج اور مقامی ملیشیائیں تھیں۔ خود مغربی بیروت میں امل اور ایران سے متاثر زیادہ بنیاد پرست شیعہ تنظیموں کے عسکری و انٹیلی جنس ڈھانچے موجود تھے۔

امریکیوں کو اسرائیلیوں کے سامنے رکھا گیا کہ وہ اپنے "دوستوں "کو قابو کرسکیں؛ فرانسیسیوں کو فلانج کے مقابل، تاریخی تعلق کے باعث؛ اطالویوں کو فلسطینی و شیعہ غریبوں کے علاقوں میں، بحیرۂ روم کی مشترک ثقافت کے باعث۔ منصوبہ تب تک عقلمند تھا جب قیام تین یا چھ ماہ کا ہوتا، حکومت واقعی جائز ہوتی اور اسرائیل و شام نکل جاتے۔ ان میں کوئی شرط یقینی نہ تھی۔

ریگن نے کانگریس سے کہا تھا امریکی فوج کے لیے کوئی جنگی ذمہ داری نہیں۔ نئی خانہ جنگی میں ایم این ایف کو منطقی طور پر نکلنا تھا، مگر فوجیں ناکامی مان کر نہیں نکلتیں۔ اس مشن پر سپر پاور اور دو یورپی ریاستوں کا وقار لدا تھا۔ یوں غرور، فریب اور آخری تباہی کے تمام عناصر موجود تھے۔ سترہ ماہ میں لبنان میں مغرب کا انہدام ہونا تھا۔

شوف میں دروز سر کے پچھلے حصے میں گولی کھائے ملتے اور مسیحیوں کے گلے کٹے ہوتے۔ دروز اپنے قابض اسرائیل کو نہیں بلکہ اس کی لائی فلانج کو سمجھتے تھے، اس لیے فلانجی صدر امین جمیل ان کا دشمن تھا۔ جمیل کے امریکی نمائندے الفریڈ میڈی نے لبنان کو "امریکا کے دوسرے اتحادی کی پیدائش "کہا—ایک خطرناک خواب، کیونکہ اسرائیل کے برابر اتحادی بننے کے لیے لبنان کو اسرائیل کا اتحادی بننا پڑتا۔

اوزاعی ساحل پر اترتے امریکی میرینز کو سنہری ریت نہیں، چھ فٹ گہرا کچرا ملا۔ جلد ہی وہ برج البراجنہ کے بچوں کو ڈبہ بند لوبیا دے رہے تھے اور اوہائیو سے ان کے لیے تین ہزار ہیم برگر آئے۔ صحافت نے ہر معمولی سرگرمی کو بڑی خبر بنایا :مشترک عبادت، کوہِ لبنان کی مریم کے نام تسبیح، "امیزنگ گریس "اور لبنان کے دائمی امن کی دعا۔

امریکی وہی مانوس خوش فہمی لائے تھے :ہم امن لائے ہیں—یہی شام نے 1976ء اور اسرائیل نے جون 1982ء میں کہا تھا۔ وہ "دیانت دار ثالث"، لبنانی "خودمختاری "کے حامی اور

تمام غیر ملکی فوجوں کے اخراج کے خواہاں تھے۔ جوان مخلص تھے؛ ان کا محبوب لفظ خیر سگالی تھا۔ بیروت کو وہ مختصراً "روٹ" کہتے، اور گرین بیچ پر اترنے والے ہر ٹن بارود کے ساتھ خیر سگالی بھی آتی۔

فرانسیسیوں کا فریب سادہ لوحی سے زیادہ تاریخ اور عظیم طاقت بننے کی خواہش سے پیدا تھا۔ سفیر کی تباہ شدہ رہائش گاہ میں افسر سرخ شراب اور باوردی خادموں کے ساتھ عشائیہ کرتے۔ جو فوج ساٹھ برس میں شاید ہی کوئی جنگ جیتی تھی، اسے یقین تھا لبنان میں امن مشن نہیں ہارے گی۔

صرف اطالوی سمجھتے دکھائی دیے۔ بیشتر جنوبی اٹلی کے غریب خاندانوں سے تھے، اس لیے جھونپڑی باسیوں سے فطری ہمدردی رکھتے۔ انہوں نے صبرا و شتیلا کی حفاظت کی، جنگ میں فریق بننے سے انکار، میدان ہسپتال قائم اور عربی کلاسیں شروع کیں۔ جنرل فرانکو انجیونی نے سپاہیوں کو لبنانی تاریخ پڑھائی؛ وہ فلسطینی، دروز، مارونی اور شیعہ کے بارے میں سوچ سمجھ کر بات کرتے اور ساتھیوں جتنے خوش گمان نہ تھے۔

کرنل جیمز میڈ فلسطینی المیے کو سمجھتا تھا۔ اس نے کیمپ دیکھ کر کہا" :ان لوگوں کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ "مگر دو دن بعد اسرائیلی فوج پر حملہ کرنے والوں کو "دہشت گرد "کہہ دیا۔ اعتراض پر بولا" :تو انہیں قانون شکن کہہ لوں؟ لوگوں پر گولی چلانا منع ہے۔ "وہ بھول گیا کہ اسرائیلی غیر ملکی سرزمین پر قابض تھے؛ دشمنوں کو دہشت گرد یا قانون شکن کہنا قبضے کو جواز دیتا تھا۔

ایم این ایف کے آتے ہی بے اختیار لبنانی فوج اور دیر سے سویا دوسرا بیورو چھوٹے آمر بن گئے۔ مغربی بیروت کے ہزاروں گھروں پر چھاپے، اسلحہ ضبط، نوجوان گرفتار اور شہریوں سے پوچھ گچھ ہوئی؛ مشرقی بیروت میں فلانج کے خلاف کچھ نہ ہوا۔ 3 اکتوبر کی صبح شناختی کاغذ نامکمل ہونے

پر بوڑھے فلسطینی، جنوبی لبنان کے شیعہ، سوڈانی طلبہ، ترک اور کرد ٹرکوں میں مشرقی بیروت لے جائے گئے، کبھی اپنی قمیصوں سے آنکھیں بند کرکے۔ یہ سب فرانسیسی و اطالوی حفاظت میں ہوا۔

ایک فرانسیسی سارجنٹ نے بوڑھے فلسطینی کو بندوق کے زور پر ٹرک میں چڑھتے دیکھا اور کہا" :ہم صرف لبنانی فوج کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ "اس شخص کے 1948ء سے لبنان میں قیام کے کاغذ پرانے تھے۔ وہ لے جایا گیا۔ جن فلسطینیوں کو صبرا و شتیلا کے قاتلوں سے بچانا تھا، انہیں انہی قاتلوں کے وفادار تفتیش کاروں کے حوالے کیا جارہا تھا۔ اطالویوں نے ایک موقع پر لبنانی فوج کو بندوقوں کے کندوں سے پیٹ کر فلسطینی قیدی چھڑائے۔

گرفتار افراد کو میوزیم کی بیرک اور پھر یارزے وزارتِ دفاع کے تہہ خانوں میں باندھ کر مارا جاتا، بعد میں صوفر کے اسرائیلی-شامی محاذ پر چھوڑا جاتا۔ اطالویوں کے علاقے سے سو تک افراد گرفتاری کے بعد غائب ہوئے؛ ایم این ایف افسر سمجھتے تھے وہ قتل کردیے گئے۔ تینوں سفیروں نے جمیل سے نہایت نرم اور مؤدبانہ احتجاج کیا، جو ابھی ریگن سے حمایت کا وعدہ لے کر لوٹا تھا۔

عین الحلوہ کی کیچڑ میں اقوامِ متحدہ کے پندرہ سبز خیمے خالی تھے۔ پناہ گزین جانتے تھے کہ خیمہ عارضی پناہ ہی نہیں، سیاسی اعلان ہے :لبنانی حکومت پتھر کے گھر دوبارہ نہیں بنانا چاہتی تھی تاکہ فلسطینی مستقل نہ رہیں۔ انہوں نے پہلا خیمہ جلا دیا۔ ستم ظریفی یہ کہ جس اسرائیل نے کیمپ تباہ کیا تھا، اسی نے دس بوری سیمنٹ فی خاندان کی پیشکش کی—کیونکہ وہ فلسطینیوں کو "گھر" بھیج نہیں سکتا تھا؛ اکثر کا گھر اب اسرائیل تھا۔

مقامی لبنانی زمین واپس مانگتے اور حکومت ان کی حامی تھی۔ شتیلا کے باہر فلسطینی جھونپڑیاں غیر قانونی "کہہ کر بلڈوز ہوئیں؛ اندر فلانج پہلے ہی گھر اور لاشیں ڈائنامائٹ کرچکی تھی۔ لبنانی" فوج نے غزہ ہسپتال پر چھاپہ مار کر اطالوی عطیہ شدہ سامان ضبط کیا۔ بشیر جمیل ڈھائی لاکھ فلسطینی

نکالنے کا منصوبہ بناچکا تھا۔ امین اپنے بھائی کے نقشے پر چل رہا تھا؛ اس کا لبنان بھی تنگ دل، سفاک آمریت بنتا۔

مگر فلانج بدنام اور اسرائیل اپنی چڑھائی کے زہریلے پھل میں پھنسا تھا۔ گیلری سمعان، پرانی صیدا سڑک، ساحلی شاہراہ اور جنوبی شہروں میں روز حملے ہوتے۔ شیعہ جنگجوؤں نے مشرقی بیروت کے کنارے دو اسرائیلی سپاہی مارے۔ ایک سڑک کنارے بم میں اے پی کی شہرزاد فرامرزی بچ گئی، مگر ایک شہری خاندان خون میں نہا گیا۔ عالیہ میں اسرائیلی فوجی بس پر حملے نے چھ سپاہی ہلاک اور بائیس زخمی کیے؛ رائفلیں نشستوں کے نیچے تھیں، کوئی جوابی فائر نہ کرسکا۔

اسرائیلی اعتماد پھر بھی حیران کن تھا :عالیہ سے اسرائیلی ٹی وی، چلتی بینک لیومی شاخیں، صیدا میں ایل عال ایجنٹ۔ حملہ ہوتا تو بے لگام بدلہ لیا جاتا۔ عالیہ کے بعد شامی میزائل بیٹری بمباری کا نشانہ بنی؛ صیدا سڑک پر مرکاوا کا پہلا گولہ ایک لبنانی کرنل کی ماں کا سر اڑا گیا۔ کھیتوں اور گھروں پر ہزاروں گولیاں چلیں، شہری زخمی و ہلاک اور امریکی مورچے خطرے میں آئے۔ میڈ نے کہا" :اسرائیلی خود کو بڑا ماہر سمجھتے ہیں، مگر یہ ساتویں درجے کی فوج سے لڑتی چوتھے درجے کی فوج ہے۔"

اسرائیلی اخبارات اب آزاد کرائے جانے والے ملک کے بجائے لبنان کو دلدل کہتے۔ فلانج نے لڑائی اسرائیل پر چھوڑی، صبرا و شتیلا سے اسرائیل بدنام ہوا، اور خوش آمدید کہنے والے شیعہ اب "دہشت گردوں "کی مدد کررہے تھے۔ اسرائیل نے خود کو شوف کا پولیس اور امن محافظ کہنا شروع کردیا۔ یوں لبنان میں دو امن فوجیں تھیں :بیروت میں ایم این ایف، شوف میں قابض اسرائیل۔

11 نومبر 1982ء کو صور میں آٹھ منزلہ اسرائیلی ہیڈکوارٹر ایک دھماکے سے دس سیکنڈ میں بیٹھ گیا۔ عمارت میں آپریشن روم، فوجی رہائش، شن بیت ایجنٹ اور فلسطینی و لبنانی قیدی تھے۔ میں

کرسٹینا یولسن کے ساتھ اسرائیلی ناکے چکما دے کر نباطیہ، دریائے لیطانی اور فن لینڈی اقوامِ متحدہ چوکیوں سے ہوتا ہوا رات میں صور پہنچا۔

فلڈ لائٹ میں کنکریٹ کی تہیں اسٹیج کی طرح پڑی تھیں۔ پچھتر اسرائیلی—بہت سے شن بیت اہلکار—اور پندرہ لبنانی و فلسطینی قیدی مرے۔ ایک گودام میں سفید تھیلوں میں قطار در قطار اسرائیلی لاشیں تھیں اور ربی دعا پڑھ رہا تھا۔ جو فوج ناقابلِ تسخیر لگتی تھی، اس کے سپاہی حیرت سے اپنے مردوں کو دیکھتے رہے۔

قریب ایمبولینس میں ملبے سے نکلے دو فلسطینی شدید زخمی تھے۔ ریڈ کراس انہیں ہیلی کاپٹر سے اسرائیل لے جانا چاہتا تھا، مگر اسرائیلی افسر نے مردہ سپاہیوں کو گھر پہنچانے کو ترجیح دی۔ :سوئس اہلکار نے کہا" :لاشیں، معاف کیجیے، مرچکی ہیں؛ یہ لوگ زندہ اور مفلوج ہیں۔ "جواب ملا میرے لوگوں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ "زخمیوں کو خراب سڑک سے لے جانا پڑا۔ تین فلسطینی " لاشوں کے ہاتھ لوہے کی بیڑیوں میں بندھے ملے تھے۔

اسرائیل نے پہلے گیس رساؤ کہا، حالاں کہ لبنان میں مرکزی گیس لائن نہ تھی۔ گاڑی کا انجن اور کپڑے کے ٹکڑے اسرائیل بھیجے گئے۔ اگر دھماکا بارود سے تھا تو بمبار بھی مرا تھا—خودکش حملہ؟ تب ناقابلِ تصور خیال۔ ایک تھکا اسرائیلی سپاہی بولا" :باہر فلسطینی ہوسکتے ہیں۔ کتنے دہشت گرد باقی ہیں، کوئی نہیں جانتا۔ "قابض فوج کا پرانا اعتماد ختم ہوچکا تھا۔

میڈ نے صیدا کی تباہی، عین الحلوہ اور خوف زدہ اسرائیلی گشت دیکھ کر واشنگٹن کو کہا ایم این ایف کو جنوب نہ بھیجا جائے۔ امریکی بیروت ہی میں محفوظ رہیں۔ مگر اسی 11 نومبر کو ہوائی اڈے کے پاس کار بم سے ایک میرین زخمی ہوا۔ امریکی رائفلوں میں گولیاں نہ رکھنے کے حکم پر تھے؛ بم نے دکھا دیا کہ ایم این ایف کے دشمن پیدا ہوچکے ہیں۔

خواب پھر بھی جاری تھا۔ فرانسیسی بارودی سرنگیں اور گولے صاف کرتے گئے، میوزیم سے گیلری سمعان تک سات برس سے بند سڑک کھلی۔ تباہ دفتر میں ٹیلی فون کا ریسیور ایسے لٹک رہا تھا جیسے 1975ء میں بھاگنے والے نے ابھی چھوڑا ہو۔ امین جمیل نے ایم این ایف دستوں کی سلامی لے کر کہا اب مشرقی و مغربی بیروت نہیں، صرف ایک بیروت ہے۔ یہ جھوٹ تھا؛ آگے فلانج کی چوکی بدستور قائم تھی۔

مغربی بیروت کے تقریباً ہر مسلم گھر سے ہتھیار لے لیے گئے، مشرق میں ایک فلانجی بندوق نہ چھینی گئی۔ امریکی اور فرانسیسی مسلح فلانجی چوکیوں سے بے مداخلت گزرتے۔ شبہ پیدا ہوا کہ اسرائیل نے ایم این ایف کو جان بوجھ کر ایسی صورت میں کھینچا تاکہ مغرب بھی اس کی بدنامی میں شریک ہو۔

فلسطینی علاقوں سے طیارہ شکن توپیں، راکٹ اور گولے نکلے۔ صبرا و شتیلا کے نیچے چار میل لمبی کنکریٹ سرنگیں ملیں، جن میں گراڈ میزائل، مارٹر، ہلکا اسلحہ، وردیاں اور روسی، چیک و پولستانی سامان تھا۔ پی ایل او شدید بمباری کے باوجود بڑے ذخیرے محفوظ رکھ سکتا تھا؛ اسرائیلی قبضے کے دوران ایک سرنگ بھی نہ ملی تھی۔

فلانج نے مقتول بشیر کو زندہ اسطورہ بنادیا۔ کہا گیا وہ ملبے سے چل کر نمبر 90 ایمبولینس میں بیٹھا اور آرتھر بادشاہ کی طرح ضرورت کے وقت واپس آئے گا—حالاں کہ لاش اتنی مسخ تھی کہ بیوی نے انگوٹھی سے پہچانا۔ چالیسویں پر فادی فرم نے خطاب میں کہا" :ہم ہر صبح و شام آپ کی واپسی کے منتظر ہیں ...دفتر تاریک دیکھ کر کہتے ہیں قائد ابھی نہیں لوٹے۔ "مارونی راہب نے اسے مسیح کی طرح قربانی دینے والا کہا۔ اسرائیلی کفیر طیاروں نے تین بار اوپر پرواز کی، گویا یاد دلایا کہ بشیر کو بادشاہ انہوں نے بنایا تھا۔

قاتل کون تھا؟ فلانج نے ایک نوجوان کو شامی حکم پر قتل کا ملزم بنایا، پھر اسرائیل سے اختلاف کے باعث اسرائیلی سازش کا اشارہ دیا۔ ملزم کو مارا نہیں گیا—جو قائد مرا ہی نہ ہو، اس کے قتل کی سزا کیسے؟ بشیر شیعہ بارہویں امام اور گم شدہ امام موسیٰ صدر جیسا لوٹنے والا استعارہ بن گیا۔

اس عجیب سردی میں حمرا کی قمیصوں پر لبنان کا رقبہ 10,452 مربع کلومیٹر چھپا، یروشلم پوسٹ اور البعث ایک ساتھ بکتے، امریکی چھٹا بحری بیڑا افق بھرتا، پاؤنڈ چھ سے بہتر ہوکر تین فی ڈالر ہوا، سرمایہ واپس آیا۔ رفیق حریری نے چالیس ٹرک، سو بلڈوزر اور تیرہ سو مزدور دے کر ملبہ صاف کرایا۔ شہزادی این نے برج البراجنہ میں بچوں کے کلینک اور فلسطینی بچوں سے ملاقات کی تو برطانوی سفارت خانہ ناراض ہوا—فلسطینی اب لبنان کا موضوع نہیں رہنے چاہیے تھے۔

صبرا و شتیلا، جس نے ایم این ایف کو واپس بلایا تھا، آہستہ آہستہ بھلا دیا گیا۔ فلسطینی حفاظت کی جگہ غیر ملکی فوجوں کا اخراج، سرکاری خودمختاری اور لبنان کی مغربی کاری نے لے لی۔ مگر شتیلا کی قبر پر سیاہ پٹیاں بارش میں پھڑپھڑاتی تھیں۔ سیاہ لباس کی ایک زخمی بچی ہمیں گولیوں سے چھلنی دیوار تک لے گئی اور ہنستے ہوئے بتایا قتلِ عام میں بھائی، بہن، چچا اور والدین میں سے ایک کھوچکی ہے؛ پھر اسی دیوار کے سامنے تصویر کے لیے کھڑی ہوگئی۔

بیس برس بعد بیروت تک برف پڑی۔ صوفر کے محاذ پر امریکی ہیلی کاپٹر برف میں پھنسے لوگوں کو خوراک لائے، شامی سپاہیوں نے استقبال کیا۔ پچاس سے زیادہ لوگ مرے، مگر تین سو شامی فوجیوں کے جم جانے کی اسرائیلی خبر جھوٹ تھی۔ اصل میں اس سردی میں ایک غیر مرئی چیز منجمد ہورہی تھی :انسانی مشن فوجی و تزویراتی منصوبہ بن رہا تھا۔ بیروت کی خلیج امریکی بیڑے کا حوض اور نیٹو اڈا بن رہی تھی۔

ہم ہیلی کاپٹروں سے آئیوو جیما، ہارلن کاؤنٹی، ایل پاسو، آسٹن، پورٹ لینڈ، آئزن ہاور اور انڈیپنڈنس پر جاتے۔ چمکتے افسر تصویری فولڈر دیتے :انڈیپنڈنس ''آزادی کا نگہبان''، اے-6 ای ہر موسم میں بارود کی ترسیل''، اے-7 ای ''درست ہتھیار رسانی ''اور ایف-14 ''فضائی '' دفاع''۔ یہ جراثیم سے پاک وطن پرستانہ زبان تھی؛ ہم جانتے تھے ''درست ترسیل ''زمین پر کیسی لگتی ہے، جہاز کے صاف ستھرے نوجوان نہیں۔

چھٹے بیڑے کا ٹاسک فورس 60 اسرائیلی میزائل کشتیوں اور سوویت جاسوس جہاز ورٹیکل کی نگرانی میں تھا۔ امریکا جمیل حکومت پر جتنا وقار لگا چکا تھا، سوویت یونین اتنا ہی دوبارہ مسلح شام پر۔ ماسکو نے شامی فضائیہ اور سوویت عملے والے طویل فاصلے کے سام-5 میزائل دیے۔ امریکی موجودگی نے سوویت موجودگی بڑھا دی؛ پورا توازن جمیل کی اس صلاحیت پر ٹک گیا کہ وہ دونوں سپر طاقتوں کی نیابتی فوجوں—اسرائیل اور شام—کو نکال سکے۔

اسرائیل شامی انخلا کے بغیر نہ نکلتا؛ اسد کہتا شام 1976ء میں دعوت پر آیا، اسرائیل حملہ آور ہے، دونوں برابر نہیں۔ اس نے اسرائیل کو کوئی فائدہ نہ دینے کا تہیہ کرلیا۔ اسی دوران بعلبک میں چند سو ایرانی پاسداران رومی مندروں کے قریب ہسپتال کو ہیڈکوارٹر اور دو منزلہ دفتر کو تبلیغ گاہ بناچکے تھے۔ دروازے پر لکھا تھا'' :شہادت کے عاشق''۔ شہر میں امریکی و اسرائیلی سامراج کے خلاف اور شہادت کے حق میں بینر تھے۔

ایرانیوں کا خدا اور شہادت پر یقین امریکیوں کے ٹیکنالوجی پر یقین کے برابر قطعی تھا۔ اگر یہ دو قوتیں ٹکراتیں تو کون جیتتا—ایف-14 یا خودکش بمبار؟ لبنان کے مصیبت زدہ شیعوں میں ایرانی مذہبی یقین انڈیلنا نازک شیشے میں کھولتا پانی ڈالنے جیسا تھا۔ عاشورا پر سڑکیں بند، عورتوں پر چادر، مسلح محافظ اور حیا کا 35 فٹ دیوار گیر نقش تھا۔

ایک نوجوان پاسدار نے نظریں شہرزاد سے بچاتے ہوئے کہا" :ہم لوگوں کی رہنمائی، یہاں اسلامائزیشن اور انقلاب کی برآمد کے لیے آئے ہیں۔ "دوسرے نے پوچھا ٹائمز فارسی میں کیوں نہیں چھپتا۔ مگر خرمشہر میں لڑنے والے اس شخص نے ایک واضح بات کہی: خمینی کے مطابق لبنان کی جنگ ایران کو عراق سے ہٹانے کی اسرائیلی سازش تھی؛ "یروشلم کا راستہ عراق سے جاتا ہے، اس لیے زیادہ تر فوج واپس گئی۔ شاید ہمارا آنا غلطی تھا۔ "شامی نمبر پلیٹ گاڑیاں بتاتی تھیں کہ دمشق نے شیعہ آبادی پر نظر رکھنے کے لیے انہیں جگہ دی تھی۔

ٹیری اینڈرسن راتیں میرینز کے کیچڑ بھرے مورچوں میں گزارتا اور ان کی لاعلمی پر حیران لوٹتا۔ وہ بیوی اور بیٹی کے ساتھ میرے ہی ساحلی بلاک میں آیا؛ ایک بڑا جنوبی افریقی کتا اور دو بلیاں بھی تھیں۔ مضبوط، بے خواب رہنے والا، نسلی تعصب سے نفرت کرنے والا اینڈرسن ایک برطانوی افسر کے لبنانیوں کے لیے نسل پرستانہ لفظ پر تقریب چھوڑ گیا تھا۔ گولہ باری میں کتا غسل خانے میں چھپتا، ٹیری سڑک پر نکلتا۔ شام کو اس کی سات سالہ بیٹی ہمیں شیمپین کا کارک کھجور میں پھنسانے کی کوشش کرتے دیکھ کر ہنستی۔ ہم خوش تھے، مگر جانتے تھے یہ دیرپا نہیں۔

جمیل مسلمانوں کو حکومت میں بڑا حصہ دینے سے انکاری تھا۔ شیعہ و دروز صدارت مارونیوں کے پاس رہنے کو تیار، مگر حقیقی اختیار مسلم وزیر اعظم کے لیے چاہتے تھے۔ ابتدا میں جمیل کہتا کمزور حکومت رعایت نہیں دے سکتی؛ امریکی تربیت کے بعد کہتا اب اتنا طاقتور ہے کہ رعایت کی ضرورت نہیں۔ یوں ایم این ایف مارونی فلانجی اقتدار کا سہارا بن گیا۔ امریکی خصوصی دستے لبنانی کمانڈو تربیت دیتے، حکومت امریکی و فرانسیسی ٹینک اور ہتھیار خریدتی، اور برطانیہ نے کوئنز ڈریگن گارڈز کے سو سپاہی بھیجے۔

شوف کی لڑائی تیز ہوئی۔ لبنان تیز ہوا میں تاش کے محل جیسا تھا؛ بنیاد درست کرنے کے بجائے مزید پتے اوپر رکھے جارہے تھے۔ برطانوی ہیڈکوارٹر کی چھت پر افسر رم پنچ پیتے ہوئے

دروز و فلانج کی گولہ باری کو کھیل کی طرح دیکھتے" :کیسا خراب نشانہ "!جب اسرائیلی مرکاوا نے "ایک گولہ داغ کر دونوں کو خاموش کیا تو اعلان ہوا" :آج کا کھیل ختم۔

پھر کاناری میں کار بم پھٹا۔ دروز رہنما ولید جنبلاط خون میں لت پت پولیس اہلکاروں کے کندھوں پر تھا۔ محافظ کا پیٹ پھٹا پڑا تھا۔ ایک گاڑی میں پھنسی عورت کو فرانسیسی پیراٹروپر جلتے ہاتھوں سے نکال نہ سکا؛ ٹی وی کیمرے خاموشی سے اس کی زندہ چتا فلماتے رہے۔ شعلے بجھے تو ڈرائیور کی نشست پر سیاہ ڈھانچا سیدھا بیٹھا تھا۔ ہسپتال کے باہر مسلح دروز اپنے قائد کو دیکھنے پر بضد تھے؛ جنبلاط پٹیوں سمیت باہر آیا تاکہ ثابت کرے زندہ ہے۔ فلانج نے قومی وحدت توڑنے کی سازش کہا؛ دروز نے یقین نہ کیا۔

لاپتا گرفتار افراد کی مائیں پھٹے شناختی کاغذ اور تصویریں ہمیں دیتیں، سمجھتیں برطانوی اخبار میں نام چھپنے سے بیٹے آزاد یا مردوں میں سے واپس آجائیں گے۔ صبرا و شتیلا کے 991 افراد کی لاشیں کبھی نہ ملیں۔ لبنانی خفیہ تحقیق نے آخرکار کہا مقتول "نامعلوم افراد "کے ہاتھوں مارے گئے، حالاں کہ نامعلوم افراد مشرقی بیروت میں رہتے اور جمیل ان میں بعض کو جانتا تھا۔

شام کہتا آخری اسرائیلی کے نکلنے تک نہیں جائے گا۔ اسرائیل رسمی معاہدہ، جنوبی فوجی موجودگی اور ایسا نشان چاہتا تھا جو ثابت کرے حملہ بے فائدہ نہ تھا۔ اسد جانتا تھا مستقل گوریلا حملوں میں اسرائیل ٹھہر نہیں سکے گا؛ اسے صرف کچھ نہ کرکے سیاسی فتح مل سکتی تھی۔ وہ اسرائیل کو ایسی ذلت دینا چاہتا تھا کہ پھر لبنان آنے کی جرأت نہ کرے، اور اگر امریکا بھی ذلت بانٹے تو عرب دنیا میں شام کا اثر بڑھے۔

اسرائیلی ٹینک "دہشت گردوں "کے تعاقب میں امریکی علاقے میں گھستے۔ جنوری 1983ء میں کیپٹن چارلس جانسن پہلے مرکاوا پر چڑھ کر اسرائیلی کمانڈر کے چہرے پر پستول تان گیا۔ وائنبرگر نے تمغے کی بات کی؛ اسرائیل نے اسے شرابی اور میرینز کو شیعہ بستیوں سے چرس

خریدنے والا کہا۔ سفید مگر زنگ آلود تیل کے ڈرم دونوں فوجوں کی حد تھے۔ اسرائیلی "فائر سے جاسوسی "کرتے، کھیتوں میں اندھا دھند گولی چلاتے؛ پانچ شہری مرے اور امریکی مورچے مسلسل زد میں آئے۔

امریکی رسمی رابطہ نہیں چاہتے تھے کہ قابض فوج کے اتحادی نہ دکھیں۔ مگر مسلسل ہراسانی کے بعد واشنگٹن نے ملاقاتیں منظور کر دیں؛ فوراً جھڑپیں رک گئیں۔ شیعوں نے درست نتیجہ نکالا کہ میرینز اسرائیل سے اطلاعات بانٹتے ہیں۔ یکم اپریل میڈ نے خود کہا وہ ممکنہ حملے کی خبر اسرائیل سمیت کسی کو بھی دے گا تاکہ جانیں بچیں۔

16 مارچ کو ایم این ایف کی آمد کے چھ ماہ بعد تین حملوں میں دس اطالوی اور پانچ امریکی زخمی ہوئے؛ دو اطالوی ہمیشہ کے لیے مفلوج اور ایک کا پاؤں کاٹنا پڑا۔ اوزاعی میں امریکی گشت پر دستی بم پھینکا گیا۔ اے ایف پی کو فون کرنے والے نے "اسلامی جہاد "کی ذمہ داری لی۔ کسی نے یہ نام نہ سنا تھا؛ میں نے اسے بعلبک کے خاموش پاسداروں سے نہ جوڑا۔ فوجی ریستورانوں سے روک دیے گئے، جیکٹ اور بھری میگزین لازم ہوئے؛ امن محافظوں کا رنگ بدل رہا تھا۔

مگر دشمن کون تھا؟ امریکی و فرانسیسی خفیہ نظام اسی لبنانی دوسرے بیورو پر منحصر تھا جو دراصل فلانجی ادارہ تھا۔ مارونی فلانج کو شیعہ دنیا کی بہت کم خبر تھی، اس لیے مغرب کو مسلم ملیشیاؤں کے بارے میں درست انٹیلی جنس نہ ملی۔ بہار 1983ء تک ایم این ایف فلانجی حکومت سنبھال رہا، اسرائیل سے رابطہ مان چکا اور غیر رسمی اسرائیل-لبنان امن معاہدہ آگے بڑھا رہا تھا۔

10 اپریل کو اردن کے شاہ حسین نے ریگن منصوبہ دفن کر دیا۔ عرفات نے کویت میں سخت گیر پی ایل او دھڑوں کے دباؤ پر اردن کو نمائندگی دینے کا وعدہ بدل دیا؛ منصوبہ عرب تقسیم سے مرا۔ ویسے اس میں فلسطینیوں کو اسرائیل کی جگہ اردنی کنٹرول ملتا، مگر قومی حکومت، پرچم یا پاسپورٹ نہیں۔ عمان میں امریکی سفیر رچرڈ ویٹس اور تہران کے سابق یرغمال بروس

لینگن نے مجھے ریگن حکومت کی کمزوری، اسرائیل پر تباہ کن انحصار اور لبنان مشن کی ممکنہ تباہی پر بات کی۔

18 اپریل کو میں بیروت لوٹا۔ اے پی دفتر اچانک جسمانی طور پر لرز اٹھا۔ چھت سے شمال مغرب میں سیاہ و بھورا کھمبی نما بادل اور دو سو فٹ شعلہ دکھائی دیا۔ امریکی سفارت خانہ میرے گھر سے پانچ سو گز تھا۔ ارلین ٹیٹرو اور میں گلیوں سے دوڑے۔ دھواں ہٹا تو سات منزلہ عمارت کا وسط غائب تھا؛ فرش تختوں کی طرح لٹک رہے تھے، ایک مردہ امریکی سفارت کار پاؤں سے الٹا لٹکا تھا۔

سڑک پانی، شیشے، خون اور انسانی اعضا سے پھسلن تھی۔ ویزا سیکشن میں امریکا جانے کی اجازت مانگتے لبنانی زندہ جل گئے؛ دھڑ، ٹانگیں، آنتیں اور سر الگ الگ اٹھائے گئے۔ ایک ریڈ کراس لڑکی بالٹی میں باقیات ڈال رہی تھی۔ زخمی محافظ پھٹے کانوں کے ساتھ بار بار چیختا" :یہ پھر پھٹے گا۔ "لاشوں کے ٹکڑے سمندر میں تیر رہے تھے۔

بارود سے بھرا ٹرک دو کمزور رکاوٹیں عبور کرکے صحن میں داخل ہوا۔ دھماکے نے عمارت آدھی گرا دی، گزرتی لبنانی فوجی گاڑی سمندر میں پھینکی، تریسٹھ افراد مارے اور سو زخمی کیے۔ اس نے ایم این ایف کا اعتماد، لبنانیوں کا احساسِ تحفظ اور ریگن کی مشرقِ وسطیٰ پالیسی کا مرکز بھی تباہ کردیا۔

میں نے پہلے خودکش حملہ آور پر شک کیا؛ لبنانی اپنی جان سے محبت کرتے ہیں، شاید پولیس وین میں ریموٹ بم تھا۔ پھر بعلبک کی شہادت بھول گیا تھا۔ دس منٹ بعد اسی آواز نے اے ایف پی کو کہا" :یہ دنیا بھر میں سامراجی موجودگی کے خلاف ایرانی انقلاب کی مہم کا حصہ ہے؛ "لبنان میں ایم این ایف سمیت حملے جاری رہیں گے۔

موریس ڈریپر روتا ہوا بیوی ڈھونڈ رہا تھا؛ ریان کروکر خون آلود چہرے کے ساتھ اپنی بیوی کو مردہ سمجھتا کھڑا تھا، پھر دونوں ملے اور لپٹ گئے۔ فرانسیسی سپاہی لاشیں نکالتے رو رہے تھے؛ ایک برے کے بغیر جلتی عمارت میں چڑھ گیا۔ سمندر میں امریکی گواڈل کینال اپنے تباہ کن محافظ کے ساتھ آ کھڑا ہوا—بے بس طاقت کی علامت۔

صرف سترہ امریکی مرے، مگر بم نے خطے کے تقریباً تمام سینئر سی آئی اے اہلکار ایک اجلاس میں مار دیے۔ سفیر رابرٹ ڈلن ملبے سے نکل کر بولا مذاکرات جاری رہیں گے، واقعہ کچھ نہیں بدلتا۔ میرینز اپنے اڈے میں بندوقیں پھر بھی خالی رکھتے؛ وہ امن محافظ تھے۔ امریکا اب بھی اسرائیل-لبنان انخلا معاہدے کو کیمپ ڈیوڈ جیسی فتح، اسرائیلی شمالی سرحد کی ضمانت اور سوویت تنہائی سمجھ رہا تھا۔

کریات شمونہ اور خلدہ کے ہوٹل میں مذاکرات ہوئے۔ اسرائیل بیروت ہوائی اڈے پر ایل عال کے حقوق تک مانگتا۔ لبنانی نمائندہ انطوان فتال کہتا چھوٹا کمزور ملک بھی خودمختاری کے احترام کا حق رکھتا۔ اس نے اسرائیلی مطالبات کو ہٹلر کے اقتدار کی پچاسویں سالگرہ کے تناظر میں یاد کیا؛ ڈیوڈ کمحی نے لبنانیوں کو عرب دباؤ کے آگے جھکنے پر عدم استحکام و دہشت گردی کی دھمکی دی، حالاں کہ اصل دباؤ سات ماہ پہلے حملہ آور اسرائیل کا تھا۔

ہوٹل کے باہر شوف کے گولے سنائی دیتے۔ اسرائیلی قبضے ہی میں لبنان کمزوری اور خانہ جنگی میں پھسل رہا تھا۔ فلانج کے مطابق شیرون نے کہا معاہدہ نہ مانا تو اسرائیل صیدا تک ہٹ جائے گا اور شوف کے مسیحیوں کو دروز کے رحم پر چھوڑ دے گا۔ شلٹز نے 8 مئی کو اسد سے چار گھنٹے ناکام بات کی اور کہا شام "معاہدے پر بہت پرجوش نہیں"۔ جمیل شوف میں امریکی و فرانسیسی فوج چاہتا تھا؛ امریکا تیار نہ تھا۔ شلٹز کے جہاز اترنے سے پہلے فریق خاموش ہوئے، جاتے ہی پھر گولے چلنے لگے۔

مئی کے معاہدے میں بظاہر لبنان کی آزادی، خودمختاری، حالتِ جنگ کا خاتمہ اور پچیس 17 ہزار اسرائیلیوں کا انخلا تھا۔ مگر سکیورٹی ضمیمے نے سعد حداد کے ملیشیا افراد لبنانی فوج میں شامل کیے، اسرائیلیوں کو دو نگرانی مراکز دیے اور لبنان کو اسرائیل دشمن ہر فوج روکنے کا پابند بنایا— یعنی شام کو نکلنا تھا۔

اسد نے اسے لبنان کی خودمختاری کی پامالی، اسرائیلی و سامراجی غلبہ اور شام کے لیے خطرہ کہا۔ بڑے نقشے اور فٹ رول کے ساتھ اس نے دکھایا کہ اسرائیل لبنان سے حمص و حماہ پر حملہ کرسکتا ہے، اور مشترک کمیٹی میں امریکا فیصلہ کن ووٹ سے اجازت دے سکتا ہے۔ اس کے نزدیک معاہدے کے خطرے سے بہتر تھا اسرائیل لبنان میں ہی پھنسا رہے۔

شام نے بقاع میں قلعہ بندیاں، ٹینک مورچے، خندقیں اور ریڈار بنائے، دمشق سے فلسطینی جنگجو لایا اور امریکی مذاکرات کار فلپ حبیب کو ممنوع قرار دیا۔ پارلیمان کی توثیق پر شامی ریڈیو نے کہا اراکین نے ملک شیطان کو بیچ دیا۔ دروز و شیعہ سے کہا گیا بندوقیں اسرائیل کے ساتھ لبنانی حکومت کی طرف بھی موڑیں۔ عرفات کو بقاع واپس آنے دیا گیا۔

واشنگٹن ہر شامی قدم میں ماسکو کا ہاتھ دیکھتا، حالاں کہ شلٹز اسد کو خود فیصلے کے قابل سمجھتا تھا۔ سوویت بحریہ نے لبنانی ساحل کے قریب جہاز لاکر اسرائیلی مواصلات سنیں؛ اسرائیل نے فضائی "چاف" گرایا۔ امریکی جہاز مینڈک غوطہ خوروں کے خوف سے مسلسل چلتے، تیرنے والے کو گولی مارنے کے حکم پر محافظ کھڑے تھے۔ ہمارے گھر کے ساتھ برطانوی عمارت عارضی امریکی سفارت خانہ بنی، فولادی راکٹ جال لٹکے اور نیچے بکتر بند گاڑی کھڑی تھی۔ یوں لگتا تھا ہم بم کے پاس رہتے ہیں۔

مغربی طاقتیں پھنس چکی تھیں: جمیل نے قومی اتفاق نہ بنایا، حکومت فلانجی تھی، شام اسے ناجائز کہتا، 17 مئی مردہ معاہدہ تھا، اور اسرائیل کے شوف چھوڑنے پر لبنانی فوج خانہ جنگی میں اترتی تو مغربی فوجیں بھی فریق بن جاتیں۔

20 جولائی کو جمیل واشنگٹن میں تھا جب اسرائیل نے شوف سے جلد واپسی کا اعلان کیا۔ سفیر پریشان ہوئے۔ فرانسیسی لجن کو لبنانی فوج کے ساتھ پہاڑوں میں اور میرینز کو ساحلی سڑک پر دریائے اولی تک جانے کا امکان تھا، مگر دروز کہتے فوج فلانج کو ان کے قتل کی اجازت دے گی۔ اسد نے دروز کو کاتیوشا دیے، جنبلاط کو قومی نجات محاذ بنانے دیا اور مزید ایرانی پاسدار لایا۔ بعلبک سے لبنانی پرچم اترا۔

شوف میں سفاکی کھل گئی۔ مسیحی اور دروز اغوا، تشدد اور قتل کرتے؛ زبانیں کاٹی جاتیں، برہنہ قیدیوں پر کھولتا پانی ڈالا جاتا۔ میں اور ٹیٹرو دمشق شاہراہ پر ایک صلیب پہنے مسیحی مسلح شخص اور چاقو بند گندے گروہ کے گھیرے میں آئے۔ ہم نے اسرائیلی کمانڈر سے فرضی دوپہر کے کھانے کا جھوٹ بولا؛ اس نے جانتے ہوئے بھی جانے دیا۔ چند دن بعد ہماری ذہین دروز ہمسایہ دایہ اسی راستے پر اجتماعی زیادتی، گلا کٹنے اور کنویں میں پھینکے جانے کا شکار ہوئی۔ سب "اسرائیلی کنٹرول"میں تھا، مگر اسرائیلی مسلح جتھوں کے پاس سے گزر جاتے۔

سال کے آغاز سے ہزار سے زیادہ لوگ شوف میں اغوا و قتل ہوئے۔ یرغمال تبادلے میں ایک دروز کو رشتہ دار کے بدلے ہڈیوں کا تھیلا ملا۔ لبنانی وزرا اور امریکی سفارت کار کہتے اسرائیل افراتفری جاری رکھنا چاہتا ہے: نظم نہ ہو تو لبنانی فوج داخل نہ ہوسکے اور اسرائیل جنوب میں قیام کا جواز رکھے۔

مشرقی بیروت پر راکٹ برسے۔ ایک سات سالہ بچی گڑیا کے پاس مردہ، ایک بوڑھا راکٹ کے پر سے بے سر ملا۔ 22 جولائی کو اسرائیلی قبضے کے اندر بحمدون سے داغے کاتیوشا ہوائی اڈے

پر گرے، قبرص جانے والا جہاز بال بال بچا۔ ایک شخص بھاگتے ہوئے کار میں راکٹ سے مارا گیا؛ جلے پژو کے اسٹیئرنگ پر اس کا کٹا ہاتھ باقی تھا۔ سولہ زخمیوں میں دو میرین اور امریکی فضائی کنٹرولر تھے۔ جنرل انجیونی نے گڑھے کی طرف اشارہ کیا" :دروز کا تحفہ ہے۔ یہاں سب فیاض ہیں؛ اب امریکیوں کو تحفے ملیں گے۔ "پروازیں بند ہوئیں، میرینز بے بس تھے۔

اغوا شدہ امریکی یونیورسٹی صدر ڈیوڈ ڈاج کئی ماہ ایران میں رہنے کے بعد اچانک آزاد ہوا۔ ریگن نے اسد اور رفعت کا شکریہ ادا کیا؛ لبنانیوں کے مطابق وہ کچھ عرصہ ایرانی پاسداروں کے زیرکنٹرول زبدانی میں رہا تھا۔ شامی ایک فرد کی مدد کرسکتے تھے، مگر امریکی لبنان منصوبہ رد تھا۔ نئے ایلچی رابرٹ میک فارلین کو وزیر خارجہ خدام نے کہا دمشق آکر خطے کے مسائل "سیکھیں"؛ انخلا کا ذکر تک نہ ہوا۔

10 اگست کو جمیل نے فوج کو دروز بمباری کا جواب دینے کا حکم دیا۔ ہوائی اڈے کے امریکی مورچوں میں ایک زخمی میرین کے خون کے بیچ زمین لبنانی توپوں اور دروز راکٹوں سے کانپ رہی تھی۔ میک فارلین دھوئیں میں پہنچا۔ میں فلمی رپورٹر کی طرح الٹا چلتے پوچھا" :کوئی تبصرہ؟ "وہ گھور "کر بولا" :تبصرہ کس بات پر؟

16 اگست کو اسرائیلی وزیر دفاع موشے آرنس بلا دعوت مشرقی بیروت آیا :اسرائیل شوف کی ملیشیائیں غیر مسلح نہیں کرے گا اور لڑائی رکے یا نہ رکے، نکل جائے گا؛ "ایک دن بھی ضرورت سے زیادہ نہیں۔ "میں نے پوچھا لبنان میں معاملات کب بگڑے؟ اس نے کہا" :کیا بگڑا ہے؟ "میک فارلین اور آرنس دونوں توپوں کے شور سے بہرے لگتے تھے۔

میڈ کی جگہ خوش مزاج، دوبارہ مذہبی مسیحی کرنل ٹموتھی گیراٹی آیا۔ وہ صحافیوں سے پوچھتا بیروت میں کیا ہورہا ہے—شاید شائستگی، شاید خفیہ معلومات کی ناکامی۔ برج البراجنہ اور حی السلم،

جسے امریکی ''ہوٹرول'' کہتے، نوجوان میرینز کو گالیاں اور پتھر دینے لگے۔ امریکی نہ سمجھے؛ کیا وہ لبنانیوں کی حفاظت کو نہیں آئے تھے؟

اگست کے آخر میں مسلم ملیشیاؤں نے پہلی بغاوت کی کوشش کی۔ برج البراجنہ، بسطہ اور چیاح سے نکل کر فوجی چوکیوں، بندرگاہ اور مضافات پر حملہ ہوا؛ شامی علاقے سے توپیں مشرقی بیروت پر چلیں۔ لبنانی ٹینک شہری جانوں کی پروا کیے بغیر بندرگاہ سے حمرا کی طرف بڑھے۔ وادی ابو جمیل میں امل اور نئی ایران نواز تنظیم کے کم عمر لڑکوں نے چھتوں سے پستول و رائفلیں چلائیں؛ نوکیلی داڑھیاں، پٹیاں اور ان پر صرف ''اللہ'' لکھا تھا۔

دمشق سے جنبلاط نے جمیل کو قصائی اور کارروائی کو نیا صبرا و شتیلا کہا۔ ٹینک حمرا پر فائر کرتے؛ اے پی عملہ پچھلے کمروں میں پناہ لے کر مختصر وقفوں میں ٹیلیکس بھیجتا۔ 31 اگست کو قریب دھماکے سے سینکڑوں شیشے سڑک پر برسے۔ فوج کی بھاری طاقت نے ملیشیائیں پیچھے دھکیلیں، مگر میتن میں چوبیس مسیحی عورتوں بچوں کے خنجر سے قتل کی خبر آئی۔ برج البراجنہ میں نقاب پوش مشین گن اور راکٹ لانچر لے آئے۔ اسی لمحے اسرائیل نے شوف چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

لبنانی فوج کو چوبیس گھنٹے سے کم اطلاع ملی۔ 3 ستمبر کی رات صحافیوں کو یقین تھا قتلِ عام ہوگا۔ اسرائیل طے کرچکا تھا کہ ہر پہاڑی قصبے سے آخری گاڑی نکلتے ہی روشنی کے گولے داغے گا—ملیشیاؤں کے لیے اشارہ کہ اب ایک دوسرے کو تباہ کرسکتے ہیں۔ بیشتر رپورٹر دروز علاقوں میں گئے کیونکہ انہی کی فتح متوقع تھی۔ شہرزاد اور میں کاہالہ کے اوپر مسیحی علاقے سے پسپائی دیکھنے گئے۔

دو بجے رات مارونی خاندان بالکونیوں میں فجر اور خطرے کے منتظر تھے۔ اسرائیلی فلیر بادلوں میں زرد بیمار روشنی پھیلاتے۔ اسی دھند سے ٹینک، ٹرک، ہاف ٹریک اور بکتر بند گاڑیاں نکلیں؛

کئی سپاہی ساتھیوں کے بیچ تھکن سے سو رہے تھے، ان پہاڑوں سے جا رہے تھے جہاں پندرہ ماہ پہلے اتنے اعتماد سے آئے تھے۔

نہ مسکراہٹ، نہ امن و خودمختاری لانے والی فوج کے لیے ہاتھ ہلانا۔ شامی توپیں رخصتی کا اعلان کررہی تھیں۔ ایک نوجوان اسرائیلی نے کہا" :شامی جانتے ہیں ہم جارہے ہیں، پھول بھیج رہے ہیں۔ "سب نے منزل ایک آواز میں کہی" :گھر۔ "سپاہی موتی بولا" :ہم یہاں کچھ نہیں "کرسکتے؛ مسیحی اور دروز پاگل ہیں۔

سو سے زیادہ گاڑیاں پانچ میل فی گھنٹہ دمشق شاہراہ سے اتریں۔ یارزے کی لبنانی بیرک خاموش تھی؛ ایک تنہا سنتری نے ہم سے پوچھا کیا ہورہا ہے۔ صبح بعبدا کے پاس شوف کی چوٹیاں سیاہ دھوئیں میں تھیں، ملیشیائیں قبضے کے لیے لڑنا شروع کرچکی تھیں۔

خل دہ پہنچ کر اسرائیلی جاگے، کیمروں کو ہاتھ اور فتح کے نشان دکھائے، ٹینکوں پر سبز غبارے اور ایک ہاف ٹریک پر پیلا اژدہا تھا؛ دو سپاہیوں نے شوف کی طرف درمیانی انگلیاں اٹھائیں۔ افسر ساحل پر تصویریں بناتے اور کہتے تشدد ان کا معاملہ نہیں، لبنانی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرسکے۔

مگر یہ امریکا کی ذمہ داری بھی تھی۔ پانچ سو گز دور میرینز آخری اسرائیلی ٹینک دیکھ رہے تھے۔ اسرائیلی حملہ امریکا کو بیروت لایا، اسرائیلی سیاسی عزائم کو امریکا نے پالا، فلانجی صدر اسرائیل نے بٹھایا—اور اب اسرائیل جمیل سے دلچسپی کھو کر اسے خانہ جنگی میں امریکا کے حوالے کررہا تھا۔ بعد میں امریکی کہیں گے شوف سے اسرائیلی پسپائی نے میرینز کی تقدیر لکھ دی۔

ہر پسپائی کا ایک آخری ٹینک ہوتا ہے۔ وہ خل دہ سے گزرا، توپ پیچھے مڑی، نالی دائیں بائیں ہلتی—اس فوج کا آخری محافظ جس نے فلسطینی گوریلوں کو بیروت سے نکالا مگر لبنان میں امن نہ

لاسکی۔ عملے نے نیلے، سرخ اور زرد دھوئیں کے بم پھینکے اور ٹینک رنگوں کے پردے میں غائب ہوگیا۔ خاموشی میں صرف دور جاتی زنجیروں کی آواز اور شوف سے بڑھتی گولیوں کا شور باقی تھا۔

حواشی

ا ۔ 1982ء کے آخر تک اسرائیلی حراست میں قیدیوں کی تعداد کے مختلف اندازے چار ہزار سے بیس ہزار تک تھے؛ ان میں بڑی تعداد لبنانیوں کی تھی۔

۲ ۔ سام-5 نظام کو سام-2، سام-3، سام-6 اور تیس ابتدائی انتباہی مراکز کا تحفظ حاصل تھا؛ یہ خطے میں سوویت یونین کا جدید ترین فضائی دفاعی جال تھا۔

۳ ۔ فلپ حبیب پر شامی عدم اعتماد 10 جون 1982ء کی جنگ بندی سے پیدا ہوا؛ دمشق کا دعویٰ تھا اس کے بعد مکمل اسرائیلی انخلا کی تحریری یقین دہانی دی گئی، امریکا نے اسے ''غلط فہمی'' کہا۔

۴ تحریر اہم پر پالیسی لبنان امریکی کی فریڈمن تھامس ۔ "America's Failure in Lebanon"، نیویارک ٹائمز میگزین، 8 اپریل 1984ء میں شائع ہوئی۔

باب 14

بیروت، الوداع

رابرٹ فسک

ہم دہشت گرد بزدلوں کے کسی مکار جتھے کو امریکی خارجہ پالیسی ہلانے نہیں دیں ” گے۔ خارجہ پالیسی دہشت سے نہ طے ہوگی، نہ بدلے گی۔ “— امریکی نائب صدر جارج بش، بم زدہ میرین ہیڈکوارٹر کے دورے پر، بیروت، 26 اکتوبر 1983ء۔ ”میری ذاتی رائے میں یہ ایسا نیک عمل ہے جسے خدا اور اس کے نبی پسند کرتے ہیں۔ میں اس “کارروائی کے شہیدوں کی روحوں کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

حسین موسوی، رہنما ”اسلامی امل“، امریکی میرینز پر حملے کے بارے میں، — بعلبک، 27 اکتوبر 1983ء

دو فلانجی خوف زدہ تھے۔ انہوں نے ٹیری اینڈرسن اور مجھ پر رائفلیں تانیں” :نکل جاؤ۔ تصویر نہیں۔ “پہاڑ گولیوں سے گونج رہے اور جنگلوں سے نیلا دھواں اٹھ رہا تھا، مگر انہیں گولوں سے زیادہ ہمارا کیمرا خطرناک لگتا تھا۔ ہم یہ جملہ پہچانتے تھے :فوج تصویر سے روکے تو سمجھو وہ ہار رہی ہے۔

ہم بھی ڈرے ہوئے تھے۔ اے پی دفتر میں اگلے سفر کا خوف رہتا۔ بجلی بند، فرانسوا کا جنریٹر چلتا اور پسینہ ٹیلیکس پر ٹپکتا۔ اسرائیل شوف خالی کرچکا تھا؛ دروز اور مسیحی ملیشیاؤں نے مورچے سنبھال کر جنگ شروع کردی؛ بیروت–صیدا سڑک دروز کے ہاتھ اور شامی ٹینک بحمدون پر حملے کی پشت پناہی کررہے تھے۔

اینڈرسن اب اے پی بیورو چیف تھا۔ ہم جنوبی مضافات کی طرف نکلے۔ کبھی شہر کا زیور پہاڑ اب امین جمیل کے دشمنوں کی توپ گاہ تھے۔ کھڑکیاں کھلی رکھتے تاکہ انجن کے شور میں گولہ سن سکیں؛ دوڑتے راہ گیر اور اچانک لائٹیں چمکاتے ڈرائیور انتباہ ہوتے۔ ٹیری نے گاڑی رکوائی اور اگلے ہی لمحے چھ مارٹر اسی سڑک پر گرے جہاں سے ہم گزرے تھے۔

ہم اسرائیلی بمباری سے زیرِ مرمت عمارت میں بھاگے۔ مالک ہمیں چھت پر لے گیا۔ خل دہ میں لبنانی فوج راکٹوں تلے زمین بچا رہی تھی، مشرقی پہاڑوں میں فلانجی گولے دروز دیہات کے گرد پھٹتے اور ساحل پر امریکی چھٹا بیڑا توپیں پہاڑوں کی طرف کیے تیر رہا تھا۔

ٹیری نے کہا میرینز تک جانا ہوگا۔ ہوائی اڈا محاذ بن چکا تھا۔ امریکی افسر رائفل تان کر چیخا: کنڈیشن ون ہے، نکل جاؤ۔ "دھماکا اڈے کے اندر چالیس فٹ مٹی اچھال گیا۔ ٹیری نے امریکی" ہونے کے ناتے پناہ مانگی، مگر انکار ہوا۔ دھات کے ٹکڑے سڑک پر برس رہے تھے؛ اس نے مسکرا کر مجھے گاڑی لانے بھیج دیا۔

واپسی پر خبر ملی کینیڈین ٹی وی کا کلارک ٹاڈ کفر متیٰ میں زخمی ہے۔ اس نے ساتھیوں کو پاسپورٹ، شادی کی انگوٹھی اور آخری پیغام دے کر جان بچانے بھیجا۔ گاؤں شدید بمباری میں تھا، امداد نہ پہنچ سکی۔ ایک ہفتے بعد لاش ملی۔ پانچ ماہ بعد تکیے کے غلاف پر بیوی کا پتہ اور الفاظ ملے: "میرے خاندان کو بتا دیں میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

دس ماہ بعد مقامی دروز عدنان دیب نے بیوہ کو لکھا کہ فلانج نے کفر متیٰ پر قبضے کے بعد زخمی ٹاڈ کو دروز گاؤں میں ہونے کے سبب گولی مار دی۔ 1984ء میں میں گاؤں گیا؛ گلابی پھولوں کے بیچ کھنڈر اور روتے باشندے تھے۔ فلانج نے 110 دیہاتی مارے، 65 ایک غریب خاندان کے۔

ملحم غریب ہمیں اصطبل لے گیا جہاں ٹاڈ صوفے پر پڑا تھا۔ اس نے بتایا ٹاڈ مزاح کرتا، دیہاتیوں کو یقین دلاتا فلانج آئے تو انہیں بچائے گا۔ رات اس نے تکیے کے غلاف پر بیوی کو

لکھا۔ فلانجی تیس جوان آئے، اگلے کمرے کے نوجوان قتل کیے، کراہ سن کر پوچھا کون ہے۔ جواب ملا امریکی صحافی؛ ایک اندر گیا اور بولا" :کمینے، ابھی زندہ ہو؟ "پھر گولیاں چلیں۔ خون آلود صوفے میں سوراخ باقی تھے۔

اسرائیلی موت نامے میں سینے کا زخم اور اندرونی خون بہنا درج تھا؛ حیفا کے ڈاکٹر نے کہا لاش گل چکی تھی، یہ طے نہیں ہوسکا شیل یا گولی نے مارا۔ این ٹاڈ نے چرچ میں اپنے شوہر اور دہشت گردی کے تمام متاثرین "کی یادگار بنائی۔"

6 ستمبر کو گولے مغربی بیروت میں متوازی قطاروں میں گرتے۔ دو میرین اور ایک فرانسیسی افسر مارے گئے، بھمدون گر گیا۔ دفاعی وزارت کی کھڑکیاں اڑیں، ٹرک جلتے اور فوجی تہہ خانوں میں چھپے۔ سوق الغرب میں میشل عون کی امریکی تربیت یافتہ 84ویں بٹالین دروز، فلسطینی، سادہ لباس شامی اور شیعہ جنگجوؤں کے حملے میں تھی۔ ایک نوے رکنی یونٹ کا کمانڈر کلہاڑی سے قتل اور ٹکڑے کیا گیا؛ چودہ فوجی مرے، بیس زخمی اور چوبیس لاپتا ہوئے۔

وزارت نے صحافیوں کو تین لاشیں دکھائیں؛ دو شامی مخابرات اور تیسرا شام نواز فلسطینی عاصفہ یونٹ کا تھا۔ یہ شناخت اہم تھی :شامی یا فلسطینی شرکت جتنی بڑھے، ایم این ایف جمیل حکومت کے دفاع میں اتنا آگے جاسکتا تھا۔ لبنانی فوج و فلانج ساتھ لڑ رہے تھے اور مغربی فوج انہیں سہارا دے رہی تھی۔

بھمدون پہنچنے کے لیے ہم طرابلس، برفانی پہاڑ، دیودار اور بعلبک سے دو سو میل کا چکر کاٹ کر گئے۔ راستے میں سیاہ لباس، "اللہ "کی پٹیاں، سبز پرچم اور "اسلامی امل "کے ناکے تھے۔ سرخ تھیلے کا نقاب پہنے مسلح شخص نے ٹائمز کی سیاست اور آزادیٔ صحافت پر بحث کی؛ قلم کو تلوار سے طاقتور کہا تو آنکھوں سے مسکرایا۔

صوفر میں دروز فتح سے پُراعتماد تھے۔ شامی ٹرک 122 ملی میٹر گولے اور ریڈیو لا رہا تھا۔ ایک جنگجو نے کہا" :اس کے لیے شام کا شکریہ؛ اور نئے خالی کرائے مسیحی قصبوں کے لیے اسرائیل کا ،،شکریہ—شکریہ شام و اسرائیل۔

بھمدون جلتا اور لوٹا ہوا تھا۔ عرفات مخالف فلسطینی، سبز پٹیاں باندھے شیعہ اور کمیونسٹ :جنگجو سگار پیتے، گولوں پر ہنستے اور کہتے دو دن میں بیروت ہوں گے۔ ایک گروہ نے ہمیں گھیر لیا امریکا فلسطینی اور مسلمان مارتا ہے۔ جاسوس ہو؟ "برسوں تک صحافہ کا لفظ تحفظ تھا؛ اب ہم" صحافی نہیں، صرف اجنبی تھے۔ ایک بزرگ فلسطینی نے کہا انہیں مدد دو، مگر زیادہ دیر نہ رکنا۔

اسرائیل نے مورچے، ریت کی بوریاں، خاردار تار، چھتریاں اور عبرانی نشان جوں کے توں چھوڑے، فلانجی اتحادی قسمت کے حوالے اور مسیحی باشندے بے دخل یا قتل ہوئے۔ بیگن کا پرانا وعدہ—"یہودی ہونے کے ناتے ہم ہمسایہ ملک میں قتل پر خاموش نہیں رہ سکتے"—تلخ مذاق تھا۔ اب اسرائیل خاموش اور چار رکنی ایم این ایف جنگ بندی ڈھونڈ رہا تھا۔

واپسی میں میتن کے جنگل سے شامی 155 ملی میٹر توپیں بیروت پر چل رہی تھیں۔ پٹرول :ٹینکر الٹنے سے سڑک پھسلن تھی؛ ہر دھماکے پر میں ایکسیلیٹر دباتا، گاڑی گھومتی اور ٹیری کہتا ،،فسکی، پاؤں ہٹاؤ۔ "پھر بولا" :کیا کبھی بتایا ہے تم دنیا کے بدترین ڈرائیور ہو؟"

شیا جنگجوؤں نے حی السلم اور برج البراجنہ سے میرینز پر رائفل اور راکٹ حملے کیے۔ دو گھنٹے بعد شناخت شدہ ہدف پر جواب کی اجازت ملی، مگر حملہ آور گلیوں میں نظر نہ آئے۔ ہر جنگ بندی مکمل، خیالی اور عظیم تھی :پورے لبنان میں امن، آٹھ برس کے پناہ گزینوں کی واپسی، سب متاثرین کی امداد، شوف میں مبصر، پولیس کی تعیناتی اور قومی مصالحت کانفرنس۔ توپوں کی سمتوں جتنی باریک تفصیل سے امن کے فارمولے بنتے۔

دو ہزار مزید میرین آئے۔ لبنانی توپیں فلانج کے ساتھ چلیں۔ وزارت نے نئے پریس کارڈ کے لیے بلایا؛ شہرزاد اور میں پہنچے تو گیٹ پر گولے برس رہے تھے۔ کرنل طارق نجیم بولا حکومت جیتے گی، ہمیں جنگ بندی نہیں پیش قدمی چاہیے۔ پہلا گولہ آیا؛ ایک نوجوان کے سر سے خون بہا، لیفٹیننٹ کے سینے میں دھات لگی۔ نجیم نے کہا" :فکر نہ کریں، گولہ ایک جگہ دوبارہ نہیں گرتا۔ "وہ غلط تھا۔

دوسرا گولہ بیس فٹ دور محافظ چوکی میں پھٹا۔ سب مانتے تھے شامی و فلسطینی مار رہے ہیں، دروز لبنانی نہیں—ورنہ وہ خانہ جنگی میں فریق ہوتے۔ خوف اور تھکن میں نجیم نے کہا" :سات برس سے ہو، لبنانی پاسپورٹ ملنا چاہیے۔ "ہم 150 گز کھلے پریڈ گراؤنڈ سے بنکروں تک دوڑے؛ موت کے بعد کی زندگی کی طرح دھوپ اور درخت اچانک روشن لگے۔

امریکی تربیتی افسر کرنل ٹام فنٹل کو عون کی بکتر بند بریگیڈ پر پورا اعتماد تھا۔ 18 ستمبر کی رات خبر آئی دروز سوق الغرب کے بیشتر حصے میں داخل اور امریکی ٹینک سامنے سے فائر کررہے ہیں۔ امریکیوں نے بعد میں کہا لبنانی فوج نے بحری مدد لینے کے لیے مبالغہ کیا؛ تب لگتا تھا چند گھنٹوں میں ملیشیائیں بیروت پہنچیں گی، جمیل حکومت گرے گی اور ایم این ایف رسوا ہوگا۔

میک فارلین نے امریکی بحری گولہ باری کا فیصلہ کیا۔ کرنل گیراٹی نے مخالفت کی :امریکا صرف براہِ راست خطرے پر لڑنے کا پابند تھا۔ مگر 19 ستمبر کی صبح میرے دروز مالک مکان کے باغ کے سامنے تباہ کن جہاز جان راجرز مڑا۔ ہلکی "پاپ "کی آواز، توپ کے پاس دھواں، پیتل کا خول دھوپ میں چمکتا سمندر میں گرا۔ یوں امریکا لبنان کی جنگ میں داخل ہوا۔

واشنگٹن نے کہا دروز گولے میرینز اور سفیر کی رہائش کو خطرہ تھے۔ لبنانی جانتے تھے امریکا جمیل کو بچا رہا ہے۔ دوپہر تک میزائل کروزر ورجینیا بھی سوق الغرب پر گولوں کا قالین بچھا رہا تھا، جس میں سرکاری سپاہی اور ملیشیا دونوں مرے۔ سفارت خانے نے اسے لبنانی فوج کے دفاع

اور امریکی اہلکاروں کی سلامتی کے لیے ”دفاعی کارروائی “کہا۔ جیری لیبل نے امریکی لبنان پالیسی ”ایک لفظ میں سمیٹی“ :دھڑام۔

بیانات یہ نہیں کہتے تھے کہ امریکا لبنانی دروز پر گولی چلا کر لبنانیوں کا دفاع کررہا ہے؛ یہ تسلیم کرنا خانہ جنگی میں فریق بننا تھا۔ سرکاری ریڈیو فوجی دھنیں بجاتا۔ بڈارو ہسپتال میں زخمی فلسطینی فادی عبدالمولی، جس کی کمر پھٹی تھی، نے بتایا وہ شام کے درعا کا اور فلسطین لبریشن فرنٹ کی چوتھی بٹالین کا ہے۔ پوچھا کس کی مدد ہے تو نادانستہ طنز سے کہا“ :توپ خانے کی۔ ”تین گھنٹے بعد مر گیا۔

20 ستمبر کو اینڈرسن نے سوق الغرب میں سات سینئر امریکی میرین افسر دیکھے؛ غالباً بحری توپوں کے آگے مبصر تھے اور پہلے دن بھی وہاں تھے۔ ایمبیسی نے کہا رہنمائی مانگی جارہی ہے۔ لبنانی فضائیہ کے چھ جہاز بھی گھٹنے لگے :بل ڈاگ طیارہ گرا، پائلٹ کی لاش ایک ہفتہ نالے میں؛ ہاکر ہنٹر سمندر میں، دوسرا قبرص مرمت کے لیے؛ صرف تین بچے۔

واشنگٹن میں یہ سوویت حمایت یافتہ شام کے خلاف جمیل کی جمہوریت کی جنگ تھی؛ لبنان میں مسلمانوں کے خلاف فلانج کی۔ چالیس سالہ 45 ہزار ٹن جنگی جہاز نیو جرسی کا دوبارہ زندہ کیا جانا حماقت کی بڑی علامت تھا۔ اس کی سولہ انچ توپیں بیس میل دور ایک ٹن گولہ پھینکتیں، فٹ بال میدان جتنا علاقہ تباہ کرتیں۔ کوریائی جنگ کے گولے اور متحرک پرزوں والے کمپیوٹر— امریکی پالیسی کی طرح بھاری، بے سوچ اور فرسودہ۔

ورجینیا پر چمکتے افسر اپنے کام کی ”کوالٹی “اور ”ایکسی لینس “بیچتے۔ توپ پر مسلسل مشق کی تین لکیریں تھیں۔ جہاز نے 238 گولے پہاڑوں کی طرف پھینکے، مگر کوئی نہ جانتا کہاں گرے۔ افسر نے کہا ”غصے میں فائر “پرانا کلیشے ہے؛ کہیں کہ ”تربیتی مشن کے سوا فائر“۔ گنر کیلی ہارڈن ”نے سچ کہا“ :ہم نہیں جانتے کس پر فائر کررہے ہیں؛ بس توپ چلانے کو کہتے ہیں۔

صاف نقشاتی اعداد کمپیوٹر میں جاتے؛ عالیہ، بحمدون یا سوق الغرب جیسے انسانی نام نہ تھے۔ کپتان جوزف کنگ نے پچاس گز دقت کا دعویٰ کیا، ہدف بتانے سے انکار۔ ایک نوجوان انجینئر نے پہاڑ جلتے دیکھ کر کہا" :سمجھ نہیں آتا یہ لوگ ایک دوسرے سے ایسا کیوں کرتے ہیں؛ مگر جن پر "ہم گولی چلارہے ہیں، وہ کب جواب دیں گے؟

ڈیک پر گرم رول، ساسیج، پیاز، اچار اور مسٹرڈ کھاتے ہم بارہ پہاڑی آگوں کا دھواں دیکھتے : لبنان جل رہا تھا اور ہم ہاٹ ڈاگ کھا رہے تھے۔ اطالوی گولہ بارود کا ذخیرہ پھٹا؛ امریکی، فرانسیسی اور برطانوی طیارے چھتوں پر سے گزرے۔ مغرب اسے قوت کی تنبیہ سمجھتا؛ لبنانیوں نے اسے آنے والی بمباری کا اعلان سمجھا—چیلنج۔

فواد شہاب رنگ روڈ پر فرانسیسیوں پر راکٹ حملہ ہوا۔ متران نے میتن کی توپوں پر سپر اسٹینڈرڈ حملے کی اجازت دی۔ امریکی بحری فائر معمول بن گیا، اے پی کی "ارجنٹ "گھنٹیاں اب صرف نیو جرسی کے لیے بجتیں۔ کابینہ مستعفی، 17 مئی معاہدہ چھوڑنے کی افواہیں اور ساحل پر تقریباً تیس نیٹو جہاز تھے۔

اے پی میں 21 سالہ فوٹوگرافر ڈونلڈ سی مل سوم آیا۔ کم عمر، باریک مونچھ، دیوانہ وار بہادر؛ سیاست پر بار بار بولتا تو ٹیری اسے صرف "آرٹ ورک "تک محدود رکھنا چاہتا۔ مگر مل نے فوجی سرگوشیاں سنیں :چھٹی بریگیڈ کے مسلمان سپاہی مسیحی افسروں سے ناراض؛ میرینز کو پہاڑوں میں بھاری نقصان کا خوف؛ بعض نے تصویر سے منع کرنا شروع کردیا۔ مل نے کہا" :یہ پورا معاملہ غلاظت کا تھیلا ہے ...وہ اونچی زمین نہیں رکھتے۔ "تصویر کی ممانعت—حوصلہ ہارنے کی مانوس بو۔

میرین بٹالین لینڈنگ ٹیم—بی ایل ٹی—کی چار منزلہ عمارت میں سینکڑوں کی رہائش، عبادت گاہ، ریڈیو مرکز اور زیرزمین پارکنگ تھی۔ محاصرے میں شیعہ یہاں رہ چکے تھے، اس لیے ساخت جانتے تھے۔ چھت سے ہم ہوائی اڈے اور حی السلم دیکھتے، راشن کھاتے، جیکٹ پہنتے۔ جون میں

یہی بیڑا جشن آزادی کے دعوت نامے دیتا تھا: پکنک، لوک رقص، کیک، پھر "آخری الوداع"۔ اب چھت کا تارکول جوتوں پر پگھلتا اور ہم گولوں میں بھی محفوظ محسوس کرتے۔

اکتوبر وسط میں برج البراجنہ سے پھر حملہ ہوا۔ ایک میرین جیپ میں سینے پر گولی سے مرا، دوسرا ہسپتال جاتے۔ دس منٹ فائر کے بعد جواب کی اجازت ملی—امن مشن تھا۔ جنگ بندی کمیٹی سے شیعہ اس لیے نکلے کہ ہم مذہب ملیشیا پر گولی نہ چلانے والے مسلم فوجیوں کو سزا دی گئی۔ میرین جھڑپیں بھی اب فوری خبر نہ رہیں۔

23 اکتوبر کی روشن اتوار صبح دو نرم جھٹکے آئے۔ میں سویا رہا۔ مالک مکان نے فون پر چیخا: "مسٹر رابرٹ، اٹھیں، میرینز پر بم ہوا، ٹیری اور فولی جارہے ہیں!" ٹیری گاڑی تیزی سے لے گیا۔ فولی بولا فرانسیسی اور امریکی دونوں اڈوں پر کار بم ہیں۔

فرانسیسی نو منزلہ ڈراکار عمارت غائب تھی۔ بیس فٹ گہرا، چالیس فٹ چوڑا گڑھا اور نو منزلیں فحش سینڈوچ کی طرح پڑی تھیں۔ اعضا، تمغوں والا بے سر سینہ، باہر نکلتی آنتوں کے ساتھ زخمی۔ ایک سپاہی نے کہا: "چلتے احتیاط کریں۔" کرنل فلپ دی لونژو نے بتایا بم نے عمارت پوری اٹھا کر بیس فٹ دور رکھ دی۔

خون آلود نوجوان ڈاکٹروں سے لڑا، کمانڈو چاقو سے افسر کو مارنے لگا—پاگل ہوچکا تھا۔ ایک اور مٹی پر بیٹھ کر بچے کی طرح رویا۔ کنکریٹ کی دراڑ سے کڑا پہنا ہاتھ نکلا؛ امدادی سپاہی نے پکڑا، اندر کے شخص نے بازو مضبوطی سے تھاما اور مرتے دم تک نہ چھوڑا۔

ہم امریکی اڈے پہنچے۔ ٹیری نے پوچھا: "بی ایل ٹی کہاں ہے؟" پھر سمجھا: غائب ہوگئی۔ ایک اٹھارہ سالہ محافظ نے تار ہٹایا۔ آگے وردی پوش اور برہنہ، ٹوٹی کمروں اور کچلی ہڈیوں والی لاشیں تھیں۔ نوجوان بولا: "ٹرک میں بم والا آیا؛ بم کے ساتھ اڑ گیا۔" دس میرین قطار میں ترپال تلے تھے؛ ایک کا منہ کھلا مگر سر کا اوپری حصہ غائب تھا۔

زیرزمین گولہ بارود پھٹ رہا تھا، بیس فٹ آگ کی سرنگ ملبے سے نکلتی۔ ایک روتا میرین رائفل ہاتھ میں لے کر ایمبولینس کے پیچھے چھپا۔ تھامس فریڈمن نے کہا" :یہ دہشت گردی کا سب سے شاندار عمل ہے۔ "لفظ ظالم مگر درست تھا :لبنان کا سب سے پیشہ ور قتلِ عام۔

پریس افسر میجر رابرٹ جارڈن خون میں لت پت لاشیں نکال رہا تھا۔ ٹرک جنوبی گیٹ توڑ کر لابی میں پھٹا، دیواریں اندر گریں۔ کرنل گیراٹی کا چہرہ خالی تھا؛ اس کے پاس اب بٹالین ہیڈکوارٹر نہ تھا۔ چار ہزار پاؤنڈ بارود نے عمارت آتش فشاں کی طرح اڑا دی۔ ایک میرین نے ساٹھ مردہ کہا، جانتا تھا سینکڑوں ہیں۔ باقی بکتر بند گاڑیوں میں اس ہیڈکوارٹر کی حفاظت کررہے تھے جو موجود نہ تھا۔

کاغذ مربع میل میں بکھرے :سنائپر ہدایات، ہیلی کاپٹر قواعد، گھر کے خطوط، جنوبی کیرولائنا کا بند لفافہ شاید مردہ وصول کنندہ کے نام۔ خفیہ یادداشت کہتی تھی میرینز اور لبنانیوں کے دوستانہ تعلقات میرین کور کا بہترین اشتہار ہیں۔ روٹ اسکوپ میں لیفٹیننٹ مائلز برڈین نے لکھا تھا لبنان کے بچے موت، تباہی اور غربت دیکھ چکے؛ ہماری کوشش سے بیروت کبھی امریکا کی طرح آرام دہ گھر بن سکتا ہے۔

ایک سپاہی مشین گن کے پیچھے سر ہاتھوں میں رکھے رو رہا تھا۔ افسر نے صحافیوں سے کہا تصویر لیں مگر لاشیں نہیں؛ "غم بہت ہے، کچھ لڑکے ابھی تمہیں گولی مارنا چاہتے ہیں۔ "سمندر پر نیو جرسی خاموشی سے گزری—توپ چلانے سے پہلے ہی جنگ ہار چکی تھی۔

دو خودکش بمباروں نے 241 امریکی، زیادہ تر میرینز، اور 58 فرانسیسی پیراٹروپر مارے۔ فرانس کے الجزائر جنگ کے بعد پہلے جنگی مقتول، امریکا کا ویت نام میں بھی ایک دن کا اتنا نقصان نہ تھا۔ بی ایل ٹی کا لبنانی سنیک بار مالک بھی مرا؛ فرانسیسی عمارت کے چوکیدار کی بیوی اور بچے

بھی۔ متران نے چوکیدار اور اس کی ساس کو گڑھے کے پاس معجزے کا انتظار کرتے پایا؛ تین ماہ کا بچہ بھی ملبے میں تھا۔ پانچ دن بعد گلتی لاشیں نکلیں۔

اب واشنگٹن میں ''بین الاقوامی دہشت گردی ''عام لفظ تھا۔ امریکی افسر ایران یا شام کو ذمہ دار سمجھتے؛ مقامی شیعہ گروہ اتنی دقیق کارروائی نہ کرسکتا تھا۔ پہلا بم 6:20 پر، دوسرا ٹھیک بیس سیکنڈ بعد۔ مشق، متبادل ہدف، درست وقت اور ہفتوں کی تیاری درکار تھی۔ جن دو دستوں نے جنگ میں حصہ لیا—امریکی بحری بمباری، فرانسیسی فضائی حملہ—انہی پر وار ہوا۔

اطالوی فوراً ہر ٹرک پر بندوق تان کر انتظار کرتے رہے۔ انجیونی نے کہا'' :ہم اپنی باری کے منتظر تھے ...شاید بمبار کا ٹرک اسٹارٹ نہ ہوا ہو۔ ''سی آئی اے کو پیرس کیفے میں ''کمپلیکس ''پر حملے کی بات ملی تھی، نظر انداز ہوئی۔ فرانسیسیوں کو بتایا گیا ایرانی پاسدار اور دو ملا شام سے بعلبک اور پھر بیروت پہنچے۔

امریکیوں نے شیخ محمد حسین فضل اللہ سے بمباروں کی برکت کی کہانی پھیلائی۔ اس نے اور شیعہ جنگجوؤں نے انکار کیا :جو خدا کا کام سمجھتا ہو، اسے فضل اللہ کی یقین دہانی کیوں چاہیے؟ وہ جانتا ہے جنت تلوار کے سائے تلے ہے۔ جنبلاط نے ''المناک حملہ ''کہا، لیبیا نے تعریف، ایران نے انکار، شام خاموش۔ امریکا نے سوویت و مشرقی جرمن ہاتھ بھی ڈھونڈنا شروع کیا۔

بم کے اگلے دن ریگن نے نئی وجہ دریافت کی :لبنان عالمی سطح پر امریکی اعتبار کا مرکز، مشرقی بحیرۂ روم اور خلیج کے وسائل کی حفاظت تھا۔ یہ خواب صرف ان دشمنوں نے بانٹا جن سے بدلہ لینے کا وعدہ تھا۔ بعلبک کے ایرانی اور شیعہ نوجوان واقعی سمجھتے تھے وہ شیطانی امریکا کو اسلامی دنیا سے نکالنے کی عالمی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ریگن نے ان کے مشن کی عظمت پر مہر لگا دی۔

ہم پوچھتے رہے کس نے اور کیسے؟ زندہ میرینز نے بتایا ٹرک ملازمین کی پارکنگ میں دو چکر لگا کر کمزور گیٹ توڑ گیا۔ شاید راستہ رکا تھا، شاید دونوں بم ایک ساتھ پھٹنے کی وقت بندی تھی۔ "باہر بڑا بورڈ لکھا تھا" :کمپاؤنڈ میں داخلے سے پہلے ہتھیار خالی کریں۔

این بی سی ویڈیو میں لانس کارپورل کالہون نے بتایا گیٹ محافظ کو میگزین نکال کر رائفل بھرنی پڑی؛ تب تک ٹرک گزر گیا۔ ڈرائیور مسکرا رہا تھا۔ اڈے کے دل کی حفاظت کرنے والے مؤثر طور پر بے اسلحہ تھے، کیونکہ وہ امن محافظ، لبنانیوں کے مددگار اور سب کے محبوب بننا چاہتے تھے۔ بمبار مسکرا رہا تھا—وہ جنت کو جارہا تھا۔

لابی کے ایک سارجنٹ نے شاید پانچ گولیاں چلائیں، پھر ٹرک یا چار ہزار پاؤنڈ دھماکے میں مرا؛ انجن کا فولاد تک بکھر گیا۔ اپریل میں سفارت خانے پر عین ایسا ٹرک حملہ اور اسلامی جہاد کی مزید حملوں کی دھمکی کافی انتباہ تھی۔ ریگن مشیروں نے فوجی نااہلی کہا؛ میرینز سیاسی نااہلی سے بھی مرے۔ لبنان کے مہمان خواب اور حقیقت میں فرق دیر سے جانتے ہیں۔

دو دن بعد گلتی لاشوں کی بو پر ماسک بانٹے گئے۔ ہر بھاری ٹرک نیا بم لگتا۔ نائب صدر جارج بش جیکٹ و ہیلمٹ میں ملبے پر چلا اور کہا بزدل دہشت گرد خارجہ پالیسی نہیں بدلیں گے۔ مگر بدل گئی۔ دشمن بزدل نہ تھے؛ مطلق یقین رکھنے والے اور خفیہ تھے۔ آج تک دونوں بمباروں کی قطعی شناخت معلوم نہیں۔

شیعہ ذرائع نے کہا وہ ایرانی نہیں لبنانی مسلمان تھے، بعد میں شہید قرار پائے؛ پوسٹروں پر اصل کارروائی چھپا کر "اسلام کے دشمنوں سے لڑتے شہادت" لکھی گئی۔ اے ایف پی کو اسلامی جہاد نے کہا" :ہم خدا کے سپاہی، موت کے عاشق، نہ ایرانی، شامی یا فلسطینی بلکہ قرآن کے پیرو لبنانی مسلمان ہیں"۔

امریکی سفارت خانے نے نبیہ بری پر شک کیا؛ اس نے انکار اور تعزیت کی۔ مگر سابق امل نائب حسین موسوی، جو اختلاف کے بعد بعلبک میں ''اسلامی امل'' چلاتا تھا، کے لیے ذمہ داری نہ لی۔ 27 اکتوبر کو ہم موسوی کے گھر پہنچے؛ امریکی میرین و رینجر وردیوں میں داڑھی والے محافظ، خمینی و موسیٰ صدر کے پوسٹر، سیاہ پرچم، ''امریکا مردہ باد'' اور ہر طرف ''شہید'' تھا۔ وہ تحریک کو حزب اللہ، خدا کی جماعت، بھی کہتے تھے۔

سابق استاد موسوی دبلا، نوکیلی خاکستری داڑھی اور عقابی چہرہ رکھتا تھا۔ ٹیری نے پوچھا کیا اس کی تنظیم نے بمباری کی؟ بولا'' :یہ نیک عمل ہے جسے خدا اور نبی پسند کرتے ہیں؛ میں شہیدوں کی روحوں کے آگے جھکتا ہوں۔ ''پھر کہا اسرائیل، امریکا اور فرانس کے ظلم کا شکار ہر مسلمان پر برائی کا جواب برائی سے دینا فرض ہے؛ علیؓ نے پتھر وہیں لوٹانے اور نبیؐ نے عزت کے دفاع میں تلوار اٹھانے کو کہا۔

موسوی نے ایم این ایف کو نیٹو قوت کہا جو روایتی رہنماؤں سے معاملہ کرکے عوامی اسلامی عناصر نظر انداز کرتی ہے۔ پھر براہِ راست انکار کیا'' :ہمارا اتوار کے واقعے سے کوئی تعلق نہیں … فوجیں نہ نکلیں تو نئی کارروائیاں ہوں گی؛ میں خود حصہ لینا چاہتا ہوں۔ ''جاتے وقت محافظ نے صرف ٹیری کا امریکی پاسپورٹ لے کر نقل بنائی۔ ہم نے اسے اجنبی دشمنی سمجھ کر نظر انداز کیا—جاتے مسافر کی نقل کیوں؟

بیروت ذہنی و جسمانی محاصرے، تقریباً پاگل پن میں تھا۔ سب جانتے تھے امریکی جائیں گے، سوائے ایم این ایف کے۔ سفارت خانوں پر ویزا قطاریں، عملہ انخلا کی ضمانت مانگتا۔ امریکی رہائش کی چھت پر ہاک میزائل لگے؛ واشنگٹن نے ''شیعہ خودکش پائلٹوں'' سے خبردار کیا۔

ناکام دوسرے بیورو نے سوویت فوج، سرخ ستارے والی ٹوپیاں، شتورا کے سپاہی اور دور شویر میں شامی توپوں کا روسی کرنل گھڑ لیا۔ میں شتورا کے دکانداروں اور سرخ چھت والی عمارت تک

گیا؛ وہاں روسی کرنل نہیں، لبنانی مالی رہتا تھا۔ پھر بھی امریکی ٹی وی ''قابل اعتماد ذرائع ''سے کہانی چلاتا۔ ڈگلس ہوم نے پوچھا کیا واقعی جھوٹ ہے؟ کوئی حقائق نہ تھے۔

اگلی کہانی :بعلبک میں سوویت ساختہ لکڑی کے گلائیڈروں والے ایرانی خودکش پائلٹ چھٹے بیڑے پر حملہ کریں گے۔ لیبل اور میں ڈھونڈنے گئے؛ کھیت میں زنگ آلود کنٹینر ملے جن میں بے گھر کرد رہتے اور درخت پر کپڑے سوکھتے تھے۔ ہم خوابوں اور ڈراؤنے خوابوں کا مادہ ڈھونڈ رہے تھے۔ بمباروں کی کامیابی لاشیں گھر بھیجنے کے بعد بھی جاری تھی :مغرب بھاگ رہا تھا۔

جنیوا مصالحت کانفرنس میں سلیمان فرنجیہ نے جمیل کو گلے لگا کر خون دشمنی ظاہراً ختم کی، شمعون نے پانچ برس بعد فرنجیہ سے بات کی، جنبلاط نے ''ان نوادرات ''کی تصویریں لیں۔ لبنان کی عرب شناخت مانی گئی اور جمیل نے 17 مئی معاہدے کی توثیق نہ کرنے، اسرائیلی انخلا کے متبادل معاہدے کا وعدہ کیا۔ امریکا اپنے واحد سیاسی کارنامے کی تدفین میں مدد کرنے پر مجبور ہوا۔ اسی وقت صور کے نئے اسرائیلی ہیڈکوارٹر پر خودکش حملے نے ساٹھ اسرائیلی اور شن بیت قیدی مارے۔

بیروت میں کچھ نہ بدلا۔ حی السلم میں شیعہ میرینز پر حملہ کرتے، امریکی فلیچیٹ راکٹ شہری چھتوں کو انسانی گوشت کا لوتھڑا بناتے۔ ٹیری حزب اللہ جنگجوؤں کے ساتھ جان خطرے میں ڈال کر لوٹا'' :میرینز پاگل ہوگئے ہیں؛ انہیں معلوم ہے کیا کررہے ہیں؟ ''پریس بریفنگ کے بنکر میں ''توپوں کے شور پر افسر نے کہا'' :یاد رکھیں، ہم اب بھی امن مشن پر ہیں۔

17 نومبر کو چودہ فرانسیسی سپر ایٹنڈرڈ نے بعلبک کے راس العین پر ایرانی پاسدار اور اسلامی امل کے امام علی بیرک پر ڈیڑھ گھنٹہ حملہ کیا۔ پیرس نے براہِ راست نشانے کا دعویٰ کیا؛ موقع پر زیادہ بم آدھ میل دور زیتون کے درخت تباہ کرگئے۔ خواہم ہوٹل کا شیشہ تک نہ ٹوٹا؛ مشہور پالمائرا ہوٹل کی چھت میں ایک ٹکڑے نے سوئس ریڈ کراس مندوب کا کمرہ چھیدا۔

امریکی و فرانسیسی کمپاؤنڈوں کے گرد بیس فٹ مٹی، کنکریٹ اور لوہا؛ چار میل ہوائی اڈے کے نیچے تہہ خانے، سرنگیں، ہوا دان اور پندرہ لاکھ ریت کی بوریاں۔ سیاسی طور پر جہاز پر نہ جاسکتے، فوجی طور پر شہر قابو نہ کرسکتے، سو زمین میں اتر گئے۔ صلیبی جنگوں کے بعد اتنا دفاعی جال نہ بنا تھا۔ پھر بھی دشمن وار کرتا رہا: کویت میں امریکی و فرانسیسی سفارت خانے بموں سے تباہ ہوئے؛ سترہ اسلامی جہاد افراد گرفتار ہوئے۔ امریکا عالمی سازش کہتا تھا، خود اپنے پروپیگنڈے پر یقین نہ تھا۔

امریکا نے اسرائیل سے تزویراتی مکالمہ بحال کیا؛ آرنس نے مشترک لبنان کارروائی کا اشارہ دیا۔ فرانس بھی پھنسا تھا۔ وزیر خارجہ کلاڈ شیسوں نے کہا لبنانیوں کو ''تنہا ''نہیں چھوڑیں گے، حالاں کہ بہت سے لبنانی تنہا چھوڑا جانا چاہتے تھے۔ اب نئی دلیل تھی ایم این ایف سیاست دانوں کو اختلاف حل کرنے کا وقت خرید رہا ہے—فوجیں گھڑی اور ریفری تھیں۔

دسمبر میں امریکی جہاز میتن پر فائر کرتے۔ آئزن ہاور کے ایف-14 پر خون ٹپکاتی تلوار تھامے سیاہ کفن پوش ڈھانچے کا ''گھوسٹ اسکواڈرن ''نشان تھا؛ پائلٹ لبنان آنے کو بے تاب۔ 4 دسمبر کے بقاع حملے میں ایک جہاز گرا، پائلٹ مرا، معاون شامی قید ہوا اور جنوری میں جیسّی جیکسن کی مداخلت پر چھوٹا۔

14 دسمبر کو پورا شہر گہرے دھماکے سے بجا۔ تیس سیکنڈ بعد پہاڑ میں دھیمی آواز۔ راوشہ سے دیکھا نیو جرسی آگے بڑھ رہا تھا۔ توپوں سے جہاز جتنا لمبا سنہری پھول نکلتا، خاموشی؛ تیس سیکنڈ بعد دھماکے کی لہر قلعے کا دروازہ بند ہونے کی طرح آتی۔ فاروق بولا'' : حبیبی، ناقابلِ یقین۔ ''پھر ''...پہاڑوں کے پار چھوٹا ارتعاش—''لبنان پر کیے گئے تشدد کے بدلے

13 فروری 1984ء کو طبیات کی واداد سوید ہسپتال میں جلے چہرے کو ہم سے موڑتی تھی۔ نیو جرسی نے ریگن کے مطابق مسیحی بیروت پر حملے کے جواب میں اس دروز گاؤں پر فائر کیا تھا۔

سالہ نو بچوں کی ماں کے دیور کی موت ہوئی۔ پچیس افراد تہہ خانے میں تھے؛ پہلا دھماکا، 51 دیوار سروں پر، شوہر کے سر پر کنکریٹ اور چیخیں۔ پندرہ زخمی، دو بچے ذہنی صدمے میں دمشق لے جائے گئے۔

دروز کے مطابق تیس میل علاقے میں چوبیس شہری مرے، 115 زخمی؛ ہسپتال کے گلابی و جامنی جلے چہرے اسے معتبر بناتے۔ گولوں نے جنگل میں پانچ فٹ گہرے، پندرہ فٹ چوڑے گڑھے کیے؛ تین انچ موٹا فولاد ہم دونوں کو اٹھانا پڑا، استرے جیسے ٹکڑوں نے درخت اور دیواریں کاٹیں۔ مگر سوال باقی :دروز لڑکی کو ہم سے بات سے روکا گیا، ڈاکٹر پہلے ہدایت لیے، شامی افسروں کی موت کی افواہ، جنگجو نے اچانک پوچھا ''روسی آتی ہے؟ ''کیا وہاں روسی تھے یا ہم بھی سفارت کاروں جیسی وہم زدگی میں مبتلا تھے؟

لبنان نے کلازوٹز کو الٹ دیا :سیاست جنگ کا منطقی تسلسل بن گئی۔ جنگ بندیوں کا شمار بھول گئے۔ میرینز زیرِ فائر، امریکی بحریہ دروز پر، اسرائیل بقاع پر—اے پی سرخیاں دیکھ کر تاریخ چیک کرتے کہ آج کی ہیں یا پچھلے ہفتے کی۔ دسمبر 1983ء میں ایم این ایف نے عرفات کو پھر لبنان سے نکالا؛ کیا یہی 1982ء میں نہ لکھا تھا؟

عرفات کی آخری لڑائی افسوسناک تھی۔ بیروت انخلا کے بعد پی ایل او اپنی بدعنوانی، دولت بنانے والوں، جنوب سے بھاگنے والوں اور اسرائیل کو ماننے کی بات کرنے والوں پر بھائی کش جنگ میں ٹوٹا۔ اسد نے بغاوت کو پیسہ اور پناہ دی؛ محمود لبادی دمشق میں حریف دفتر چلاتا۔ بقاع کے دس ہزار میں صرف چار ہزار عرفات کے وفادار رہے، دیودار پہاڑ پار کرکے طرابلس دھکیل دیے گئے۔

طرابلس میں عرفات سابق ساتھی فلسطینیوں سے گھرا۔ بداوی و نہر البارد کیمپوں پر باغی، لبنانی بعثی اور شامی توپیں حملہ کرتیں؛ شہری بھی مرتے۔ عرفات کا اتحادی سنی بنیاد پرست گروہ

لبنان کو اسلامی جمہوریہ بنانا چاہتا تھا۔ اسلامی ہسپتال کے باہر فریج گوشت ٹرک میں پلاسٹک لپٹی لاشیں تھیں؛ ڈرائیور سنہری بالوں والی لڑکی نکال کر خاندان سے پوچھتا" :یہ آپ کی ہے؟ "سر زندگی کی طرح ہماری طرف مڑا۔

:عرفات ضدی، وسیلہ ساز اور بے رحم تھا۔ غداری پوچھنے پر گنجا سر ہاتھوں میں رکھ کر بولا یہ نہ پوچھیں۔ "شام، غدار، اسرائیل، امریکا—سازش سب ذمہ دار۔ 20 دسمبر کو مقدس مقصد" اور شہیدوں کی فتح کا اعلان کرکے چار ہزار افراد سمیت یونانی جہازوں پر تیونس چلا، پانچ فرانسیسی جنگی جہاز محافظ۔ طرابلس کی بندرگاہ پر 1982ء کا بیروت پھر دیکھا۔

وہی فتح کے نشان، گولیاں، چہرے اور ذلت کو اسطوروی فتح بنانے کا مہنگا ڈراما؛ جہاز کا نام موزوں تھا اوڈیسیئس۔ مرسڈیز، ٹوٹے ٹرک، کمبل، ٹائر اور کوڑے دان تک لے گئے کہ شامیوں :یا غداروں کو نہ ملیں۔ بے گھر قوم اور بے منزل قائد کی توہین آمیز تصویر۔ پولیس والے نے کہا "فِنیتو—ختم۔"

بوڑھے جنگجو لاٹھیوں سے چلتے، کم عمر نشے میں راکٹ لوگوں کے سروں پر چلاتے، دستی بم بندرگاہ میں پھینکتے۔ اسرائیلی جہاز اوپر تھے۔ ایک سنی جنگجو بولا" :یہ بے کار تھے؛ اب ہم آزاد ہیں۔ "تھکے نوجوان بیویوں کو گلے لگا کر پہاڑ دیکھتے؛ سیاہ لباس میں خوب صورت لڑکی ایک گھنٹہ خاموش کھڑی رہی۔ عرفات باڈی گارڈ سے بھرے رینج روور میں، پھر جہاز کے پچھلے حصے پر دوہرا فتح نشان دے کر قاتلوں کے خوف سے اوجھل ہوا۔

جنوری میں امریکی یونیورسٹی کے صدر مالکم کر کو کیمپس میں سائلنسر پستول سے سر میں گولی مار کر اسلامی جہاد نے قتل کیا۔ شہر میں امریکی پرچم جلانے کے پوسٹر؛ حمرا میں داڑھی والے نے "امریکی عورت کے سر پر انگلی تان کر آہستہ کہا" :بینگ، بینگ۔

فروری میں برج البراجنہ کے شیعوں نے آٹھ مربع میل میں فوج پر حملہ کیا۔ گیلری سمعان پر لبنانی فوج اور فلانج مشترک لڑ رہے تھے۔ مل نے ان کی زبان سن کر کہا وہ ہار رہے ہیں۔ فلانجی ولید نے کٹے سر، بازو اور ٹانگوں کا ذکر چیخ کر کیا، دستی بم کی پن سے کھیلتے بولا" : قتل اب معمول ہے ...ہم سب کے خلاف لڑتے ہیں—خمینی، سری لنکا، فلپائن، ایران ...امریکا کو لبنان کے "پندرہ سالہ لڑکے جیسا بننے میں بیس لاکھ برس چاہییں۔

کھنڈر میں بوڑھا تیسری بار پناہ گزین تھا۔ دروز نے دو بار حمّانہ اور شیعوں نے گیلری سمعان سے نکالا؛ آٹھ برس پہلے نقاب پوشوں نے اس کے بیٹے کو مارونی سمجھ کر گلا کاٹا، حالاں کہ وہ "کیتھولک تھا۔ "تین گھر، سب کچھ کھویا؛ بس دیکھ سکتا ہوں۔

فروری 1984ء کو فوجی تین ٹینک چھوڑ کر جنوبی مضافات میں چل دیے—بھگوڑے۔ 5 جمیل نے کابینہ کا استعفا قبول کیا؛ وزیر اعظم شفیق وزان نے اصرار کیا فوراً قبول کریں۔ شام کو ہوائی اڈے کی سڑک پر داڑھی والے شیعہ تھے؛ میرینز کٹ گئے۔ اگلی صبح نقاب پوش کورنیش مزرعہ پر دوڑے، راوشہ میں فوجی جان بچاتے، حمرا سے گاڑیاں پاگل پن میں بھاگیں۔ موٹر سائیکل پر سیاہ چمڑے کا نقاب اور کلاشنکوف—مسلح لوگ واپس آ گئے۔

ماسکو نارودنی بینک کے پاس سبز وردی، قرآنی آیت اور سفید خمیدہ تلوار والا جنگجو ٹریفک چلا اور لٹیروں سے عمارتیں بچانے لگا۔ نئے محافظ پہنچ چکے تھے۔ ریگن نے دو دن پہلے "کٹ اینڈ رن "سے انکار اور اسی دوپہر لبنانی وحدت کے عزم کو غیر متزلزل کہا۔ واشنگٹن دوسری کائنات تھا۔

رات مسیحی یونٹوں نے امریکی توپوں سے مغربی بیروت پر بے رحمانہ فائر کیا؛ تقریباً سو شہری مرے، گھر جلے، اسرائیلی محاصرے کے بعد ایسی بمباری نہ دیکھی۔ فوج مسیحی و مسلم دھڑوں میں

:ٹوٹ گئی؛ ایم این ایف کے پاس حمایت کے لیے لبنانی فوج نہ تھی۔ امریکی سفارت کار نے کہا "ہمارا بدترین خواب۔"

چند گھنٹے بعد ریگن نے میرینز کو جہازوں پر "دوبارہ تعینات "کرنے کا اعلان کیا—نپولین کی ماسکو، کسٹر کی آخری اور برطانیہ کی ڈنکرک "تعیناتی"۔ یہ لیوانت میں امریکی پالیسی اور اسرائیلی خونیں مہم کا انہدام تھا۔

برطانوی ساتھیوں کو بتائے بغیر جونیاہ بندرگاہ بھاگے، دو ٹرک فلانج کے لیے چھوڑ گئے۔ اطالوی سترہ ماہ فلسطینیوں کی حفاظت کرکے تب نکلے جب سمجھے امل حفاظت کرے گی—اعتماد مہلک نکلا۔ ایک اطالوی نے اوزاعی چوکی پر پانچ فٹ حروف میں لکھا" :بیروت، الوداع"۔

امریکی و برطانوی شہری قبرص بھیجے گئے۔ ٹیری کی بیوی اور بیٹی گیبریئل بھی؛ پچھلی رات اسکول پر گولہ پڑا تھا۔ گیبریئل نے لمبی خاموشی کے بعد ماں کو دیکھ کر سر ہلایا۔ امریکی طالبہ نے میرینز سے کہا" :تم ناکام ہوئے؛ میرے دوست دشمن اور گھر خوف کی جگہ بنا دیا۔ "سارجنٹ بولا "دہشت گردی سے لڑے اور تمھیں بچا رہے ہیں؛ وہ رو کر بولی" :نہیں۔

آخری روانگی سے چار دن پہلے ریگن نے مانا حملوں کے بعد وہاں ہدف بن کر اصل مشن میں حصہ ممکن نہ تھا۔ وہ لبنان سے ایسے ہٹ رہا تھا جیسے تباہ گاڑی چھوڑتا ہے۔ بعلبک کا بڑے داڑھی والا ابو مصطفیٰ موسیٰ صدر کی تصویر لگی چوری شدہ فوجی بکتر بند گاڑی میں امریکی اڈے کا وارث بنا اور رخصت ہوتے سپاہیوں کو دیکھ کر سلام لیا۔

جنگجوؤں کو امریکی سبز لاش تھیلے، کرسیاں، خشک خوراک، گدے، دودھ، اخبارات، پندرہ لاکھ بوریاں، بیئر کین اور دیوار پر "برونکس—مین ہٹن—نیو جرسی "ملے۔ دو آراستہ اداس کتے "ہوٹل کمپنی "بنکر کے پاس بے وفا مالکوں کے منتظر تھے۔ یہ امریکا کی لبنان کے لیے میراث تھی۔

میرینز زیادہ تر اچھے نوجوان تھے، پسند کیے جانے کے آرزومند اور اس دنیا سے لاعلم جہاں صدر نے بھیجا۔ فلسطینیوں کی طرح جانتے تھے یہ مشہور فتح نہیں۔ سنہری فلیر، پرچم اور ساحل کی ریت پر آخری سپاہی ریگن کی جنگی فلم کا منظر لگتے۔ کسی نے کہا ''بس بات بن نہ سکی۔ ''آخری ''میرین اسٹاف سارجنٹ جیری ایلوکوبچ نے کہا'' :ہم نے کام کیا؛ وہ موجیں سب کہتی ہیں۔

مگر سب نہیں۔ ہوائی اڈے پر ٹوٹا کنکریٹ پلیٹ فارم اکتوبر کے قتل کی بے یادگار نشانی تھا۔ پہاڑ پر فاسفورس گولہ سفید بادل بن کر جنگ کی یاد دلاتا۔ آخری میرین سمندر میں گئے تو ایک گھنٹے بعد نیو جرسی ساحل کے قریب آیا اور طویل گولہ باری کی—پرائم ٹائم ٹی وی کے لیے اچھا منظر۔

گولے کس پر تھے؟ شیعہ سکون سے گرین بیچ میں داخل ہوئے اور امریکی پرچم کی جگہ سبز اسلامی جھنڈا لہرایا۔ آخری کشتیاں آلودہ پانی میں لکیر بناتی گولیوں کی آواز میں نکلیں۔ چھ دن بعد نیو جرسی کے کپتان آر ڈی ملیگن نے حیفا کے ایل پاشا نائٹ کلب میں اے پی سے کہا'' :جنگی جہاز ''یقیناً امن کا ہتھیار ہے؛ امید ہے ہم لبنان میں امن لانے پر اثرانداز ہوئے۔

حواشی

۱۔ کفر متیٰ کے قریب البیرہ میں دروز، شامی اور فلسطینی جنگجوؤں نے چالیس مسیحی دیہاتیوں کو سامان لینے گھر بھیجا، واپسی پر قتل کیا؛ باقی باشندوں کو حیرت انگیز طور پر چھوڑ دیا۔

۲۔ فرانسیسی ڈراکار اور امریکی بی ایل ٹی دھماکوں میں صرف بیس سیکنڈ کا فرق تھا، جو مشترک منصوبہ بندی اور انتہائی درست وقت بندی کا ثبوت سمجھا گیا۔

۳۔ ریگن نے 8 اکتوبر کو لبنان کے تناظر میں مشرقِ وسطیٰ کے ''سوویت بلاک میں شامل ہونے ''کا سوال اٹھایا؛ یہی بعد کی روسی سازشوں کی افواہوں کا اہم سرچشمہ بنا۔

۴۔ امریکی سفارت خانے نے ابتدائی طور پر شہری انخلا کی تصویریں رکوانے کی کوشش کی، کیونکہ ان کے مطابق تصاویر کے نتائج خارجہ پالیسی کے لیے "نقصان دہ" ہوسکتے تھے۔

۵۔ نیو جرسی کے کپتان کا "امن کے ہتھیار" والا بیان ڈیلی اسٹار، بیروت، 5 مارچ 1984ء میں اے پی کی حیفا رپورٹ کے حوالے سے شائع ہوا۔

باب 15

پسپائی

رابرٹ فسک

"اے جہاز، نیچے آؤ؛ ہمیں لبنان لے جاؤ؛ ہم شیرون کے لیے لڑیں گے؛ اور تابوت میں واپس آئیں گے۔"

اسرائیلی سپاہیوں کا گیت، عبرانی بچوں کی نظم کی دھن پر، جنوبی لبنان، جنوری — 1983ء

لبنان کا مردود شخص چوبیس گھنٹوں میں شام کا معزز مہمان بن گیا۔ 29 فروری 1984ء کو دمشق پہنچنے پر حافظ الاسد نے امین جمیل کو اکیس توپوں کی سلامی دی۔ جو امریکی و اسرائیلی کٹھ پتلی اور بے حیثیت فلانجی صدر کہا جاتا تھا، اب ''عالی جناب صدر لبنان''تھا۔ اسرائیل جنگ ہار چکا تھا۔

اسرائیلی ایک برس سے جانتے تھے کہ ہار رہے ہیں۔ ستمبر 1982ء سے جنوری 1983ء تک لبنانی و فلسطینی گوریلوں نے سترہ اسرائیلی مارے اور ستر سے زیادہ زخمی کیے۔ رافیل ایتان نے کہا جنگ رسمی طور پر ختم مگر حقیقتاً جاری، اسرائیل کو مزید سو برس دہشت کا سامنا ہوسکتا ہے۔ 1983ء کے آغاز تک حملے میں 455 اسرائیلی مرے اور 2,460 زخمی تھے—جون کی پیش قدمی کا خواب یہ نہ تھا۔

جمیل کے دمشق دورے نے لبنان کی عرب شناخت اور 17 مئی معاہدے کی موت پکی کردی۔ چار دن بعد اسے کالعدم قرار دیا۔ لوزان مصالحت میں وزیر ایلی سالم نے کہا امریکی دباؤ غیر اخلاقی تھا'': دستخط نہ کرو گے تو چھوڑ دیں گے۔ ہم چھوٹا ملک تھے، کیا کرتے؟ ''اسرائیلی دستخط

کنندہ ڈیوڈ کمحی نے فلپ حبیب کی یقین دہانی پر اعتماد کیا تھا کہ معاہدہ ہوتے ہی امریکا شام کو نکال دے گا۔ یہ امن معاہدہ نہیں، حالات میں ممکنہ قریب ترین تعلق تھا۔

مگر جنوبی لبنان میں اسرائیلی پالیسیاں امن ناممکن بنارہی تھیں۔ مغربی بیروت کے محاصرے کے دوران اسرائیل نے ایک ہزار مربع میل میں نجی لشکر بنائے۔ سعد حداد اور فلانج صیدا آئے؛ شن بیت نے مقامی، حتیٰ کہ سابق امل افراد کو شیعہ دیہات اور اقوامِ متحدہ علاقے میں مسلح کیا۔ یو این نے انہیں ''نیشنل ''یا ''سول گارڈ ''کہا، مگر ان میں مجرم اور سابق فلسطینی ساتھی بھی تھے۔

صیدا کے گورنر کو چوبیس گھنٹے میں دفتر سے نکال کر فائلیں سڑک پر پھینک دی گئیں۔ سنی باشندے اور عین الحلوہ فلسطینی فلانج و حداد کے حکم تلے آئے۔ فلسطینی لاشیں مسیحی علاقے کو جاتی سڑک پر ملنے لگیں۔ دروازوں تلے پمفلٹ آیا:لبنان سے ہر فلسطینی نکالو، کوئی رکاوٹ نہیں؛ دستخط دیودار کے انقلابی''۔ نام انجان مگر سایہ تاریک تھا؛ شبہ بدنام ''محافظانِ دیودار ''پر تھا۔''

اس انتہائی دائیں بازو ملیشیا نے 1975-76ء میں فلسطینی و مسلم قیدیوں کو گاڑیوں کے پیچھے گھسیٹا، لاشیں جونیاہ لے جاکر وادی میں پھینکیں، کان کاٹ کر بیلٹ پر باندھے۔ رہنما ایٹیئن صقر، ابو ارز، کا نعرہ پہلے ''کوئی فلسطینی لبنان میں نہیں رہے گا''، پھر ''ہر لبنانی کا فرض ایک فلسطینی کو ''قتل کرنا ''تھا۔ علامت شعلے میں سفید تلوار اور پسندیدہ مثل'':جو زہر پکائے، زہر کھائے۔

دسمبر 1982ء میں بیگن نے صقر کو اسرائیل بلایا۔ اس نے صبرا و شتیلا کا دفاع، پانچ لاکھ فلسطینیوں کا اخراج اور اسرائیلی ''انسان دوستی ''کی تعریف کی۔ شمیر کے مہمان کے طور پر دوسرے دورے میں مانا اس کے افراد حداد کے ساتھ اسرائیل کے لیے جنوب میں کام کرتے ہیں۔ اسرائیل نے بلا ثبوت کہا وہ سدھر گیا، ''اسرائیل کا اچھا دوست ''ہے۔

جنوری و فروری 1983ء میں صیدا کے آس پاس نبیل شقوی سمیت لاشیں، بوسیدہ اجساد، گھروں سے بے دخلی، احمد سباع کا قتل، بہن کے گھر پر بم اور عین الحلوہ کے قریب تین مسخ

لاشیں ملیں۔ ایک بوڑھے صیداوی نے کہا اسرائیل آیا تو فلسطینی گندگی صاف ہونے پر خوش تھے، مگر اب اسرائیل مقامی جتھے مسلح کررہا ہے۔ باہر جینز و اسرائیلی جیکٹ اور کاؤ بوائے ٹوپی والے مسلح افراد گاڑیاں روک رہے تھے؛ پیچھے اسرائیلی اخبار پڑھتے۔ یو این نے نام دیا: اسرائیل کے مسلح و وردی پوش لبنانی۔—LAUI

شیعہ اعلیٰ کونسل نے محاصرے ہی میں اسرائیلی مقامی انتظامیہ رد کی۔ نائب سربراہ محمد مہدی شمس الدین نے عدم تعاون کہا۔ مگر نفرت انگیز پمفلٹ فلسطینیوں کو جراثیم و زہریلا سانپ اور مسیحیوں کو شریک وطن کہتے؛ شبہ فلانج یا شن بیت پر تھا۔

جنوری 1983ء کی خفیہ یو این رپورٹ میں اسرائیلی دباؤ، حراست اور بلیک میل سے ہر گاؤں کے دس افراد ملیشیا کے لیے دینے اور خود ٹیکس جمع کرکے تنخواہ دینے کا حکم تھا۔ انکار پر دوسرے گاؤں کے مسلح افراد آتے۔ شیعوں کو اپنے جابروں کی قیمت بھی دینی تھی۔

ہر سفر میں خوف بڑھتا۔ ''نام نہ لکھیے'' ہر انٹرویو کا حصہ، لوگوں کی شناخت صرف پہلے نام تک رہ گئی۔ 70 سالہ مزدور حسن رو پڑا: اسرائیلی افسر ہفتہ وار بیٹے کی انصار سے رہائی کے بدلے دہشت گردوں ''کی خبر مانگتا؛ معلومات لے کر بھی بیٹا نہ چھوڑا۔ پھر ہم سے بولا'': بیٹا چھڑوا دیں'' تو آپ کو بھی معلومات دوں گا۔ ''قبضہ انسان کو اندر تک خراب کررہا تھا۔

عین الحلوہ کے قریب مسیحی جارج و ٹونی فلانجی وردی میں تھے۔ انہوں نے فلسطینیوں کو گندگی اور قاتل کہا، قریبی لاشوں سے لاعلمی، بشیر جمیل کو خدا و محبِ وطن کہا۔ دروازے پر ان کے چھوٹے لڑکے زندہ پرندے کے پر نوچ رہے تھے۔ بازار میں اسرائیلی گشت پہلے تصویر پسند کرتا، اب افسر فلم مانگتا؛ ایک سپاہی بولا تصویر لیں، آپ دوست ہیں۔ خاموش ہجوم نے جب سنا صحافی بیروت سے ہیں تو مطمئن ہوا۔

صیدا کی منڈی میں لبنانی سنگترہ، لیموں یا ایواکاڈو نہ تھا؛ ہر کریٹ اسرائیل سے۔ سرحدی ٹرک فوٹو پر دھمکاتے۔ اسرائیلی برآمدات لبنانی کسان برباد کررہی تھیں؛ سیاسی تعلق نہ سہی، تجارتی قبضہ قائم تھا۔

میہ میہ فلسطینی کیمپ کیچڑ اور خوف میں تھا۔ چھ ہفتوں میں بارہ فلسطینی قتل ہوئے۔ ایک عورت نے بتایا اسرائیل حفاظت کا وعدہ کرکے مرد انصار لے گیا؛ فلانج نے گھر جلائے، بم سے چودہ گھر تباہ ہوئے۔ گاڑی کی آواز پر سب دروازے دیکھتے۔ لڑکا آیا :فلانج نے آپ کی کار دیکھ "لی۔ عورت نے ہاتھ بھینچ کر کہا" :نوٹ پھاڑ دیں؛ کہیں کوئی ہمیں نہیں ستاتا، ہم خوش ہیں۔

دو سو گز دور مسیحی میہ میہ تھا۔ استاد نے کہا فلسطینیوں کو بھول کر ہمارے آٹھ سال کے خوف پر لکھیں۔ 1975ء میں تین افراد دیوار کے پاس قتل ہوئے تھے۔ اس کے نم گھر میں عربی، انگریزی کتابیں اور عربی-عبرانی لغت تھی۔ اس نے اسرائیل کو نجات دہندہ، مسیحیوں اور :اسرائیلیوں کو مغربی تہذیب کا واحد ترقی پسند حصہ، مسلمانوں کو رجعت پسند کہا۔ لغت اٹھا کر بولا "یہ ہمارے کام آئے گی۔"

جنوبی شیعہ دیہات میں کرنل حائم "سماجی دورے "کرکے ملیشیا کا ٹیکس مانگتا۔ حارس میں مختار سے ماہانہ پندرہ ہزار پاؤنڈ چاہیے؛ پہلے انکار کیا، پھر مانا "شاید پیسے کی بات ہوئی "اور بے نمبر مرسڈیز میں حداد محافظوں کے ساتھ چلا گیا۔ دوسرے غریب گاؤں کے 70 مردوں کے سامنے مختار نے 4,000 پاؤنڈ کا تحریری حکم دکھایا۔ عورت نے الگ بتایا انصار کے بیس قیدی ادائیگی تک "رہا نہ ہوں گے" :وہ ہماری زمین لے رہے ہیں، ہم لبنانی رہنا چاہتے ہیں۔

اسرائیل نے ڈھائی لاکھ سے زیادہ مقبوضہ شہریوں کی 27 صفحات کی مردم شماری کی :پناہ گزین، غیر ملکی، گاڑی انجن نمبر، حاملہ عورتیں، بجلی، پانی، ڈاکٹر، فون، ڈاک، مذہبی و آثارِ قدیمہ مقامات۔ تاثر تھا اسرائیل بہت عرصہ رہنے والا ہے۔

صیدا کے شمال میں بریگیڈیئر امنون لفکن کی 162ویں ڈویژن حملوں کا مرکز تھی۔ وہ 1973ء میں بیروت آکر بلیک ستمبر فلسطینی افسروں کو قتل کرنے والے اسرائیلی و موساد دستے کا کمانڈر رہ چکا تھا۔ فروری-مارچ میں دو سپاہی مرے، سات زخمی۔ اس نے کہا مشکل مگر ناممکن نہیں؛ وہ غلط تھا۔ روز حملے اور شاذ ہی حملہ آور گرفتار۔

فریق بدلنے سے خوف بھی بدلتا۔ فلسطینی گھر میں اسرائیل و اتحادی کھڑکی کے باہر خطرہ؛ اسرائیلیوں کے ساتھ بیٹھیں تو رات کے فلسطینی خوفناک۔ دونوں ہمیں دوسری طرف دیکھ کر دشمن سمجھ سکتے تھے۔

فسح کی پہلی رات عالیہ کے باہر میجر ہلیل کے تباہ شدہ ولا میں میٹھی شراب، کڑوی جڑی بوٹی اور بے خمیر روٹی پر ہگادا گونجی۔ ربی تسوی نے پوچھا" :یہ رات سب راتوں سے مختلف کیوں؟ " تب دھماکے نے عمارت ہلائی، پھر دوسرا۔ روایتی طور پر ایلیا نبی کے لیے کھلا دروازہ اب دوڑتے سپاہیوں سے بھر گیا۔ فلیر، مشین گن اور ریڈیو شور؛ گشتی گاڑی راکٹ سے لگی، ایک ہلاک، دو زخمی، حملہ آور فرار—صرف سیاہ سفید فلسطینی کفّیہ ملا۔

چند منٹ پہلے سپاہی بیگن کی دوبارہ انتخابی نظم اور قبضے کے جواز پر بات کرتے تھے :ہم نہ رہیں تو افراتفری، گلیل مسلسل دہشت میں تھا؛ مگر بیروت تک کیوں؟ کسی نے شیرون کو مغربی بیروت داخل ہونا چاہیے کہا، کسی نے اولی پر رکنے کو۔ ایک سنجیدہ شخص بولا" :لبنان بے مستقبل زمین ہے ...پی ایل او کو روکنے کا راستہ فلسطینیوں سے دوستی ہے۔ "دھماکوں نے اخلاقی سکون اڑا دیا۔

مئی تک لفکن شوف کو "تباہی "کہتا، اشتہاری بروشر دھول میں بندھے تھے۔ بیروت چھوڑنے کے چھ ماہ میں 118 اسرائیلی مرے، زخمیوں کا بڑا حصہ اسی مدت کا۔ "دہشت گرد "شکست نہیں

کھائے تھے۔ حائم و "ابو نور" نے کئی شیعہ دیہات کو "علاقائی بریگیڈ" کے جتھوں کی قیمت دینے پر مجبور کیا۔

اولی سے دریائے بسری، باروک اور شامی سرحد تک اڈے، ہیلی پیڈ، ریڈار، ٹینک پارک اور کنکریٹ بیرک ایسے بنے جیسے برسوں رہنا ہو۔ صور کیمپوں میں شن بیت نے ایک دن ساٹھ افراد گرفتار کیے؛ بقاع میں گھات سے بچنے نئی سڑک؛ قرعون کے پاس ماہ میں 35 حملے؛ صور میں ہرتاوی کی نئی ملیشیا اور سابق فلسطینی بندرگاہ افسر اب اسرائیل کا نگراں۔

اسرائیل کو شیعہ دوستی چاہیے تھی—"دور کے بھائی سے قریب ہمسایہ بہتر"—مگر ہر عمل نفرت بڑھاتا۔ یاطر میں حداد کے احمد شبح نے پیسے اور مورچے بنانے والے افراد مانگے۔ مختار نے یو این کو لکھا" :ہم اسرائیل، احمد شبح یا شیطان کی ریاست میں رہتے ہیں؟ "انکار پر سڑک پر ٹیکس لگا، اسرائیلی ہاف ٹریک وصول کنندگان کی حفاظت کرتا۔

مغربی کنارے کی مخبری و مقامی مسلح نظام لبنان پر لگایا گیا، مگر لبنانی فلسطینی نہ تھے۔ ان کے پاس ہتھیار، جنگی تربیت اور مذہبی یقین تھا۔ مغربی کنارے میں پتھر، لبنان میں گولیاں۔ 10 جون کو دیر قانون النہر کے سنگترہ باغوں سے دس افراد نکلے، دو بکتر بند گاڑیوں پر حملہ اور جواب سے پہلے تین اسرائیلی قتل۔ شن بیت فلسطینی کیمپ چھانتا رہا، حملہ آور لبنانی تھے۔

جبشیت کے امام راغب حرب نے تعاون رد کیا تو جون 1983ء میں ہاتھ باندھ کر صور لے گئے۔ مسجد پر سیاہ پرچم اور بینر" :جنوب کے امن کے بغیر لبنان میں امن نہیں"؛ "موت ہمارا معمول، شہادت خدا کی سخاوت۔ "مسجد میں احتجاجی دھرنا اور خمینی و موسیٰ صدر کے پوسٹر۔ "جہاد" نامی نوجوان امریکا کو بڑا شیطان کہتا؛ بعد میں معلوم ہوا عراقی دعوہ اور اسلامی جہاد سے ہے۔

اسرائیل نے گاؤں کے چھ نیشنل گارڈ افراد مقرر کیے؛ حرب کی گرفتاری کے ہفتے بعد انہوں نے بندوقیں واپس کرکے استعفا دیا، مگر اثر نہ ہوا۔ اسرائیلیوں نے حداد کو "گلیل کی ڈھال"، جویّا کے پانچ بدحال افراد کو "قواتِ کربلا" اور جنوب صور کے بھتہ خوروں کو "فوج کے حامی" بنا دیا۔

قواتِ کربلا کا حیدر داغ سابق امل اور پی ایل او کا زخمی تھا، حداد کے ہسپتال میں علاج سے اسرائیل نواز ہوا۔ بات میں عبرانی قمیص والا "ابو نور" جواب سکھاتا اور فلانج پر تنقید پر کہتا چپ رہو"۔ صور میں شوقی عبداللہ کی "متحدہ جنوبی اسمبلی" بھی ابو نور کی ایجاد تھی؛ دفتر میں " تین اسرائیلی رائفلیں۔ وہ انصار کی فہرست سے کبھی چودہ قیدی چھڑوا کر ضروری ثالث بنا، امیدوار کرنل حائم سے منظور کراتا اور خود کو لبنانی محبِ وطن کہتا۔

شوف سے نکلتے اسرائیلی حکم نامے نے "دہشت گرد تنظیموں کی شکست" اور "اخلاقِ اسلحہ"، غیر فوجیوں کو نقصان سے بچانے کا درس دیا، مگر ساتھ مانا ملک مسلح و دشمن عناصر میں بٹا ہے۔ ہزار سپاہی، 330 ٹینک، 450 بکتر بند اور سو توپیں اولی سے باروک تک زیرزمین مورچوں میں 25 بیٹھیں۔ رخ شمال تھا، مگر بیشتر دشمن جنوب میں پیچھے تھے۔

شیعہ شک تاریخی محرومی، سیاسی بے دخلی اور غربت میں جڑا تھا۔ قریبی دوست اچانک پوچھتے" :تم جاسوس ہو؟ "موسیٰ صدر کی تنظیم "تحریکِ محرومین "نے اسکول اور پیشہ ورانہ مرکز بنائے؛ وہ ایرانی تھا اور ایران انقلاب کے بعد کامیاب و خودمختار طاقت۔ اگر ایران کے محروم جیت سکتے تھے تو لبنان کے شیعہ بھی۔

سیاسی مطالبہ اور شہادت کا عقیدہ مل گئے۔ امام حسینؑ کی کربلا، کوفہ کی غداری اور اموی طاقت کے سامنے مظلوم حق کی قربانی ہر اسرائیلی ظلم میں دوبارہ دکھائی دی۔ راغب حرب کی گرفتاری دھوکا، اسرائیل نواز جتھے کو "قواتِ کربلا" کہنا توہین۔ اسرائیل کی 1982ء سے پہلے کی

دوستانہ شیعہ نسبت ''بھی افسانہ تھی؛ بیروت مضافات کے شیعہ 1970ء کی اسرائیلی بمباری کے '' مہاجر اور محاصرے کے متاثر تھے۔

اکتوبر میں اولی پل بند کرنے کی دھمکی پر شمس الدین نے مکمل شہری مزاحمت کی اپیل کی۔ اکتوبر عاشورا پر نباطیہ میں سفید کفن پوش، زنجیر و تلوار والے ہزاروں عزاداروں میں اسرائیلی 16 قافلہ گھسا۔ پتھر، الٹے جلتے ٹرک، پھر فوجی فائر :دو ہلاک، سات زخمی۔ اسرائیل نے پہلے کہا کوئی زخمی نہیں، غلط موڑ تھا؛ پھر ''دہشت گردوں ''کی گولی و دستی بم کہا۔ دونوں بیانات جھوٹ تھے۔

اگلے دن جلا ٹرک مسجد کے پاس تھا۔ ہسپتالوں میں گولیوں کے مریض :حسین ضیا، حسین مخزوم، نوجوان عورت، اور 19 سالہ سہیل حمورہ۔ سہیل ہفتہ وار چھٹی پر عاشورا دیکھنے آیا، ہسپتال دروازے پر بولا ''میں زخمی ہوں ''اور منہ کے بل گرا۔ خاندان نے تیراکی، سالگرہ اور معمولی مونچھ والی تصویریں دکھائیں۔ باپ خاموش، ماں بیٹیاں روئیں۔ بھائی نے کہا پشت سے گولی'' :قبضہ ''ہے، بول نہیں سکتے؛ دل میں نفرت ہے۔

ایک ہفتے میں مسلسل حملے شروع۔ اسرائیلی ملیشیا ساتھی غدار؛ کچھ امل میں گئے، کچھ قتل۔ جنوری 1984ء میں کفر رمان کا محمد عاطف فرحات مارا۔ ایک ہفتے میں نو بار دستی بم، بارودی سرنگ اور راکٹ؛ گوریلے واش بیسن میں بم اور تین ڈیٹونیٹر والی اطالوی سرنگیں بنا رہے تھے۔

اسرائیل نے شیخ عباس حرب کا حلوسیہ گھر بلڈوز کیا، بچوں کے کھلونے چھت تلے۔ اسے دہشت گرد سرگرمی ''کا مشتبہ کہا۔ شیعہ اسرائیل یا گلیل تباہ نہیں، صرف فوج کا اخراج چاہتے '' تھے؛ اب وہ بھی دہشت گرد۔ شیخ عادل مونس نے بتایا عباس حرب ہیلی کاپٹر سے لایا، چہرہ بدلا، ہاتھ سوجے، پگڑی غائب؛ پانچ نام بلوائے، سب لے گئے۔

فروری میں راغب حرب کو باغ کی دیوار کے پیچھے سے تین گولیاں ماریں۔ جنازہ گاؤں لے جانے والوں پر اسرائیلی ہوم گارڈ نے فائر، چار زخمی۔ حملے ہفتہ وار پندرہ؛ انصار قیدی ''فرار کی

کوشش ''میں قتل۔ ائمہ مزاحمت کے سیاسی قائد بنے، ایران سے ربط مگر احکامات سے انکار۔ عدلون کے شیخ علی مہدی ابراہیم نے کہا'' :ہم سبق خود سے لیتے؛ ایران ہم سے لیتا ہے۔ ''حزب ''اللہ نوجوان نے نیچی اڑتی اسرائیلی جہازوں پر کہا'' :ان کے پاس طاقت نہیں۔

جنوری 1984ء میں سعد حداد سرطان سے مرا، جگہ بے رنگ انطوان لحد نے لی۔ شیعہ جنوبی لبنانی فوج افراد ہتھیار سمیت مزاحمت میں گئے؛ مسیحی سپاہی بھی اسرائیلیوں کو ''دلال جو ہم سے کام کراتے ''کہتے۔ رات مرجعیون ناکے پر موشے نے کہا گھر چاہتا ہوں، سب بگڑا، شام مضبوط، جنبلاط قابض۔ اشعیا بولا'' :یہ تباہی ہے؛ شیرون پاگل ہے۔ ''پھر وہی گیت :جہاز، لبنان، شیرون، تابوت۔

جنوبی لبنان کے سنگترے مر رہے تھے۔ باغوں کی سنہری چمک سرمئی تھی؛ اسرائیل نے حملہ آوروں کی آڑ بننے والی دیواریں مرکاوا بلڈوزر سے گرائیں، ہوا درخت کاٹتی۔ دوسری طرف اڈوں کے گرد تیس فٹ مٹی، آٹھ فٹ کنکریٹ، خندقیں؛ قافلے ٹینکوں کے ساتھ بکتر بند خارپشت لگتے۔ دامور پر ''دہشت گرد اڈوں ''کی بمباری پھر شروع—حملے سے پہلے بھی یہی تھا، تو حملہ کیوں کیا؟ لبنان کی تکرار کی بیماری اسرائیل کو بھی لگ گئی۔

اپریل 1983ء کو 18 سالہ علی صفی الدین سبز فیاٹ میں دیر قانون النہر کے پل پر تھا۔ 12 پوچھنے والے سے کہا خاندان کو سلام۔ 15 سالہ دولا نے دیکھا شاید رو رہا تھا۔ دو اسرائیلی بکتر بند آئے؛ اس نے گاڑی درمیان میں دے کر بم پھاڑ دیا، خود ٹکڑے اور ایک گاڑی گولہ بارود سمیت آگ۔

اسرائیل نے ''جنوبی دہشت گرد گروہ ''کہا۔ حقیقت :علی کا بھائی 1983ء میں اسرائیلی تفتیشی مرکز صور میں قید تھا، نومبر کے خودکش ٹرک دھماکے میں بیڑیوں سمیت مرا۔ علی نے بمبار نہیں اسرائیل کو بھائی کا قاتل سمجھا؛ دیر قانون اس کا بدلہ تھا۔

اولی و باتر ناکوں پر ہزاروں لبنانی دنوں قطار، روتے، رشوت دے کر اپنے ملک کے حصوں میں آتے جاتے۔ اسرائیل نے ملک تقسیم کیا؛ ان کا مسلسل سفر اس تقسیم سے انکار اور مزاحمت تھا۔

جبشیت مزاحمت کا مرکز بن گیا۔ اسرائیلی-جنوبی لبنانی فوج چھاپے میں عورتوں لڑکیوں کو بھی مار گئی۔ 18 سالہ خدیجہ عباس عطوی کی قبر پر ”مجاہد شہیدہ، صہیونی دشمن سے مقابلے میں “ لکھا۔ تصویر میں گلابی اسکارف والی لڑکی؛ باپ روتا” :گھر آکر تین بچے گولی زدہ، ایک بیٹی مردہ “دیکھوں تو دماغ کیسے باقی رہے؟

مسجد میں راغب حرب کے جانشین عبدالکریم عبید نوجوانوں سے اسرائیل و اسلام پر بات کرتا :سیاست ناکام ہوئی تو مذہب شدت اختیار کررہا تھا۔ فجر پر محمد عطوی اور بہنیں خدیجہ، فاطمہ پتھر پھینکنے نکلے؛ خدیجہ سامنے گری، محمد زخمی، فاطمہ کے پیٹ سے گولی پار۔ اسرائیلی ڈاکٹر پر خدیجہ چیخی” :ہمیں گولی مار کر علاج چاہتے ہو؟ “ناکے نے چار گھنٹے زخمی روکے؛ وہ سہ پہر تک خون بہا کر مر گئی۔

16 سالہ ہنّا عبید نے پتھر پھینکے؛ ملیشیا نے بھاگتی پشت پر گردن میں گولی ماری۔ اس نے کہا :فوج مردوں کو لینے اور اسلام سے لڑنے آئی؛ کتاب و مسجد اسرائیل دشمن بتاتے ہیں۔ ماں بولی ہمارا ایمان ہتھیار؛ بیٹیاں اسلام کے لیے مریں تو سہی۔ “دس بچوں کی ماں صبحیہ پیاز اسکرٹ میں” لائی تاکہ آنسو گیس سے بچیں، بم سمجھ کر دل میں گولی؛ حاج حسن حرب بھی قتل؛ بارہ مزاحمت کار بھاگ گئے۔

معرکہ میں سو نوجوان گرفتار۔ سبز بینر” :جبر ہمیں مضبوط کرتا، گرفتاری و تشدد ثابت قدم۔ “پھر اسرائیلی گورنر نے عیدالفطر کے نام پر چالیس قیدی چھوڑے—جبر و نرمی ساتھ، جنگ ایک تماشا۔

شن بیت کے سادہ لباس جتھے اسرائیلی پاس دکھا کر گاؤں میں نوجوان مارتے، ہمیشہ ''اپنے دفاع ''میں۔ لبنانی انہیں موت کے جتھے کہتے۔ 14 جون 1984ء کو بدیاس میں پندرہ اہلکار تین گاڑیوں میں آئے۔ نیلی آنکھوں سنہرے بال والے نے امل اہلکار مرشد نحاس بلایا، مرسڈیز میں گھسیٹا، کہا ''اپنی پسند کی موت چنو''، پھر چلنے دیا اور چار افراد نے پیچھے سے سر میں گولیاں ماریں۔ اسرائیل نے ''گرفتاری کی مزاحمت ''کہا؛ موقع پر چھوڑا نقاب بتاتا تھا ملیشیا میں شامل نہ ہونے کی سزا اور دوسروں کے لیے انتباہ تھا۔

اسرائیلی عربی کوڈ نام رکھتے :بناطیہ میں ''ابو یوسف''، نائب ''ابو جارج''، کفر فلوس ''میجر سامی''، بدیاس یونٹ ''ابو غرزہ''۔ مزاحمت ابو یوسف کو راغب حرب کے قتل کے لیے تین ہزار ڈالر دینے والا سمجھتی۔ بیروت میں امل نے مبینہ قاتل اپنا شخص پھانسی دیا۔

مغربی بیروت میں امل کے جنگی پوسٹر، ستارہ داؤد کے گرد سواستیکا، عورت کو ٹھوکر مارتا نوکیلی ناک والا اسرائیلی، امریکی و اسرائیلی لوٹ مار۔ مسلم ملیشیاؤں اور امل کی آلہ بن چکی چھٹی بریگیڈ کا راج تھا۔ جولائی 1984ء میں باقی پانچ یہودی خاندانوں میں سے راوَل صبحی مزراحی، 54 سالہ بے ضرر دکاندار، تین افراد نے ہتھکڑی لگا کر اغوا اور ساحل پر قتل کیا۔ اخبارات نے دو پیراگراف اندرونی صفحات پر دیے۔

مغربیوں کے لیے دنیا تاریک ہوئی۔ جنوری میں فرینک ریجر اور کرسچن جوبر اغوا، امل نے اسلامی جہاد سے چھڑائے۔ 7 مارچ سی این این بیرو چیف جیریمی لیون دفتر نہ پہنچا؛ ایک ہفتے بعد امریکی سفارتکار ولیم بکلی راوشہ سے اغوا، بعد میں سی آئی اے اسٹیشن چیف نکلا، تب تک مر چکا تھا۔

جولائی آخری سو میرین برطانوی-امریکی سفارت خانہ چھوڑ گئے۔ ٹیری، شہرزاد، مل اور 31 میں چھت سے ہیلی کاپٹر دیکھتے۔ بکتر بند، احکامات اور کوڑے پر پلتے لمبی دم چوہوں سے نجات پر

خوش، مگر انخلا کے خلا سے واقف۔ ہم لبنان کو گھر مانتے تھے؛ ٹیری مزید تین سال رہنا چاہتا۔ غیر موسمی موسلا دھار بارش اور سرمئی بادل چیری آرچرڈ میں دور ٹوٹتی تار کی طرح آنے والے انقلاب کا اشارہ لگے۔

آخری پر لیفٹیننٹ کرنل شیمپین پیتا ٹیری سے بولا تصویر لی تو کیمرا توڑوں گا۔ چھ سپاہی ''عقب کی طرف چلتے ہیلی کاپٹر میں گئے۔ بجری سے ٹیری کا ٹخنہ کٹا؛ ہنسا' :'میرا پہلا جنگی زخم۔

اولی پر ''لیفٹیننٹ البرٹ ''نے سی بی ایس پر گولیاں، اسرائیلی پاس و نوٹ بک مانگی۔ ڈگلس ہوم نے کہا ٹائمز جنوبی لبنان میں اسرائیلی ''راج ''نہیں مانتا؛ شناختی پاس چلے گا، سفری اجازت نہیں، نوٹس ہرگز نہیں۔ میں گاڑیوں اور پانی میں پیدل پل پار کرتا رہا۔

نائب مدیر چارلس ولسن کے دورے پر یرمولکا پہنے اسرائیلی لیفٹیننٹ نے ہمیں گرفتار کرکے جنوبی لبنانی فوج کو کہا ''کمینوں کو نکالو''۔ میں نے اسے البرٹ کہا؛ انکار کیا۔ باتر پر کاغذ کوڑے میں پھینکا گیا، میں نے نکالا :دستخط ''لیفٹیننٹ البرٹ کوہن، نمبر 272632 K''/۔

بیروت لوٹے تو نئے امریکی سفارت خانے پر خودکش بم، امریکی و برطانوی سفیر زخمی، اسلامی جہاد ذمہ دار۔ جنگ مغرب کے خلاف جاری تھی—مگر شاید سفارت کاروں تک، صحافیوں تک نہیں؟

جنوب میں نظم ٹوٹ رہا تھا۔ اسرائیلی معرکہ کے گھروں میں زیتون تیل بستروں پر، ریت چاول میں، ہتھوڑے فرنیچر پر؛ نہال پیراٹروپروں کا لیفٹیننٹ پہلے دن راکٹ سے مرا؛ اسرائیلی افسر نے آئرش یو این لیفٹیننٹ کو تھپڑ مارا۔ بیروت میں ہم پہلے لوٹ مار اور گھر کی دیواروں پر فضلے سے عبرانی تحریر دیکھ چکے تھے۔

فیصد اسرائیلی نقصان اپنی گولی، ٹینک یا جہاز سے؛ امریکی اہلکاروں کے مطابق ''نااہل بے 20 نظم جتھا''۔ اسرائیلی فضائیہ نے بقاع میں اپنے 34 سپاہی مارے۔ لبنان کے ذخیرے سے 4,000 دستی بم، 300 گلیل، 200 ایم-16، سات بازوکا، 45 مارٹر اور دو مشین گن اسرائیل پہنچے؛ سپاہی چرس لے گئے۔ اسرائیلی قاری نے لکھا جھنڈا کیچڑ میں، قیام ہمیں ذلیل و بدعنوان کررہا ہے۔

لبنانی و فلسطینی ذلت سمجھتے تھے۔ اسرائیل نے شہری اموات جھٹلائیں اور فلسطینیوں پر فاسفورس سے بچوں کو جلا کر میڈیا بلانے کا الزام رکھا۔ تاریخ دان کمال صلیبی نے کہا'' :ہم عرب ''ہار کر فتح کہتے، غلطی دوسروں پر؛ اب اسرائیل کو ایک اور مشرقِ وسطیٰ ملک سمجھنے لگے ہیں۔

اسرائیلی پریس نے فوجی پالیسی کو شیعوں کو جھکانے اور کمزور جنوبی لبنانی فوج کو دیو بنانے کا تباہ کن افسانہ کہا۔ حملے سے پہلے دھمکی تھی :دہشت نہ رکی تو اسرائیل لبنان پر چڑھے گا۔ اب چڑھ کر واپس جارہا تھا؛ دھمکی ختم۔ فوج خوفناک راز نہ رہی۔ 1984ء کے آخر میں اسرائیلی مصنفوں نے خلاصہ کیا :ایک خودسر لاپرواہ شخص کی خواہش، فریب سے چلتی اور آفت پر ختم ہونے والی جنگ۔

ستمبر 1984ء میں برج البراجنہ میں پی ایف ایل پی-جنرل کمانڈ کا گندا دفتر، شام نواز فلسطینی؛ شتیلا میں صاعقہ، مار الیاس میں ابو نضال کی فتح انقلابی کونسل۔ اسرائیل نے کہا فلسطینی بیروت واپس نہ آئیں گے؛ وہ واپس تھے۔

اگست 1984ء لیطانی پل پر 18 سالہ امریکی نژاد اسرائیلی ریزرو ڈینی بھاری مشین گن 16 کے پیچھے کم عمر لگتا تھا۔ کیلے کے باغ میں لبنانی کو دیکھ کر بولا :وہ ہماری نقل و حرکت بھائی دوست کو بتاتا؛ گزشتہ ہفتے بم اور فائر میں دو ساتھی زخمی۔ ''ہم جارح ہوں تو اگلے دن حملہ۔ عربی میں ''صرف حکم آتا؛ کاش 'براہ کرم' اور 'معاف کیجیے' کہنا آتا۔

اگلے دن کفر فلوس میں سینکڑوں شیعہ اپنے دارالحکومت جانے کے سرخ سبز پاس کے لیے گرمی میں قطار۔ خوب صورت لڑکی اسرائیلی جوان کو ہاتھ ہلا کر عربی میں لعنت دیتی" :ابھی زندہ ہو؟ خدا تمھیں غارت کرے۔ "وہ زبان نہ سمجھ کر خوشی سے ہاتھ ہلاتا رہا۔

ستمبر میں سحمر پر جنوبی لبنانی فوج نے قتلِ عام کیا۔ تین دروز ملیشیا افراد کی گھات کے بعد دروز جتھے نے مرد چوک میں قطار کرکے تیرہ قتل اور تیس زخمی کیے۔ "گلیل کی ڈھال "نسلی جتھا بن گئی۔

بیروت و بقاع سے شیعہ جنوب آئے۔ امل قومی مزاحمت کی قیادت چاہتا؛ حزب اللہ ایرانی اثر میں پان اسلامی قوت؛ ارکوب میں بائیں بازو؛ چند پی ایل او افراد تاریخ میں عرفات کا نام رکھنے۔ صیدا میں سنی ناصری مرکز۔ تعاون وطن پرستی جتنا مستقبل کی زمین و سیاسی سند کے لیے تھا۔ حزب اللہ آگے نکلتا تو امل صور کھوتا؛ ایران عراق میں بصرہ گھیرنے کے قریب، لبنان میں اسرائیل پر فتح خمینی کی برآمد انقلاب ثابت کرسکتی تھی۔

دسمبر 1984ء میں اسرائیل پر سو حملے، تین ہلاک 27 زخمی؛ لحد کے سترہ اور آٹھ مخبر قتل؛ چودہ گوریلے مرے۔ پی ایل او کاتیوشا لایا؛ صور میں ساٹھ مخبروں کی فہرست؛ 11 جنوری تک پندرہ "ختم"۔

جنوری عباسیہ کے پاس دوہرا بارودی جال اور فائر؛ دیر قانون میں بوڑھی عورت نے 6 رنگو "کی کار رکوائی، جھاڑیوں سے چار افراد نے قتل کیا۔ حیدر دایخ نے ملیشیا چھوڑ دی مگر دیر" تھی؛ گھر کے باہر چہرے میں گولی۔ عباسیہ کافی شاپ میں نقاب پوشوں نے فلسطینی یوسف عبدالغنی کو "غدار "کہہ کر گاڑی کی ڈگی میں ڈالا؛ چند دن بعد ہاتھ بندھے، تولیہ سر پر اور پشت مشین گن سے پھٹی ملی۔

گولانی، ساتویں بکتر بند اور انٹیلی کمانڈو باغ چھانتے، نوجوانوں کو شن بیت مارتا، کچھ نہ ملتا۔ نئ عرفیتیں ابو موسیٰ، یونس، کرنل گیبی۔ سڑک غیر محفوظ تو ہیلی کاپٹر؛ محاذ اب لائن نہیں محصور قلعے، رات دشمن چاروں طرف۔

صیدا میں سب جانتے تھے اسرائیل جارہا؛ مسلم و مسیحی لبنانی فوج چاہتے اور قتلِ عام سے ڈرتے۔ قعاع میں رات نوجوان پوچھتے فلانج حملہ کرے گا؟ محلوں میں باہمی یقین دہانی اجلاس۔ عمر حریری کے گھر پچاس سنجیدہ مردوں سے مقامی فلانجی کمیل ماماری نے بار بار تعاون کہا؛ لبنانی فوج بے بندوق بھی کامیاب اگر دل متحد۔ فلسطینیوں کو نہ چاہنے پر اتفاق؛ ”ہم دنیا کے احمق ترین لوگ، اپنے گھر خود تباہ کیے۔“

سوال :کار بم؟ نقاب پوش؟ کمیل نے انکار، بوڑھے نے کہا ہم نے دیکھے؛ جواب ”ہماری تنظیم کے نہیں“—خاموشی معنی خیز۔ باہر بم کے بعد جنوبی لبنانی فوج نے کافی شاپ پر فائر، اسرائیلی ٹینک پٹرول پمپ کی دیوار میں الٹا گھسا اور دکان تباہ—قریب ترین عمارت کو سزا۔

ابرہ روڈ پر اسرائیلی گشت کے آخری سپاہی نے میری کار پر رائفل تان دی، مجھے کار بمبار سمجھا۔ لمحے بھر دونوں نے گولی چلنے کا احساس سوچا؛ پھر طالب علم جیسے گول چشموں والا نوجوان بندوق نیچی، میں گاڑی پیچھے۔ نقورہ کے 19 سالہ رافی نے گھاتوں کو معمول کہا۔ پوچھا بمبار کا کیا ہوا؟ ”تمہارے خیال میں ہم کیا کرتے ہیں؟“ پھر اسی رافی نے اندھے بوڑھے لبنانی کو بے حد نرمی سے پتھر پار کرائے؛ بوڑھا شکریہ کہتا، نہ جانتا اسرائیلی مددگار ہے۔ اخلاقِ اسلحہ۔

کفر فلوس میں کرنل گیبی نے مخبروں کو کہا اب تحفظ نہیں؛ کچھ کو اسرائیل پناہ، باقی چھوڑے۔ صیدا کا ”ابو عریضہ“ دو برس فلسطینی نام دیتا، دیوار پر موت کی دھمکیوں سے پہلے نہ ڈرا؛ فروری 1985ء میں دو درجن ساتھیوں سمیت کشتی میں فرار۔

ایک مخبر نے کہا انصار میں بیوی کی عصمت کی دھمکی سے اسرائیل کے لیے کام کیا۔ دوسرے کو خوش اخلاق سنہرا ''میشل ''چھوڑ کر قدرتی ناکے پر ملنے بلاتا؛ نہ گیا تو مزاحمت کو اس کا نام اچھے ایجنٹ کے طور پر دے دیا، دو قتل کوششیں ہوئیں۔ گیارہ فلسطینی اولی پر ''فائرنگ ''میں مرے؛ مخبروں کے مطابق زندہ پکڑ کر قطار میں گولی ماری گئی۔

ناصری رہنما مصطفیٰ سعد امن کے لیے ضروری تھا؛ گھر کے باہر بم نے بیٹی ماری، اسے دماغی چوٹ اور تقریباً نابینا کیا۔ اسرائیل نے یو این ہیلی کاپٹر آدھ گھنٹہ روکا۔ امریکا میں جراحی سے بچا مگر اہم دنوں میں صیدا نہ تھا۔

میں مسیحی استاد ''لوئی ''سے ملا۔ گھر کے باہر اسرائیلی اور یوزی والے چمڑے جیکٹ مرد۔ اندر وہ بے داڑھی، گندی قمیص، سرخ آنکھوں کا سایہ تھا؛ انطوان و الیاس بلا دعوت بیٹھے۔ ہم ورڈزورتھ، فرانسیسی شاعری اور ٹی ایس ایلیٹ پر بات کرتے رہے۔ فون آیا، مزید مرد آئے، پاس ''اور تعلق پوچھا۔ جاتے وقت لوئی نے کہا'' :جنگ میں الفاظ مر جاتے ہیں۔

فلانج کے مطابق گاؤں دو حصے :فلسطینیوں سے امن چاہنے والے اور اسرائیل کے لیے اشتعال چاہنے والے۔ استاد جمہوریت و امن کی بات کرنا چاہتا تھا؛ شن بیت نے گھر پر فلانجی محافظ رکھے، جلد بیروت منتقل ہونا تھا۔ میہ میہ میں امن کی گفتگو ختم۔

مزاحمت پوسٹر'' :اختتامی سیل—ادائیگی خون میں، ڈالر میں نہیں؛ ٹینک مارنے کا آخری موقع؛ پتہ مزید جنوب منتقل۔ ''اسرائیل صیدا چھوڑا، لبنانی فوج آئی، مسلم و مسیحی کچھ دیر خوش۔ لیطانی تک پسپائی کے فوراً بعد حملے؛ کرنل ابراہام ہلدو سمیت دو افسر قتل۔ پل پر اسرائیلی نے فرانسیسی یو این سپاہی پر بندوق تانی، مکے چلے؛ فرانسیسی مشین گنوں کے ساتھ حملے کی تیاری پر تیس سیکنڈ میں راستہ کھلا۔

آہنی مٹھی ''میں سینکڑوں اسرائیلی شیعہ دیہات چھانتے، صبح پہاڑی پر تین چار ''
لاشیں ''فرار ''میں ماری ملتیں، صحافی ممنوع۔ مل اور میں برفانی طوفان میں جزین سے دو
مرکاوا کے پیچ لہرا کر داخل ہوئے۔ مردوں کے چہروں پر مار، بظوریہ میں سر پر گولی سے
مبینہ فرار؛ فرانسیسی خفیہ افسر نے سزائے موت کہا؛ مسجد میں قرآن کے پھٹے اوراق
اسرائیلی کارروائی۔

معرکہ کا 25 سالہ خلیل جرادی امل نام، حزب اللہ فکر، نیلی برساتی اور نوکیلی داڑھی؛ بولا اسرائیلی وحشت مزاحمت کے مفاد میں، عام گرفتاریاں اتحاد پیدا کرتی ہیں۔ ''مزاحمت قومی، افکار اسلامی؛ کوئی مسٹر ایکس کمانڈر نہیں، اسلام کی فکر رہنمائی کرتی ہے۔ ''ائمہ خطبوں میں ''بڑی کتابیں، زیتون باغ، میٹھے پھل ''جیسے کوڈ کہتے؛ ایک شخص سمجھتا—خودکش بمبار کو حکم ملتا۔

مارچ چھاپے میں جرادی و محمد سعد غاروں سے ریڈیو پر ''ہم موجود ''کہتے۔ بعد پریس 3 کانفرنس میں جرادی نے گلیل پر حملے اور آخر تک جنگ کی دھمکی دی۔ ٹھیک اگلے دن دفتر کی چھت پر بم نے جرادی، سعد اور دس ساتھی اڑا دیے۔ فرانسیسیوں کو ''منیسوٹا مائننگ کمپنی ''کا مغربی جرمن برقی پرزہ ملا؛ انٹیلی جنس نے اسرائیلی چھوڑا بم اور ''کامل دہشت یا جوابی دہشت، جیسے الجزائر میں ہم کرتے تھے ''کہا۔

لاشوں کے ڈھیر سے خون بہا۔ گوریلا قیادت کا قتل اسرائیلی فوجیوں کے قتل سے زیادہ ظالم نہ تھا؛ یہ بے رحم جنگ تھی۔ مرنے سے پہلے جرادی نے کہا'' :جنوبی لبنان کی انگلیاں اسرائیل کے ''دانتوں میں؛ دونوں کاٹ رہے ہیں—پہلے کون چیخے گا؟

شیعہ شدت کو صرف ایران سے درآمد کہنا غلط؛ اسے اسرائیل نے بھی بنایا، اور ایرانی انقلاب قُم یا تہران نہیں، جنوبی لبنان میں بھی تیار ہوا۔ قُم کے موسیٰ صدر شاہ مخالفین اور نجف کے خمینی کی کڑی، صور کے جبل عامل کالج میں بازرگان، طباطبائی، بہشتی، قطب زادہ اور مصطفیٰ

چمران آتے۔ چمران کے شاگرد محمد سعد بعد میں جرادی کا بم ماہر تھا۔ ایرانی و لبنانی شہادت کی سیاست ساتھ پلی۔

اسرائیل نے جبل عامل کالج طلبہ مارے؛ حسن قصیر نے دھماکا خیز کار اسرائیلی گاڑی میں دے ماری۔ قبضے کے آخری مہینوں میں آدھی رات گرفتاری، نقاب، تشدد، کرفیو، جوابی چھاپہ، پریس پابندی۔ ہم شیعہ خاندانوں کے خطرے پر صور میں رہے؛ فون کرانے والا گرفتار، مل رات پکڑا، شہری بکتر بند پر انسانی ڈھال۔

ہوٹل میں شن بیت "ابو شوقی "آیا، جسے آئرش فوج بارٹ و اسمال ہورن قتل کے وقت موجود سمجھتی تھی۔ میں نے نام پوچھے؛ وہ زہر سے چیخا" :تم گندگی ہو، کمرے میں جاؤ۔ "الزام نہ لگایا تھا، مگر نام پہچانتا تھا۔

9 مارچ 1985ء فضل اللہ دفتر کے پاس کار بم نے اسّی سے زیادہ، تقریباً سب شہری، مارے۔ بعد واشنگٹن پوسٹ نے بتایا سی آئی اے کارندوں نے بم رکھا۔ حزب اللہ کا بینر" :امریکا کا کام۔ "درست تھا۔

مرجعیون کے اوپر خودکش کار نے بارہ اسرائیلی مارے۔ جواب میں زراریہ پر ٹینک گاڑیوں کو مسافروں سمیت کچلتے، مرد عورت بے رحمی سے قتل؛ سرخ رنگ میں "اسرائیلی فوج کا بدلہ"۔ ہتھیار ڈالنے والے لبنانی سپاہی کو افسر نے کنپٹی پر گولی ماری۔ صور میں ٹیکسی ڈرائیور حسن سکیکی کا چہرہ چھری یا کلہاڑی سے کاٹا؛ اگلے دن باغ میں اسرائیلی شراب بوتلیں اور کلہاڑی لیے خاموش کھڑے تھے۔

15 مارچ میں لیطانی کے جلتے اسرائیلی سامان اور تھکے سپاہیوں سے بیروت لوٹا۔ ٹیری نے کہا گزشتہ روز مرسڈیز کے چار افراد نے بین ملیتیر پر گھیرنے کی کوشش کی، تیز موڑ سے بچا؛ خاندان

کو نہ بتانا، شاید امریکی سے مذاق تھا۔ رات ہم شراب پر اغوا گفتگو کرتے—جوناتھن رائٹ، اے پی عملہ، میری پرانی تعاقب کوشش۔

میں نے کہا اغوا پر ہر قیمت مزاحمت کرنی چاہیے۔ ٹیری بولا" :بندوق والوں کے سامنے موقع نہیں؛ پچھلی بار قسمت تھی، آئیں تو لے جانے دو۔ "وہ الفاظ برسوں یاد رہے۔ درست کون تھا؟

اگلی صبح وہ ٹیری کو لینے آئے۔

حواشی

۔ اقوامِ متحدہ کی جنوری 1983ء رپورٹ میں اسرائیلی فوج کی دیہات و یونیفل سے بدسلوکی، ۱
بندوق تاننے اور ہیلی کاپٹر پروازیں روکنے کے متعدد واقعات درج تھے۔

۔ اسرائیلی فوج نے جنوری 1984ء میں "حملوں کے لیے رقم "کے نام پر تجارتی ٹرکوں ۲
سے سامان کی نوعیت کے مطابق بھاری محصول مقرر کیے۔

۔ اسرائیلی فوج میں اپنی فائرنگ سے نقصان، اسلحہ چوری اور حوصلہ شکنی کے اعداد اسرائیلی ۳
و امریکی اخباری تحقیقات سے سامنے آئے۔

۔ عبدالکریم عبید کو اسرائیلی فوج نے جولائی 1989ء میں جِبشیت سے اغوا کیا؛ اس کے بعد ۴
امریکی یرغمال کرنل ولیم ہگنز قتل ہوئے۔

۔ 9 مارچ 1985ء کے بیروت کار بم میں امریکی خفیہ کردار بعد میں امریکی پریس نے افشا ۵
کیا۔

باب 16

میرا انتظار کرنا

رابرٹ فسک

امریکی یرغمالی ٹیری اینڈرسن، مغربی بیروت، 8 نومبر 1985ء —

میڈلین، میری محبت، میری جان—گزشتہ رات میں نے ٹیلی وژن پر اپنی بیٹی کو دیکھا اور خوشی سے رو پڑا۔ وہ صرف دو تین سیکنڈ کے لیے دکھائی دی، مگر اتنا وقت کافی تھا کہ تمہارے سیاہ بال اور اس کی روشن، خوب صورت آنکھیں پہچان سکوں۔ کئی ماہ کی بے خبری کے بعد اس لمحے نے میرے دل پر جو اثر کیا، اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں ہر وقت تمہیں یاد کرتا ہوں؛ راتوں اور صبح سویرے اپنے دل میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ یہی سب سے کٹھن گھڑیاں ہوتی ہیں اور تمہارا خیال مجھے سہارا دیتا ہے۔ تمہاری جدائی کا درد ناقابلِ بیان ہے۔

> "میرا انتظار کرنا، میں لوٹ آؤں گا—بس پوری شدت سے انتظار کرنا ...موت کے ہر وار کو شکست دے کر لوٹوں گا۔ جو لوگ انتظار نہ کر سکے وہ کہیں گے کہ میں خوش قسمت تھا؛ وہ کبھی نہیں سمجھیں گے کہ موت کے بیچ تمہارے انتظار ہی نے مجھے بچایا۔"
>
> — کونسٹنٹین سیمونوف

راڈ نورڈلینڈ نے میری گاڑی کی کھڑکی سے چیخ کر کہا" :ٹیری اینڈرسن اغوا ہو گیا ہے۔ "بات ناقابلِ یقین تھی۔ وہ بن مریسہ کی مسجد کے قریب ٹینس کھیل کر لوٹا تھا؛ اس کے ساتھی ڈان میل کو دیوار سے لگا کر مسلح افراد ٹیری کو سبز مرسڈیز میں کھینچ لے گئے۔ چند لمحوں میں بیروت کی روشن، مانوس دنیا ایک تاریک تہہ خانے میں بدل گئی تھی۔

ٹیری کے گھر پہنچا تو حاملہ میڈلین صوفے پر سر تھامے رو رہی تھی۔ میل نے بتایا کہ تین داڑھی والے آدمی تھے۔ ایک نے پستول تان کر اسے دیوار سے لگا دیا، دو نے ٹیری کو بازوؤں میں جکڑا اور الٹے قدموں گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک لے گئے۔ ٹیری کے چشمے سڑک پر گر گئے۔ اس نے آخری بار پلٹ کر میل کو دیکھا، جیسے مدد کی امید ہو، پھر پردے والی پچھلی نشست میں غائب ہو گیا۔ گاڑی وادی ابو جمیل، پرانے یہودی محلے، کی طرف مڑ گئی جہاں اب حزب اللہ کا اثر تھا۔

میڈلین نے گلے میں لٹکی قرآنی عبارت کا نصف ٹکڑا دکھایا؛ دوسرا نصف ٹیری کے پاس تھا۔ اسے یقین تھا کہ اغواکار اسے دیکھ کر نرمی کریں گے۔ مسجد کے سامنے ناصر کی تصویر کے نیچے وہ مقام خاموش پڑا تھا جہاں یہ سب ہوا۔ آس پاس لوگ موجود تھے، مگر کسی نے کچھ نہ کیا— بیروت میں یہ محض ایک اور اغوا تھا۔

امریکی سفارت کار مغربی بیروت چھوڑ چکے تھے۔ آئرش سفارت کار پیراس میک ایزی نے غیر معمولی جرأت سے امریکی نمائندے کا کردار سنبھالا اور میرے ساتھ امل کے دفاتر کے چکر لگائے۔ ہر جگہ چائے، مصافحے، ہمدردی اور وعدے ملے؛ عملی مدد کہیں نہ تھی۔ ایک اہلکار نے ٹیری کا نام بھی غلط لکھا اور اسے آئرش سمجھتا رہا۔

امل کے ایک سنجیدہ عہدے دار نے بتایا کہ اس نے پہلے دو مغویوں کا سراغ دوا کی دکانوں سے لگایا تھا، مگر بعد میں اسے جان سے مارنے کی دھمکیاں ملیں اور حکم دیا گیا کہ دوبارہ ایسا نہ کرے۔ ”اسلامی جہاد“ اب کوئی مبہم نام نہیں رہا تھا؛ اس کے مسلح آدمی، ٹھکانے اور خوف حقیقی تھے۔

اے پی کے بیورو میں ابتدا میں امید تھی کہ ٹیری کو غلطی سے سفارت کار سمجھ لیا گیا ہو گا اور چند دن میں چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر ہم جانتے تھے کہ اسے کئی روز سے دیکھا جا رہا تھا۔ جیری

لیبل اور اس کی اہلیہ ایلین پاول نے ہر ملیشیا، سرکاری دفتر اور شامی رابطے سے مدد مانگی۔ لیبل نے پریس کانفرنس میں کہا" :ہمارے پاس کوئی خبر نہیں، مگر ہم لبنان کی خبر دینا جاری رکھیں گے۔"

دوسرے صحافی نکلنے لگے۔ امریکی سفارت خانے نے اپنے لوگ ہٹا لیے؛ ٹیلی وژن اور اخبارات نے نمائندوں کو مشرقی بیروت یا ملک سے باہر بھیج دیا۔ مغویوں کی فہرست اے پی کی دیوار پر لگ گئی۔ نیا نام آتا تو نیچے شامل کر دیا جاتا، رہائی پانے والے کا نام کاٹ دیا جاتا۔ عنوان تھا" :ایک نظر میں اغوا"۔ یہ فہرست رفتہ رفتہ کئی فٹ لمبی ہو گئی۔

برطانوی جیفری نیش اور برائن لیوک کو ٹیری سے چند گھنٹے پہلے اٹھایا گیا تھا۔ پیٹر اوبرن، پادری لارنس جینکو اور دوسرے مغربی باشندے پہلے ہی لاپتا تھے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ ٹیری کو بقاع یا بعلبک لے جایا جائے گا۔ اگلے روز وہاں تلاش کی، مگر ہر اطلاع افواہ نکلی۔ ایک گاڑی نے ہمارا پیچھا کیا اور گولیاں چلیں؛ ہم بچ نکلے، مگر یہ واضح تھا کہ تلاش کرنے والے خود بھی شکار بن سکتے ہیں۔

اے پی نے بولیویا سے تعلق رکھنے والے خوان کارلوس گوموسیو، یعنی جے سی، کو بیروت بھیجا۔ داڑھی اور مشرقِ وسطیٰ سے ملتی صورت اسے ایک طرح کا تحفظ دیتی تھی۔ وہ بے حد توانا، طنزیہ اور مضبوط اعصاب کا صحافی تھا۔ لبنانی خوف کو ہم سے پہلے محسوس کرتا اور مشرقِ وسطیٰ میں امریکی غرور کو لاطینی امریکا کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آنے والے برسوں میں وہ میرا سب سے ثابت قدم ساتھی بنا۔

اسی موسمِ بہار میں جنوبی لبنان پھر بھڑک اٹھا۔ سمیر جعجع کی قیادت میں فالانج نے صیدا اور عین الحلوہ پر گولہ باری کی اور پھر مسیحی دیہات کو انتقام کے لیے چھوڑ کر نکل گئی۔ میہ میہ میں میرے استاد دوست کا گھر جل رہا تھا، کتابیں باغ میں بکھری تھیں۔ ایک فلسطینی خاندان مسیحی گھر

کے ملبے میں بیٹھا پرانے البم کی تصویریں دیکھ رہا تھا—بپتسمے کی تقریب، ساحل، روم کی سیڑھیاں، خاندانی دعوتیں—اور اب اسی گھر میں بسنے کی بات کر رہا تھا۔

ہر سفر میں گولہ باری کے ساتھ اغوا کا خوف بھی شامل ہو گیا۔ ہم پراسرار مرسڈیزوں، پردے والی کھڑکیوں، داڑھی والے ڈرائیوروں اور ایرانی جھنڈوں کو دیکھتے رہتے۔ بیورو لوٹتے ہی پہلا سوال ہوتا" :ٹیری کی کوئی خبر؟ "جیسے وہ زلزلے یا برفانی طوفان میں گم ہوا ہو اور امدادی ٹیمیں ابھی اسے ڈھونڈ لیں گی۔

اسلامی جہاد نے رہائی کی شرط کویت میں امریکی اور فرانسیسی سفارت خانوں پر بم حملوں کے الزام میں قید سترہ افراد کی آزادی قرار دی۔ پادری بنجمن وئیر رہا ہوئے تو بتایا کہ ٹیری ابتدائی ہفتوں میں اندھیرے میں دیوار سے زنجیر بندھا رہا۔ اس نے دوستوں کے لیے محبت بھجوائی تھی۔ امید جاگی، مگر اسی کے ساتھ دھمکی بھی تھی کہ شامی یا کسی اور فوجی کارروائی کی صورت میں یرغمالیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

اغوا وبا بن گیا۔ فرانسیسی سفارت کار مارسل فونٹین اور مارسل کارٹن اٹھا لیے گئے۔ اقوامِ متحدہ کے لیے کام کرنے والے برطانوی مصنف ایلک کولیٹ کو خلدا کے قریب اغوا کیا گیا؛ اس کے پاس اسرائیلی مہر والا دوسرا پاسپورٹ تھا۔ وہ کبھی واپس نہ آیا۔ خبر دینے والوں کے نام بھی اب مرنے والوں میں شامل ہونے لگے۔

جنوب میں اسرائیلی ٹینک شیعہ دیہات پر اندھا دھند گولے برسا رہے تھے۔ کفر ملکی میں سی بی ایس کے لبنانی کیمرہ مین توفیق غزاوی اور بہیج متنی ایک مرکاوا گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ان کی آخری ویڈیو میں ٹینک، کھیت، تباہ گاڑی اور عربی دعا سنائی دیتی تھی؛ پھر ٹیپ رک گئی۔ اسرائیلی بیان میں مرنے والے "ایکس دہشت گرد" تھے۔ بعد میں کیمرے کو راکٹ لانچر سمجھنے کا عذر پیش کیا گیا، حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ گولہ باری بلاامتیاز تھی۔

مئی 1985ء میں فرانسیسی محقق میشل سورا اور صحافی ژاں پال کافمان اغوا ہوئے، پھر امریکی یونیورسٹی اسپتال کے ڈائریکٹر ڈیوڈ جیکبسن۔ اے پی نے امریکی کارکن نکال لیے۔ میڈلین بچے کی پیدائش کے لیے نیویارک چلی گئی۔ جے سی میرے ہی عمارت میں آ بسا۔ شام کو سمندر کے اوپر بالکنی میں بیٹھ کر ہم کہتے کہ لبنان ایک عظیم انسانی المیہ ہے اور اسے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے—مگر زندہ رہنے کے لیے ہر لمحہ محتاط ہونا ہوگا۔

ہوائی اڈے کی سڑک اذیت بن گئی۔ جاتے وقت ہاتھ میں شیمپین کا گلاس ہوتا، واپسی پر معدے میں تیزاب جلتا۔ میں مسافروں کی فہرست سے نام ہٹواتا، گلیوں سے تیز گاڑی چلاتا اور ہر اشارے پر پاؤں ایکسیلیٹر پر رکھتا۔ ایک بار گاڑی کی طرف آنے والے شخص سے بچنے کو ٹریفک توڑ دی؛ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قومی لاٹری کا ٹکٹ بیچ رہا تھا۔ خوف نے معمولی منظر کو بھی اغوا کی تمہید بنا دیا تھا۔

اسرائیل صور سے نکلا مگر سرحدی پٹی اور مقامی ملیشیا چھوڑ گیا۔ خاندانوں کو گھروں سے نکالا گیا، اقوامِ متحدہ بے بس دیکھتی رہی۔ جیّہ کے قریب ریت اور کنوؤں سے لاشیں نکلیں؛ ہر فریق انہیں دوسرے کے جرائم کا ثبوت کہتا۔ لبنان کی زمین بار بار اپنے مردے اگل رہی تھی، مگر کسی ایک الزام سے پوری حقیقت بیان نہیں ہوتی تھی۔

مغربی بیروت میں رہ جانے والے غیر ملکی صحافی ایک دوسرے کی حفاظت کرتے۔ میں روسی صحافی کونسٹنٹین کپیتانوف کے ساتھ سفر کرنے لگا؛ وہ ہر بار کہتا" :حبیبی، بہت احتیاط کرنا۔ "کبھی ڈرائیور اپنی بیوی، بچے اور دوسرے اہلِ خانہ کو گاڑی میں بٹھا لیتے تاکہ اغواکار کسی مغربی شخص تک پہنچنے سے پہلے اتنے لبنانیوں سے نہ الجھیں۔ یہ دلیل جتنی سادہ تھی اتنی ہی مایوس کن بھی۔

جنوب میں جے سی کو ایک بوڑھی عورت کی کیسٹ ملی۔ اس کا بیٹا نومبر 1983ء میں گاڑی سمیت لاپتا ہوا تھا۔ قرآن کی تلاوت والی کیسٹ میں اچانک بیٹے کی آواز ابھری :وہ ماں باپ کو

الوداع کہہ کر شہادت کے لیے جا رہا تھا۔ اسرائیلی فوجی ہیڈکوارٹر کا وہ دھماکا، جسے اسرائیل نے گیس کا حادثہ کہا تھا، دراصل خودکش حملہ تھا۔

جون 1986ء میں ایک شیعہ عہدے دار نے رازدارانہ انداز میں کہا" :معاملات ٹھیک ہو جائیں گے، امریکی اب تہران میں ہیں۔ "بات ناقابلِ تصور لگی، اس لیے ہم نے اہمیت نہ دی۔ بعد میں ایران-کونٹرا اسکینڈل کھلا تو معلوم ہوا کہ امریکا یرغمالیوں کے بدلے اسلحہ دے رہا تھا۔ ریگن کے "دہشت گردوں کے سامنے نہ جھکنے "کے دعوے کے پیچھے خفیہ سودے بازی جاری تھی—اور اس انکشاف نے ٹیری کی حالت مزید خطرناک بنا دی۔

اغوا کی فہرست بڑھتی رہی :فرینک ریڈ، جوزف سیسیپیو، ایڈورڈ ٹریسی۔ طلبہ نے ان کی رہائی کے لیے بیروت کی سڑکوں پر جلوس نکالے۔ پادری جینکو آزاد ہوئے تو بتایا کہ ٹیری کو ابھی تک اپنے باپ اور بھائی کی موت کا علم نہیں۔ اسے بیٹیوں کی تصویریں مل گئی تھیں جن کے پیچھے فسکی "لکھا تھا، مگر چشمہ اور میرا خط نہیں ملا تھا۔"

ڈیوڈ جیکبسن نے رہائی کے بعد مجھے ٹیری کا پیغام دیا" :فسکی سے کہو لبنان چھوڑ دے، کوئی اور جنگ ڈھونڈ لے۔ وہ لوگ اس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ "برطانوی دفترِ خارجہ نے بھی میرے اخبار کو یہی مشورہ دیا۔ میں حقیقت جاننے واپس بیروت گیا۔ کیپیتانوف سوویت سفارت خانے کے عملے اور ریڈیو والی گاڑیوں کے ساتھ ہوائی اڈے پر ملا۔ حزب اللہ کی چوکی پر صرف سوویت سفارت خانہ "کہنا کافی تھا۔ اس روز، جیسے اس نے مسکرا کر کہا، مجھے کے جی بی نے بچایا" تھا—اگرچہ اس نے اصرار کیا کہ یہ دوستی تھی، خفیہ خدمت نہیں۔

جس شخص نے ٹیری تک تصویریں پہنچائی تھیں، اس نے بتایا کہ میرے پتے کی پوچھ گچھ اغوا کی تیاری نہیں بلکہ تصویر بھیجنے والے کی شناخت کی تصدیق تھی۔ خوف کے ماحول میں وضاحت بھی مکمل اطمینان نہ دے سکی۔ اسلامی جہاد نے ٹیری کی مزید تصاویر جاری کیں :کبھی داڑھی،

کبھی صاف چہرہ، کبھی کسی اور کا چشمہ۔ میڈلین نے ہر تصویر ننھی سلومی کے کمرے میں لگائی تاکہ وہ اپنے باپ کو پہچان سکے۔

میڈلین ہر جھوٹی خبر، ہر ٹوٹی امید اور ہر خاموشی کے باوجود انتظار کرتی رہی۔ ایک بار اس نے پوچھا" :کیا وہ رہائی کے بعد بھی مجھ سے ویسی ہی محبت کرے گا؟ "مجھے یقین تھا کہ کرے گا۔ کونسٹنٹین سیمونوف کی نظم جیسے اسی کے لیے لکھی گئی تھی :خط نہ آئیں تب بھی انتظار کرو، دوسرے تھک جائیں تب بھی؛ موت کے بیچ انتظار ہی محبوب کو بچاتا ہے۔

لبنان گم شدہ روحوں کی رزمیہ داستان بن چکا تھا۔ لوگ گرفتار ہوئے، اغوا ہوئے، تشدد کا شکار ہوئے اور واپس نہ آئے۔ خیام جیل سے نکلنے والے شیعہ قیدی بجلی کے جھٹکوں، آنکھوں پر پٹی اور تہہ خانوں کی تاریکی بیان کرتے۔ اسرائیل نے ریڈ کراس کو جیل تک رسائی نہ دی اور ذمہ داری اپنی حلیف جنوبی لبنانی فوج پر ڈال دی۔

ہمیں بعد میں یاد آیا کہ 1982ء میں فالانج نے تین ایرانیوں—ایک سفارتی اہلکار، پاسداران کے کمانڈر اور ایک صحافی—کو اغوا کیا تھا۔ ہم مغربی صحافیوں نے ان کی گم شدگی کو تقریباً رپورٹ ہی نہیں کیا۔ وہ بھی غیر ملکی تھے، مگر ایرانی تھے؛ یوں ہماری اپنی خبر کی درجہ بندی نے بعض جانوں کو دوسری جانوں سے کم اہم بنا دیا تھا۔

یرغمال بنانا ظالمانہ اعتبار سے نہایت "کفایتی "جرم تھا :ایک آدمی کو پکڑو اور اس کے خاندان، دوستوں اور ساتھیوں کے دل بھی قید کر لو۔ اسی دوران لبنانی معیشت ٹوٹ رہی تھی۔ جو ڈالر کبھی تین لبنانی پاؤنڈ کا تھا، اب ایک ہزار کا ہو چکا تھا؛ بینک سے رقم لینے کے لیے خریداری کے بڑے تھیلے درکار ہوتے۔

1986ء کے اختتام تک میرا اپنا دائرہ سکڑنے لگا۔ مشکوک گاڑیاں ساحلی سڑک پر چکر کاٹتیں، میں بالکنی سے دور رہتا اور رات باہر ہو تو دوستوں کے گھر سو جاتا۔ ایک دن مالک مکان

نے کہا کہ حزب اللہ کا غیر ملکیوں کے خلاف جلوس ہے، گھر سے نہ نکلنا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک سرنگ مسلسل تنگ ہو رہی ہو اور دیواریں کندھوں سے آ لگی ہوں۔

پھر بھی کام جاری تھا۔ معرکہ میں فرانسیسی اقوامِ متحدہ فوجیوں اور شیعہ جنگجوؤں کے درمیان فائرنگ ہوئی تو جے سی اور میں گولیوں کے بیچ گاؤں پہنچے، امل کمانڈر کا انٹرویو کیا اور تیزی سے واپس نکلے۔ واپسی پر ریڈیو پر ایک نامہ نگار وہی واقعہ قبرص میں بیٹھ کر لبنانی نشریات سے دہرا رہا تھا۔ یہ فرق تھا میدان میں موجود ہونے اور دور سے جنگ بیان کرنے میں۔

دسمبر 1986ء میں جے سی مجھے ہوائی اڈے سے لینے آیا۔ اس نے کہا چشمہ اتار دو، کہیں کسی نے شناخت کرکے راستے میں اطلاع نہ دے دی ہو۔ میں اس کے لیے طاعون پر کتاب لایا تھا۔ اس نے فوراً جیب میں ڈال کر کہا" :اگر گھر پہنچنے سے پہلے تم اغوا ہو گئے تو کم از کم میرا تحفہ میرے پاس رہے گا۔ "ہم ہنسے، کیونکہ خوف کو برداشت کرنے کے لیے مذاق ضروری تھا۔

نئے سال کی شام امل کے محافظوں کے ساتھ برج البراجنہ گیا۔ حزب اللہ کی چوکی سامنے آئی تو امل کے مسلح افراد نے اپنی کلاشنکوفیں میرے پاؤں کے نیچے چھپا دیں۔ گلیوں میں خمینی، بہشتی، چمران اور کربلا کے بڑے بڑے نقش تھے۔ ہر سبز کھڑکی اور تاریک تہہ خانے کو دیکھ کر خیال آتا :شاید ٹیری یہیں ہو، بائبل پڑھ رہا ہو اور نیویارک میں ندی کنارے گھر کا خواب دیکھ رہا ہو۔

ایک عمارت میں نوجوان کمانڈر نے کہا" :ہم خدا کی جنگ لڑ رہے ہیں ...ہم گندی جنگ لڑ رہے ہیں۔ "میز پر نبیہ بری کی تصویر تھی، دیوار پر خمینی کا عکس۔ امل کے لوگ جنگ کی شدت میں حزب اللہ میں ڈھل رہے تھے۔ رخصت ہوتے وقت مجھے دوبارہ بلایا گیا؛ صرف ایک تحریری جملہ دینا تھا" :فلسطینی ہمارے بھائی ہیں، مگر عرفات کے پیروکار نہیں۔ "اس معمولی تاخیر نے بھی دل میں یقین پیدا کر دیا تھا کہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔

فروری 1987ء میں شامی فوج مغربی بیروت لوٹی تو وقتی تحفظ کا احساس ہوا۔ اسی دوران مذاکرات کار ٹیری ویٹ، جو ایران-کونٹرا کے داغ سے اپنا نام صاف کرنا چاہتا تھا، اسلامی جہاد سے ملنے آیا اور خود نگل لیا گیا۔ 1988ء میں شامی فوج جنوبی مضافات میں داخل ہوئی؛ ہم ان گلیوں میں چلے جہاں ٹیری کے ہونے کا گمان تھا، مگر کوئی یرغمالی نہ ملا۔

مارچ 1989ء میں ٹیری کی قید کو چار برس ہو گئے۔ ایک آزاد فرانسیسی یرغمالی نے اس کی ہمت، ایمان اور شدید ذہنی اذیت کا ذکر کیا۔ کبھی مایوسی میں اس نے تہہ خانے کی دیوار پر سر مارا یہاں تک کہ خون بہنے لگا۔ اغوا سے پہلے اس نے فلم دی کلنگ فیلڈز دیکھی تھی اور کہا تھا کہ ہر رپورٹر کو سمجھنا چاہیے :بڑی طاقتیں گھر چلی جائیں تو بھی کہانی اور مقامی ساتھیوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

لبنان میں بہادری کا کوئی یقینی صلہ نہ تھا۔ یہ سرزمین دلیر، بے احتیاط اور خانہ جنگی کی نیم تاریک دنیا میں پنپنے والوں کو یکساں طور پر اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ٹیری پہلے زمرے میں تھا، شاید دوسرے میں بھی؛ اغواکار تیسرے میں، جن کے نزدیک اس کی صحافتی دیانت سے زیادہ اس کا امریکی پاسپورٹ قیمتی تھا۔

ہم اغوا اور کار بم کو قدرتی آفت سمجھنے لگے تھے—بدقسمتی، جس پر کسی کا اختیار نہیں۔ خوف گھٹانے کے لیے مذاق کرتے کہ نقاب پہن کر نکلیں تو لوگ سمجھیں گے پہلے ہی اغوا ہو چکے ہیں، یا دوست کے سر پر بندوق رکھیں تو کوئی گاڑی نہ روکے گا۔ ٹیری یہ لطیفے نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہی شخص تھا جس نے انہیں ضروری بنایا۔

ویڈیو میں ٹیری نے سوال اٹھایا کہ ریگن نے ماسکو میں گرفتار امریکی صحافی نکولس ڈینیلوف کے بدلے ایک مبینہ سوویت جاسوس کیوں چھوڑا، مگر بیروت کے یرغمالیوں کے لیے سودا کیوں نہیں؟ جواب یہ تھا کہ سوویت یونین ایک ریاست ہے اور اس کے اغواکار ”بے چہرہ دہشت

گرد"۔ حقیقت میں ان کا مرکزی آدمی معروف تھا؛ امریکی ایجنٹ اسے فرانس میں گرفتار کرنا چاہتے تھے، مگر فرانس نے اپنے یرغمالیوں کی خاطر روک دیا۔ سب نے لبنان کے غیر تحریری قوانین مان لیے تھے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی فائلیں بڑھتی گئیں :طرابلس میں گم شدگیاں، امل کے ہاتھوں زیادتیاں، اسرائیلی زیرِ قبضہ علاقے میں تشدد، خیام میں عورتوں، بوڑھوں اور کم سنوں سمیت سینکڑوں بے مقدمہ قیدی۔ ایک شخص نے مجھ سے صرف اتنی مدد مانگی کہ 1983ء میں فالانج کے بند کنٹینر میں پیاس سے مرنے والے اپنے ساٹھ سالہ باپ یوسف غریب کی لاش مل جائے۔ "خدا کے "لیے، میں صرف انہیں دفن کرنا چاہتا ہوں۔

ٹیری کے والد سرطان سے مرنے سے پہلے بیٹے کی رہائی کی اپیل کر گئے۔ پھر بھائی گلین بھی اسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ اس نے فون پر کہا" :میں نے عہد کیا ہے کہ ٹیری کو دیکھے بغیر نہیں مروں گا۔ میں نہیں چاہتا وہ لوٹے تو باپ اور بھائی دونوں کو مردہ پائے۔ "دو دن بعد گلین مر گیا۔ اغواکاروں نے ٹیری کو خبر نہ دی؛ برسوں بعد بھی وہ ویڈیو میں باپ سے اپنی بیٹی کو بوسہ دینے کی درخواست کر رہا تھا۔

طویل راتوں میں سوال اٹھتا کہ المیے کی جڑ کہاں تھی :آشوری عہد، رومی سلطنت، 1860ء کی خون ریزی، فرانسیسی انتداب، آشوٹز، فلسطین، 1978ء یا 1982ء کی اسرائیلی یلغار؟ کیا کوئی لمحہ تھا جب کہا جا سکتا تھا کہ اس کے بعد مستقبل ختم ہو جائے گا؟ شاید جواب کسی ایک تاریخ میں نہیں بلکہ ان تمام زخموں کی تہوں میں تھا۔

ہر کرسمس اخبار مجھ سے بیروت سے امید اور تجدید کی تحریر مانگتا۔ 1987ء میں میں نے انکار کر دیا۔ بے امید جگہ میں خوشی پر کیسے لکھتا؟ یا شاید لبنان خود ایک فریب تھا—وہ آئینہ جس میں ہم مسکرائے اور پھر اس وقت پیچھے ہٹ گئے جب عکس نے مسکرانا چھوڑ دیا۔

ایک گرم شام میں نے بالکنی کے پاس بڑا آئینہ رکھا تاکہ خود دکھائی دیے بغیر سمندر اور ساحلی سڑک دیکھ سکوں۔ مگر آئینے میں گاڑیاں الٹی سمت چل رہی تھیں، درخت غلط جانب تھے، سمندر مشرق میں اور لبنان مغرب میں تھا۔ سورج مشرقی سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ پچھلی کھڑکی پر آئینہ رکھا تو کوہِ صنّین بھی دوسری طرف جا کھڑا ہوا۔ دو حقیقتیں، دو ملک، دو حکومتیں—بیروت کے ملبے کی دراڑ پر ایک دوسرے کو مکمل بھی کرتی اور توڑتی بھی۔ لبنان اسی طرح اپنا عکس دکھاتا تھا۔

"آدھی رات تھی۔ کوہِ صنّین کے پیچھے سے ہلال ابھرا تو ستاروں میں یوں لگا جیسے موم بتیوں کی مدھم روشنی میں تابوت کے اندر کسی مردے کا چہرہ ہو۔ لبنان ایک ایسے بوڑھے کی مانند تھا جس کی کمر عمر سے جھک چکی ہو، جس کی آنکھوں میں بے خوابی بسی ہو، اور جو اندھیرے میں صبح کا انتظار اس بادشاہ کی طرح کر رہا ہو جو اپنے اجڑے محل میں تخت کی راکھ پر بیٹھا ہو۔"

— خلیل جبران، شکستہ پر

کتابیات

Ajami, Fouad, *The Vanished Imam: Musa al Sadr and the Shia of Lebanon* (New York, Cornell University Press, 1986)

Amnesty International, *Report from Amnesty International to the Government of the Syrian Arab Republic* (London, 1983)

An Nahar Arab Report Books 4: Guerrillas for Palestine, ed. Riad N. El-Rayyes and Dunia Nahas (Beirut, 1974)

Ang, Swee Chai, *From Beirut to Jerusalem: A Woman Surgeon with the Palestinians* (London, Grafton Books, 1989)

Antonius, George, *The Arab Awakening: The Story of the Arab National Movement* (New York, Capricorn Books, 1965)

Baedeker, Karl, *Palestine et Syrie: Routes Principales à travers la Mésopotamie et la Babylone, l'Île de Chypre* (Leipzig/Paris, 1912)

Bulloch, John, *Death of a Country: the Civil War in the Lebanon* (London, Weidenfeld and Nicolson, 1977); *Final Conflict: The War in the Lebanon* (London, Century Publishing, 1983)

Chafets, Ze'ev, *Double Vision: How America's Press Distorts Our View of the Middle East* (New York, William Morrow, 1984)

Chomsky, Noam, *The Fateful Triangle: The United States, Israel and the Palestinians* (London, Pluto Press, 1983)

Churchill, Colonel Charles, *The Druzes and the Maronites under the Turkish Rule from 1840 to 1860* (London, Bernard Quaritch, 1862)

Dawisha, A., *Syria and the Lebanese Crisis* (London, Macmillan, 1980)

Deeb, Marius, *The Lebanese Civil War* (New York, Praeger, 1980)

Gibran, Khalil, *The Garden of the Prophet* (London, Heinemann, 1934); *The Broken Wings* (London, Heinemann, 1976)

Gilmour, David, *Dispossessed: The Ordeal of the Palestinians 1917–1980* (London, Sidgwick and Jackson, 1980); *Lebanon: the Fractured Country* (London, Sphere, 1987)

Gordon, David C., *Lebanon: The Fragmented Nation* (London, Croom Helm, 1980)

Hachette, *World Guides: Lebanon* (Paris, 1965)

Hammel, Eric, *The Root: The Marines in Beirut August 1982–February 1984* (New York, Harcourt Brace Jovanovich, 1985)

Hardie, Frank, and Herrman, Irwin, *Britain and Zion: The Fateful Entanglement* (Belfast, Blackstaff Press, 1981)

Hirst, David, *The Gun and the Olive Branch: The Roots of Violence in the Middle East* (London, Faber and Faber, 1984)

Jansen, Michael, *The Battle of Beirut: Why Israel Invaded Lebanon* (London, Zed Press, 1982)

Jidejian, Nina, *Beirut through the Ages* (Beirut, Dar el-Mashreq, 1986)

Kahan, Yitzhak, *The Commission of Inquiry into the Events at the Refugee Camps in Beirut*, final report by Yitzhak Kahan, Aharon Barak and Yona Efrat (Jerusalem, 1983)

Khalidi, Walid, *Conflict and Violence in Lebanon* (Cambridge, Mass., Harvard Center for International Affairs, 1979)

Lamb, Franklin P. (ed.), *Reason Not the Need: Eyewitness Chronicles of Israel's War in Lebanon* with a foreword by Sean MacBride (London, Spokesman Books for the Bertrand Russell Peace Foundation, 1984)

Lewis, Bernard, *The Arabs in History* (London, Hutchinson, 1970)

Mikdadi, Lina, *Surviving the Siege of Beirut* (London, Onyx Press, 1983)

Murray, John, *A Handbook for Travellers in Syria and Palestine including a short account of the Geography, History and Religious and Political Divisions of these Countries, together with detailed descriptions of Jerusalem, Damascus, Palmyra, Baalbek, and the interesting ruined cities of Moab, Gilead, and Boshan* (London, John Murray, 1892)

Nazzal, Nafiz, *The Palestinian Exodus from Galilee 1948* (Beirut, The Institute for Palestine Studies, 1978)

O'Brien, Conor Cruise, *The Siege: The Saga of Israel and Zionism* (London, Weidenfeld and Nicolson, 1986)

Owen, Roger (ed.), *Essays on the Crisis in Lebanon* (London, Ithaca Press, 1976)

Petit, Michael, *Peacekeepers at War: A Marine's Account of the Beirut Catastrophe* (London, Faber and Faber, 1986)

Randal, Jonathan, *The Tragedy of Lebanon: Christian Warlords, Israeli Adventurers, and American Bunglers* (London, Chatto and Windus, 1984)

Ruthven, Malise, *Islam in the World* (London, Penguin, 1984)

Said, Edward, *The Question of Palestine* (New York, Times Books, 1979); *Covering Islam: How the Media and the Experts Determine How We See the Rest of the World* (New York, Pantheon, 1981)

Salibi, Kemal, *Crossroads to Civil War: Lebanon 1958–1976* (New York, Caravan, 1976); *The Modern History of Lebanon* (New York, Caravan, 1977); *A House of Many Mansions: the History of Lebanon Reconsidered* (London, I.B. Tauris, 1988)

Schiff, Ze'ev, and Ya'ari, Ehud, *Israel's Lebanon War* (London, George Allen and Unwin, 1985)

Seale, Patrick, *The Struggle for Syria* (Oxford, OUP, 1965); *Asad: The Struggle for the Middle East* (London, I.B. Tauris, 1988)

Sim, Katherine, *David Roberts R. A. 1796–1864: A Biography* (London, Quartet Books, 1984)
Timmermann, Jacobo, *The Longest War* (London, Chatto and Windus, 1982)
Van Dam, Nikolaos, *The Struggle for Power in Syria* (London, Croom Helm, 1981)
Walker, Christopher J., *Armenia: The Survival of a Nation* (New York, St Martin's Press, 1980)
Warner, Geoffrey, *Iraq and Syria 1941* (London, Davis-Poynter, 1974)
Woodward, Bob, *Veil: The Secret Wars of the CIA 1981–1987* (New York, Simon and Schuster, 1987)
Yermiya, Dov, *My War Diary: Israel in Lebanon* (London, Pluto Press, 1983)

The above is a guide for readers rather than an exhaustive bibliography. The Minority Rights Group's 24-page report by David McDowall, *Lebanon: A Conflict of Minorities* (London, 1986), provides a quick but valuable guide to political traditions and loyalties in Lebanon. Readers who wish to inquire further into the events described in this book should also refer to the three Beirut daily newspapers *An Nahar*, *As Safir* and *L'Orient le Jour* and to *Middle East Reporter*, Ihsan Hijazi's monumental digest of events in Lebanon which is published daily in Beirut. The weekly English-language magazine *Monday Morning* published a useful bound volume of its editions covering the Lebanon invasion under the title *Lebanon: The Four Deadly Months* (issues from 14–21 June to 25–31 October 1982).

The only Syrian publication on the 1982 Israeli invasion is *L'Invasion Israélienne du Liban, par un groupe de chercheurs syriens sous l'autorité du général Mustapha Tlass* (Paris, J.A. Conseil, 1986), which contains a preface by the Syrian Minister of Defence, suggests that tactical retreat can be regarded as victory but provides details of the Syrian order of battle during the later stages of the conflict and some excellent combat maps.

There is a substantial body of Arabic-language literature on the Lebanon war, the anti-Israeli resistance movement and the political crisis in Lebanon. Karim Pakradouni's *Al Salam al Mafqud* (The Missing Peace, Beirut, 1982) provides a Lebanese Christian perspective on the tragedy; the more extreme Shia philosophy in Lebanon can be found in Mohamed Hussein Fadlallah's *Al Islam wa Mantaq al Quwa* (Islam and the Logic of Force, Beirut, 1985). The Lebanese government published a long and detailed volume on southern Lebanon in 1986 entitled *South Lebanon 1948–1986: Facts and Figures* (Ministry of

Information Department of Lebanese Studies and Publications, Beirut), which provides an interesting analysis of Lebanese guerrilla operations against the Israeli army. The experience of the Multinational Force in Beirut in 1982–4 was the subject of a 1985 seminar in Oslo, attended by several former MNF military commanders and held under the auspices of the Norwegian Institute of International Affairs which later published the lectures of American, French, Italian, British and Lebanese participants.

By far the most harrowing personal account of captivity by any Beirut hostage is that of the French journalist Jean-Paul Kauffman, who wrote at length of his three-year ordeal in Islamic Jihad's prisons in the French magazine *L'Evénement du Jeudi* (issue of 12–18 May 1988).